فتاویٰ علماءِ ہند

جلد-۱۵

تیار کردہ

منتخب علماءِ ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باہتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الہند

فتاوی

علماء ہند

جلد-۱۵

تیار کردہ

منتخب علماء ہند

زیر سرپرستی

حضرت مولانا مفتی انیس الرحمٰن قاسمی

زیر نگرانی

حضرت مفتی محمد اسامہ شمیم الندوی

باھتمام

منظمۃ السلام العالمیۃ

ممبائی۔ الهند

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	:	فتاویٰ علماء ہند (جلد-۱۵)
زیر سرپرستی	:	حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب
زیر نگرانی	:	حضرت مولانا محمد اُسامہ شمیم الندوی صاحب
سن اشاعت	:	جون ۲۰۱۸ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار
کمپوزنگ وڈیزائننگ	:	محمد رضاء اللہ قاسمی
ناشر	:	منظمة السلام العالمية، ممبائی، الهند

یہ کتاب ”منظمة السلام العالمية“ کی
طرف سے ہدیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے
وقف ہے، اس کو بیچنا جائز نہیں ہے۔

منظمة السلام العالمية

Global Peace Organisation (GPO)

Email: gpo.org@yahoo.com Mob. : +91-7303 7076 05

کتاب الصلاۃ

احتیاط الظہر کی بحث

قیام جمعہ کے احکام و مسائل

خطبۂ جمعہ سے متعلق مسائل

جمعہ سے متعلق متفرق احکام

عیدین کے احکام و مسائل

بسم الله الرحمن الرحيم

عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَ، وَعَنْ حُذَیْفَةَ، قَالَا: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ:

”أَضَلَّ اللهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا، فَكَانَ لِلْیَهُودِ یَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارَی یَوْمُ الْأَحَدِ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا فَهَدَانَا اللّٰهُ لِیَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ، وَالسَّبْتَ، وَالْأَحَدَ، وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَنَا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْیَا، وَالْأَوَّلُونَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، الْمَقْضِیُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ“.

(صحیح لمسلم، باب هدایة هذه الأمة لیوم الجمعة، رقم الحدیث: ٨٥٦)

قال اللّٰه تعالی:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی O وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی﴾

(سورة الأعلی: ١٤، ١٥)

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی﴾ (الأعلی: ١٤)

تَزَكّٰی رَجُلٌ مِنْ مَالِهٖ، وَأَرْضَی خَالِقَهُ وَقَالَ آخَرُونَ: بَلْ عَنَی بِذٰلِكَ زَكَاةَ الْفِطْرِ.

(تفسیر الطبرانی: ٢٤/ ٣٢٠، دارهجر)

عن أبی سعید الخدری قال:

كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یخرج یوم الفطر والأضحٰی إلی المصلی فأول شیء یبدأ به الصلاة ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علٰی صفوفهم فیعظهم ویوصیهم ویأمرهم.

(صحیح البخاری، باب الخروج إلی المصلی بغیر منبر، رقم الحدیث: ٩٥٦)

فہرست عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحات

فہرست مضامین (۵۔۳۴)

احتیاط الظہر کی بحث (۴۱۔۷۲)

قیام جمعہ کے احکام ومسائل (۷۳-۱٦۰)

خطبۂ جمعہ سے متعلق مسائل (۱۶۱-۲۹۴)

جمعہ سے متعلق متفرق احکام (۲۹۵-۳۲۴)

☆ ☆ ☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمة الشکر

الحمدُ للّٰهِ أوَّلا و آخِرا، والصلاةُ والسلامُ على نبيّه وصفيّه دائمًا وسَرمَدًا، وعلى آله وصحبه أبدًا أبداً. أما بعد:

رب کریم کا فضل واحسان ہے کہ منظمۃ السلام العالمیہ (ممبئی) کے زیر اہتمام ''فتاویٰ علمائے ہند'' کی پندرہویں جلد تکمیل کو پہنچی۔

اس جلد میں احتیاط ظہر کی بحث، قیام جمعہ کے احکام ومسائل، خطبہ جمعہ سے متعلق مسائل، جمعہ سے متعلق متفرق احکام، عیدین کے احکام ومسائل تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

دنیا میں بالعموم چھوٹی چھوٹی بستیاں اب قصبوں اور شہروں میں تبدیل ہورہی ہیں، دارالافتاء ودارالقضاء کا بھی اہتمام کیا جارہا ہے؛ اس لیے جمعے کے مسائل میں علمائے کرام کی تحقیق جاری ہے۔

بندہ منظمۃ السلام العالمیہ کے احباب کا شکر گزار ہے جن کی محنت شاقہ سے یہ جلد تیار ہوئی ہے۔ (الحمدللہ علی ذلک)

ناظرین کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس علمی وفقہی خدمات کی قبولیت کی دعا فرماتے رہیں اور کمیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی بھی فرماتے رہیں؛ تاکہ ازالہ ممکن ہوسکے۔ وماتوفیقی الا باللہ

بندہ شمیم احمد
ناشر فتاویٰ علمائے ہند
خادم منظمۃ السلام العالمیۃ، ممبئی (انڈیا)

۴/رجمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم،أما بعد!

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنا دین لوگوں تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے پہونچایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تئیس سالہ محنت کے بعد قرآن کریم میں اعلان کردیا کہ ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ یعنی آج میں نے تمہارا دین مکمل کردیا۔

اب اس دین کے مختلف شعبے ہیں اور یہ دین لوگوں تک پہونچانے کے مختلف طریقے ہیں، چناں چہ ان مختلف طریقوں میں ایک اہم طریقہ تصنیف وتالیف کا بھی ہے اور ان مختلف شعبوں میں سے ایک شعبہ افتا وارشاد ہے؛ یعنی مختلف زبانوں میں امت کے سامنے پیش آنے والے مختلف معاملات ومسائل کو قرآن وحدیث وفقہ کی روشنی میں حل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا اس امت کے ساتھ بے حد رحم وکرم ہے کہ اس امت کے علما نے جہاں دوسرے شعبوں پر دھیان دیا ہے، اسی طرح ہر زمانہ میں علما کی ایک جماعت نے فقہ وفتاویٰ کی طرف بھی دھیان دیا ہے؛ تاکہ قرآن کریم کی اس آیت پر مکمل طریقے سے عمل ہوجائے:

﴿وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ﴾

یہ انتہائی خوشی کی بات ہے کہ پچھلے دوسال میں علماء ہندوپاک کے فتاویٰ کو یکجا کیا جارہا ہے تو جس مسئلہ کو تلاش کرنے کے لیے دوسو کتابوں کو کھولنے کی ضرورت تھی، وہ اس ایک انسائیکلوپیڈیا میں تلاش کرنے سے مل سکتا ہے، جو لوگ کسی بھی اعتبار سے اس کام میں تعاون کررہے ہیں، ان کے لیے دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ﴾ کے تحت ان لوگوں کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس موقع پر مجھے میرے والد صاحب حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی یاد آگئی، ان کو کتابوں سے بہت شغف تھا اور میں نے خود دیکھا ہے کہ جب مرکز نظام الدین اپنے کمرہ میں داخل ہوتے تو الماریوں میں رکھی کتابوں کو دیکھ کر خوب روتے تھے اور فرماتے تھے کہ ان مصنفین نے کتنی محنت کرکے یہ کتابیں لکھی ہیں، پھر دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ ان مصنفین کی کتابوں کی ایک ایک سطر کو پوری دنیا میں عام کردے تو اگر والد صاحب رحمہ الہ تعالیٰ اس عظیم کام کو دیکھتے تو ضرور خوشی کا اظہار فرماتے، میں بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان فتاویٰ کی ایک ایک سطر کو پوری دنیا میں عام کرے اور قبول فرمائے۔ آمین

اللہ کی رضا کا طالب

محمد یونس بن حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللّٰہ وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ وبعد!

فقہ وفتاویٰ کی اہمیت اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کی رہبری ودست گیری سے بھلا کون انکار کرسکتا ہے، یہ سلسلہ بہت قدیم ہے، فقہاء کرام نے اس کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کردی ہے، اسی غرض سے فتاویٰ نویسی کے لیے دارالافتاء قائم ہوئے اور جا بجا تدریب وترتیب کے مراکز ومعاہد کھلے۔ ہندوستان صدیوں سے فقہ وفتاویٰ کا مرکز رہا ہے، اس کی خاک سے بڑے بڑے فقہاء اور مفتیان کرام پیدا ہوئے ہیں، جنہوں نے دین وشریعت کے سمندر میں شناوری کرکے قیمتی لعل وگہر جمع کیے، امت کی صحیح رہنمائی فرمائی اور اپنی کتابوں اور تحریروں سے کتب خانوں کو مالا مال کیا، ان کی فقہی کاوشیں اور قلمی سرمایہ کئی کئی ضخیم جلدوں میں مدون ہوچکی ہیں اور کچھ اب بھی ترتیب کی منتظر ہیں۔ اگر اردو داں زبان میں کتب فتاویٰ یکجا کی جائیں تو مستقل لائبریری کی ضرورت ہوگی، چوں کہ ہندو پاک کے اکثر علاقوں کے حالات ومسائل میں یکسانیت کی وجہ سے فتاویٰ میں تکرار تھا؛ اس لیے ضرورت تھی کہ کوئی ایسا جامع مجموعہ تیار ہوکر منظر عام پر آئے، جس میں تمام مسائل کا احاطہ کرنے کے ساتھ مکررات کو حذف کرکے صرف اہم فتاویٰ شامل کیے گئے ہوں؛ تاکہ فقہ وفتاویٰ کا یہ مجموعہ ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہو اور اصحاب فقہ وارباب افتا کے لیے استفادہ کی راہ ہموار ہو۔

زیر نظر کتاب ''فتاویٰ علماء ہند'' اسی ضرورت کی تکمیل ہے، جو قرآن وحدیث اور قدیم فقہی کتابوں کی عبارات وحوالہ جات سے مزین ہے، فی الحال اس کی تین جلدیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، امید ہے کہ پورا کام ساٹھ جلدوں اور تیس ہزار صفحات، میں سما سکے گا، پھر ان کو عربی وانگریزی اور دیگر زندہ ورائج زبانوں میں بھی منتقل کیا جائے گا۔ تکمیل کے بعد یقیناً یہ ایک علمی انقلاب ہوگا اور ہر صاحب علم وذوق کی تسکین کا باعث بھی۔ بلاشبہ یہ ایک ایسا علمی کارنامہ اور وقتی ضرورت ہے، جس کا عالم اسلام کے علماء کو برسوں سے انتظار تھا، یہ اردو زبان میں فتاویٰ کا انسائیکلوپیڈیا ہوگی۔

نامور صاحب نظر عالم دین اور میدان فقہ وافتا وقضا کے مشہور شہسوار حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی ناظم امارت شرعیہ بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ کی ترتیب، تحقیق اور تعلیق سے یہ عظیم کارنامہ منصۂ شہود پر آیا ہے اور اس کے استناد کے لیے موصوف کا اسم گرامی ہی کافی ہے۔ اس کے باوجود عصر حاضر کے ممتاز اہل قلم اور نامور شخصیات نے تائید وتصویب بھی فرمادی ہے، جس سے اس کا اعتبار ووقار دوچند ہوگیا ہے۔ اس مجموعے میں نئے مسائل کو خصوصیت کے ساتھ شامل کیا گیا ہے اور ہر باب کو مسائل کے لحاظ سے جامعیت دینے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، مقدمہ بڑا تفصیلی اور جامع ہے، جو تین سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، اس تفصیلی مقدمہ میں فقہ وفتاویٰ، ادلۂ اربعہ، امام اعظم ابوحنیفہ اور ہندو پاک کے دیگر فقہاء کی خدمات، دارالافتاء کا تعارف، کتب فتاویٰ کی خصوصیات وغیرہ پر سیر حاصل بحث موجود ہے۔ اس کام کی نگرانی عزیز القدر مولوی محمد اسامہ شمیم ندوی نے کی ہے، وہ ایک متحرک سرگرم نوجوان فاضل اور علمی ذوق کے حامل عالم ہیں، مرتب کتاب، نگراں، ناشر اور دیگر معاونین بجا طور پر شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ ان سب کو شایان شان صلہ عطا فرمائے، موانع دور فرما کر اگلے مرحلہ کے لیے راہ ہموار کرے اور سہولت مہیا فرمائے، اپنی مرضیات پر چلائے اور اخلاص نصیب فرمائے۔ (آمین) والسلام

محمد مستقیم ندوی

خادم التدریس والقضاء والافتاء، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۱/۱۲/۱۴۳۷ھ، مطابق ۲۴/۹/۲۰۱۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. أما بعد!

اسلام ایک کامل اور مکمل دین ہے، حدیث جبرائیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اس دین کے تین اہم شعبے ہیں: (۱) ایمانیات؛ یعنی عقائد، اس پر متکلمین نے مکمل کام کیا۔ (۲) احسانیات، جس کو تزکیہ نفس اور تصوف کہتے ہیں، جس میں اصلاح نفس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ (۳) اسلامیات؛ یعنی احکامات عملیہ، اس شعبہ پر فقہاء کرام نے پوری محنت فرمائی اور انسان کی پیدائش سے موت تک کے مکمل احکامات کو نہایت آسان اور عام فہم ترتیب سے مرتب فرما دیا، انہیں حضرات کی رہنمائی میں آج پوری امت سنن نبویہ علی صاحبھا الصلوات والتسلیمات پر عمل پیرا ہے، حضرت مولانا اسامہ شمیم ندوی صاحب کی بھیجی ہوئی کتاب (فتاویٰ علماء ہند) جلد چہارم (کتاب الصلوٰۃ) موصول ہوئی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی (ناظم امارت شرعیہ) اور مولانا اسامہ شمیم ندوی (نگراں فتاویٰ علماء ہند) دونوں حضرات کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے کتب فقہ کی متعدد کتابوں سے چن چن کر حوالہ جات کے ساتھ (الصلوٰۃ) کے سارے مسائل کو فتاویٰ علماء ہند کے جلد: ۴ میں باب وار اور مختلف عنوانات کے تحت جمع کر دیا، اس کتاب کا فائدہ تو پڑھنے سے ہی ہوگا۔ مرتب صاحب نے صرف مسائل کو لکھ نہیں دیا؛ بلکہ پوری محنت اور کاوش سے احادیث وروایت کی تخریج بھی فرمائی ہے، جو بہت ہی محنت اور ہمت کا کام ہے، جب انسان ہمت سے کام شروع کر دے تو توفیق بھی دستگیری فرماتی ہے اور ہمت وتوفیق کا حسین امتزاج ہی خدا کی وہ نعمت ہے، جس سے انسان کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مقبول عام وخاص عطا فرمائیں۔ آخیر میں پھر دعا ہے کہ اللہ تبارک اس کتاب کو نگراں ومرتب کے لیے ذریعۂ نجات اور ہمارے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں اور دنیا وآخرت کی پریشانیوں اور پشیمانیوں سے محفوظ ومامون فرمائیں۔ (آمین)

محتاج دعا
محمد طیب الرحمٰن غفرلہ
امیر شریعت وامیر ندوۃ التامیر
شمال مشرق ہند (آسام)

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، سیدنا محمد بن عبداللّٰہ ورسولہ، وأمینہ علی وحیہ، وصفوتہ من خلقہ، وعلی آلہ وصحبہ، ومن دعا بدعوتہ واھتدی بھدیہ إلی یوم الدین،أما بعد :

باری تعالی کا احسان ہے کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے فتاویٰ علمائے ہند کی پندرہ ویں جلد کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی اس جلد میں متفرقات جمعہ وعیدین کے احکام ومسائل شامل کئے گئے ہیں۔عید الفطر کی شب میں عبادت کرنا مستحب ہے،جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان کے متعلق میری امت کو خاص طور پر پانچ چیزیں دی گئی ہیں، جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں۔جن میں سے ایک یہ ہے کہ رمضان کی آخری رات میں روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔صحابہؓ کرام نے عرض کیا کہ کیا یہ شبِ مغفرت شبِ قدر ہی تو نہیں ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، بلکہ دستور یہ ہے کہ مزدور کا کام ختم ہوتے ہی اسے مزدوری دے دی جاتی ہے۔ (مسند احمد، بزار، بیہقی، ابن حبان) معلوم ہوا کہ عید کی رات میں بھی ہمیں عبادت کرنی چاہیے اور اس بابرکت رات میں خرافات میں لگنے اور بازاروں میں گھومنے کے بجائے عشاء اور فجر کی نمازوں کی وقت پر ادائیگی کرنی چاہیے، نیز تلاوتِ قرآن، ذکر واذکار اور دعاؤں میں اپنے آپ کو مشغول رکھنا چاہیے یا کم از کم نمازِ عشاء اور نمازِ فجر جماعت کے ساتھ ادا کریں۔کوشش کی گئی ہے کہ ہر مسئلہ قران وحدیث کے نصوص اور فقہی جزئیات کی عربی عبارات سے مدلل کیا جائے،ان شاء اللہ اس کتاب کے ذریعہ اہل علم اور طالبانِ علمِ دین کو فائدہ پہنچے گا۔

فتاویٰ کے سوال وجواب کو بعینہ ذکر کیا گیا ہے ساتھ ہی تمام فتاویٰ میں اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کیا گیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتی بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی،احادیث نبوی،صحابہ وتابعین کے اقوال وآثار کو اہتمام کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ اور بھی زیادہ مدلل ہوگئے ہیں۔

الحمد للہ اس طرح ہمارے اکابرین کا یہ علمی وفقہی سرمایہ منظمہ السلام العالمیہ کے زیر اہتمام بندہ کی نگرانی میں اور حضرت مولانا انیس الرحمٰن قاسمی صاحب کے زیر سرپرستی علمائے ہند کی ایک بڑی جماعت ملک وبیرون ملک کے مختلف مقامات پر اپنی خدمات انجام دے رہی ہے کہیں جمع وترتیب کا سلسلہ ہے تو کہیں تحقیق ونظر ثانی پر کام ہورہا ہے اور بعض مقامات پر عربی وانگریزی ترجمہ کا اہتمام کیا جارہا ہے اس کے بعد ملک کے مشاہیر مفتیان کرام کی نگاہوں سے اس مجموعہ کو گزار کر اس کی توثیق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ مجموعہ مؤثق ہوکر مؤید من اللہ ہوجائے، پھر طباعت کے بعد پورے عالم کے تمام اہم دینی اداروں میں ہدیہ لوجہ اللہ ارسال کرنے کی ترتیب بنائی جاتی ہے، ماشاء اللہ ہمارے مفتیان کرام بڑی ہمت وجانفشانی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔ میں شکر گزار ہوں علماء ومفتیان کرام کا جنھوں نے میری گزارش پر اپنے تاثرات تحریر فرمائے ہمت افزائی فرمائی اور دعائیں دی،اللہ تعالی کا احسان ہے کہ فتاوی علمائے ہند کا یہ سلسلہ اہل علم میں خوب مقبول ہورہا ہے لیکن بہر صورت یہ ایک بشری کاوش ہے جس میں خطا وثواب کا امکان ہے چنانچہ اہل علم سے گزارش ہے کہ متنبہ فرماتے رہیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں ازالہ ممکن ہوسکے۔ میں شکر گزار ہے اپنے بزرگوں اور اپنے ساتھیوں کا جنھوں نے اس جلد کو تیار کرنے میں انتھک کوشش ومحنت کی اور اس ناکارہ کا خوب ساتھ دیا، اللہ تعالی بہترین جزائے خیر عطا فرمائے اور اسے ذخیرہ آخرت بنائے۔ بندہ کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔

بندہ محمد اسامہ شمیم ندوی
رئیس المجلس العالمی للفقہ الاسلامی ممبئی (الہند)

۱۴؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ، مطابق: ۲؍ مارچ ۲۰۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیة

الحمد للّٰہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ: أما بعد:

جمعہ کی نماز فرضِ عین ہے اور اس کی فرضیت ظہر سے زیادہ مؤکد ہے؛ یعنی ظہر کی نماز سے اس کی تاکید زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو تین جمعے سستی کی وجہ سے چھوڑے، اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر کردے گا اور ایک روایت میں ہے، وہ منافق ہے اور اللہ سے بے علاقہ اور چوں کہ اس کی فرضیت کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے، لہٰذا اس کا منکر کافر ہے۔ جمعہ کے دن کی فضلیت یہ ہے کہ یہ دن ہفتے کے سارے دنوں کا سردار ہے، ایک حدیث میں ہے کہ سب سے بہتر دن جس پر آفتاب طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے، اس دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کو جنت میں داخل کیا گیا، اسی دن ان کو جنت سے نکالا (اور دُنیا میں) بھیجا گیا اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ احناف کے یہاں صحتِ جمعہ کے لیے کچھ اہم شرطیں ہیں، شہریت کے علاوہ ان میں ایک اہم شرط خطبہ بھی ہے؛ مگر جمعہ کے لیے کوئی خاص خطبہ مقرر نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، درود شریف، قرآنی آیات واحادیث مبارکہ، ذکر الٰہی، وعظ ونصیحت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تذکرے پر مشتمل کوئی بھی خطبہ پڑھا جاسکتا ہے۔ خطبہ جمہور علماء کے نزدیک جمعہ کے انعقاد کے لیے ضروری اور اہم شرط ہے، یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے۔

نماز عیدین (عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ) کتاب اللہ، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ مشرکین مختلف اوقات ومقامات میں مختلف تہوار مناتے تھے، چناں چہ اسلام نے اسے ختم کرکے عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے تہوار مقرر کئے، جن کا مقصد رمضان المبارک کے روزے اور بیت اللہ کے حج جیسی عظیم عبادات کی بجا آوری پر اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ شانہ کا شکر ہے کہ اس نے ''فتاویٰ علماء ہند'' کی نماز کے مسائل سے متعلق ''جلد-۱۵'' کی تکمیل کی توفیق مرحمت فرمائی، اس جلد میں جمعہ کے دیگر متفرق مسائل، عیدین سے متعلق مسائل کو شامل کیا ہے، سابقہ جلدوں کی طرح فتاویٰ علماء ہند کے اس حصہ (۱۵روین) میں فتاویٰ کے سوال وجواب کو من وعن نقل کرنے کے ساتھ ہر فتویٰ کے ساتھ اصل کتاب کے حوالہ کو بھی درج کردیا ہے اور حاشیہ میں دیگر مفتیٰ بہ مسائل کا اضافہ بھی کیا ہے۔

امید ہے کہ علما، ائمہ، اہل مدارس اور اصحاب افتا خاص طور پر اس سے فائدہ اٹھائیں گے، حواشی میں فقہی عبارتوں کے علاوہ آیات قرآنی، احادیث نبوی، صحابہ وتابعین کے آثار واقوال کو اہتمام کیا گیا ہے، جس کی وجہ سے یہ فتاویٰ مدلل بھی ہوگئے ہیں۔

میں اس موقعہ سے محبّ گرامی انجینئر شمیم احمد صاحب زید مجدھم اور ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن کے ارکان ومعاونین کا شکر گزار ہوں، جن کی توجہ سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ رہا ہے۔ اللہ ان تمام معاونین ومخلصین کی اس سعی جمیل کو قبول فرمائے اور میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

(انیس الرحمٰن قاسمی)

ناظم امارت شرعیہ پٹنہ وچیرمین ابوالکلام ریسرچ فاؤنڈیشن، بہار

۲۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ

احتیاط الظہر کی بحث

احتیاطی ظہر ادا کرنے والے کے پیچھے نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک امام صاحب کھلم کھلا کہتا ہے کہ یہاں جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، اس واسطے ہم احتیاطی ظہر بھی ادا کرتے ہیں۔اس کے پیچھے جمعہ کی نماز درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ اقتداء الشافعی فی الوتر کی نظیر ہے اور اس میں اختلاف ہے۔

قال فی الإرشاد: إنه لایجوز أصلاً باجماع أصحابنا لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل. (ردالمحتار ووافقه ابن الهمام فی الفتح)(۱)

مگر اصح یہ ہے کہ بشرطیکہ امام نے صرف وتر کی نیت کی ہو، سنت وتطوع بالوتر کی نیت نہ کی ہو۔

صرح فی التجنیس: أن الامام إن نویٰ الوتر وهو یراه سنة جاز الاقتداء کمن صلی الظهر خلف من یریٰ الرکوع سنة وإن نواه بنیة التطوع لا یصح لأنه اقتداء المفترض بالمتنفل، آه. (ردالمحتار: ۱/۶۹۹)(۲)

وفی التنویر: صح الاقتداء فیه بشافعی لم یفصله بسلام علی الأصح للاتحاد وإن اختلف الاعتقاد. (۳)

اس جزئیہ کا مقتضایہ ہے کہ قول اصح پر اس شخص کے پیچھے نماز جمعہ صحیح ہے، جب کہ وہ جمعہ کی نیت کرتا ہو، نفل جمعہ کی نیت نہ کرتا ہو اور ظاہر یہی ہے کہ جو امام ہندوستان میں جمعہ کو صحیح نہیں مانتا، وہ نماز جمعہ پڑھنے کے وقت تنفل بالجمعہ کا قصد نہیں کرتا؛ بلکہ فرض جمعہ، یا مطلق جمعہ کی نیت کرتا ہے؛ اس لیے اس کے پیچھے جو جمعہ پڑھے گئے ہوں، ان کی قضا لازم نہیں۔ ہاں جو تصریح کردے کہ میں تنفل بالجمعہ کی نیت کرتا ہوں، اس کے پیچھے نمازِ جمعہ صحیح نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۱۴/صفر ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/۳۹۵)

بانی، یا کسی دوسرے شخص کا نماز جمعہ ادا کرنے سے منع کرنے کے متعلق اذن عام فوت ہونے پر شبہ کا جواب:

سوال: ایک محلّہ میں قریب ستر برس سے ایک پختہ مسجد واقع ہے، جس میں قریب ستر آدمی اس محلّہ کے اور سات

(۱-۲) ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۸، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) تنویر الأبصار متن الدرالمختار علی صدر ردالمحتار، باب الوتر والنوافل: ۲/۷-۸، دارالفکر بیروت، انیس

آٹھ آدمی دوسرے محلّہ کے جمعہ کے دن نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، گذشتہ رمضان شریف کے بعد ایک دن اکثر کی رائے سے کسی طالب علم کی امداد کے لیے حسب توفیق دو چار آنہ پیسے لانے کے لیے مصلیوں کو کہہ دیا گیا تھا۔ دوسرے جمعہ کو بعد ادائے نماز جمعہ کے چندہ مذکورہ وصول ہونے لگا؛ لیکن دوسرے محلّہ کے سات آٹھ آدمیوں نے کہا کہ ہمارے گھر جانے سے ہم دیں گے، ورنہ نہیں۔ اس بات پر بانی مسجد کے دو پوتوں میں سے۔۔۔صاحب نے (جو چھوٹے ہیں اور متولی مسجد مذکور بھی نہیں ہیں؛ مگر دنیوی سرداروں میں سے تھے) زجراً وتنبیہاً کہا تم لوگ ہمیشہ امر خیر میں ہمارے ساتھ شرکت نہیں کرتے ہو، اس مسجد میں نماز پڑھنے مت آو؛ لیکن اس کے بعد کے جمعہ میں ان ممنوعین سے دو تین آدمی اس مسجد میں نماز پڑھنے آئے اور بلا روک ٹوک بدستور سابق نماز جمعہ پڑھی اور اس منع کا تذکرہ تک نہ ہوا اور باقی تین چار آدمی اس مسجد میں نہ آئے۔ دوسری مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کی اور اس بات پر اڑے رہے کہ جب تک مانع ہم لوگوں کو بلا کر نہ لے جائے، ہم لوگ اس مسجد میں نہیں جاتے، اب ویسا ہی کیا گیا۔

لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ گذشتہ سات آٹھ مہینہ تک جو ممنوعین اس مسجد میں نہیں آئے، اس سے بوجہ فوت ہونے شرط اذن عام باقی مصلیوں کی نماز جمعہ شرعا درست ہوئی، یا نہیں؟ اور اس قسم کے منع سے اذن عام مرتفع ہو گیا تھا، یا نہیں؟ اس میں حق کیا ہے اور اذن عام وقت جمعہ کے مشروط ہے، یا قبل جمعہ کے؟ بینوا توجروا۔

الجواب ـــــــــــــــ من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں صرف۔۔۔صاحب کے منع کرنے سے اذن عام فوت نہیں ہوا، اذن عام ایسے شخص کی ممانعت سے فوت ہوتا ہے، جس کی مخالفت پر عوام قادر نہ ہوں، مثلا حاکم وقت منع کر دے اور حاکم وقت کی ممانعت سے بھی اذن عام اس وقت فوت ہوتا ہے، جب کہ کسی بستی میں مطلقاً جمعہ پڑھنے سے منع کر دے اور اگر کسی ایک جگہ سے منع کرے اور دوسری جگہ سے منع نہ کرے تو اذن عام فوت نہیں ہوتا، نماز جمعہ اس بستی کی ہر مسجد میں صحیح ہوگی اور۔۔۔ صاحب کی یہ حرکت خلاف شرع تھی کہ ان سے چندہ وصول کرنے پر اصرار اور جبر کیا اور نمازیوں کو نماز سے روکا، اس کو اعلانیہ اپنی حرکت سے توبہ کرنی چاہیے اور خدا تعالی سے استغفار کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفی عنہ

الجواب ـــــــــــــــ من جامع تتمہ امدادالاحکام

ظاہر یہی ہے کہ صرف زبان سے کہہ دینے کی وجہ سے اذن عام مرتفع نہیں ہوتا، الا آنکہ کہنے والا صاحب حکومت ہو اور فعلا منع کرنا حاکم، وغیر حاکم ہر دو کی جانب سے ہوسکتا ہے؛ یعنی اگر غیر حاکم بھی مسجد کا دروازہ بند کر دے، یا پہرہ زبردست دروازہ پر لگا دے تو اذن عام فوت ہو جائے گا اور یہ سب تفصیل جب ہے، جب کہ وہاں ایک ہی جمعہ ہوتا ہو اور اگر دوسری جگہ بھی جمعہ ہوتا ہو تو بہر حال جمعہ جائز ہو جائے گا۔

فی الشامی: قلت وینبغی أن یکون محل النزاع ما إذا کانت لاتقام إلا فی محل واحد أما لو تعددت فلا؛ لأنه لایتحقق التفویت، کما أفاده التعلیل، تأمل. (۱)

پس صورت مسئولہ میں جمعہ صحیح ہوتا رہا۔ واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ، ۱۰/ جمادی الآخر ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۹۷)

حضرت نانوتویؒ کے ایک فتوے سے جواز جمعہ فی القری کے شبہ کا ازالہ اور شہروں میں احتیاط ظہر کا حکم:

سوال: حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کا ایک فتوی فیوض قاسمی میں درج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جمعہ حتی الوسع شہروں میں قائم کرنا چاہیے اور ظہر بھی ضرور پڑھنا چاہیے اور اگر کوئی شخص گاؤں میں جمعہ قائم کرے، اس سے دست وگریباں نہ ہونا چاہیے، اس سے جواز جمعہ فی القری ثابت ہوتا ہے، احناف کو اس پر عمل کرنا چاہیے، یا نہیں؟ علماء احناف کی جواز جمعہ فی القری مع التزام احتیاط ظہر کیا رائے ہے؟

الجواب

حضرت مولانا مولوی قاسم صاحبؒ کے اس ارشاد کا حاصل صرف یہ ہے کہ چوں کہ دیہات میں جمعہ کا صحیح ہونا نہ ہونا ائمہ میں مختلف فیہ ہے؛ اس لیے حنفیہ کو اس میں دوسرے مذہب کے لوگوں سے جھگڑنا نہ چاہیے اور واقعی مسائل مجتہد فیہا میں جھگڑنا مناسب نہیں؛ مگر مولانا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حنفیہ کو دیہات میں جمعہ قائم کرنا جائز ہے؛ کیوں کہ جب ان کے مذہب میں جمعہ فی القری صحیح نہیں تو ان کو ایسا کب جائز ہے۔

رہا شہروں میں جمعہ کے ساتھ ظہر پڑھنے کا حکم ہی اس وقت کا ہے، جب کہ ہندوستان میں شرط سلطان فوت ہونے کی وجہ سے صحت جمعہ میں علما کو اختلاف تھا کہ یہاں کے شہروں میں بھی جمعہ صحیح ہے، یا نہیں؟ بعض لوگ اس وجہ سے شہر میں بھی جمعہ کو صحیح نہ مانتے تھے اور بعض شہر میں بھی جمعہ کے ساتھ احتیاط ظہر پڑھتے تھے، ہمارے اکابر نے اس کو رد کیا اور عامہ اہل اسلام کو قائم مقام سلطان کے فرمایا؛ مگر مولانا قاسم صاحبؒ جمعہ کے ساتھ احتیاط ظہر کو بہتر سمجھتے تھے اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فسادِ عقیدہ عوام کی وجہ سے اس کو منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب امصار میں جمعہ دلیل سے صحیح ہے تو ہندوستان کے شہروں میں جمعہ وعیدین درست ہیں احتیاط ظہر کی ضرورت نہیں؛ بلکہ فساد عقیدہ عوام کے انسداد کے لیے احتیاط ظہر سے شہروں میں اور جمعہ قائم کرنے سے دیہات میں سختی کے ساتھ منع کیا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی یہ تحریر بطور فتوے کے نہیں؛ بلکہ علل احکام سے بحث کے طور پر ہے، جیسا کہ اس کے مطالعہ سے واضح ہے اور عالم کا فتوی تو عوام کے حق میں حجت ہوسکتا ہے، نہ کہ اس کی بحث اور تدقیق ردالمحتار میں تصریح ہے کہ ابن الہمام کی ابحاث حجت نہیں؛ کیوں کہ وہ عالمانہ گفتگو ہوتی ہے، نہ کہ فتوی اور فیصلہ۔

۲/ محرم ۱۳۴۹ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۴۱۲-۴۱۳)

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۲/ ۱۵۲، دار الفکر بیروت، انیس

جو شخص ہندوستان میں کہیں بھی جمعہ کو جائز نہ سمجھتا ہو اور خود پڑھاتا ہو اور احتیاط الظہر کا کیا مسئلہ ہے:

سوال: جس قصبے کی آبادی دس ہزار سے زائد ہو اور جہاں متعدد مسجدوں میں اب بھی نماز جمعہ پڑھی جاتی ہو، ایسی بستی کا ایک شخص کہ جس کا شمار جاننے والوں میں کیا جاتا ہو اور وہ اس خیال سے کہ ہندوستان میں کسی جگہ بھی جمعہ صحیح نہیں۔ پچاس سال کی عمر ہونے تک جمعہ کی نماز نہ پڑھے اور صرف ظہر کی نماز ادا کیا کرے؛ مگر جب دو روپے ماہوار مقرر کر دیئے جائیں تو چند سال جمعہ کی نماز کی امامت کرے اور جب اس خدمت سے موقوف ہو تو معاً ہی نماز جمعہ بھی چھوڑ بیٹھے اور ایسا کرنے میں کوئی موانع، یا عذرات شرعی نہ ہوں، نہ جن مسجدوں میں جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے، وہاں تک جانے سے مجبور ہو تو اس شخص کا مندرجۂ بالا عمل درست سمجھنے کے لیے کوئی شرعی دلیل ہونا ممکن ہے؟ اگر شرعی حکم کے خلاف ہو تو اس عمل کے لیے اور ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ جمعہ کی نماز کے بعد اگر کوئی احتیاط نہ پڑھے تو اس پر کوئی مذہبی نقص، یا شرعی حرف آ سکتا ہے؟ اگر احتیاط پڑھنے کا حکم دیں تو فرمائیں کہ اس کی نیت کس طرح کی جائے؟ احتیاط کو واجب کہا جائے تو واجب کہنا درست ہے؟

(المستفتی: محمد خاں منشی، قصبہ دھولقہ احمد آباد گجرات، ۳؍ ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ)

الجواب

اس شخص کا یہ فعل اس کی بے باکی اور امور دینیہ کی جانب سے بے پروائی پر دلالت کرتا ہے اور اس میں خوف کفر ہے؛ کیوں کہ اگر کسی شبہ کی وجہ سے وہ اس جگہ جمعہ جائز نہیں سمجھتا تھا تو پھر دو روپے لے کر جمعہ پڑھا دینے کے کیا معنی، گویا وہ اپنے خیال کے مطابق نفل بالجماعۃ پڑھتا ہے؛ لیکن لوگ اس کے پیچھے جمعہ کی نیت سے نماز پڑھتے ہیں اور وہ مفترض ہیں اور امام متنفل تو ان کی نماز اس کے پیچھے جائز نہیں اور یہ بھی دو روپے کے لالچ سے ان کی نمازیں فاسد کرنے پر آمادہ ہو گیا، نفل کی نیت ہونا اس کا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ پہلے جمعہ پڑھتا تھا اور نہ تنخواہ بند ہونے کے بعد جمعہ پڑھتا رہا اور اگر جمعہ کو فرض سمجھنے کے باوجود جمعہ نہیں پڑھتا؛ تاہم فاسق ہے اور اس صورت میں امامت تو اس کی صحیح ہوگی اور اجرت بھی جائز۔ لوگوں کی نماز بھی ہو جائے گی؛ مگر یہ خود ترک جمعہ کی وجہ سے فاسق ہوگا؛ مگر چوں کہ سوال میں تصریح ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی شہر میں بھی جواز جمعہ کا قائل نہیں؛ اس لیے پہلا احتمال متعین ہے اور اس کا یہ خیال کہ کہیں جمعہ نہیں ہوتا غلط ہے۔ فقہا کی تصریح موجود ہے کہ ایسے شہروں میں جہاں کفار حاکم ہوں، مسلمانوں کو جمعہ وعیدین پڑھنا جائز ہے۔ (۱) پس بنابر قول راجح اور مختار اور معمول بہ کے شخص مذکور ترک جمعہ کی وجہ سے فاسق ہے۔ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا ناجائز ہے، واجب کہنا چہ معنی دارد؟ نہ پڑھنے میں نقصان ہونا کجا؟ بلکہ نہ پڑھنا متعین ہے۔

کتبہ: محمد کفایت اللہ غفرلہ سنہری مسجد دہلی، مہر دار الافتا مدرسہ امینیہ اسلامیہ دہلی۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۱۸-۲۱۹)

---

(۱) فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين اقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلميمن، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٤٤، ط: سعيد)

بعد جمعہ احتیاط الظہر کی نیت سے چار رکعت پڑھنا:

سوال: جمعہ کے بعد چار رکعت احتیاط الظہر کی نیت سے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

جمعہ کے بعد چار رکعتیں جو بہ نیت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہیں،(۱) نماز جمعہ کے بعد جو نماز پڑھی جائے، وہ بہ نیت سنت، یا نفل پڑھی جائے، ظہر کی نماز کی نیت، یا ارادہ نہ ہو۔ اب یہ سوال باقی رہتا ہے کہ جمعہ کے بعد سنتوں کی کتنی رکعتیں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تعداد رکعات میں اختلاف ہے، بعض کے نزدیک صرف چار رکعتیں ہیں اور بعض کے نزدیک صرف دو اور فقہا نے دونوں قولوں کو جمع کر کے چھ رکعتیں اس لیے بتائی ہیں کہ چار والوں کا قول بھی پورا ہو جائے اور دو والوں کا بھی۔ اس سے آپ کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی کہ یہ چھ رکعتیں خالص سنت کے ارادہ سے پڑھنی چاہئیں اور اگر کوئی صرف چار پڑھ لے تو وہ بھی قابل گرفت نہیں ہے اور جو صرف دو پڑھ لے، وہ بھی مستحق ملامت نہیں ہے اور جو چھ پڑھے، وہ افضل و اولیٰ پر عمل کرنے والا ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۹/۳) ☆

---

(۱) و فی البحر: " وافتیت مراراً بعدم صلاۃ الأربع بعدھا بنیۃ آخر ظھر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا، الخ. (الدر المختار علیٰ ھامش ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۱۳۷/۲، ط: سعید)

(۲) والسنۃ قبل الجمعۃ أربع وبعدھا أربع وعن أبی یوسف السنۃ بعد الجمعۃ ست رکعات وھو المروی عن علی رضی اللّٰہ عنہ والأفضل أن یصلی أربعاً ثم رکعتین للخروج عن الخلاف. (الحلبی الکبیر، باب النوافل ص: ۳۸۹، ط: سھیل اکادمی لاھور)

☆ احتیاط الظہر اور سنن بعد الجمعہ:

سوال: جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور فرض جمعہ کے بعد کتنی سنت پڑھنی چاہیے؟

الجواب

جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ اس سے عدم فرضیت جمعہ کا شبہ ہوتا ہے۔ درمختار میں بحر سے منقول ہے: وفی البحر وقد أفتیت مراراً بعدم صلاۃ الأربع بعدھا بنیۃ الظھر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ وھو الاحتیاط فی زماننا، الخ. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعۃ: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

اور جمعہ کے بعد چار سنت مؤکدہ ہیں اور درمختار میں ہے: " وأربع قبل الجمعۃ وأربع بعدھا، الخ" اور شامی میں ہے: " وعن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: من کان منکم مصلیاً بعد الجمعۃ فلیصل أربعاً. (سنن الترمذی، باب ماجاء فی الصلاۃ قبل الجمعۃ وبعدھا: ۱۱۷/۱، قدیمی، انیس)

جواب صحیح ہے اور بعد جمعہ کے چار سنتوں کا مؤکدہ ہونا تو متفق علیہ ہے، اس کے بعد دو سنتوں کے مؤکدہ ہونے میں ائمہ حنفیہ مختلف ہیں، کما ذکرہ فی شرح المنیۃ. پس احتیاط اسی میں ہے کہ بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھی جاویں۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

کتبہ احقر محمد شفیع غفرلہ (امداد المفتین: ۳۳۷/۲)

==

تعدد جمعہ کے جواز وعدم جواز کے شبہ کے باوجود جمعہ اور شبہ کی وجہ سے احتیاط الظہر پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اسولہ ثلاثلہ کا خلاصہ یہ ہے بصورت اشتباہ جواز وعدم جواز تعدد جمعہ پڑھنا کیسا ہے؟ اور جہاں مصر ہونے میں شبہ ہو، وہاں جمعہ پڑھا جائے، یا نہیں؟ اور پڑھے جانے کی صورت میں احتیاط الظہر پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

نعم إن أدّٰى إلٰى مفسدة لا تفعل جهاراً، والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلك أمثال هٰذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم، انتهٰى. (۱)

== **بعد نماز جمعہ چار رکعت کس نیت سے پڑھی جائے:**

سوال: بہت علما کہتے ہیں کہ جمعہ کے بعد جو چار رکعت سنت پڑھی جاتی ہے، اس کو احتیاط الظہر پڑھو تو یہ سنت اس طریقہ سے پڑھی جاوے، یا کہ نہیں؟ اور بعد چار سنت کے دو سنت اور دو نفل جو پڑھی جاتی ہے تو اس کی نیت کس طرح سے کرے؟ ظہر کی نیت کرے، یا کہ بعد از جمعہ کر کے نیت کرے؟

(المستفتی: ۱۱۷۳، عبدالرزاق صاحب (ضلع میدنی پور) ۲۰؍ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، ۸؍ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

جمعہ کے بعد چار سنتیں سنتوں کی نیت سے پڑھنی چاہیے، احتیاط الظہر کی نیت سے پڑھنا درست نہیں۔ (**والسنة قبل الجمعة أربع وبعدها أربع. (الحلبي الكبير، باب النوافل، ص: ۳۸۹، ط: سهيل اكادمي لاهور) و في البحر: وأفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا، الخ. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۹/۳)

شہر، یا قصبہ میں نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا کیسا ہے؟ اور تارک کو ملامت کرنا درست ہے، یا نہیں:

سوال: ایک شہر، یا قصبہ میں نماز جمعہ کے بعد ظہر احتیاطا پڑھنا ضروری ہے، یا نہیں؟ اور بشرط اختلاف تارک اس کا قابل گرفت ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۷۱۷، فیروز خان صاحب (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ، مطابق ۱۸؍مئی ۱۹۴۲ء)

الجواب

شہر، یا قصبے میں جمعہ کی نماز ادا کی جائے، اس کے بعد ظہر احتیاطی پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، بعض فقہا نے ظہر احتیاطی کی اجازت دی ہے؛ مگر وہ بھی ضروری اور لازمی نہیں بتاتے اور تارک کو ملامت نہیں کرتے اور قول قوی اور راجح یہ ہے کہ جمعہ کے بعد احتیاطی ظہر پڑھنے کا عوام کو حکم نہ کیا جائے، ورنہ ان کے عقیدے خراب ہوں گے اور نہ ان کا جمعہ صحیح ہوگا، نہ ظہر، یہی احوط اور قابل فتویٰ ہے۔ (**قال في الدر المختار: "و في البحر: وأفتيت مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا. (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۰/۳)

(۱) **رد المحتار، باب الجمعة، مطلب في نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱٤٦/۲، دار الفكر بيروت، انيس**

أقول: وقد كثر ذلک من جهلة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشک فی صحة الجمعة بسبب رواية عدم تعددها فی مصر واحد وليست هٰذه الرواية بالمختارة وليس هٰذه القول أعنی اختيار صلاة الأربع بعدها مروياً عن أبی حنيفة و صاحبيه حتٰی وقع لی أنی أفتيت مراراً بعدم صلا تها خوفاً علٰی اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض.(۱)

مع ما لزم من فعلها فی زماننا من المفسدة العظيمة وهو اعتقاد الجهلة أن الجمعة ليست بفرض لما يشهدون من صلاة الظهر فيظنون أنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض فيتكاسلون عن أداء الجمعة فكان الاحتياط فی تركها وعلٰی تقدير فعلها ممن لايخاف عليه مفسدة منها فالأولٰی أن تكون فی بيته خفية خوفاً من مفسد ة فعلها.(۲)

أقول وبالله التوفيق

(۱)　جواز تعدد جمعہ میں کوئی شبہ نہیں، جہاں اقامت جمعہ جائز ہے، وہاں تعدد جمعہ بھی جائز ہے، مذہب مختار اور معتمد اور مفتی بہ یہی ہے، چناں چہ ان عبارات سے صاف طور پر واضح ہے:

(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً علی المذهب وعليه الفتویٰ شرح المجمع للعينی وإمامة فتح القدير دفعاً للحرج.(۳)

(قوله: علی المذهب) فقد ذكر الامام السرخسی أن الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز إقامتها فی مصر واحد فی مسجدين أو أكثر، وبه نأخذ لاطلاق (قوله: لاجمعة إلا فی مصر) شرط المصر فقط وبما ذكرنا أندفع ما فی البدائع من أن ظاهر الرواية جوازها فی موضعين لا فی أكثر وعليه الاعتماد، آه، فإن المذهب الجواز مطلقاً.(۴)

وتؤدی الجمعة فی مصر واحد فی مواضع كثيرة وهو قول أبی حنيفة ومحمد وهو الأصح وذكر الامام السرخسی أنه الصحيح من مذهب أبی حنيفة وبه نأخذ، هٰكذا فی البحر الرائق.(۵)

پس جب کہ مذہب مختار اور مفتی بہ یہی ہے کہ ایک شہر میں چند جگہ جمعہ جائز ہے تو اب اس میں شبہ کرنا فضول ہے، اگر چہ متقدمین سے عدم جواز تعدد کی روایت ہے؛ لیکن جب معلوم ہو گیا کہ ان کا قول ضعیف اور خلاف مذہب ہے اور جب کہ متاخرین نے بالاتفاق اس کے خلاف پر ادلۂ عقلیہ ونقلیہ قائم کر کے جواز تعدد کو مذہب مفتی بہ قرار دے دیا

(۱)　البحر الرائق، باب الجمعة: ۱۵۱/۲، ط: بيروت لبنان

(۲)　البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۱/۲ ـ ۱۵۲، ط: بيروت لبنان)

(۳)　الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۴/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴)　رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب فی نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱۴۵/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۵)　الفتاویٰ الهندية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، انيس

تو اب قول اول کو مبنی شبہ قرار دینا کیسے صحیح ہوسکتا ہے؟ اس کے علاوہ امام سرخسی کے قول سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ امام صاحب کا مذہب صحیح یہی ہے کہ چند مقام پر جمعہ جائز ہے اور عدم جواز تعدد کی روایت امام صاحب سے ضعیف ہے۔

(۲) جب تک کسی مقام کا مصر ہونا متعین نہ ہو جائے، اس جگہ جمعہ نہ پڑھا جائے؛ کیوں کہ مصر شرائط جمعہ سے ہے اور تاوقتیکہ وجود شرط یقینی نہ ہو جائے، وجود مشروط یعنی صحت جمعہ کا یقینی حکم نہیں ہوسکتا اور ایسی حالت میں اقامت جمعہ جائز نہیں اور مصر کی تعریف صحیح معتبر یہ ہے کہ جس جگہ کی کوئی شخص واقعات مختلفہ میں فتویٰ بتانے والا اور ایک ایسا حاکم جو فتنہ فساد کو روک سکے اور مظلوم کی دادرسی کر سکے موجود ہو اور وہاں گلیاں، سڑکیں اور بازار ہوں، وہ مصر ہے، اس بنا پر آج کل تمام ضلع اور اکثر قصبے مصر میں داخل ہیں۔

وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ اقامة الحدود كماحررناه فيما علقناه على الملتقىٰ.

وفي الرد: (قوله: وظاهر المذهب) قال في شرح المنية والحد الصحيح مااختاره صاحب الهداية أنه الذي له أمير وقاض ينفذ الأحكام و يقيم الحدود.(۱)

والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام و بلغت أبنيته أبنية منىٰ، هٰكذا في الظهيرية وفتاوىٰ قاضي خان وفي الخلاصة: وعليه الاعتماد وكذا في التاتارخانية: ومعنى إقامة الحدود القدرة عليها، هٰكذا في الغياثية.(۲)

(۳) جمعہ قائم ہونے کی صورت میں احتیاط الظہر پڑھی جائے، یا نہیں؟ اس کے جواب کے لیے چند امور بطور تمہید کے تحریر کر کے جواب لکھوں گا:

(الف) احتیاط کہتے ہیں عمل بأ قوی الدلیلین کو؛ یعنی اگر کسی مسئلے میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں اور ان دونوں کے لیے دلیلیں ہیں، ان میں سے قوی دلیل پر عمل کرنا احتیاط ہے۔

قال الچلپي في حاشية التلويح: وذكر في جامع السمرقندي أن الأخذ بالاحتياط عمل بأقوى الدليلين وقال في البحر: فليس الاحتياط في فعلها لأنه العمل بأقوى الدليلين وقد علمت أن مقتضىٰ الدليل هو الاطلاق.(۳)

(ب) جب کسی فعل کی دو صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک میں کوئی مفسدہ شرعیہ ہو، لیکن ایک میں مفسدۂ عظیمہ ہو اور دوسری میں اس سے کم تو اس وقت اسی صورت کو اختیار کریں گے، جس میں مفسدہ کم ہو۔ ''من ابتلی ببليتين يختار أهونهما''.(۴) وهذا ظاهر.

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس
(۲) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۵/۱، ط: ماجدية
(۳) باب الجمعة: ۱۵۴/۲، ط: دار المعرفة بيروت لبنان
(۴) البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸۳/۸، دار الكتاب الإسلامي، انيس

(ج) جو فعل عوام کے لیے قابل فتویٰ نہ ہو، صرف خواص کے لیے اس پر عمل جائز ہو، اس کو عام تحریروں اور اردو میں رسالہ، یا فتویٰ کے طور پر شائع کرنا ہرگز جائز نہیں۔ مفتی کا فرض ہے کہ زبانی، یا کسی تحریر کے ذریعے سے جس کا عوام تک پہنچنا غیر مقصود ہو، خواص کو بتائے اوران خواص پر بھی ضروری ہے کہ وہ اس کو مشتہر نہ کریں۔ مشتہر وہی فتویٰ کیا جائے، جو عوام کے عمل کے لائق ہو اور جس میں خواص وعوام یکساں ہوں۔

(د) کتب فتاویٰ فقہیہ میں بعض ایسے مسائل مذکور ہیں، جو خواص کے لیے مخصوص ہیں اوران میں تصریح کی گئی ہے کہ یہ مسائل خواص کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پس ایسے مسائل کو محض اس وجہ سے کہ کتب فتاویٰ میں موجود ہیں، عام فتووں میں تحریر کردینا اور عوام کی حالت کو نہ دیکھنا مفتی کی قلت فہم پر دال ہے۔

بعد تمہید ان مقدمات کے معلوم کرنا چاہیے کہ چوں کہ یہ سوال عام ہے اور مقصود سائل کا یہی ہے کہ اس کے جواب کو طبع کرا کے مشتہر کروں گا؛ اس لیے اس کا جواب مقدمات ممہدہ پر نظر کر کے یہی ہے کہ احتیاط الظہر پڑھنا ناجائز ہے اور اس کی تین وجہیں ہیں:

اول یہ کہ احتیاط الظہر جس کا نام ہے، وہ احتیاط ہی نہیں ہے؛ کیوں کہ احتیاط نام ہے "عمل بأقوی الدلیلین" کا اور یہاں معلوم ہو چکا کہ دلیل قوی یہی ہے کہ جمعہ متعدد جگہ ادا ہو جاتا ہے اور عدم جواز تعدد کا قول ضعیف ہے، لہذا اس پر عمل کرنا احتیاط نہیں ہے، **بحکم المقدمة الأولیٰ كما حققه في البحر الرائق وهٰذا أقول وقد كثر ذلك.**

دوسری وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم اس بات کے کہ یہ احتیاط بمعنی الخروج عن العہدہ بیقین ہے، جیسے کہ علامہ شامی کی رائے ہے، اس کے ادا کرنے میں خوف فساد اعتقاد ہے؛ یعنی ایک فرض کی عدم فرضیت کا اعتقاد ہو جانا بنا بر اکثری حال عوام کے لازم آتا ہے اور نہ کرنے میں صرف ایک وہم عدم خروج عن العہدہ کا ہے اور ظاہر ہے کہ فساد اول؛ یعنی فساد عقیدہ، فساد دوم؛ یعنی وہم عدم خروج سے بدرجہا زائد ہے۔ پس بحکم مقدمۂ ثانیہ ضروری ہے کہ فساد عظیم سے احتراز کیا جائے، گو فساد قلیل کا ارتکاب کرنا پڑے، **وهٰذا ظاهر جداً لمن له نظر وسيع في الفقه ويؤيده قول صاحب البحر: مع ما لزم من فعلها في زماننا، الخ.**

تیسری وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر تسلیم جواز کے یہ حکم خواص کے لیے ہے، نہ کہ عوام کے لیے اور اس بنا پر اس کے جواز کا علی الاعلان حکم دینا اور رسالوں اور فتووں میں شائع کرنا ہرگز کسی روایت فقہی سے ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ خود علامہ شامی جن کا قول اثبات احتیاط الظہر میں بڑے زور شور سے پیش کیا جاتا ہے، خود اپنی تحقیق کے آخر میں لکھتے ہیں: "**نعم إن أدّى إلٰى مفسدة، الخ**" اس عبارت سے اور علامہ مقدسی کے قول سے صاف معلوم ہو گیا کہ عوام کو اس کے کرنے کا حکم ہرگز نہ دیا جائے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اگر احتیاط الظہر میں کوئی مفسدہ ہو تو اس کو کھلم کھلا نہ کرنا چاہیے۔ صاحب البحر الرائق فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں عوام کے عقائد میں اس احتیاط الظہر کی وجہ سے فرضیت ظہر اور عدم فرضیت

جمعہ کا فساد پیدا ہو گیا تھا تو پھر زمانہ حاضرہ کے عوام تو بوجہ قلت علم وعدم توجہ الی الدین صاحب البحر الرائق کے زمانے کے عوام سے زیادہ خطرے میں ہیں اور ان کے عقائد بگڑنے کا اندیشہ بدر جہا زائد ہے۔

اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب فقہا نے خواص کے لیے اجازت دی ہے تو اگر کوئی مفتی اس طرح شائع کرے کہ خواص کے لیے جائز ہے اور عوام کے لیے ناجائز تو اس میں کیا قباحت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس زمانہ میں بوجہ شیوع "**إعجاب كل ذي رأيٍ برأيه**" ایک عام بلا یہ پھیل گئی ہے کہ جاہل سے جاہل اپنے آپ کو خاص؛ بلکہ اخص الخواص خیال کرتا ہے، وہ اس فتوے پر عمل کر کے خود بھی گمراہ ہوگا اور بوجہ قلت مبالات کے دوسروں کو بھی بتائے گا کہ میں نے فلاں رسالہ میں، یا فتوے میں دیکھا ہے کہ احتیاط الظہر جائز ہے۔ پس سب کے سب **ضلوا و أضلوا** کے مصداق ہو جائیں گے۔

پھر یہ کہ علامہ مقدسی کے قول "**بل ندل عليه الخواص**" سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام کو اس کے جواز کی خبر بھی نہ دینی چاہیے۔ صرف خواص کو مفتی بطور خود خفیۃً اجازت دے۔ سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ اس قسم کے فتویٰ سے عوام میں ایک اور فساد پیدا ہوگا کہ شریعت بھی دو قسم کی ہے، ایک خواص کے لیے اور ایک عوام کے لیے اور اس کے مسائل بھی خاص و عام ہیں اور یہ تصور متضمن فسادات غیر متناہیہ ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ احتیاط الظہر بحکم فتویٰ ناجائز ہے اور اس کی اجازت عامہ تمام فقہا کے اقوال کے خلاف اور اجازت خاصہ علی الاعلان بھی تصریحات محققین کے خلاف ہے۔ پس احتیاط الظہر کے جو فتوے علی الاعلان شائع ہوئے ہیں اور متضمن اجازت عامہ ہیں، وہ سب مذہب حنفیہ کے خلاف ہیں، کتب فقہ حنفیہ معتبرہ میں ان کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے۔ **هذا والله أعلم بالصواب**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۰/۳-۲۲۴) ☆

☆ قصبہ میں جمعہ اور احتیاط الظہر کا حکم:

(اخبار الجمعیۃ، مورخہ ۲۲/اپریل ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک قصبہ ضلع لدھیانہ میں ہے، وہاں جمعہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر پڑھنی چاہیے، کوئی انکار کرتا ہے، جمعہ کے بعد کی سنتوں کے متعلق بھی اختلاف ہے؟

الجواب

اس قصبہ میں جمعہ پہلے سے ہوتا چلا آتا ہے تو پڑھتے رہیے اور احتیاط الظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں، جمعہ کے بعد چار سنتیں ایک سلام سے، پھر دو سنتیں کل چھ سنتیں پڑھنی چاہئیں۔ (**وتقع فرضاً في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق،الخ.** (ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،ط:سعيد)/ **وذكر في الأصل: وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها ... وذكر الطحاوي عن أبي يوسف أنه قال يصلي بعدها ستاً ... ينبغي أن يصلي أربعاً ثم ركعتين،الخ.** (بدائع الصنائع،فصل في صلاة المسنونة: ۲۸۵/۱،ط:سعيد،والحلبي الكبير،باب صلاة الجمعة،ص: ۳۸۸،سهيل اكادمي لاهور) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۲۴/۳)

==

احتیاط الظہر کی شرعی حیثیت کیا ہے:

سوال: جہاں پر جمعہ صحیح ہو، اس موقع پر بعض شرائط کے عدم وجود کی وجہ سے مثلاً قاضی وغیرہ شرط ہونا مفقود ہے، یا مشکوک کے مسئلے پر قیاس کر کے صلوٰۃ آخر الظہر ، یا احتیاط الظہر کا مسئلہ استنباط کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز نہیں تو اس کی کیا دلیل اور تقریر ہے؟ اور اس طرح کہہ کر دلیل پکڑنا کہ فتاویٰ عزیزیہ میں آخر الظہر پڑھنا ضروری لکھا ہے اور جامع الرموز میں فرض لکھا ہے اور فتاوی عالمگیری میں ینبغی لفظ موجود ہے اور شامی والے کی رائے پڑھنے کی طرف زیادہ ہے اور مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر سو سال میں ایک مجدد ہوتا ہے، سب لوگوں کو اس کی اتباع کرنی چاہیے، چناں چہ مقامات امام ربانی میں جو کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، آخر الظہر پڑھنے کے لیے ضروری فرمایا ہے، لہذا اسی کو پڑھنا واجب ہے اور صراط مستقیم اور سراجیہ وغیرہ میں بھی اسی طرح مرقوم ہے۔ اب اگر صرف صاحب بحر کا قول عدم جواز احتیاط الظہر کا ہے، باوجود ان کتابوں کے جو کہ مذکورہ بالا ہیں، کس طرح ترجیح دی جائے، وللا کثر حکم الکل کو سب تسلیم کرتے ہیں اور بڑے بڑے بزرگ لوگ اور علامہ مولانا ہمیشہ پڑھتے تھے اور سب کو حکم دیتے تھے اور زمانۂ حال میں بڑے بڑے کاملین پڑھتے ہیں اور جناب مولانا مولوی کرامت علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جونپوری ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور جو جو کتابیں انہوں نے تصنیف کی ہیں، سب میں یہی حکم ہے۔ بہر حال اس مختلف فیہ مسئلہ کا صحیح حکم کیا ہے؟ مع سند کے جس کتاب کا حکم سب علما مانتے ہیں اور نہایت معتبر ہے، تحریر فرمائیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ آج کل کے علماء بالخصوص دہلی کے منع کریں تو نہیں مانا جائے گا اور اکثر کر کے دہلی کے علماء لا مذہب ہوتے ہیں۔ اب اس قائل کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

== **جہاں جمعہ شرعاً واجب ہو، وہاں احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں:**

سوال: زید قصبہ، یا قریہ میں بعد نماز جمعہ کے احتیاط الظہر پڑھنے کو ناجائز بتلاتا ہے اور عمرو جائز کہتا ہے اور کہتا ہے کہ جو شخص اس نماز کے پڑھنے کو ناجائز بتلائے، اس کے پیچھے نماز پڑھنی جائز نہیں۔ اب شرعاً نماز احتیاط الظہر پڑھنے کا کیا حکم ہے اور منع کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

شہر اور قصبہ میں جمعہ کی نماز درست ہے اور صرف جمعہ کی فرض ہے اور چوں کہ بقول صحیح و مفتیٰ بہ جمعہ پڑھنا ہندوستان کے شہروں اور قصبوں میں جائز ہے؛ اس لیے احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں اور چوں کہ اکثر عوام کے لیے احتیاط الظہر موجب فساد عقیدہ ہے؛ اس لیے احتیاط الظہر کے جواز کا فتویٰ دینا جائز نہیں، لہذا عمرو کا قول غلط ہے، البتہ گاؤں میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ دیہات میں ظہر کی نماز با جماعت پڑھنی چاہیے۔ (وتقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الکبیرة التی فیها أسواق، الخ. (وفیه قبل هٰذه العبارة) بهٰذا ظهر جهل من یقول: ’’لاتصح الجمعة فی أیام الفتنة‘‘ مع أنها تصح فی البلاد التی استولیٰ علیها الکفار، الخ. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید) / وأفتیت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنیة آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیة الجمعة، الخ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعید)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۵/۳-۲۱۶)

الجواب

احتیاط الظہر جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت؛ بلکہ بعض فقہا نے اس وجہ سے کہ بعض شروط جمعہ کے وجود میں شبہ تھا محض احتیاط کے طور پر استحباباً یہ حکم دیا تھا کہ ظہر احتیاطی پڑھ لی جائے اور ظاہر ہے کہ احتیاط وہاں متصور ہوسکتی ہے، جہاں شبہ اور شک ہو، تعدد جمعہ، یا عدم وجود سلطان مسلم، یا اختلاف فی حد المصر کی وجہ سے جو اختلاف پیدا ہوا ہے، وہ فقہاء کرام کے فیصلے سے طے ہوگیا کہ بنا بر روایات صحیحہ فقہیہ تعدد جائز ہے،(۱) اور سلطان مسلم کا وجود شرط نہیں اور حد مصر میں جو اختلاف تھا، اس میں سے امام ابوحنیفہ کی تعریف صحیح ہے۔ پس جب کہ ان مسئلوں میں قوت دلیل سے وہی جانب راجح اور متعین ہوگئی، جس میں جمعہ کی صحت یقینی ہے تو اب احتیاط الظہر کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں؛ کیوں کہ احتیاط کا مفہوم یہ ہے کہ قوی دلیل پر عمل کیا جائے، **فإن الاحتياط هو العمل بأقوى الدليلين.** (۲) اور صورت مذکورہ اقوی اور اصح جمعہ کی صحت ہے۔ رہا بعض بزرگوں کا احتیاط الظہر پڑھنا اور علامہ شامی کا احتیاط کو بمعنی "**هو الخروج عن العهدة بيقين**" (۳) لے کر عام حکم دینا اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ بات کسی درجہ میں قابل اعتبار بھی ہو؛ تاہم بوجہ خوف مفسدہ عظیمہ واجب الترک ہے۔ وہ مفسدہ یہ ہے کہ احتیاط کا حکم دینے کی صورت میں عوام کے عقیدہ میں، یا تو جمعہ کی فرضیت مشکوک ہوجائے گی، یا ایک وقت میں دونوں کے فرض ہونے کا یقین کرلیں گے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں۔ پس ایک امر مستحب کی تحصیل کے لیے عوام کو حرام میں مبتلا کرنا کسی سمجھدار آدمی کا کام نہیں اور نہ قواعد شرعیہ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ہاں خواص خود بغیر اس کے کہ عوام کو حکم کریں، یا اپنے پڑھنے کی ان کو خبر کریں، اس پر عمل کرلیں تو مضائقہ نہیں؛ لیکن عام حکم دینا ہرگز جائز نہیں۔ (۴) واللہ اعلم بالصواب

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۶/۳-۲۱۷) ☆

(۱) **وتؤدى في مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً على المذهب وعليه الفتوى. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ١٤٥/٢، ط: سعيد)**

(۲-۳) **رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ١٤٥/٢، ط: سعيد**

(۴) **و في البحر: "وأفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ١٣٧/٢، ط: سعيد)**

وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه لا تجوز في الصغيرة التي ليس فيها قاض ومنبر وخطيب، كما في المضمرات. (ردالمحتار، باب الجمعة: ١٣٨/٢، ط: سعيد)

☆ احتیاط الظہر فضول ہے:

مولوی محمد صاحب　　السلام علیکم

خط آیا حال معلوم ہوا، جریانِ لطائف سے فرحت ہوئی، مبارک ہو، ان کی خوب ملازمت رکھو اور انوار کی تمنا مت کرو، انوار کوئی معتبر مقصود نہیں، نفس ذکر اور طمانیت فی الذکر مطلوب اصلی ہے، اس کو نہایت غنیمت اور عنایت الٰہی تعالیٰ شانہ جان کر معروف و مشغول ہو: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (سورة إبراهيم: ۷) (ترجمہ: اگر احسان مانوگے تو اور بھی دوں گا تم کو [ترجمہ شیخ الہند]) اگر مشق کروگے، سب کچھ ہوجاوے گا، غفلت بھی انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، ہر دم یکساں نہیں رہتا، کچھ تعجب نہیں۔ ==

بعد نماز جمعہ کتنی رکعتیں سنت ہیں اور کیا احتیاط الظہر کی چار رکعت بھی ہے:

سوال (۱) بعض لوگ جمعہ کے بعد صرف دو سنتیں پڑھتے ہیں اور بعض چھ سنتیں پڑھتے ہیں اور بعض چار رکعتیں احتیاط الظہر بھی چھ پر زیادہ کرتے ہیں۔ان میں سے کون سی صورت معتبر ہے؟

عربی خطبہ کا اردو میں ترجمہ کرنا کیسا ہے:

(۲)　امام عربی خطبہ کا اردو میں ترجمہ کرسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

احتیاط الظہر پڑھنا جائز نہیں ؛ کیوں کہ بلاد ہندوستان میں مذہب مفتی بہ کے موافق شہروں میں جمعہ جائز ہے۔پس احتیاط الظہر کے کوئی معنی نہیں اور یہی قول راجح ہے۔(۱)

== بندہ اپنے امور میں پریشان ہے،اسی واسطے دیوبند جانا نہیں ہوا،اس ماہ تو ہرگز نہیں جاسکتا،شاید جمادی الآخر کے اخیر میں جاؤں۔

جہاں جمعہ ادا ہوتا ہے کہ مصر اور قصبہ ہو،امام جمعہ کا عامہ نے مقرر کررکھا ہے تو وہاں احتیاط ظہر پڑھنا لغو ہے اور گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، وہاں ظہر جماعت کر کے ادا کریں، وہاں خود ظہر فرض ہے،اس واسطے بعض فقہا نے احتیاطاً ظہر کو منع کیا ہے اور جس نے اجازت دی ہے تو وہاں اجازت دی ہے کہ تحقق اداء وسقوط فرض ذمہ کا باداء جمعہ نہ ہوتا ہو اور ارتفاع بھی محقق نہ ہو، سو دونوں فریق درست فرماتے ہیں، کچھ نزاع نہیں،مسئلہ قریہ اور امام میں کچھ شبہ نہیں۔

جمعہ بعض روایات سے معلوم ہوا کہ مکہ میں فرض ہو چکا تھا اور یہ آیت ﴿فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰـہِ وَذَرُوا البَیعَ﴾(الجمعۃ: ۹) (ترجمہ: تو دوڑ واللہ کی یاد کو اور چھوڑ دو خرید وفروخت۔[ترجمہ شیخ الہند]) مدینہ میں نازل ہوئی اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء نزول قبا میں جمعہ فرض ہوا اور حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی سالم میں پانچویں روز نزول قبا سے جمعہ بنی سالم میں ادا فرمایا؛ تاہم نزول اس آیت کا اس کے بعد ہوا، پھر اس آیت سے فرض کرنا جمعہ کا عجب ہے۔ہاں حکم فرضیت اس سے مستفاد ہوتا ہے؛مگر معلوم ومستفاد ہونا اور چیز ہے اور فرض کرنا دیگر امر، دونوں میں فرق لازم ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ جمعہ اس قریہ میں عموماً سب پر فرض ہے، گاؤں مصر کی قید نہیں۔پس کہ اگر عموم ہے تو زن ومرد وتندرست ومریض واعمیٰ واعرج ومسافر ومقیم صحرا وآبادی سب کو عام ہووے گا، جہاں کہیں مومن ہو، جیسا ہو، جمعہ فرض جماعت وفرادیٰ،اب مسافر ومریض وجنگل وعورت جب اس کی تخصیص سے نکلے گا، اسی طرح گاؤں اور بلا امیر کے بھی تخصیص ہو جاوے گی،جس قطعی [دلیل] سے اس آیت کی تخصیص کرتے ہیں،اول اس کی قطعیت ثابت کریں، بعد تسلیم مخصوص البعض خود ظنی ہوتا ہے۔غرض اس زمانہ کے علماء جہل سے جو چاہیں کہیں، پہلے علما کو کیا ایسی سمجھ نہیں تھی کہ عموم ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ کو نہ پوچھتے۔نہیں! انھوں نے سمجھ کر قیود لگائی ہیں اور احادیث سے قیود کا اثبات ہے، درصورت قصبہ کے اور معین امام کے احتیاط الظہر نہ پڑھے اور گاؤں میں جمعہ نہ پڑھے،تشدد کرنا مسئلہ مختلفہ میں اچھا نہیں۔پس دونوں فریق پڑھنے والے کو آثم اور نہ پڑھنے والے کو توبیخ، دونوں خارج اعتدال سے ہے۔

(مجموعہ کلاں،ص:۱۲۲۔۱۲۳)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۶۔۱۸۷)

(۱)　و فی البحر:"وأفتییت مراراً بعدم صلاۃ الأربع بعدها بنیۃ آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضیۃ الجمعۃ وهو الاحتیاط فی زماننا الخ (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعۃ: ۱۳۷/۲،ط:سعید)

فلو الولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین،ویجب علیهم أن یلتمسوا والیاً مسلماً.(رد المحتار،باب الجمعۃ: ۱۴۴/۲،ط:سعید)

(۲) خطبہ صرف عربی نثر میں مسنون ہے اور یہی صورت سلف صالحین اور ائمہ متبوعین سے منقول ہے، اس کا خلاف مکروہ ہے۔(۱) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۱۷-۲۱۸)

مسئلہ احتیاط الظہر بعد الجمعہ:

سوال: بعد ادائے صلوٰۃ جمعہ جو لوگ چار رکعت بوجہ اشتباہ ادائے جمعہ وفقدان بعض شرائط جمعہ پڑھتے ہیں، ان کا ادا کرنا احتیاط ہے، یا ادا نہ کرنا احتیاط ہے؟ یا خواص کو درست ہے اور عوام کو نہیں؟ یا خواص و عوام دونوں کو درست ہے؟ نفس مسئلہ کیا ہے؟ اور آج کل کے اعتبار سے کیا حکم ہے؟

الجواب

ردالمحتار میں ایک بحث طویل کے بہت اچھا فیصلہ کیا ہے:

نعم إن أدّٰى إلٰى مفسدة لاتفعل جهاراً والكلام عند عدمها، ولذا قال المقدسي: نحن لا نأمر بذلک أمثال هٰذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة اليهم،آه. (۱)

اور چوں کہ اس میں کہا گیا ہے کہ "**لانأمر العوام**"؛ اس لیے میں بھی کہتا ہوں: **لم أترجم هٰذه العبارة لأني لا أدل عليها العوام؛لأن الدلالة نوع من حملهم عليه. واللہ اعلم**

۱۰/ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۴ھ (امداد: ۱/ ۷۸) (امداد الفتاویٰ جدید ۱/ ۶۳۵-۶۳۶)

سوال: آیت پہلی ﴿**ومن يبتغ غيرالاسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخٰسرين**﴾، (۲) دوسری آیت ﴿**يأهل الكتاب لاتغلوا فى دينكم**﴾، (۳) تیسری آیت ﴿**اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتى**﴾، (۴) چوتھی آیت ﴿**أم لهم شركاء سرعوا لهم من الدين مالم يأذن به اللّٰه**﴾، (۵) پہلی حدیث: **عن عائشة رضى اللّٰه عنها قالت: قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم: من أحدث فى أمرنا هٰذا ما ليس منه فهورد.** (۶) دوسری حدیث: **من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهورد.** تیسری حدیث: **عن العرباض بن سارية قال: صل لنا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صلاة الصبح ثم أقبل علينا فوعظنا موعظة**

---

(۱) فإنه لاشک فى أن الخطبة بغيرالعربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى اللّٰه عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.(عمدة الرعاية علٰى هامش شرح الوقاية،باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰ ،ط:سعيد)

(۲) سورة آل عمران: ۸۵،انیس

(۳) سورة النساء: ۱۷۱،انیس

(۴) سورة المائدة: ۳،انیس

(۵) سورة الشورىٰ: ۲۱،انیس

(۶) صحيح البخارى، كتاب الصلح،باب اذا اصطلحوا علٰى صلح جور فهو مردود: ۱/ ۳۷۱،قديمى،انیس

وجلت منها القلوب ... وإياكم ومحدثات الأمور فان كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة. (۱) چوتھی حدیث: عن كثير بن عبد الله عن أبيه عن جده أن النبی صلی الله عليه وسلم قال: ... من ابتدع بدعة ضلالة لا يرضها الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لاينقض ذلک من أوزار الناس شيئاً. (۲) موافق مطلب ان آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ کے نماز احتیاط الظہر پڑھنا منع ہوگا، یا نہیں؟

الجواب

صحاح میں مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن زمعہ نے زمعہ کی لونڈی کے بچہ میں نزاع کیا، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قاعدہ شرعیہ ''الولد للفراش'' اس بچہ کو زمعہ کا بیٹا قرار دیا اور بسبب مشابہت عتبہ بن ابی وقاص کے، آپ نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ کو اس سے حجاب کرنے کا حکم فرمایا۔ اس حدیث سے ثابت ہو کہ تعارض ادلہ کے وقت گوان ادلہ میں ایک دلیل ضعیف ہی ہو، جمع بین الادلہ وعمل بمقتضیات کل منها احتیاط (۳) مشروع ومسنون ہے۔ پس اسی کی نظیر ہے: ''جمع بين الجمعة والظهر''، جس کو ظہر احتیاطی کہتے ہیں اور گو عدم صحت جمعہ کی کوئی دلیل ضعیف ہی ہو؛ مگر حدیث مذکور نص ہے کہ مقتضاء احتیاط کا دلیل ضعیف کا بھی اعتبار کرنا ہے، جیسا کہ مشابہت دلیل ضعیف ہے اور پھر بھی اس کا اعتبار کیا گیا۔ پس ظہر احتیاطی کی اصل سنت سے نکل آئی تو اس کا پڑھنا آیات واحادیث مذکورۂ سوال کے خلاف نہ ہوگا اور اس سے اصرح وہ حدیثیں اس کا مآخذ ہوسکتی ہیں، جن میں وقوع شک کی صورت میں بناء علی الاقل کا اور صلوٰۃ موادۃ مع الکراہت کے اعادہ کا حکم ہے، بناء علی الاقل میں احتمال تکرار رکعت کا ہے، اس سے مشکوک کے تدارک بمسئلہ کی مشروعیت ثابت ہوئی؛ کیوں کہ مشروع کا احتمال بھی مانع جواز ہے اور اعادہ میں تو یہ تدارک یقینی، پس جہاں جمعہ مشکوک ہو، اس کا تدارک الظہر بالیقین اس کی نظیر ہے؛ لأن الجمعة فائتة فافهم اور یہ تقریر ظہر احتیاطی کی فی نفسہ مشروعیت کی ہے اور اگر کسی عارض خارجی سے منع کیا جاوے تو وہ اس کے منافی نہیں، چناں چہ اس وقت اکثر علمائے محققین عوام کے غلو اعتقادی وعملی کو دیکھ کر منع فرماتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مبنی اس کی مشروعیت کا محض احتیاط تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود احتیاط ہے، جب غلو ہوگیا تو اب پڑھنے سے اصل مقصود فوت ہوگیا کہ اس سے زیادہ بے احتیاطی ہوگئی؛ اس لیے اب احتیاط نہ پڑھنے میں سمجھی جاوے گی۔ واللہ اعلم

۶ ر محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۲۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۳۶-۶۳۷) ☆

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین للحاکم: ۱/ ۱۷۶، انیس

(۲) سنن الترمذی، کتاب العلم، باب الأخذ بالسنة واجتناب البدعة: ۲/ ۹۶، قدیمی، انیس

(۳) اصل میں بھی اسی طرح ہے لیکن صحیح ''احتیاطا'' ہے۔

☆ سوال: کسی آیت کریمہ واحادیث صحیحہ واجماع قویہ وقیاس جلیہ سے نماز احتیاط ظہر پڑھنا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

سوال اول کے جواب میں اس کا مآخذ سنت سے مذکور ہو چکا ہے۔ پس باعتبار ثبوت کے سنت سے ثابت ہے اور باعتبار ظہور کے قیاس سے ظاہر ہے۔ (تاریخ وحوالہ بالا، ص: ۲۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۳۷-۶۳۸)

جمعہ میں اسقاط ظہر کی نیت:

سوال: مفتاح الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ جمعہ کے لیے فرض ظہر کے ساقط کرنے کی نیت کرے، ورنہ فرض ادا نہ ہوگا۔ یہ روایت درست ہے، یانہیں؟

الجواب

یہ روایت کتب معتبرہ کے مخالف ہے۔ صاحب درمختار نے نماز جمعہ کے وجوب کی نو شرطیں اور صحت ادا کی سات شرطیں ذکر فرمائیں؛ مگران میں اسقاط ظہر کا تذکرہ نہیں اور نہ کسی معتبر متن میں اس شرط سے تعرض کیا گیا۔ واللہ اعلم

ابوالحسنات محمد عبدالحئی (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۴۷)

جمعہ کے ساتھ احتیاطاً ظہر:

سوال: جمعہ کی کتنی رکعتیں فرض ہیں اور جمعہ کے دن ظہر پڑھی جائے، یانہ پڑھی جائے؟ بعض حضرات احتیاطاً ظہر کا بھی حکم دیتے ہیں؟ (محمد اسلم، کنگ کوٹھی)

الجواب

جمعہ میں دو رکعت نماز فرض ہے، اس پر امت کا اجماع ہے۔

"اجمعت الأمة علٰی أن الجمعة رکعتان". (۱)

ہندوستاں میں جمعہ کے درست ہونے پر اہل علم اور ارباب افتاء کا اتفاق ہے اور علما نے لکھا ہے کہ ہر آبادی میں مسلمانوں کے ذمہ دار اصحاب سلطان کے درجہ میں ہیں، لہذا ان کی اجازت سے جمعہ قائم ہوسکتا ہے، ایسی صورت میں جمعہ کے بعد احتیاطاً نمازِ ظہر ادا کرنا بے معنی بات ہے اور اصل فریضہ اور اس کے قائم مقام فریضہ دونوں کو جمع کرنا ہے اور یہ جائز نہیں، نہ قرآن وحدیث سے اس کا کوئی ثبوت ہے؛ اس لیے جمعہ کے دن صرف جمعہ کی نماز ادا کرنی چاہیے، جمعہ کے بعد ظہر کی نیت سے دوبارہ نماز پڑھنا درست نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۴۳/۳) ☆

---

(۱) المجموع، باب صلاة الجمعة: ٥٣٠/٤، انیس

☆ **ائمہ مجتہدین سے احتیاط الظہر کا ثبوت یاعدم ثبوت:**

سوال: امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد و محمد و ابو یوسف زفر و حسن رحمہم اللہ سے خود احتیاط الظہر پڑھنا، یا دیہات والوں کو حکم دینا ثابت ہے، یانہیں؟

الجواب

اور ائمہ کے مذہب پر تو نظر نہیں؛ مگر امام صاحب کے قول معمول بہ "جمع بین الوضو بالماء المشکوک والتیمم" کا اس کی نظیر ہونا معنی اس ظہر کا ان کی طرف منتسب ہونا ہے؛ کیوں کہ جو قول امام صاحب کے قواعد سے ماخوذ ہو، ==

مسجد میں جمعہ چھوڑ کر ظہر کی نماز پڑھنا:

سوال: جمعہ کے روز بعد اذان مسجد میں شور وغل کرنا اور اثنائے خطبہ میں زور زور سے باتیں کرنا اور بلا وجہ شرعی جمعہ چھوڑ کر باقامت وامامت مسجد میں چار رکعت ظہر پڑھنا کیسا ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

جمعہ کے روز کی تخصیص نہیں، مسجد میں کسی روز اور کسی وقت بھی شور وغل کرنا جائز نہیں، (۱) اثنائے خطبہ میں باتیں کرنا بھی ناجائز ہے، (۲) اور بلا عذر شرعی مسجد میں جمعہ کی نماز چھوڑ کر ظہر کی جماعت کرنا جائز نہیں۔ (۳) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: محمد کفایت اللہ، وارد حال رنگون۔ الجواب صحیح: مرغوب احمد (مرغوب الفتاویٰ: ۹۹/۳)

مسجد میں ظہر کے بعد جمعہ کی جماعت کرنا:

سوال: مسجد میں ظہر کی جماعت کے بعد امام معین دوسرے مصلیوں کے ساتھ جمعہ ادا کرے تو کیسا ہے؟

== وہ بھی حسب تصریح فقہا ملحق باصل المذہب ہے اور صریحاً اس کا منقول نہ ہونا؛ اس لیے مضر نہیں کہ اس وقت اس کا داعی پیش نہ آیا ہو، لعدم الشک فی الشروط۔

کتبہ: اشرف علی، ۶/ محرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۲۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۳۸/۱)

سوال: احتیاطی ظہر پڑھنا قرآن وحدیث کی رو سے جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــ

جہاں صحت جمعہ میں شبہ ہو، ایسا کرنا جمع بین الادلہ ہے، جو شرعاً ثابت ہے۔ حدیث: ”عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت: اختصم سعد و ابن زمعة، فقال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: هولک یا عبدزمعة، الولد للفراش، واحتجی منه یاسودة“. (صحیح البخاری، کتاب المحاربین من أهل الکفر والردة، باب للعاهر الحجر: ۱۰۰۷/۲، قدیمی، انیس) اس کی دلیل ہے۔

(تتمہ خامسہ: ۲۳۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۳۸/۱)

(۱) ﴿ومن الناس من یشتری لهو الحدیث﴾ والمراد بالحدیث المنکر کما جاء فی الحدیث فی المسجد: یأکل الحسنات کما تأکل البهیمة الحشیش. (ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی الغرس فی المسجد: ۶۶۲/۱، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) (إذا خرج الإمام) ... (فلا صلاة ولا کلام). (الدرالمختار)

وفی الشامی: ”وأخرج ابن أبی شیبة فی مصنفه عن علی رضی اللّٰه عنه وابن عباس رضی اللّٰه عنه وابن عمر رضی اللّٰه عنه کانوا یکرهون الصلاة والکلام بعد خروج الإمام“. (ردالمحتار، باب الجمعة، قبل مطلب: فی شروط وجوب الجمعة: ۱۵۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۳) (وکره) تحریمًا (لمعذور و مسجون) ومسافر (أداء ظهر بجماعة فی مصر) ... (وکذا أهل مصر فاتتهم الجمعة). (الدرالمختار، باب الجمعة، مطلب فی شروط الجمعة: ۱۵۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــ و بالله التوفيق

پہلی ظہر کی جماعت درست نہیں تھی تو امام معین کو جائز ہے کہ وہ باقاعدہ جمعہ کی نماز ادا کرے۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

کتبہ: محمد کفایت اللہ، وارد حال رنگون۔ الجواب صحیح: مرغوب احمد۔ (مرغوب الفتاوی:۳/۱۰۰)

احتیاطی ظہر میں شوافع کی اقتدا حنفی کے لیے:

سوال: مذہب شافعیہ کے کسی ایسے امام کے پیچھے حنفی کا اقتدا کرنا؛ یعنی جمعہ کی نماز پڑھنا جو کہ شرط جماعت بموافق مذہب شافعیہ کے معدوم ہونے؛ یعنی چالیس آدمی کی تعداد پوری نہ ہونے کی وجہ سے نماز ظہر کو بھی باجماعت ادا کرتے ہیں، درست ہے، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــ و بالله التوفيق

شافعی مذہب میں صحت جمعہ کے شروط میں سے ایک شرط تعداد مصلین بھی ہے، جس میں اقوال مختلف ہیں: چالیس، بارہ، تین۔ امام کے سوا چالیس کا قول زیادہ مشہور ہے اور تینوں اقوال پر علماءِ شوافع کا فتویٰ ہے۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم

(مرغوب الفتاویٰ:۳/۱۱۰)

وجوب جمعہ میں اختلاف ہو تو احتیاطی ظہر کا حکم:

سوال: وجوب جمعہ میں اختلاف ہو تو احتیاطی ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــ و بالله التوفيق

اگر قریہ بڑا جہاں ضروریات زندگی کی اکثر چیزیں بہم پہونچ جاتی ہوں اور کثرت سے ضروری پیشہ والے اپنا پیشہ وہاں کرتے ہوں، ایسے مقاموں میں بلا اختلاف جمعہ ادا ہو جاتا ہے، لہٰذا شہر، قصبہ اور بڑا گاؤں جہاں جمعہ صحیح ہو جاتا ہو، احتیاطی ظہر نہ پڑھی جاوے۔ ہاں چھوٹے چھوٹے قریوں میں حنفی مذہب کے موافق جمعہ صحیح نہیں ہوتا، ایسے گاؤں میں جمعہ قائم نہ کیا جاوے اور ظہر جماعت سے پڑھی جاوے اور جن چھوٹی بستیوں میں پیشتر سے جمعہ پڑھا جایا کرتا ہو، وہاں جمعہ موقوف کرنے کی کوشش نہ کی جاوے؛ بلکہ عادۃً پڑھ لیا جاوے اور جسے تردد ہو، وہ احتیاطی ظہر پڑھ لے؛ لیکن دوسرے مصلیوں کو جو احتیاطی ظہر نہیں پڑھتے، ظہر پڑھنے کا حکم نہ کرے کہ اس سے ایک باب فتنہ کا کھڑا ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۱۱۲)

☆ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم

سوال: بہشتی گوہر میں مسئلہ ہے کہ بعض لوگ جمعہ کے بعد ظہر احتیاطی پڑھا کرتے ہیں، ان کو منع کرنا چاہیے، یہ کس حالت میں شرائط صحیح ہونے کی صورت میں یا عدم شرائط کی صورت میں؟

الجواب ـــــــــــــ

اگر شرائط صحت موجود ہیں، تب تو ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں اور اگر شرائط صحت موجود نہیں تو جمعہ پڑھنا جائز نہیں، ==

جمعہ کوفرض نہ جاننے والے اور احتیاط الظہر پڑھنے والے کی جمعہ میں امامت کا حکم:

سوال: جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دوفریق ہیں، ایک تو جمعہ کو بالکل فرض نہیں کہتا، اس واسطے کہ بادشاہِ اسلام شرط ہے اور وہ مفقود ہے اور جمعہ کو شعائرِ اسلام سے بتلاتا ہے اور دوسرا فریق ایسا ہے کہ جمعہ کو تو فرض مانتا ہے، احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے۔ اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ ان دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا ہو جاوے گی، یا نہیں، یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی، اقتداء قوی بالضعیف کسی صورت میں لازم آتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار ،باب الإمامة: صح اقتداء متنفل بمتنفل ومن یری الوتر واجباً بمن یراہ سنة و من اقتدٰی فی العصر وھومقیم بعدالغروب بمن أحرم قبله للا تحاد. فی ردالمحتار: (قوله للاتحادی) أی اتحاد صلاة الامام مع صلاة المقتدی فی الصور الثلٰث أما فی الأولٰی فظاھر وأما فی الثانیة فلأن ما أتی به کل واحد منھما ھوالوترفی نفس الأمرواعتقاد وأحدھما سنیته واللآخر وجوبه أمرعارض لایوجب اختلاف الصلا تین وأما الثالثة فلأن کل منھما عصر یوم واحد. (۶۱۸/۱)(۱)

اور اقتداء الاقویٰ بالاضعف کا اثر عدم اتحاد صلاتین میں ظاہر ہوتا ہے۔ پس صورت مسئولہ میں ہر ایک کی نماز دوسرے کے پیچھے درست ہو جاوے گی۔ فقط

۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ: ۴۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۷۸/۱) ☆

== ظہر ہی پڑھنا جماعت کے ساتھ واجب ہے؛ اس لیے ظہر احتیاطی سے ہر حال میں منع کیا جاوے۔ واللہ اعلم

۳ / رمضان ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۳۳۹/۲)

بحث احتیاط الظہر

سوال: احتیاط الظہر پڑہنا درست ہے، یا نہیں؟ اگر درست نہیں ہے تو مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی گوہر، صفحہ: ۱۰۳ میں جو یہ مسئلہ لکھا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ مسئلہ: بعض لوگ جمعہ کے بند ظہر احتیاطی پڑھا کرتے ہیں، چوں کہ عوام کا اعتقاد اس سے بہت بگڑ گیا ہے، ان کو مطلقا منع کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی ذی علم پڑھنا چاہے تو اپنے پڑھنے کی کسی کو اطلاع نہ کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

مسئلہ دربارہ احتیاط الظہر یہی ہے جو کہ مولانا اشرف علی صاحب نے بہشتی گوہر میں لکھا ہے۔ (شامی: ۵۴۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد الاحکام: ۳۳۹/۲)

(۱) رد المحتار، باب الامامة، قبیل مطلب المواضع التی تفسد صلاة الامام دون المؤتم: ۵۹۱/۱، دار الفکر، انیس

☆ **شرائط جمعہ میں شک ہو تو کوئی ایک نماز ادا کرے ظہر، یا جمعہ:**

(الجمعیة، مورخہ ۹ / اگست ۱۹۲۸ء)

سوال (۱) اگر شرائط وجوب، یا ادائے جمعہ میں اشتباہ واقع ہو تو کیا صلوٰۃ جمعہ کو ترک کریں گے؟ اگر ترک کریں گے تو ظہر پڑھیں گے، یا نہیں؟

جمعہ کے متعلق دو گروہ اور اس کا تصفیہ:

سوال: جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنے والوں کے دو فریق ہیں، ایک جمعہ کو فرض بالکل نہیں مانتا اور جمعہ کو محض شعائر اسلام بتاتا ہے اور دوسرا فریق جمعہ کو تو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر بھی پڑھتا ہے، اب یہ امر قابل استفسار ہے کہ ان دونوں فریق کے پیچھے اس شخص کی نماز جو جمعہ کو فرض مانتا ہے اور احتیاط الظہر نہیں پڑھتا، ہو جاوے گی، یا نہیں؟ یا کس فریق کے پیچھے ہوگی اور کس کے پیچھے نہ ہوگی؟ اقتداء القوی بالضعیف دونوں فریق کے پیچھے لازم آتی ہے، یا ایک فریق کے پیچھے، فقط؟ بینوا توجروا۔

الجواب ————————

جو فریق جمعہ کو فرض نہیں مانتا، وہ صریح غلطی پر ہے اور خاطی ہے۔

درمختار میں ہے:

(فرض) عین (یکفر جاحدها) لثبوتها بالدلیل القطعی، کماحققه الکمال.(۱)

یعنی جمعہ فرض عین ہے، اس کی فرضیت کا منکر کافر ہے؛ کیوں کہ جمعہ کا ثبوت دلیل قطعی سے ہے، جیسا کہ شیخ کمال الدین ابن ہمامؒ نے اس کی تحقیق کی ہے اور شامی نے ابن ہمام کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم نے جمعہ کی فرضیت ثابت کرنے میں تطویل اس لیے کی کہ بعض جاہل یہ کہتے ہیں کہ مذہب حنفیہ عدم فرضیت جمعہ کا ہے، الخ۔

== (۲) ایک قصبہ کی آبادی دو ڈھائی سو تک ہے تو اس میں صلوٰۃ جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اگر اس میں تین مسجدیں، یا زیادہ ہوں تو سب مسجدوں میں پڑھیں گے، یا ایک میں؟

(۳) وہ کون سا شہر ہوگا جو جامع الشرائط ہو اور اس کے گھروں کی تعداد بھی معلوم ومقدر شرعی ہو؟

(۴) جس گاؤں میں بیس، یا تیس گھر ہوں، اس میں اقامت جمعہ ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

(۵) وہ کس قدر فاصلہ ہے، جو فارق المصرین ہو؟

الجواب ————————

شرائط وجوب اور شرائط ادا کا پورا فیصلہ کر کے رائے قائم کرنی چاہیے اور پھر صرف جمعہ، یا صرف ظہر پڑھنی چاہیے، دونوں نمازیں پڑھنے کے کوئی معنی نہیں، جس قصبے میں تین مسجدیں ہوں اور بڑی مسجد میں وہاں کے مکلّف بالجمعہ اشخاص نہ سما سکیں تو وہاں جمعہ پڑھا جائے۔ **((المصر هو مالا یسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها) وعلیه الفتویٰ أکثر الفقهاء ... وظاهره المذهب أنه کل موضع له أمیر وقاض یقدر علیٰ إقامة الحدود.(الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة:۱۳۷/۲-۱۳۸،ط:سعید)**

نمبر:۳،۴و۵ کا جواب یہ ہے کہ نہ کوئی تعریف متفق علیہ ہے، نہ کوئی تعداد گھروں کی معین ہے، نہ کوئی فاصلہ معین ہے۔ **(اعلم أن بعض المحققین أهل الترجیح أطلق الفناء عن تقدیره بمسافه ... والتعریف أحسن من التحدید؛لأنه لا یوجد ذلک فی کل مصر وانما هو بحسب کبرالمصر وصغره.(رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۹/۲،ط:سعید)**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۵۴-۲۵۵)

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳٦/۲،دارالفکر،بیروت،انیس

دیکھئے علامہ موصوف نے اس شخص کو جو فرضیت جمعہ کا قائل نہ ہو جاہل فرمایا اور منکر فرضیت جمعہ کا یہ قول کہ بادشاہ اسلام نہیں ہے؛ اس لیے فرض نہیں ہے۔ یہ بھی اس کی مذہب حنفیہ سے جہالت ہے؛ کیوں کہ درمختار میں تصریح ہے کہ بادشاہ اسلام کے نہ ہونے کی صورت میں جس کو عام اہل اسلام جمعہ وغیرہ کے لیے متعین ومقرر کرلیں کافی ہے۔ عبارت اس کی یہ ہے:

"أما مع عدمهم فيجوز للضرورة".

اور شامی میں ہے:

"فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة و يصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين". (۱)

الغرض جو شخص فرضیت جمعہ کا قائل نہیں ہے، اس کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے اور جو شخص فرضیت جمعہ کا قائل ہے اور احتیاط الظہر پڑھتا ہے، اس کے پیچھے نماز درست ہے، اگرچہ حق یہ ہے کہ شہر اور قصبوں اور ہر بڑے قریہ میں جمعہ ہوتا ہے، وہاں احتیاط الظہر کی حاجت نہیں ہے؛ بلکہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایسے مواقع میں (جہاں جمعہ جائز ہے) احتیاط الظہر نہ پڑھیں؛ تاکہ کسی کو عدم فرضیت جمعہ کا شبہ وخیال نہ جاوے۔ درمختار میں صاحب بحر کا فتوی اس طرح نقل کیا ہے:

"وفي البحر: قد أفتيت مرارًا بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا". (۲)

لیکن بایں ہمہ اگر کوئی شخص فرضیت جمعہ کا قائل ہے اور احتیاط الظہر پڑھتا ہے تو نماز اس کے پیچھے صحیح ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند ۵/ ۱۷۱-۱۷۳)

غیر مسلم حکومت کی وجہ کر نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں، یا احتیاط الظہر پڑھنا چاہیے:

سوال: بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ ہندوستان میں غیر مسلم حکومت کی وجہ سے جمعہ فرض نہیں، دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ شہر کے اندر قاضی، یا مفتی کا ہونا ضروری ہے، جو شرعی حدود جاری رکھ سکتا ہو اور ہندوستان میں شرعی سزا نہیں دی جاسکتی؛ اس لیے جمعہ فرض نہیں اور اس صورت میں چار رکعتیں نماز ظہر ضرور پڑھنی چاہئیں۔

(المستفتی: ۵۲۲، مؤذن صاحب گولر والی مسجد دہلی، ۶/ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، م ۸/ جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

ہندوستان میں جمعہ کا فرض نہ ہونا صحیح نہیں، جن شرائط کی بنا پر فرضیت جمعہ میں شک کیا جاتا ہے، ان کا فیصلہ محققین فقہا کرچکے ہیں اور جب کہ فرضیت جمعہ راجح ہے، (۳) تو احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں ہے، جمعہ بھی پڑھنا اور پھر احتیاطی

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱٤٤، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۱/ ۷٤٦، ظفير

(۳) فلو الولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱٤٤، ط: سعيد)

==

ظہر بھی پڑھنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور عام طور پر عقیدے کو بگاڑنا ہے؛ اس لیے اس نماز کو رواج دینا اور عوام کو تعلیم دینا کہ احتیاطی ظہر پڑھیں، درست نہیں۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۵/۳)

اذان جمعہ سے قبل وعظ کی ایک صورت کا حکم:

سوال: ایک مسئلہ میں اور مولانا کی ڈھیل معلوم ہوئی، وہ مسئلہ یہ ہے جو آج کل تمام عالم اسلام ترکی، افغانستان وغیرہ میں معرکۃ الآراء بنا ہوا ہے؛ یعنی خطبہ جمعہ زبان مادری میں ہونا چاہیے، اسی تبلیغی کانفرنس میں علی گڑھ کالج کے تین طلبہ آئے ہوئے تھے، انہوں نے ایک روز جس دن مولانا حسین احمد صاحبؒ دہلی گئے ہوئے تھے، ایک سبجیکٹ کمیٹی (باصطلاح جدید) یعنی وہ اشخاص نامزد شدہ جو تجاویز اول تیار کرتے ہیں، میں پیش کی، یہ کہتے ہوئے کہ مولانا حسین احمد صاحبؒ نے اس کو منظور کرلیا ہے، تجویز کے الفاظ یہ تھے کہ امام مساجد کو ضروری ہے کہ خطبہ اول حالات حاضرہ پر مادری زبان میں پڑھے اور بعدہ اسی کا ترجمہ عربی زبان میں پڑھے؛ مگر اس کو مولوی عبدالرحمٰن خان صاحب نے نامنظور کیا کہ یہ ناجائز ہے، طالب علم مولانا حسین احمد صاحبؒ کا حوالہ دیتے رہے، مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس مسئلہ کو مولانا آجائیں تو کل پیش کرنا، دوسرے روز مولانا کے روبرو تجویز پیش ہوئی، مولانا نے اس کو منظور کرلیا، اس پر مولوی صاحب بولے کہ حضرت یہ تو ناجائز ہے، اس میں گفتگو ہوئی، مولوی صاحب نے فرمایا کہ لزوم مالیلزم کے تحت میں آتا ہے، اگر مفسدہ حال نہیں تو مفسدہ مآل ضرور ہے، جملہ بدعات اسی طرح شروع ہوئیں، اس میں ترمیم کی گئی کہ ہمیشہ نہیں؛ گاہ گاہ جبکہ ضرورت ہو، اس پر مولوی صاحب تو خاموش ہوئے؛ مگر اور صاحبوں نے اعتراض کئے کہ مصلی سنتوں کی نیت کہاں باندھے، جب امام تقریر اردو میں کررہا ہو، آیا اس کو ترک کردے، اگر ترک کرتا ہے تو اس کا جزیہ دکھایا جائے اور اگر پڑھتا ہے تو نماز پر خلل پڑتا ہے، اس کا کچھ جواب نہیں دیا گیا کہ خطبہ کے آداب وسنن ہیں، مثلاً خلفاء راشدین کا ذکر وغیرہ ترک ہوں گے، اس پر ترمیم ہوئی، آج چوں کہ مولانا حسین احمد صاحب موجود تھے تو

== وفي البحر: وأفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، ط: سعيد)

☆ **جمعہ کے دن آخر ظہر پڑھنے کا حکم:**

سوال: اس ملک سندھ میں جو جو بڑے شہر ہیں، ان شہروں میں آخر ظہر پڑھی جائے، یا نہ؟ بینوا توجروا اجراً عظیما۔

الجواب

بڑے شہروں اور قصبات میں آخر ظہر پڑھنا مکروہ ہے اور جس جگہ جمعہ کی صحت میں شبہ ہو، وہاں جمعہ پڑھنا مکروہ ہے؛ بلکہ ظہر ہی پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۲/صفر ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳۸۸/۲)

مولوی صاحب وغیرہ تو خاموش اور دیگر اصحاب انجمن مولانا کے مؤید سوائے عبداللہ خان گنج والے اور عبدالرحیم خان کے یہ دو صاحب اڑے رہے اور بہت دیر تک مولانا سے بحث کی؛ مگر نہ چلی اور تجویز بالفاظ ذیل منظر ہوئی، تجویز نمبر۳ من جانب ینگ مسلم ایسوسی ایشن علی گڑھ اس کانفرنس کی رائے میں اشد ضروری ہے کہ کسی نئی ضرورتوں کے پیش آنے پر خطبہ جمعہ کے مواعظ ونصائح کم ازکم دس پندرہ منٹ قبل اذان جمعہ بپابندی احکام شرعی مخاطبین کی زبان میں بیان کئے جائیں، اس میں ان مضامین کی تصریح بھی شامل ہوا کرے، جو خطبہ عربیہ میں ہوں۔

اس تجویز کو مولانا حسین احمد صاحبؒ نے کثرت رائے سے منظور کرلیا اور طے ہوا کہ جلسہ عام میں اس کو منظور کرایا جائے، چوں کہ سبجیکٹ کمیٹی میں بندہ کو بولنے کا حق نہ تھا، اس واسطے کہ بندہ اس کا باضابطہ ممبر نہ تھا؛ اس لیے وہاں سے اٹھ کر مشورہ ہوا کہ اس تجویز کو جلسہ عام سے رد کرانی چاہیے، مجبوراً ہم نے چالیس پچاس اپنے ہم خیال بنائے اور جلسہ عام میں ان کو مختلف جگہوں پر متعین کردیا کہ جس وقت یہ تجویز پیش ہو، اس کی زبردست مخالفت کی جائے، غالباً ہمارے پروپیگنڈہ کا پتہ ان طلبا کو ہوگیا جو سمجھ گئے کہ ہماری تجویز کی مخالفت ہوگی اور ہم کو جلسہ عام میں زک ملے گی؛ اس لیے انہوں نے تجویز واپس لے لی اور فوراً جلسہ سے اٹھ کر چلے گئے اور کہنے لگے کہ مولانا حسین صاحب کا نام دیکھ کر آئے تھے کہ خطبہ کو اردو میں کرالیں گے؛ مگر ان لوگوں نے چلنے نہ دی، یہ ان طلبہ کی نیچریت تھی اور دیگر تاویلیں محض حیلہ حوالہ کے واسطے تھیں، ورنہ ان کا منشا ان نیچروں کی اتباع کرنا تھا کہ جنہوں نے مادری زبان میں خطبہ جاری کردیا ہے؛ مگر اللہ کا شکر ہے کہ خورجہ سے منظور نہ کرا سکے۔

الجواب

جن الفاظ سے تجویز نمبر۳ (خط کشیدہ) کو مولانا نے منظور فرمایا ہے، فی نفسہ اس کے جائز ہونے میں شبہ نہیں؛ کیوں کہ قبل اذان جمعہ کے جو بیان اردو میں ہوگا، وہ خطبہ سے خارج ہے؛ مگر جس صورت سے اس کو منظور کیا گیا ہے، اس میں ایک مباح کو اشد ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس کو پاس کر کے گویا ائمہ مساجد کو اس پر مجبور کیا جائے گا اور مباح میں جبر غیر امام کو جائز نہیں، ولا إمام لنا اور اگر ائمہ مساجد کو مجبور کرنا مقصود نہیں تو پھر قانون بنانے اور اس کو پاس کرنے سے کیا فائدہ؟ بلا وجہ جبر کے تو علماء قبل خطبہ وبعد جمعہ وعظ کہتے ہی ہیں۔

۲۴ر جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام: ۳۸۸/۲-۳۹۰) ☆

☆ جس بستی میں ضروری سامان فراہم ہوں، وہاں جمعہ پڑھ لیں، احتیاط الظہر کی ضرورت نہیں:

سوال: نماز جمعہ کا لزوم ہمارے ملک پاکستان میں کتنی بستی پر ہوسکتا ہے؟ احتیاط الظہر جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جو بستی بڑی ہو اور اس میں کم ازکم دو مسجدیں ہوں، یا وہاں ضروری سامان مل جاتا ہو، اس میں جمعہ پڑھنا چاہیے، ظہر احتیاطی کوئی شرعی چیز نہیں ہے، جمعہ پڑھیں، یا ظہر پڑھیں، دونوں پڑھنا صحیح نہیں۔ (وعبارة القهستاني: تقع فرضاً في القصبات والقرى الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۰/۳)

احتیاط الظہر کا مسئلہ (یعنی فتویٰ احتیاط الظہر):

سوال: جولوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور اس کے تارک کوملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگئی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں، آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے، یانہیں؟ اور اگرایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہوتو اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے، یانہیں؟ اور اگر وہ پڑھے گا، ان ہی میں داخل ہوگا، یانہیں؟ اور بصورت عدم پابندی واصرار کالوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے؟ جس نے اس کو نکالا ہے، کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا؟ اب کس درجہ میں پہنچا؟ اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کوعوام کیا بعض علما بھی پڑھتے ہیں۔ (واللہ اعلم) ان کے پاس کون سی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے؟ اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک پائی جاتی ہے، اگر جمعہ نہ ہوا تو ظہر ہو جائے گی؟ آیا قیاس اس کا صیام یوم الشک پر ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور منجملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے، یانہیں؟

الجواب

مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر؛ یعنی شہر ہونا اور امام، یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چوں کہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا تو بناء مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا اور چوں کہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی تو ان کے مذاہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے؛ مگر چوں کہ دوسری خرابی یہ ہوگئی ہے کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ کا پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے، اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کوتردد ادائے جمعہ اور سقوط ظہر میں رہتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا۔ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی اور جمعہ جو ادا ہو گیا تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی، یہ اصل اس کی ہے؛ مگر حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں۔ اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے، دوسرے بعضے اولی النزاع آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے۔ اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علما سے شرطیہ وجوب امام ونائب دریافت ہوئی ہے، وہی علماء یہ بھی لکھتے ہیں کہ اگر امام ونائب سے تعذر ہو تو مسلمین اپنا امام جمعہ مقرر کر کے جمعہ ادا کریں گے۔ پس حسب اس روایت کے سب جگہ امام موجود ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہو گیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا۔

پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جو ان لوگوں کے نزدیک یہ قول علماء کا معتبر نہیں ہے تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے، چاہیے کہ ظہر با جماعت پڑھا کریں۔ یہ کیا بے موقع بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت

ادا کریں اور فرض وقت کو فرادی؛ یعنی تنہا تنہا پڑھیں، یہ سخت خرابی ہے۔پس احناف کا احتیاط ظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں تو دیدہ و دانستہ اس حرکت لایعنی کو کیوں اختیار کیا۔واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ کو ادا کریں۔الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستی دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پروائی دین سے ہونے کا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ،۱۳۰۱ھ

الحق حق الطلوع وسطح الصدق حق السطوع فما قال ملك العلماء سلطان الأتقياء زين المفسرين رئيس المحدثين نعمان أواننا مجدد زماننا نائب رسول الله الصمد عليه الصلاة من الله الأحد مولانا العالم العامل الحافظ الحاج رشيد أحمد مدالله ظلال فيوضه علىٰ رؤوس العالمين،اللّٰهم آمين فهو حق والحق أحق باتباع وأولىٰ؛لأن الحق يعلو ولا يعلىٰ.

حرره أذل تلامذته الفقير محمد حسین الدہلوی عفا اللہ عنہ قادر علی عفی عنہ، مدرس مدرسہ حسین بخش،۱۳۰۴ھ۔

جواب ہٰذا صحیح حسبنا اللہ: حفیظ اللہ محمد، ساکن درگاہ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء ضلع دہلی

المجیب مصیب: محمد حسین خاں خورجوی بقلم خود، اصحاب من اجاب محمد حمایت اللہ عفا اللہ عنہ

جواب دوم از علمائے دہلی دامت افاداتہم:

صورت مرقومہ میں معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نماز احتیاطی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، حضرت سے تو یہی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بس دو رکعت بعد الجمعہ پڑھتے تھے، بخاری ومسلم میں موجود ہے، بروایت **عن عبد الله بن عمر أنه وصف تطوع صلاة النبي صلى الله عليه وسلم قال:فكان لايصلي بعد الجمعة حتىٰ ينصرف فيصلي ركعتين في بيته.** (۱) اور کتب فقہ میں ہے کہ نماز احتیاطی ہرگز ہرگز درست نہیں ہے، کسی طرح جائز نہیں ہے، اصل عبادت یہ ہے: **وقد كثر ذلك من جملة زماننا أيضاً ومنشأ جهلهم صلاة الأربع بعد الجمعة بنية الظهر وإنما وضعها بعض المتأخرين عند الشك في صحة الجمعة بسبب روايةٍ عدم تعدد في مصر واحد وليست هٰذه الرواية بالمختارة وليس هٰذا القول أعني اختيار صلاة الأربع بعدها مروياً عن الإمام وصاحبيه،حتى وقع لي أني أفتيت مراراً بعدم بعد صلاتها خوفاً علىٰ اعتقاد الجهلة بأنها الفرض وأن الجمعة ليست بفرض من انتهىٰ ما قال صاحب البحر.** (۲)

---

(۱) الصحيح لمسلم،فصل في استحباب أربع ركعات أو ركعتين بعد الجمعة: ۲۸۸/۱،قديمي،انیس)(حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد جب تک کہ لوٹ نہ جاتے، کوئی نماز نہ پڑھتے تھے، پھر گھر میں دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔)

(۲) البحر الرائق،باب الجمعة: ۲۴۵/۲،دار الكتب العلمية،بيروت،انیس)(جمعہ کے بعد چار رکعتیں پڑھنا ظہر کی نیت سے اس بنا پر ہے کہ اس کو بعض متاخرین نے جمعہ کی صحت میں شک کی بنا پر قرار دیا ہے، اس روایت کی بنا پر کہ ایک شہر میں کئی جمعہ نہیں ہو سکتے؛ لیکن یہ روایت نہ مختار ہے، نہ امام اور صاحبین سے مروی ہے، حتی کہ میں نے متعدد بار اس کے ترک کا فتویٰ دیا۔

اس روایت فقہیہ سے واضح ہو گیا کہ احتیاطی نہ حضرت نے پڑھی ہے، نہ صحابۂ کرام نے، نہ ائمہ اربعہ نے پڑھی اور نہ امر کیا ساتھ اس کے کبھی کسی کو اور یہ بھی کتب فقہ میں لکھا ہے کہ احتیاطی تو کسی طور درست نہیں ہوتی، نہ عقلاً، نہ نقلاً و نہ کشفاً اور نہ الہاماً، **كذا في التاتارخانية وأيضاً قال فيه: قال السيد: ألهمني ربي أن أداء الجمعة بالشبهة من وسوسة الشيطان، انتهى،** و در بحر گفت سزاوار نیست کہ فتویٰ دادہ شود بچہار رکعت بعد جمعہ دریں زمانہ زیرا کہ راہ می بایند عوام بتکاسل از جمعہ؛ بلکہ بسا است در دل عوام چنیں خواہد رفت کہ جمعہ فرض نیست وظہر کافی ست و در کفر ایں چنیں کس کہ اعتقاد فرضیت ندارد جمعہ را شکے نیست، کذا فی عرفانی شرح سلطانی و ہٰکذا فی فتح القدیر من باب شروط الصلوٰۃ وغیرہ در فصول عمادی آوردہ است کہ فرضیت جمعہ ساقط نمی شود اگر چہ تمام شرائط منعدم می شوند کذا فی اسکندریہ فی الباب الآخر۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

حررہ العاجز ابو محمد عبد الوہاب الفنجابی الجھنگوی ثم الملتانی نزیل الدہلی تجاوز اللہ عنہ ذنبہ الخفی والجلی فی اَواخر شہر اللہ الذی انزل فیہ القرآن۔ ابو محمد عبد الوہاب رسول الآداب خادم شریعت۔

نماز احتیاط ظہر جو اکثر لوگ بعد جمعہ کے پڑھتے ہیں، یہ نماز عند الحدیث درست ہے، نہ فقہ میں پائی گئی، صرف علماء دین کا قیاس ہے؛ کیوں کہ یہ نماز خیر القرون میں نہیں پائی گئی۔ پس جب کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ثابت نہیں تو ایسی نماز کا پڑھنا بدعت سیئہ ہے، نیکی بر باد گناہ لازم کا مضمون معلوم ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں یہ نماز احتیاط الظہر کسی طرح درست نہیں، بعد جمعہ چھ سنتیں پڑھنی چاہئیں۔

حررہ محمد امیر الدین پٹیالوی حنفی واعظ جامعہ مسجد دہلی مقیم محلّہ مزید پارچہ متصل فتحپوری۔ محمد امیر الدین، ۱۳۰۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد اللطیف عفی عنہ، عبد الرؤف ۱۲۹۵ھ۔ حررہ الفقیر ابو محمد عبد الرؤف البہاری، محمد تلطف حسین خادم شریعت رسول الثقلین، ۱۲۹۲ھ، قد صح الجواب واللہ اعلم بالصواب۔

نماز احتیاطی محض بناوٹی ہے، کسی خیر القرون میں سے منقول نہیں ہے، بدعت سیئہ ہے؛ بلکہ کتب فقہ میں ہے کہ مثل صوم شک کے دونوں بھی نہیں ہوتے۔

امیر احمد پشاوری، اصاب من اجاب حررہ محمد یٰسین الرحیم آبادی ثم العظیم آبادی۔ الجواب صحیح: محمد طاہر سلہٹی، ۱۳۰۴ھ۔

بعد نماز جمعہ کے فرض احتیاطی بے سند و بے اصل ہے، عند الشرع پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا۔ جواب صحیح ہے۔ محمد فقیر اللہ

اصاب من اجاب: فقیر محمد حسین خان خورجوی ضلع بلند شہر بقلم خود۔ حسبنا اللہ بس: حفیظ اللہ۔

للہ در المجیب: ابو القاسم محمد عبد الرحمٰن لاہوری۔

بلاد ہند میں فرض جمعہ بلا شبہ ادا ہو جاتا ہے، نماز ظہر احتیاطی کی حاجت نہیں۔ فقط

حررہ بندہ قادر علی عفی عنہ مدرس مدرسہ حسین بخش مرحوم۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۴۵۔۳۴۸)

احتیاط الظہر کا مسئلہ:

سوال: یہ موضع قصبہ سردھنہ سے قریب پانچ کوس کے واقع ہے اوراس سے زیادہ قریب کوئی شہر نہیں ہے اور موضع مذکور میں قریب دو ہزار مردم شماری کے ہے، جس میں زیادہ نصف سے مسلمان اور باقی ہندو ہیں، مسلمانوں کے دین احکام سے کوئی مانع نہیں ہے۔ضروری احتیاج کے واسطے دکانیں بیس، یا بائیس موجود ہیں، روزمرہ تیس بتیس سے زیادہ نمازی پنج وقتہ میں جمع ہوتے ہیں۔رمضان شریف میں ساٹھ ستر تک اور جمعہ رمضان میں دوسواور عیدین میں ایک ہزار سے زیادہ جمع ہوتے ہیں۔موضع مذکور میں جمعہ کی نماز جائز ہے، یانہیں؟ اور بعض عالم امام شافعی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہیں اور گاؤں میں جمعہ جائز کہتے ہیں اور احتیاط الظہر بھی ایسی حالت میں پڑھنی چاہیے، یانہیں؟ فقط

الجواب

جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہوں، اس جگہ امام ابوحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، وہاں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھنی چاہیے اور جمعہ نہ پڑھنا چاہیے۔پس جب جمعہ نہیں ہوا، احتیاط الظہر کہاں؛ بلکہ ظہر کی نماز جماعت سے مثل دیگر ایام کے پڑھنی چاہیے اور ہندوستان کے سب شہر اور قصبہ میں جمعہ ادا ہوجاتا ہے، احتیاط الظہر کی کچھ حاجت نہیں اور امام شافعی صاحبؒ کے یہاں گاؤں میں جمعہ ادا ہوجاتا ہے۔ان کے نزدیک بھی کچھ اصل احتیاط الظہر کی نہیں۔پس جو صاحب اس مسئلہ میں شافعی بنے، ان پر حنفی کیا الزام دے سکتے ہیں؛ کیوں کہ یہ بات اپنی اختیاری ہے، جو مذہب چاہو اختیار کرو، غیر مقلد بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بات کسی مذہب کی پسند آئی، وہ اختیار کر لیتے ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ،ص:۳۴۸-۳۴۹)

ایضاً:

سوال: جولوگ آج کل بعد نماز جمعہ کے چار رکعت احتیاط الظہر پڑھتے ہیں اور تارک کو اس کے ملوم جانتے ہیں اور یہاں تک پابندی اس کی ہوگئی کہ بعض شہروں میں تو مثل جدہ وغیرہ کے جماعتیں اس کی ہونے لگی ہیں۔آیا یہ نماز احتیاط کی اس صورت مسئولہ میں جائز ہے، یانہیں؟ اور اگر ایسی پابندی ایک خاص شخص کے عقیدے میں نہ ہو؛ مگر اس کو ایسی پابندی کے زمانہ میں دوسروں کے ساتھ مشابہت اس عمل کی جائز ہے، یانہیں؟ اور اگر وہ پڑھے گا، ان ہی میں داخل ہوگا، یانہیں؟ اور بصورت عدم پابندی واصرار کا لوجوب کے نفس اس نماز احتیاط کا کیا مسئلہ ہے؟ جس نے اس کو نکالا ہے، کس بنا پر نکالا تھا اور کس درجہ میں رکھا تھا، اب کس درجہ میں پہنچا؟ اور تعجب پر تعجب ہے کہ اس نماز احتیاط کو عوام کیا، بعض علما بھی پڑھتے ہیں۔(واللہ اعلم) ان کے پاس کون سی دلیل کتاب وسنت وقیاس واجتہاد سے ہے اور بظاہر یہ نماز احتیاط نماز شک سے پائی جاتی ہے، اگر جمعہ نہ ہو تو ظہر ہوجائے گی، آیا قیاس اس کا صیام یوم الشک پر ہوسکتا ہے، یا نہیں؟ اور من جملہ دوسری بدعات محدثہ فی الدین کے ہے، یانہیں؟

الجواب

مذہب حنفیہ میں شرائط جمعہ میں مصر؛ یعنی شہر اور امام، یا اس کے نائب کا لکھتے ہیں، لہذا چوں کہ امام اور اس کا نائب ہندوستان میں بسبب تسلط کفار کے نہیں پایا جاتا تو بناء مذہب حنفیہ پر جمعہ نہ ہوا اور چوں کہ دیگر ائمہ نے یہ شرط نہیں رکھی تو ان کے مذہب پر جمعہ ادا ہو جاتا ہے؛ مگر چوں کہ دسری خرابی یہ ہوگئی کہ ایک شہر میں دو تین جگہ جمعہ پڑھنا ان کے نزدیک درست نہیں، جس کا جمعہ اول واقع ہوتا ہے، اس کا جمعہ تو ادا ہوا اور جس کا بعد ہوا، اس کے ذمہ پر ظہر کی نماز قائم رہی اور یہ حال دریافت نہیں ہوسکتا کہ کس کا جمعہ پہلے ہوا تو ان مذاہب پر بھی محل تعدد جمعہ میں ہر شخص کو تردد ادائے جمعہ وسقوط ظہر میں رہتا ہے، اس وجہ سے لوگوں نے ایجاد احتیاط ظہر کا کیا تھا کہ اگر جمعہ ادا نہ ہووے گا تو ظہر بالیقین ذمہ سے ساقط وادا ہو جاوے گی اور جو جمعہ ادا ہو گیا تو یہ رکعات نفل ہو جاویں گی۔

یہ اصل اس کی ہے؛ مگر احناف یعنی حنفیوں کا یہ عمل پسند نہیں۔ اول تو یہ احتیاط وجوب کے درجہ کو پہنچی اور یہ خود بدعت ہے۔ دوسرے بعضے اولی النزاع یعنی آپس میں جھگڑا اٹھانے والے ہو گئے۔ اگر درجہ احتیاط واستحباب میں رہتے تو خیر سہل بات تھی، پھر یہ کہ جن علما سے شرطیہ و وجود امام و نائب دریافت ہوئی ہے، وہی علما یہ لکھتے ہیں کہ اگر امام و نائب سے تعذر ہو تو مسلمین امام جمعہ مقرر کر کے جمعہ ادا کریں۔ پس حسب اس روایت کے سب جگہ امام موجود ہوتا ہے تو ایسی حالت میں جب مصر میں جمعہ پڑھا گیا ادا ہو گیا اور سقوط ظہر ذمہ سے ہو چکا۔

پس احتیاط ظہر لغو ہے اور جو ان لوگوں کے نزدیک یہ قول علما کا معتبر نہیں تو خود شرط جمعہ کی مفقود ہے۔ چاہیے کہ ظہر بجماعت پڑھا کریں، یہ کیا بے موقع بات ہے کہ شرط جمعہ کی موجود نہیں اور فقط تردد کی وجہ سے نوافل کو بجماعت ادا کریں اور فرض وقت کو فرادیٰ؛ یعنی تنہا تنہا پڑھیں، یہ سخت خرابی ہے۔ پس احناف کا احتیاط الظہر تو بایں وجہ پسند نہیں کرتا ہوں، خصوصاً اس صورت وجوب اور نزاع میں اور دیگر اہل مذاہب پر یہ اعتراض ہے کہ اگر تعدد درست نہیں تو دیدہ ودانستہ اس حرکت لایعنی بے فائدہ کو کیوں اختیار کیا۔ واجب ہے کہ سب جمع ہو کر ایک جگہ جمعہ ادا کریں۔ الغرض یہ امر نہایت لغو اور فضول اور سستیٔ دین کا باعث ہے اور موجب کمال غفلت اور بے پروائی دین سے ہونے کا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ۱۳۰۱ھ۔

الجواب صحیح: محمد امیر الدین پٹیالوی واعظ جامع مسجد دہلی۔ محمد امیر الدین۔ فقیر محمد حسین قادر علی عفی عنہ، ۱۳۰۴ھ، مدرس مدرسہ حسین بخش۔ جواب ہذا صحیح ہے، حسبنا اللہ بس: حفیظ اللہ محمد، ساکن درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء ضلع دہلی۔ المجیب مصیب: محمد حسین خاں خورجوی بقلم خود۔ اصاب من اجاب محمد حمایت اللہ عفی اللہ عنہ۔

الجواب

بہت صحیح اور ٹھیک ہے اور خلاف اس کا ضلالت وبدعت سیئہ ہے؛ کیوں کہ اس فعل نامقبول کو کسی نے بھی ائمہ اربعہ

سے نہیں کیا۔ (کما ہوفی الجرو تا تارخانی وغیرہما من کتب الفقہ) اور اصل میں یہ معنی نماز احتیاط الظہر بدعت سیئہ ہے، جو ایک بادشاہ عباسی معتزلی کہ عرب وعجم وغیرہ کا بادشاہ تھا، اس کی نکالی ہوئی ہے۔ حنفی مذہب میں ہرگز یہ نماز درست نہیں ہے، جواب یہ کرے، وہ نہ حنفی ہے اور نہ شافعی، نہ مالکی، نہ حنبلی؛ بلکہ معتزلی مذہب ہے۔ اس ظالم نے یہ حکم دیا تھا کہ نماز احتیاط الظہر ہر جگہ جاری کی جاوے، جو اس کو نہ کرے، اسے تعزیر لگائی جاوے، جو مولوی اس وقت عبدالدنیا والدراہم تھے، اس کو قبول کیا اور فتوؤں میں درج کر گئے اور مذہب حنفی کو بالائے طاق رکھا، اس قصہ کو ایک عالم جید قصوری پنجابی حنفی المذہب نے خوب تحقیق سے لکھا ہے کہ کذا فی التفسیر المحمدی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف دو رکعت یا چار رکعت بعد جمعہ کے اور پڑھتے تھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

حررہ العاجز ابومحمد۔ سید محمد عبدالسلام غفرلہ ابومحمد عبدالحق ابومحمد عبدالوہاب رسول الادب، خادم شریعت عبدالوہاب الپنجابی نزیل الدہلوی، ۱۳۰۵ھ۔ سید محمد اسمٰعیل، ہذا جواب صحیح: فرید آبادی، محمد ناظم ملک بنگالہ ضلع فرید پور، جواب صحیح ہے: محمد فقیر اللہ پنجابی ضلع شاہ پور۔ ہذا جواب صحیح ہے: حررہ ثابت علی اعظم گڑھ۔ الجواب صحیح محمد طاہر سلہتی۔ مسکین عبدالغنی ضلع کرنال۔

فرض احتیاط ظہر بایں وجہ ایجاد ہوئی تھی کہ اول میں ایک جمعہ ہوتا تھا، پھر تعدد جمعہ پر فتویٰ ہوا تو جمعہ سابق تو ہر حال درست ہوا، دوسرا جمعہ اصل روایت توحد جمعہ پر درست نہیں ہوتا اور تعدد کی روایت پر درست ہو جاتا ہے تو اس احتیاط سے فرض پڑھنے شروع ہوئے تھے۔ ازاں بعد یہ ٹھہری کہ جب کسی شرط من الشرائط میں خدشہ ہو تو یہ فرض پڑھا کریں، امام کا ہونا، یا نائب کا بھی حنفیہ کے مذہب میں شرط جمعہ ہے۔ بہ سبب ملک کفار کے وہ شرط بظاہر مفقود تھی تو چوں کہ یہ شرط مجتہد فیہ تھی کہ شافعی کا اس میں خلاف ہے، لہذا جمعہ کو ترک کرنا مناسب نہ جانا فرض احتیاط پڑھنی شروع کر دی، یہ وجہ تو پڑھنے کی ہے؛ مگر چوں کہ یہ بھی فقہاء حنفیہ نے لکھ دیا ہے کہ اگر تعذر نصب امام سے ہو تو عامہ مومنین اپنا امام جمعہ کا قائم کر لیویں اور جمعہ پڑھ لیویں تو بنابریں روایت جب کہ امام جمعہ کا مقرر ہے تو قائم مقام امام ہو گیا، اقامت جمعہ کی درست ہوئی۔ پس اب فرض احتیاط کی کوئی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ جمعہ حسب روایت حنفیہ درست ہوتا ہے؛ مگر چوں کہ مصر کا ہونا شرط ہے، لہذا صحرا میں جمعہ درست نہیں ہو سکتا تو خواہ کتنے ہی آدمی جمع ہوویں، صحرا میں جمعہ نہ کریں، ظہر کی جماعت پڑھیں۔

بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۴۹-۳۵۱) ☆

☆ **شہر اور دیہات میں احتیاط الظہر پڑھنے کا حکم:**

سوال: بعد نماز جمعہ احتیاط الظہر جو چار رکعت پڑھتے ہیں، پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

الجواب

قصبہ میں اور شہر میں جمعہ ادا ہو جاتا ہے، لہذا اس کے بعد ظہر نہ پڑھنی چاہیے اور گاؤں میں جمعہ ادا نہیں ہوتا، لہذا ظہر کو جماعت سے پڑھنا چاہیے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۴۸)

بیک وقت جمعہ اور ظہر دونوں کو ادا کرنے کا حکم نہیں:

سوال: مولانا صاحب! یہ بتایئے کے جمعہ کے روز جمعہ اور ظہر کی نماز دونوں ادا کی جاتی ہیں؟ اور یہ کہ دونوں نمازیں ایک ہی وقت میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

جمعہ کے دن مردوں کے لیے جمعہ کی نماز ظہر کے قائم مقام ہے؛ اس لیے وہ صرف جمعہ پڑھیں گے، ظہر نہیں پڑھیں گے۔ (۱) عورتوں پر جمعہ کی نماز فرض نہیں۔ (۲) ان کو حکم ہے کہ وہ اپنے گھر پر صرف ظہر کی نماز پڑھیں، اور اگر کوئی عورت مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھ لے تو اس کی یہ نمازِ جمعہ بھی ظہر کے قائم مقام ہوگئی۔ خلاصہ یہ کہ جمعہ اور ظہر دونوں کو ادا کرنے کا حکم نہیں، بلکہ جس نے جمعہ پڑھ لیا، اس کی ظہر ساقط ہوگئی۔ (۳)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۲۷)

جمعہ سے پہلے ظہر ادا کر لی تو ظہر ادا ہوئی، یا نہیں:

سوال: زید کو کوئی عذر بھی نہیں، اس نے بجائے مسجد جانے کے گھر میں ہی ظہر پڑھ لی تو ظہر ادا ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

جمعہ کے دن بلا عذر جمعہ چھوڑ کر ظہر پڑھنا گناہ اور قابل مواخذہ ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو ظہر ادا ہی نہیں ہوتی، اگرچہ مفتی بہ قول یہ ہے کہ ظہر ادا ہوگئی۔

---

(۱) ولأن اقامة الجمعة مقام الظهر عرف بنص الشرع بشرائط الجمعة. (بدائع الصنائع، فصل فی بیان شرائط الجمعة: ۲۶۷/۱، طبع: ایچ ایم سعید)

أیضاً: (فرض الوقت هو الظهر، والجمعة بدل عنها) قال (ومن صلىٰ فی بیته یوم الجمعة الظهر، أجزأه، مالم یخرج بعد ذلک یرید الجمعة). وذالک لأن فرض الوقت عند أبی حنیفة وأبی یوسف هو الظهر والجمعة بدل منها، والدلیل علىٰ ذلک قول النبی صلى اللّٰه علیه وسلم: وأول وقت الظهر حین تزول الشمس. ولم یفرق بین الجمعة وغیره. (شرح مختصر الطحاوی، باب صلاة الجمعة: ۱۴۳/۲، طبع: دار السراج/أیضاً فی المبسوط: ۱۳۲/۲، طبع: دار الفکر بیروت)

(۲) أما شروط الوجوب فستة فأولها الذکورة فلا تجب علی المرأة. (الحلبی الکبیر، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۴۷۲، دار الکتاب، دیوبند، انیس)

أیضاً: لا تجب الجمعة علىٰ مسافر ولا عبد ولا امرأة... وإن صلوا أجزأهم وذلک لماحدثنا ...عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أربعة لاجمعة علیهم: المرأة والعبد والمریض والمسافر. (شرح مختصر الطحاوی: ۱۴۱/۲، باب صلاة الجمعة، دار البشائر الإسلامیة، انیس)

(۳) ومن لا جمعة علیه ان أداها جاز عن فرض الوقت. (الفتاوىٰ الهندیة: ۱۴۴/۱-۱۴۵، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة، دار الفکر بیروت)

تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: شرح مختصر الطحاوی ج:۲ ص: ۱۴۱، ۱۴۳، طبع دار السراج، بیروت

ومن صلٰی الظهر یوم الجمعة قبل صلاة الإمام الجمعة ولاعذرله صحت ظهره عندنا وإن كان عاصيًا وعند زفرلاتصح وهوقول الثلثة ... قلنا فرض الوقت فی هذا اليوم أيضاً هو الظهر كسائرالأيام ولذا لوخرج الوقت لايقضی إلاالظهربالاجماع إلاأنه ماموربإسقاط الظهر بالجمعة فإذا لم يفعل كان عاصياً معاقباً وهولا ينافی الصحة، آه. (۱) فقط واللہ سبحانہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۹/۳)

جمعہ کی نیت کر کے اقتدا کی اور امام ظہر پڑھ رہا تھا:

سوال: ایک آدمی جمعہ کے روز دیہات پہنچا، وہ کثرت مجمع کی وجہ سے یہ سمجھ کر کہ جمعہ پڑھا جا رہا ہے، جمعہ کی نیت کر کے امام کے ساتھ شریک ہو گیا، بعد میں علم ہوا کہ امام نے ظہر پڑھی ہے، کیا اس آدمی کا جمعہ ادا ہوا، یا ظہر؟

الجواب

اس آدمی کی نہ ظہر صحیح ہے، نہ جمعہ، یہ دوبارہ ظہر ادا کرے۔

وإن نوٰی عندالتكبير أنه يصلی الجمعة مع الإمام فإذاكان الإمام يصلی الظهرلايجوزظهره مع الإمام نوٰی أنه يصلی الجمعة مع الإمام فإذا تبين أن الإمام كان يصلی الظهرظهرأنه لم يصح اقتداؤه لمكان المغايرة. (۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۸۵/۳)

نیت جمعہ میں اسقاطِ ظہر کو ضروری قرار دینا:

سوال: ایک عالم فاضل جو فن حدیث و دین کا ماہر ہے، وہ لوگوں کے مجمع میں اعلان کرتا ہے کہ جو نیت جمعہ تم کرتے رہے ہو، نہایت غلط ہے، جس کی وجہ سے تمہارے سب جمعے غلط ہوئے، اصلی نیت جمعہ کی یہ ہے کہ!

”نويتُ أن أصلی ركعتی الجمعة للّٰه تعالٰی لأسقط عن ذمتی الظهرمتوجهًا إلی الكعبة الشريفة إقتديت بهٰذا الإمام“.

دوسرا فریق کہتا ہے کہ!

”نويت أن أصلی ركعتی الجمعة فرضاً للّٰه تعالٰی اقتديت بهٰذاالإمام متوجهًا إلی الكعبة الشريفة“.

آیا فریق اول کی نیت صحیح ہے یا ثانی کی۔

---

(۱) الحلبی الكبير، فصل فی صلاة الجمعة فی البحث الثالث، ص: ٤٨٤، دار الكتاب ديوبند، انيس

(۲) فتاوٰی قاضی خان، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۷۹/۱، انيس

الجواب

جس جگہ جمعہ واجب ہے، وہاں صرف ''اُصلی رکعتی الجمعہ فرضاً، لخ'' کہنا کافی ہے، ''لأسقط عن ذمتی الظهر'' کی کوئی ضرورت نہیں، جس جگہ جمعہ فرض ہے تو اسقاط ظہر کہنے کی ضرورت ہی کیا ہے اور جہاں جمعہ فرض نہیں، وہاں ظہر ہی پڑھی جائے گی۔(۱) فقط واللہ اعلم

بندہ اصغر علی غفرلہ، معین مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۱/۸/۱۳۷۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفراللہ لہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۱/۸/۱۳۷۲ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۹۳/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) نیت کے لیے زبان سے الفاظ کا ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔انیس

ویکفیه أن ینوی بقلبه ولایشترط أن یقول بلسانه ما نوی بقلبه کما فی الصلاة لأن النیة عمل القلب والذکرباللسان دلیل علیها.(بدائع الصنائع،فصل فی شرائط جوازإقامة الواجب فی الأضحیة:٧١/٥.انیس)

أماالذکرباللسان فلا معتبربه و یحسن ذلک لاجتماع عزیمته.(الهدایة علی صدرفتح القدیر: ٢٧٢/١، باب شروط الصلاة التی تتقدمها)

محل التعیین هوالقلب بالاتفاق ویندب عند الجمهورغیرالمالکیة التلفظ بالنیة...ولایشترط الذکر باللسان وإنما یستحب للقلب الجمع بین نیة القلب وتلفظ اللسان.(الفقه الإسلامی وأدلته: ٧٧٣/١،محل النیة)

وفی القنیة:إنه بدعة إلا أنه لایمکنه إقامتها فی القلب إلا بإجرائها علی اللسان فحینئذٍ یباح،ونقل عن بعضهم أن السنة الاقتصارعلیٰ نیة القلب فإن عبرعنه بلسانه جاز(البحرالرائق: ٤٨٣/٢،باب شروط الصلاة)

(و أن ینوی)بقلبه (أی صلاة یصلی)أی الشرط الخامس النیة وهی أن بقلبه أی صلاة یصلی وأدناه أن یصیر بحیث لوسئل امکنه أن یجیب من غیرفکرة ذکره الزیلعی ثم النیة فی قصد کون الفعل لما شرع له یقع العبادات قصد کونها للّٰه تعالیٰ قال اللّٰه تعالیٰ﴿وماامروا إلا لیعبدوا اللّٰه مخلصین له الدین﴾قاله الحلبی ویشترط فیها أن یفصل بینها وبین التکبیر بفاصل أجنبی وهو کل عمل لایلیق فی الصلاةمثل الأکل والشرب ونحوذلک وأما إذا فصل بینهما بعمل یلیق فی الصلاة مثل الوضوء والمشی إلی المسجد فلایضره حتی لونوی ثم توضأ أو مشی إلی المسجد فکبر ولم تحضره النیة جاز لعدم الفصل بینهما بعمل لایلیق فی الصلاة،الخ.(إسعاف المولیٰ القدیر شرح زادالفقیر،شروط الصلاة: ٥٢،مخطوطة مکتبة جامعة الملک سعود،ط:دارالکتب المصریة.انیس)

قیام جمعہ کے احکام ومسائل

جہاں کافروں کی حکومت ہو وہاں بھی جمعہ درست ہے:

سوال: بعض حضرات کہتے ہیں کہ فی زمانہ ملک ہند میں اداء جمعہ فرض نہیں؛ کیوں کہ شرائط ادا جو شریعت نے مقرر فرمائے ہیں، مثلاً امیر اور قاضی جو اجراء احکام شرعی کا کرسکتا ہو، یہ مفقود ہیں، لہٰذا نماز جمعہ بلا قید وبلا لحاظ فرض مطلق نماز کی نیت سے ادا کرنا چاہیے اور بعد کو نماز ظہر بنا براحتیاط پڑھنا ضروری ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کو فرض کی نیت سے پڑھنا درست نہیں اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جمعہ بہ نیت فرض پڑھنا ضروری ہے اور احتیاطی پڑھنے کی کوئی ضرورت نہیں اور شرط امیر وقاضی کے واسطے علماء اور حکماء وقت کفایت کرسکتا ہے؛ کیوں کہ مسئلہ مذکور شدت سے زیر بحث ہے اور عوام کو یقین عمل میں نہایت خلجان اور اضطراب واقع ہے، لہٰذا حسبۃً للہ جلد تر موافق اہل سنت والجماعت مدلل مفصل راہ عمل کی ہدایت بطور افتاء فرمایا جائے تو امن عامہ اور اجر دارین کا باعث ہوگا؟

(المستفتی: ۲۴۱۳، مقصر شاہ صاحب (جہلم) ۲۲/رجب ۱۳۵۷ھ، ۱۸/ستمبر ۱۹۳۸ء)

الجواب

فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ جن بلاد میں کافروں کی حکومت ہو، وہاں بھی مسلمان نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

"فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً". (ردالمحتار نقلاً بالمعنی)(۱)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلطان اسلام کی شرط کو نظرانداز کردیا گیا اور جواز جمعہ کا حکم دے دیا گیا ہے، اسی پر امت کا عمل ہے۔ پس جمعہ کی نیت سے نماز پڑھنا چاہیے اور ظہر احتیاطی کی ضرورت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۰/۳)

ہندوستان میں جمعہ فرض ہے، یا نہیں:

سوال: ہند میں آج کل جمعہ پڑھنا فرض ہے، یا نہیں؟ اگر فرض ہے تو پھر فقہا کی دو شرائط؛ یعنی امامت اور مصریت کا جواب کیا ہے؟

(المستفتی: ۸۲۲، محمد نذر شاہ (۶/محرم ۱۳۵۵ھ، ۳۰/مارچ ۱۹۳۶ء) ضلع گجرات)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة: ۱٤٤/۲، ط: سعيد

الجواب

ہندوستان میں جمعہ فرض ہے اور امام (یعنی سلطان) اور مصر کی وہ تعریف جو نفاذ حدود واحکام شرعیہ پر مشتمل ہے خود فقہائے حنفیہ کی تصریح سے متروک ہوچکی ہے۔

”أما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمعة والأعياد ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما منهم“.(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۰/۳)

ہندوستانی مسلمان پر جمعہ کی نماز فرض ہے اور ایک وقت میں دو فرض درست نہیں:

سوال (۱) اس وقت جمعہ ہمارے لیے بحثیت محکوم برٹش ایمپائر فرض ہے، یا نہیں؟

(۲)　جمعہ کے لیے ظہر کی نماز کے فرض ادا کرنے چاہئیں، یا نہیں؟ اگر ہیں تو کیسے ادا کرنے چاہئیں، اگر نہیں تو کیوں؟

(المستفتی:۱۱۹۱، محمد دانیال صاحب (لاہور) ۲۸/ جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۶/ ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱)　جمعہ ہندوستان میں مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کی ادائیگی شرعاً صحیح ہے۔(۲)

(۲)　جمعہ کی نماز ادا کر لینے سے ظہر کی نماز ساقط ہوجاتی ہے؛ اس لیے جمعہ کی نماز پڑھ کر ظہر پڑھنا درست نہیں کہ ایک وقت میں دو فرض نہیں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۳/۳)

دارالحرب میں بھی اقامت جمعہ فرض ہے:

سوال:　نماز جمعہ اس وقت فرض کرکے پڑھی جائے، یا نہ؟ کیوں کہ پنجاب میں خصوصا لاہور میں بعض لوگ نماز جمعہ فرض نیت کرکے پڑھتے ہیں اور بعض صرف دو رکعت نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ہندوستانی پنجاب دارالحرب ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ دارالامان ہے، اب تحریر فرمائیں؟ جمعیۃ علماء ہند اس مسئلے کو اگر جمعہ نہیں

(۱)　ردالمحتار، کتاب القضاء، قبیل مطلب فی حکم تولیة القضاء فی بلادٍ تغلب علیها الکفار:۳۶۹/۵، دار الفکر، انیس

(۲)　فلو الولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين، ويجب عليهم ان يلتمسوا واليا مسلما.(ردالمحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب فی نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة:۱۴۴/۲، ط:سعيد)

(۳)　و فی البحر: وقد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط فی زماننا. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة:۱۳۷/۲، ط:سعيد)

ہوتا؛ یعنی فرض نہیں ہے تو پھر نماز ظہر پڑھی جائے؛ یعنی چار فرض ظہر کے پڑھے جائیں اور اگر یہ قطعی دلیل سے فرض عین ہے تو نماز ظہر کس لیے پڑھی جائے؟

(المستفتی:۱۶۹۰،عبدالحنان صاحب خطیب مسجد دربار حضرت داتا گنج بخشؒ (لاہور) ۱۵/جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ، م۲۳/اگست ۱۹۳۷ء)

الجواب

جمعہ فرض قطعی ہے اور ہندوستان اگر چہ دارالحرب ہو،(۱) پھر بھی یہاں اقامت جمعہ فرض ہے؛ کیوں کہ اقامت جمعہ کی کوئی قانونی ممانعت نہیں ہے۔ پس یہاں جمعہ ہی ادا کرنا چاہیے، نہ کہ ظہر۔ کتب فتاویٰ فقہیہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

”بلاد عليها ولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد فيها“. (۲)

اور اسی قسم کی تصریح فتح القدیر اور معراج الدرایہ وغیرہ سے منقول ہے۔ رہا یہ کہ نیت میں دو رکعت نماز فرض جمعہ کہیں، یا صرف دو رکعت نماز جمعہ؟ تو اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا؛ کیوں کہ زبان سے لفظ فرض کہنا لازم نہیں، خیال اور ارادے میں اس کو فرض سمجھ کر پڑھنا چاہیے اور ادائے جمعہ کے بعد جو لوگ چار رکعتیں بہ نیت ظہر احتیاطی پڑھتے ہیں، یہ بھی من جہۃ الدلیل ثابت نہیں ہیں۔ (۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۴۵/۳-۲۴۶)

ہندوستان میں جمعہ کی نماز:

سوال: ہمارے ایک خاص ملاقاتی خان صاحب کا کہنا ہے کہ نمازِ جمعہ کی شرطوں میں ایک اہم شرط یہ ہے کہ ملک کا سربراہ مسلمان ہو، ہندوستان چوں کہ دارالحرب ہے؛ اس لیے یہاں نمازِ جمعہ کے بجائے ظہر کی نماز ادا کرنا ہوگا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ (محمد رحیم الدین، باکارام)

---

(۱) ۱۹۳۷ء میں انگریز ہندوستان پر حاکم تھے۔

(۲) فلو الولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين،ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب في نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱۴۴/۲،ط:سعيد)

شامی میں یہ عبارت ہے:

أنها (أي الجمعة) تصح في البلاد التي استولى عليها الكفار. (ردالمحتار،باب الجمعة شرط مصر: ۱۳۸/۲، دار الفكر بيروت،انيس)

(۳) وقد أفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخر ظهر خوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱۳۷/۲،ط:سعيد)

ويكفيه أن ينوي بقلبه ولايشترط أن يقول بلسانه ما نوى بقلبه كما في الصلاة لأن النية عمل القلب والذكر باللسان دليل عليها. (بدائع الصنائع،فصل في شرائط جواز إقامة الواجب في الأضحية: ۷۱/۵. انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ

فقہا نے لکھا ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لیے امام المسلمین کا ''اذن'' (اجازت) ضروری ہے، وہی خطیبِ جمعہ مقرر کرسکتا ہے؛ لیکن یہ ان ملکوں کے لیے ہے، جہاں اسلامی حکومت ہو، جہاں یہ صورت حال نہ ہو، جیسا کہ ہمارا ملک ہندوستان، وہاں عام مسلمان جسے جمعہ کا امام وخطیب مقرر کریں، اس کی امامت وخطابت میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے۔

''(نصب العامة)الخطيب (غير معتبرمع وجود من ذكر)أما مع عدمهم فيجوزللضرورة''.(۱)

یہاں تک کہ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ!

''... فلهم أن يجمعوا علىٰ رجل يصلي بهم الجمعة''.(۲)

''اگر مسلم سلطان بھی ظلما جمعہ قائم کرنے سے منع کردے تو لوگوں کے لیے یہ بات درست ہوگی کہ وہ کسی شخص پر متفق ہوکر اس کے پیچھے نمازِ جمعہ ادا کرلیں''۔

لہٰذا ہندوستان اور اس جیسے ملک میں مصلیانِ مسجد اوران کی طرف سے منتخب کمیٹی کا جمعہ قائم کرنا درست ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۳/۳۵-۳۶)

غیر مسلم مما لک میں جماز جمعہ وعیدین کا حکم:

سوال(۱) یورپ کے اندر بیشتر مما لک ایسے ہیں، جہاں کبھی حکومت اسلامی ہوئی ہی نہیں، وہاں جمعہ واعیاد، نیز سکونت مسلمین کا شرعی حکم کیا ہے؟

(۲)　یہاں کی مجلسِ علماء نے مقامی موسمی تبدیلیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ستمبر کے آخری ہفتہ سے مارچ کے آخری ہفتہ تک شفقِ ابیض کے غائب ہونے پر بالاتفاق ابتداء عشا کا وقت تسلیم کیا ہے، ابتداء اپریل سے ستمبر کے تیسرے ہفتہ تک شفق احمر کے غائب ہونے پر بالاتفاق ابتداء عشا کا وقت تسلیم کیا ہے، ابتداء اپریل سے ستمبر کے تیسرے ہفتہ تک شفق احمر کے غائب ہونے کے بعد وقت عشا کی ابتدا تسلیم کی ہے، ایسا نہ کرنے میں نزاع شدید، حرج مدید ہے۔ کیا مجلس علماء کا یہ فیصلہ قابل عمل ہے؟　(فیروز احمد، سکریٹری نیوزی لینڈ اسلامک سوسائٹی)

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱)　ایسے مما لک میں جہاں کبھی اسلامی حکومت ہوئی نہ ہو؛ لیکن وہاں حکومتِ وقت کی جانب سے امن وامان قائم رہتا ہو، بدامنی اور شر وفساد کو حکومت روک دیتی ہو تو ایسے مما لک میں بھی جمعہ وعیدین کا قائم کرنا اور رکھنا مسلمانوں پر بشرائطہا واجب ہوجاتا ہے اور مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ اپنی آپس کی رضامندی سے کسی کو خطیب امام مقرر کرکے اس فریضہ کو انجام دیں۔

---

(۱)　الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۲)　رد المحتار: ۳/۱۴

”وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً منهم“. (۱)

اسی طرح وہاں سکونت مسلمین بھی جائز ہے اور صحیح ہے، خواہ مستامن ہو کر ہو، خواہ مستقل شہری باشندہ کی حیثیت سے ہو، البتہ مسلمانوں پر یہ بھی ضروری رہے گا کہ اپنے معاشرتی معاملات کو شرعی احکام کے مطابق درست رکھنے کے لیے معتبر علماء سے رجوع کیا کریں، نیز آپس کے نزاعی معاملات کے حل کے لیے جماعت مسلمین بنا کر اس سے رجوع کر کے اپنے معاملات میں شرعی احکام کے مطابق فیصلہ لے کر عمل کیا کریں۔

﴿فان تنازعتم فی شئ فردوه الی الله والرسول إن كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تاويلا﴾ (۲)

(۲)　آپ کے یہاں کے حالاتِ مذکورہ کے پیش نظر آپ کا مندرجہ طریقہ شرعاً بالکل صحیح درست اور قابل عمل ہے۔ هٰذا ما عندی من الشرع. فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۳۵-۳۳۶)

بلادِ ہند میں قاضی، یا امام کی تقرری کس کے ذمہ ہے:

سوال:　ایک ہندو ریاست میں ایک شہر ہے جہاں کے حکام اور والی ہنود ہیں، کسی عالم قاضی، یا امام کا جو متفق علیہ ہو، قوم کی طرف سے انتظام نہیں، حالاں کہ روایات صحیحہ فقہیہ کتب معتبرہ اسی کو شرط بیان کرتے چلے آئے ہیں ۔

”الوالی شرط لأداء الجمعة وكذا المصر الجامع، سراجية، حتٰی لا تجوز إقامتها بغير أمر السلطان وأمر نائبه، كذافی محيط السرخسی، الصحيح فی زماننا أن صاحب الشرط وهو الذی يسمی شحنه والوالی والقاضی لايقيمون الجمعة لأنهم لا يولون ذلك إلا إذا جعل ذلك فی عهدهم و منشورهم، كذا فی الغياثية، فإن لم يكن ثمه واحد منهم واجتمع الناس علٰی رجل فصلٰی بهم جاز، كذا فی السراجية، بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضی قاضياً بتراضی المسلمين ويجب أن يلتمسوا والياً مسلماً، كذا فی معراج الدراية“.

ایسی صورت میں جب کہ ولایت کفار میں علما نے کسی ایسے شخص پر اتفاق، یا قاضی بنانے کی ضرورت بیان کی ہے اور قوم کی طرف سے امور بالا کا التزام نہ ہو؛ بلکہ تصریحات مذکورہ کے خلاف ہو، کیا جمعہ بطور فرضیت کے واقع ہوگا اور اس کا نہ پڑھنے والا گنہ گار ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ۶۲۰، شرف الدین (اجمیر) ۱۹/ جمادی الثانی ۱۳۵۴ھ، م ۱۸/ ستمبر ۱۹۳۵ء)

---

(۱)　ردالمحتار، قبيل مطلب فی حكم تولية القضاء فی بلاد تغلب عليها الكفار: ۵/۳۶۹، دار الفكر بيروت، انيس

(۲)　سورةالنساء: ۵۹

الجواب ــــــــــــــــــــــ

ایسی جگہ جب مسلمان کسی شخص کوامامت جمعہ کے لیے مقرر کرلیں تو یہی تقرر اور انتخاب کافی ہے، ورنہ تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص کو بحثییت والی منتخب کرنا شرط ہوتو یہ بات شہروں اور انگریزی علاقوں میں بھی متحقق نہیں ہے، فتاویٰ سراجیہ سے جو عبارت سوال میں نقل کی ہے: ''واجتمع الناس علٰی رجل فصلٰی بھم جاز'' یہ دلیل ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۸۶/۳-۲۸۷)

انگریزی حکومت میں خودمختار قوم کے لیے جمعہ کا حکم، جمعہ کے لیے بادشاہ وقاضی کا ہونا ضروری ہے:

سوال (۱) حنفی مذہب میں خودمختار قوم پر انگریزی حکومت میں جمعہ واجب ہے، یا نہیں؟

(۲)　کیا خودمختار قوم انگریزی علاقہ میں جانے پر جمعہ ترک کرسکتے ہیں؟

(۳)　جمعہ کے لیے حنفیہ کے نزدیک بادشاہ وقاضی کا ہونا ضروری ہے، یا نہیں؟

(۴)　قاضی وغیرہ نہ ہونے کے علاقے میں خودمختار قوم پر جمعہ واجب ہے، یا نہیں؟

(۵)　کیا خودمختار قوم کے لیے شرعی حکم الگ ہے، یا ہر مسلمان کے لیے ایک ہی حکم ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

(۱)　واجب ہے۔

بلاد عليها ولاة كفار يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيًا بتراضى المسلمين. (۲)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ انگریزی حکومت کے شہر اور بڑی بستی میں جمعہ ادا کرنے سے فرض جمعہ ادا ہوگا۔

(۲)　جمعہ چھوڑنا جائز نہیں۔

(۳)　کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان ہوتو اس کا اذن ضروری ہے اور اگر نہ ہوتو جس کو امام مقرر کرلیا جاوے، وہ امام جمعہ ہوسکتا ہے اور جمعہ صحیح ہے۔

شامی (۸۴۲/۱)، درمختار کے قول ''**أما مع عدمهم فيجوز للضرورة**'' کے تحت میں ہے کہ ''**معراج الدراية**'' میں مبسوط سے منقول ہے:

''**فلو الولاة كفارًا يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضى قاضيًا بتراضى المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليًا مسلمًا**'' آه.(۳)

---

(۱)　فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضى قاضياً بتراضى المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما.(رد المحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب فى نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة:۱٤٤/۲،ط:سعيد)

(۲)　الفتاوىٰ الهندية،كتاب الصلاة،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة:۱٤٦/۱

(۳)　ردالمحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب فى نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة:۱٤٤/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۴) واجب ہے۔

(۵) احکام شرعیہ تمام مسلمانوں کے لیے یکساں ہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۷۴-۷۵)

اقامت جمعہ کے لیے قاضی کی ضرورت:

سوال: موجودہ دور میں خلیفہ مسلم نہ ہونے کی وجہ سے عالم متقی کہ مقبول خاص وعام ہے۔اقامت جمعہ وخطبہ کے لیے قاضی اورخلیفہ کے قائم مقام ہوسکتا ہے، یانہیں؟

الجواب

ایسا عالم متقی، قاضی کا قائم مقام ہوسکتا ہے۔

البحرالرائق میں خلاصہ کے حوالہ سے نقل کیا:''**والی مصرٍ مات ولم یبلغ الخلیفة موته حتیٰ مضت بهم جمع فإن صلیٰ بهم خلیفة المیت أو صاحب الشرط أوالقاضی أجزأهم ولواجتمعت العامة علیٰ تقدیم رجل لم یأمره القاضی ولا خلیفة المیت لم یجزولم تکن جمعة ولو لم تکن ثمة قاضی ولاخلیفة المیت فاجتمع العامة علیٰ تقدیم رجل جازللضرورة'' إنتهیٰ.**(۱)

اوردرمختارمیں ہے:''**(نصب العامة) الخطیب (غیرمعتبرعلیٰ وجودمن ذکر)أمامع عدمهم فیجوز للضرورة'' إنتهیٰ.**(۲)

اورعالمگیری میں ہے:''**ولوتعذر الاستئذان من الإمام فاجتمع الناس علیٰ رجل یصلی بهم الجمعة جاز، کذا فی التهذیب''.**(۳)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۱۴)

مسلمانوں پر قاضی کا مقرر کرنا:

سوال: مسلمانوں پر قاضی کا مقرر کرنا فرض ہے، یا واجب؟ اپنی دینی ضروریات ودنیا کے معاملات کے لیے؟ کیا مسلمانوں کے لیے فقط نماز جمعہ کے لیے امام مقرر کرنا فرض وواجب ہے؟

الجواب وباللہ التوفیق

حکومت کافرہ میں مسلمانوں پرواجب ہے کہ اپنا امیر شریعت مقرر کریں اوراس امیر کا کام یہ ہے کہ قاضی اور جمعہ وعیدین کے لئے امام مقرر کرے۔(۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۰/۸/۱۳۵۲ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۳۸)

---

(۱) البحر الرائق،باب الجمعة: ۲/۲۵۲،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲) الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۲/۱۴۳،دار الفکربیروت،انیس

(۳) الفتاویٰ الهندیة،الباب السادس عشرفی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶،انیس

(۴) وأما بلاد علیها ولاة کفارفیجوز للمسلمین اقامة الجمع والأعیاد،ویصیرالقاضی قاضیًا بتراضی ==

جمعہ کی نماز اوراذنِ سلطان:

سوال: ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جمعہ کی نماز حکومت کی اجازت کے بغیر درست نہیں؛ تاہم اس کی تفصیلات میں کچھ اختلاف ہے۔ جہاں مسلمانوں کی حکومت باقی نہ رہے، وہاں فقہا نے یہ صورت متعین کی ہے کہ مسلمان خود ایک والی کا انتخاب کریں، یا غیر مسلم حکومت سے مسلم والی کا مطالبہ کریں، یہ بھی نہ ہو سکے تو مسلمان اپنی باہمی رضا مندی سے قاضی کا انتخاب کرلیں، اب اس وقت جو قاضی حضرات موجود ہیں، ان کی حیثیت مجسٹریٹ کی نہیں؛ بلکہ صرف قاریٔ النکاح کی ہے تو کیا یہ ممکن ہے کہ مسلمان اپنی رضا مندی سے ایک والی کا انتخاب کریں، حکومت اس کو منظور کرے اوراس کی اجازت سے جمعہ قائم کیا جائے؟ (سید نصیر الدین احمد، بی اے عثمانیہ، ریڈ ہلز)

الجواب

امیر و قاضی کے انتخاب کا مسئلہ جمعہ سے زیادہ مسلمانوں کے معاشرتی مقدمات کے لیے ضروری ہے؛ کیوں کہ غیر مسلم جج کا کیا ہوا فسخ نکاح فسخ نہیں ہوتا؛ اسی لیے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے لے کر ماضی قریب تک کے تقریبا تمام ہی علماء ہند نے مسلمانوں پر یہ بات واجب قرار دی ہے کہ اگر حکومت ان کے لیے مسلمان والی کا تقرر نہیں کرتی ہے تو وہ اپنے طور پر امیر کا انتخاب کریں اور امیر ان کے لیے قاضی مقرر کرے، یا کم سے کم قاضی ہی کا انتخاب کرلیں، چناں چہ مفکر اسلام حضرت ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے بہار میں ان ہی خطوط پر امارت شرعیہ کا نظام قائم فرمایا، جو پورے ملک کے لیے مشعل راہ ہے۔ آندھرا پردیش میں بھی ''امارتِ ملت اسلامیہ'' کا قیام عمل میں آیا، جس کے پہلے امیر حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب شیخ الجامعہ نظامیہ تھے اور موجودہ امیر مولانا محمد حمید الدین حسامی عاقل ہیں، جن ریاستوں میں امارت کا نظام قائم نہیں ہے، وہاں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نظام قضاء قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہے؛ کیوں کہ مسلم پرسنل لا بورڈ مسلمانوں کا متفق علیہ پلیٹ فارم ہے؛ اس لیے اسے مسلمانانِ ہند پر ایک طرح کی ولایت حاصل ہے اور اسی ولایت کی وجہ سے امیر کو قاضی مقرر کرنے کا حق ہوتا ہے۔

جہاں تک جمعہ کی بات ہے تو جمعہ کے لیے سلطان کی شرط کا مقصد مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا اوران کو انتشار سے بچانا ہے؛ اسی لیے فقہا نے لکھا ہے:

''ولو تعذر الإستئذان من الإمام فاجتمع الناس علٰی رجل یصلی بھم الجمعۃ جاز''. (۱)

''اگر امام المسلمین سے اجازت لینا دشوار ہو اور لوگ ایک شخص پر اتفاق کرلیں کہ وہ نمازِ جمعہ پڑھائے تو اس شخص کا نماز پڑھا دینا درست ہے''۔

== المسلمین،فیجب علیھم أن یلتمسوا والیًا مسلمًا منھم،آہ.(ردالمحتار، کتاب القضاء،قبیل فی حکم تولیۃ القضاء فی بلادٍ تغلب علیھا الکفار:۵/۳۶۹،دار الفکر بیروت،انیس)

(۱) الفتاوی الھندیۃ،الباب السادس عشر فی صلاۃ الجمعۃ:۲/۱۴۳،دار الفکر بیروت،انیس

بلکہ اگر امام بلا وجہ جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو، تب بھی مسلمان ایک شخص پر متفق ہوکر سلطان کی ممانعت کے باوجود جمعہ قائم کرسکتے ہیں۔

لو منع السلطان أهل مصرأن يجمعوا إضرارًا وتعنتاً فلهم أن يجمعوا علىٰ رجل يصلى بهم الجمعة.(۱)

موجودہ زمانہ میں مساجد کی انتظامیہ کمیٹیاں، یا مسجد کے متولیان کی حیثیت اس مسجد کے حق میں ذمہ دار کی ہے اور ان کا کسی شخص کو جمعہ قائم کرنے پر مامور کردینا اس شرط کو پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔حکومت، یا حکومت کی جانب سے مقرر کسی شخص کی اجازت ضروری نہیں؛ بلکہ ایسی شرطوں سے نقصان کا اندیشہ ہے۔(کتاب الفتاویٰ:۳۳/۳-۳۵)

إذن الحاكم بالجمعة يبقى بعد موته أوعزله،أم لا:

سوال: ایک موضع میں صحت جمعہ کے متعلق اختلاف ہورہا ہے؛ مگر اس موضع میں قدیم زمانہ کی شاہی جامع مسجد موجود ہے، جس کے لیے شاہی فرمان سے خطیب وامام کا تقرر بھی ہوا ہے۔اس صورت میں یہ موضع جمعہ کے لیے صالح ہے، یا نہیں؟ اس جگہ اب تک ہورہا ہے، کبھی منقطع نہیں ہوا، آبادی دو ہزار سے زیادہ ہے، بازار باقاعدہ متصل نہیں۔

الجواب

فى الدرعن القهستا نى:أذن الحاكم ببناء الجامع فى الرستاق أذن بالجمعة اتفاقاً علىٰ ماقاله السرخسى وإذا اتصل به الحكم صارمجمعاً عليه فليحفظ،آه.

وفى رد المحتارعن فتاوى الدينار: إذا بنىٰ مسجد (أى جامع) فى الرستاق بأمر الإمام فهو أمر بالجمعة اتفاقاً علىٰ ما قاله السرخسى،آه،فافهم والرستاق القرىٰ،كما فى القاموس ... وظاهر مامر عن القهستانى أن مجرد أمر السلطان أوالقاضى ببناء المسجد وأدائها فيه حكم رافع للخلاف بلا دعوىٰ وحادثة، وفى قضاء الأشباه: أمر القاضى حكم ... وأفتىٰ ابن نجيم بأن تزويج القاضى الصغيرة حكم رافع للخلاف ليس لغيره نقضه،آه.(۲)

قلت:ومثل هٰذا الحكم الذى لا يجوز لغيره نقضه لايبطل بموت الحاكم كمالا يخفى فلما كان حكم الحاكم رافعا للخلاف الذى كان بين الحنفية والشافعية فى صلاحية الموضع للجمعة وصارالموضع بحكمه صالحا للجمعة اتفاقا يصح أداء الجمعة فيه والله تعالىٰ أعلم(۳)

قلت:وقد تردد سيدى حكيم الأمة فى بقاء مثل هٰذا الحكم بعد موت الحاكم فليتأمل ولعل الله يحدث بعد ذلك أمراً۔

ظفر احمد عفا عنہ،۲۳/ جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ

---

(۱) رد المحتار،باب الجمعة،مطلب قبيل فى نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱۴۳/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۳) صورت مسئولہ میں اس موضع میں جمعہ درست ہے؛ بلکہ لازم ہے

نوٹ:　پھر یہ فتوی تحقیق کے لیے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں بھی بھیجا گیا تو حسب ذیل جواب آیا اور وہی جواب صحیح ہے، میں اپنے پہلے قول سے رجوع کرتا ہوں۔

ظفر احمد

قال العلامة ابن عابد ین علٰی قول الدر المختار: (قوله: إذن عام) أی لکل خطیب أن یستنیب، لا لکل شخص أن یخطب فی أی مسجد أراد، ح. أقول: لکن لایبقی إلی الیوم الإذن بعد موت السلطان الآذن بذلک إلا إذا أذن به أیضاً سلطان زماننا نصره اللّٰه تعالٰی، کما بینته فی تنقیح الحامدیة وسنذکره فی باب العید ین عن شرح المنیة مایدل علیه أیضاً فتنبه. (۱)

وقال فی باب العیدین: وما ذکروامن عمل العامة بقول ابن عباس لأمر أولاده من الخلفاء به کان فی زمنهم، أما فی زماننا فقد زال فالعمل الآن بما هو المذهب عندنا، کذا فی شرح المنیة وذکر فی البحرأن الخلاف فی الأولویة ونحوه فی الحلیة.

(تنبیه) یؤخذ من قول شرح المنیة کان فی زمنهم، الخ: أن أمر الخلیفة لا یبقی بعد موته أو عزله، کما صرح به فی الفتاوٰی الخیریة وبنی علیه أنه لونهٰی عن سماع الدعوٰی بعد خمس عشرة سنة لایبقٰی نهیه بعد موته، واللّٰہ تعالٰی أعلم، آه. (۲) (کذا فی تنقیح الحامدیة: ۶/۱ـ۱۰۷/۲)

ان عبارات اور جزئیہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور میں حکمِ حاکم حاکم کی موت کے بعد باقی نہیں رہتا اور حضرت اقدس کے رائے کی تائید ظاہر ہوتی ہے۔

بقاء حکم کی کوئی صریح دلیل نہ آپ نے لکھی اور نہ ہم کو ملی اور آپ نے صرف اس سے استدلال کیا ہے کہ حاکم جو حکم کرے، اس کے نقض کا کسی کو حق نہیں، یہ نقض نہ کرنا اس کی زندگی میں تو مسلم ہے کہ اور ہر حکم جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے، بالخصوص مجتہد فیہ میں، **الثالثة إذا قضٰی فی مجتهد فیه مخالف لمذهبه فله نقضه دون غیره.** (الأشباه، ص: ۳۲۱) لیکن جو احکام محض اطاعت خلیفہ کی وجہ سے قابل تسلیم ہوں، ان کا بقا بعد الموت مسلم نہیں؛ بلکہ حاکم جدید کو اس کے نقض کا حق ہے، جیسا کہ عبارت بالا سے ظاہر ہے اور تنقیح حامدیہ (۶/۲) پر اس کی مفصل بحث موجود ہے اور خصوصیت سے جمعہ کے متعلق بھی فقہاء تصریح کرتے ہیں:

''الإمام اذا منع أهل المصر أن یجمعوا لم یجمعوا کما أن له أن یمصر موضعاً فإن له أن ینهاهم، قال الفقیه أبو جعفر: هٰذا إذا نهاهم مجتهد بسبب من الأسباب وأراد أن یخرج ذلک المصرمن أن یکون مصراً اما اذا نهاهم متعنتا اضرا راً بهم فلهم أن یجمعوا علٰی رجل أن یصلی بهم الجمعة. (البحر الرائق: ۱۴۶/۲، خلاصة الفتاویٰ: ۲۸/۱) (۳)

(۱)　رد المختار، باب الجمعة، مطلب فی جواز استنابة الخطیب: ۱۴۳/۲، انیس

(۲)　رد المحتار، باب العیدین، مطلب تجب طاعة الامام فیما لیس بمعصیة: ۱۷۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳)　البحر الرائق، باب الجمعة: ۲۵۵/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ اس جگہ کے لیے جب حکم شاہی جمعہ کے لیے ہوا تھا تو کیا اس وقت بھی یہی حالت تھی؟ سوال میں اس کی تصریح نہیں، اگر یہی حالت تھی؛ تب تو حکم شاہی سے استدلال بصورت بقاء حکم بعد الموت صحیح ہوسکتا ہے اور اگر اس وقت اس میں مصریت کی شان تھی، اس کے بعد ویران ہوگیا تو کیا پھر بھی حکم شاہی سے اس جگہ جواز جمعہ کا حکم دیا جائے گا؟ بظاہر فقہا کے کلام سے اس کی تردید معلوم ہوتی ہے۔

"ولو أن اماماً مصر مصراً ثم نفر الناس عنه لخوف عدو أو ما أشبه ذلک ثم عادوا إليه فإنهم لايجمعون إلا بإذن مستأنف من الإمام". (البحر الرائق: ۱٤٦/۲،عن الخلاصة: ۲۰۸/۱)(۱)**والله أعلم**

حررہ سعید احمد غفرلہ، دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور۔ صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ۔

نوٹ: پھر یہ سوال دوسری صورت سے آیا تو جواب دوسرا دیا گیا، جو آئندہ فتاوی رمضان ۱۳۵۵ھ میں نقل ہے، دونوں سوالوں میں یہ فرق ہے کہ پہلے میں آبادی تین ہزار اور بازار کو متصل ظاہر کیا گیا اور بازار میں ضروریات کے ملنے کی تصریح کی ہے اور دونوں جوابوں میں یہ فرق ہے کہ پہلے جواب میں صرف اذن حاکم بناء الجامع پر اس قریہ کو بحکم مصر مان کر جواز کا فتوی دیا گیا تھا؛ مگر یہ بناء صحیح نہ تھی اور دوسرے جواب میں قریہ کی حالت موجودہ کو قریہ کبیرہ میں داخل مان کر فتوی دیا گیا ہے اور یہ بناء صحیح ہے، پس دونوں میں تعارض کا شبہ نہ کیا جاوے۔ (امداد الاحکام: ۴۱۶/۲)

جہاں پہلے سے جمعہ قائم ہو، وہاں بند نہ کیا جائے:

سوال: ہمارا گاؤں جس میں تقریبا ایک سو ساٹھ گھر ہوں گے اور بالغ مرد دو سو ستاون ہیں، دو مسجدیں ہیں، جمعہ پہلے سے جاری ہے، تقریبا تین ساڑھے تین صفیں نمازیوں کی ہوجاتی ہیں، اب ایک ماہ سے ایک مولوی صاحب نے آکر جمعہ بند کرادیا ہے۔ اس دن سے ظہر کی اذان بھی سنائی نہیں دیتی؛ کیوں کہ ہمارے امام صاحب اور چند آدمی ڈلوال میں جمعہ پڑھنے چلے جاتے ہیں۔

(المستفتی: ۳۵۴، نذر محمد ضلع جہلم ۱۲/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ، ۲۵/جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

اس مقام پر پہلے سے جمعہ قائم تھا تو اب اس کو بند کرنا نہیں چاہیے، جمعہ کی نماز بدستور پڑھتے رہیں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۴/۳)

---

(۱) البحر الرائق،باب الجماعة: ۲۵۵/۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۲) واستشهد له بما فى التجنيس عن الحلوانى أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لايمنعون؛ لأنهم اذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤهامع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً. (الدر المختار، باب العيدين ،قبيل مطلب تجب طاعة الامام فيما ليس بمعصية: ۱۷۱/۲،ط:سعيد)

جہاں جمعہ جائز نہ ہو، وہاں جمعہ پڑھنے سے نماز نفل ہوگی، یا جمعہ شمار ہوگی اور دیگر احکام میں کچھ فرق ہوگا:

سوال: ملک برما میں شہر مانڈلے سے ۳۲؍میل کے فاصلے پر ایک قصبہ چوکسی نام کا ہے، اس قصبہ سے تین چار میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے، جس کا نام لیپان ہے، گاؤں اور قصبہ کے بیچ میں کھیت اور جنگل ہیں، اس گاؤں میں کا فرسرکار کی طرف سے ایک نائب ہے، جسے برمی زبان میں تجی کہتے ہیں، وہ مسلمان ہے اور ایک عالم ہے، آبادی مسلم وغیر مسلم چودہ سونفوس ہیں، اس گاؤں میں ایک مسجد ہے، جس کی لمبائی ۳۰؍ ہاتھ اور چوڑائی ۲۴؍ ہاتھ ہے، وہاں پرانے زمانے سے جمعہ ہوتا ہے۔ اب یہ چرچا ہوا کہ مذہب حنفی میں گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا، اب دو گروہ ہوگئے ہیں: ایک گروہ جو ترک جمعہ کا قائل ہے، اپنی دلیل میں بہشتی گوہر (ص:۹۲) اور فتاویٰ عالمگیری، (ص:۲۰۴) اور فتاویٰ امدادیہ (۹۰/۱) اور تتمہ فتاویٰ امدادیہ (۳۲/۱) اور ترجیح الراجح (۱۷/۲) کے حوالے پیش کرتا ہے۔ آپ کے نائب مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ!

”اگر چہ چھوٹے گاؤں میں موافق مذہب حنفی کے جمعہ نہیں ہوتا ہے؛ لیکن جس گاؤں میں قدیم سے جمعہ قائم ہو تو روکنا نہیں چاہیے، اپنے مذہب کی پابندی سے اور روک دینے سے مفاسد عظیمہ میں پڑ جانے کا خوف وخطر بظن غالب ہوتا ہے، لہٰذا اس ضرورت کی وجہ سے اپنے مذہب کی پابندیوں کو چھوڑ دینا جائز ہے۔ ہاں نہ پڑھنے والوں پر معترض بھی نہ ہونا چاہیے۔

حبیب المرسلین عفی عنہ، نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھوٹے گاؤں میں جمعہ نہیں ہوتا ہے؛ مگر روکنا نہیں چاہیے، نہ روکنے کی صورت میں جو لوگ جمعہ پڑھیں گے، ان کا فرض ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

جس جگہ نماز جمعہ فرض نہیں ہے، وہاں جمعہ پڑھنے سے اپنے مذہب کے لحاظ سے چند مکروہات کا ارتکاب لازم آتا ہے: اول نفل کی جماعت، دوم نوافل نہار میں جہر، سوم غیر لازم کا التزام، چہارم ترک جماعت فرض ظہر، پنجم اگر کوئی ظہر نہ پڑھے تو ترک فریضہ کہ حرام اور فسق ہے؟ بینوا توجروا۔

(المستفتی: ۱۱۱، عبدالحمید صاحب موضع تنڈا اوگانوں ضلع چوکسی، ۲۴؍رجب ۱۳۵۲ھ، ۱۴؍نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

گاؤں میں جمعہ کا صحیح ہونا، نہ ہونا مجتہدین میں مختلف فیہ ہے، حنفیہ کے نزدیک جواز جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط ہے؛ لیکن مصر کی تعریف میں اختلاف عظیم ہے؛ تاہم جس مقام میں کہ زمانۂ قدیم سے جمعہ قائم ہے، وہاں جمعہ کو ترک کرانے میں جو مفاسد ہیں، وہ ان مفاسد سے بدرجہا زیادہ سخت ہیں، جو سائل نے جمعہ پڑھنے کی صورت میں ذکر کئے ہیں، جو لوگ جمعہ کو جائز سمجھ کر جمعہ پڑھتے ہیں، ان کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔ نفل کی جماعت، یا جہر بقرأت نفل نہار، یا ترک فرض لازم نہیں آتا۔ (گاؤں میں فتنہ کے خوف کی وجہ سے جمعہ جاری رکھنا کا حضرت کا یہ قول توسع اور ذاتی رائے پر مبنی

ہے؛ کیوں کہ تمام کتب میں عدم جواز پر تصریح کی گئی ہے،اس کے علاوہ فتاویٰ معاصرہ امداد الفتاویٰ (۲۶۶/۱)،خیر الفتاویٰ،احسن الفتاویٰ،امداد الاحکام (۷۰۶/۱)،فتاویٰ دار العلوم دیوبند (۹۹/۵) وغیرہ میں بھی عدم جواز پر جواز اتفاق ہے، لہٰذا آنے والے مسائل جمعہ فی القریٰ کے بارے میں حضرت کی رائے کا دخل ہے، نیز جواب:۳۸۸ میں انہوں نے خروج عن المذہب کی تصریح بھی کی ہے۔

وعبارة القهستاني:تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيهاأسواق.(۱)

وفي الجواهر: لوصلوا في القرىٰ لزمهم أداء الظهر،الخ.(۲)

وفي الدر المختار:صلاة العيد في القرىٰ تكروه تحريماً.وفي الرد:ومثله الجمعة.(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۳۰/۳-۲۳۱)

ایک گاؤں میں سو برس سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے، وہاں جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: ایک گاؤں جس کے اندر ڈیڑھ سو گھر ہندو مسلمانوں کے ہیں، چند چھوٹی دکانیں مرچ مسالہ کی ہیں، بازار اس گاؤں سے تین میل کے فاصلے پر ہے اور یہاں پر قریب ایک سو برس سے جمعہ ہوتا چلا آیا ہے؛ لیکن ایک مولوی صاحب آ کر ہم لوگوں کو حدیث ومسئلہ سے سمجھا کر گاؤں میں مطلق جمعہ حنفی مذہب میں جائز نہیں۔اب گاؤں میں ایک جماعت جمعہ پڑھتے ہیں اور ایک جماعت ظہر پڑھتے ہیں۔اب دونوں جماعت میں جھگڑا ہوتا ہے؛ لیکن اگر بزرگ صاحب کے یہ کہنے پر کہ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جو جمعیۃ علمائے ہند کے صدر ہیں اور تمام مسلمان آپ کو بزرگ عالم مانتے ہیں، اگر وہ اجازت دے دیں گاؤں میں جمعہ پڑھنے کی تو ہم سب متفق ہوں گے۔

(المستفتی:۱۹۷،احمد النبی صاحب محلہ سردھا پورڈاکخانہ خوردہ ضلع پوری، ۲۵/شوال ۱۳۵۲ھ،۱۰/فروری ۱۹۳۴ء)

الجواب

اگر اس جگہ ایک سو برس سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے تو اسے بند نہ کرنا چاہیے کہ اس کی بندش میں دوسرے فتن وفسادات کا اندیشہ ہے، جو لوگ نہ پڑھیں، ان پر بھی اعتراض اور طعن نہ کرنا چاہیے، وہ اپنی ظہر کی نماز پڑھ لیا کریں اور جو جمعہ پڑھیں، وہ جمعہ پڑھ لیا کریں۔(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۳۲/۳)

(۱-۲)　ردالمحتار، باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعيد

(۳)　ردالمحتار،باب العيدين:۱۵۲/۲-۱۶۷،ط:سعيد

یہ واضح رہے کہ شرائط مجتہد فیہ ہیں؛اس لیے جمعہ کی صحت مباحث کی بنا پر بمذہب فقہ شافعی وغیرہ۔انیس

(۴)　واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني: أن كسالىٰ العوام إذا صلوا الفجر وعند طلوع الشمس لا يمنعون؛ لأنهم إذا منعوا تركوها اصلا وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولىٰ من تركها أصلاً.(رد المحتار،باب العيدين،قبيل مطلب تجب طاعة الامام فيما ليس بمعصية :۱۷۱/۲،ط:سعيد)

جہاں جمعہ پہلے سے قائم ہو، وہاں بند نہ کیا جائے اور جہاں قائم نہ ہو، وہاں شروع نہ کیا جائے:

سوال: ایک بستی میں ہمیشہ سے لوگ جمعہ پڑھتے ہیں۔ اب ایک مولوی صاحب بند کرانا چاہتے ہیں، یہ جائز ہے، یا نہیں؟ اس ملک گجرات میں چھوٹی چھوٹی بستیاں ہندوؤں کی بسائی ہوئی ہیں اور ان میں پانچ، یا سات گھر مسلمانوں کے ہوں، وہاں شروع کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۵۴۷، وی جی پٹیل (ضلع بھروچ) ۲۱ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

جن بستیوں میں قدیم سے جمعہ پڑھا جاتا ہے اور جمعہ چھوڑوانے سے لوگ نماز پنج وقتہ بھی چھوڑ دیتے ہیں، ایسی بستیوں میں جمعہ پڑھنا چاہیے؛ تاکہ اسلام کی رونق اور شوکت قائم رہے، جو لوگ کہ ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے ہیں، وہ نہ پڑھیں، ان سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے، پڑھنے والے بھی گنہ گار نہیں ہیں اور نہ پڑھنے والے بھی گنہ گار نہیں، آپس میں اختلاف اور فتنہ وفساد پیدا کرنا حرام ہے۔ ہاں! جن چھوٹے گاؤں میں پہلے سے جمعہ قائم نہیں ہے، وہاں قائم نہ کریں اور جہاں پہلے سے قائم تھا پھر چھوڑ دیا اور اس کی وجہ سے لوگوں نے نماز جمعہ چھوڑ دی، وہاں پھر شروع کر دیں۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۵/۳)

جس بستی پر مصر اور قریہ کبیرہ کی تعریف صادق آتی ہو، وہاں جمعہ جائز ہے، اسے بند نہ کرنا چاہیے:

سوال: ضلع مظفر نگر میں ایک جگہ پھلت ہے، جس کی موجودہ حالت حسب ذیل ہے:

کل تعداد اکیس سو آدمیوں کی ہے، اشیائے ضروری دستیاب ہو جاتی ہیں، چھ دوکانیں پرچون کی ہیں، دو بزاز کی، دو عطار کی، تین درزی کی، پانچ چھ دکانیں اور متفرق ہیں، دس گیارہ دکانیں قصابوں کی ہیں، پانچ چھ حکیم ہیں، حافظ پندرہ بیس کے قریب ہیں، مولوی پندرہ بیس کے قریب ہیں، ایک بازار ہفتہ وار؛ یعنی پینٹھ ہوتی ہے، چار مسجدیں ہیں، ایک ان میں سے جامع مسجد کے نام سے مشہور ہے، یہ مسجد پہلے چھوٹی تھی؛ لیکن جمعہ ہوتا تھا اور اس مسجد کی دوبارہ تعمیر کی بنیاد حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمائی ہے، جو بڑے پیمانے پر تیار ہے، ایک مدرسہ اسلامیہ ہے، جو فیض الاسلام کے نام سے موسوم ہے، جفت فروش کی کوئی دکان نہیں ہے اور تھانہ، ڈاکخانہ، شفاخانہ، مدرسہ سرکاری ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے، پھلت میں ایک عرصہ سے جمعہ قائم ہے، جس کی ابتدا معلوم نہیں ہے، ایک صاحب مسمی حافظ احمد صاحب جن کی عمر چوراسی سال ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے ہوش سے یہاں جمعہ ہوتا دیکھ رہا ہوں، حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شاہ اہل اللہ رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں حضرات کی پیدائش پھلت کی ہے اور حضرت شاہ اہل اللہ کا تو قیام ہمیشہ پھلت میں ہی رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کی چوں کہ یہاں قرابت تھی، آمد ورفت کا سلسلہ ضرور رہا ہوگا؛ اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ ان

حضرات نے بھی یہاں جمعہ پڑھا ہوگا اوراس زمانے کی آبادی کا حال کچھ معلوم نہیں، حضرت مولانا شاہ محمد عاشق صاحبؒ وحضرت مولانا شاہ محمد فائقؒ وحضرت مولانا شاہ محمد حسیب اللہ صاحبؒ، یہ تینوں حضرات بھی پھلت کے ہیں؛اسی لیے خیال کیا جاتا ہے کہ ان حضرات نے بھی یہاں جمعہ پڑھا ہوگا،حضرت مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی،حضرت مولانا وحید الدین پھلتی ،مولانا محمد صاحب پھلتی ،مولانا عبدالقیوم قاضی ریاست بھوپال،مولانا محمد ایوب پھلتی قاضی ریاست بھوپال،مولانا عبدالرب پھلتی،مولانا عبدالعدل پھلتی،مولانا محمد یحییٰ پھلتی قاضی ریاست بھوپال،مولانا فیض احمد پھلتی،مولانا محمود احمد پھلتی،مولانا محمد فاضل پھلتی،مولانا محمد قاسم نانوتوی،مولانا یعقوب نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ نے یہاں جمعہ پڑھا ہے۔اکثر قرب وجوار کی بستیوں کے آدمی پھلت میں آکر نماز جمعہ وعیدین پڑھتے ہیں اور اکثر دیہات میں مساجد بھی نہیں ہیں اور وہاں کے مسلمان کفار کی رعایا رہتے ہیں، جو حضرات یہاں پر جمعہ پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہاں بہت سے علما نے جمعہ پڑھا ہے،جن کے اسمائے گرامی اوپر درج ہیں،ان کا فعل ہمارے لیے سند ہے۔اگر ناجائز ہوتا تو یہ حضرات کیوں پڑھتے۔دوسرے یہ کہ جس جگہ ایک عرصہ سے جمعہ ہورہا ہو،اسے بند نہیں کرنا چاہیے۔ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ جب تیس سال تک نماز پڑھی اور مسلمان حاکموں نے روکا نہیں تو اب کسی شخص کو روکنے کا اختیار نہیں ہے، جو صاحب یہاں جمعہ نہیں پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ درست نہیں اور پھلت بھی گاؤں ہی ہے، چوں کہ آبادی تھوڑی ہے،علیٰ ہذا القیاس، بازار جس میں کل تیرہ دکانیں ہیں اور ایسی بستی جس میں تین ہزار آدمیوں سے کم ہوں اور بازار بھی نہ ہو، وہاں جمعہ درست نہیں ہے، بہت سے علما کی تحریرات سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ذیل میں بعض علما کی تحریرات نقل کی جاتی ہیں:

حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ گنگوہی نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا ہے، جو فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم میں مرقوم ہے، وہو ہذا: جس موضع میں دو ہزار آدمی ہندو مسلمان ہوں،اس جگہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جمعہ ادا نہیں ہوتا ہے، الخ۔

حضرت مولانا عزیز الرحمٰن نور اللہ مرقدہ مفتی دار العلوم دیوبند نے ایک استفتا کے جواب میں ارقام فرمایا ہے، وہ استفتا مع جواب ذیل میں لکھا جاتا ہے۔استفتا: جس آبادی میں مسجد نہ ہو، وہاں جمعہ درست ہے، یا نہیں؟ الجواب: اگر وہ بستی بڑی ہو، مثلاً قصبہ، یا بڑا قریہ ہو کہ تین چار ہزار آدمی وہاں آباد ہوں اور بازار ہو تو اگر چہ وہاں مسجد نہ ہو، جمعہ صحیح ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بہشتی گوہر میں تحریر فرمایا ہے کہ ’’مصر: یعنی شہر، یا قصبہ۔پس گاؤں، یا جنگل میں نماز جمعہ درست نہیں ہے، البتہ جس گاؤں کی آبادی قصبے کے برابر ہو، مثلاً تین چار ہزار آدمی ہوں، وہاں جمعہ درست ہے‘‘۔

حضرت مولانا ضیا احمد صاحب مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ایک سوال کے جواب میں یہ تحریر فرمایا کہ ’’قصبے کی آبادی تین چار ہزار ہوتی ہے‘‘۔

اور یہ کہنا کہ علما کا فعل ہمارے لیے سند ہے، غلط ہے؛ کیوں کہ کسی عالم کا فعل حجت شرعی نہیں ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ جس جگہ ایک عرصہ سے جمعہ ہو رہا ہے، اسے بند کرنا نہیں چاہیے، ضرور بند کرنا چاہیے، اگر اس میں فی الحال شرائط صحت نماز جمعہ مفقود ہوں؛ یعنی وہ چھوٹا گاؤں ہو۔ اب چوں کہ وہ محل اقامت جمعہ نہیں ہے اور ایسی جگہ جمعہ پڑھنے کو فقہائے کرام ومجتہدین عظام مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ یہ امر دریافت طلب ہے کہ مقام مذکور میں بحالت موجودہ نماز جمعہ واعیاد عندالاحناف جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۵۵۰، حافظ محمد قاسم (پھلت) ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۲۷/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

(از مفتی اعظمؒ) پھلت کی یہ حیثیت جو سوال میں مذکور ہے، اس کو قریۂ کبیرہ بنا دینے کے لیے کافی ہے؛ اس لیے اس میں اقامت جمعہ جائز ہے، بالخصوص عرصۂ دراز کا قائم شدہ جمعہ بند کرنا مفاسد کثیرہ کا موجب ہے؛ اس لیے اس کو بند کرنا مصالح شرعیہ کے منافی ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ

(جواب از نائب مفتی صاحب) موضع پھلت میں جمعہ کی نماز پڑھنی بنا بر فتویٰ متاخرین فقہاء حنفیہ کے جائز ہے؛ کیوں کہ جو تعریف مصر کی متأخرین فقہائے حنفیہ نے کی ہے اور معنًی یہ بھی اکثر فقہاء کے نزدیک تعریف ہے:

"(المصر وهو مالايسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء، مجتبىٰ، لظهور التوانى فى الأحكام". (۲)

تو اس تعریف مذکور کی یہ بستی پھلت بظاہر مصداق ہے اور اگر بالفرض مصداق نہ بھی ہو تو قدیمی جمعہ واعیاد قائم شدہ کو روکنا نہیں چاہیے۔

حبیب الرحمٰن عفی عنہ (کفایت المفتی: ۲۲۶/۳-۲۳۸)

بستیوں میں قائم نماز جمعہ کو ترک نہ کیا جائے:

سوال: بستیوں میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو فقہاء رحمہم اللہ کے مقررہ کردہ شرائط کا کیا جواب ہے اور بعد ادائے نماز جمعہ احتیاطی ادا کرنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۲۱۹۸، شیخ محمد عبد اللہ صاحب (مظفر گڈھ) ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ، ۱۹/جنوری ۱۹۳۸ء)

(۱) وعبارة القهستانى: تقع فرضا فى القصبات والقرىٰ الكبيرة التى فيها أسواق. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

چھوٹی بستیوں میں نماز جمعہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے؛(۱) لیکن انہوں نے جمعہ کی اہمیت کو قائم رکھتے ہوئے مصر کی تعریف میں یہاں تک تنزل کیا کہ "مالایسع أکبر مساجده أهله المکلفین بها" (۲) تک لے آئے، حالاں کہ ان کے اپنے اقرار سے یہ تعریف بہت سے قریٰ پر صادق آتی ہے۔(۳) پس جمعہ کی اہمیت اور مصالح مہمہ عالیہ اسلامیہ کا مقتضیٰ یہ ہے کہ نماز جمعہ کو ترک نہ کیا جائے، اگرچہ امام شافعی کے مسلک پر عمل کے ہی ضمن میں ہو۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۹/۳)

جہاں عرصۂ دراز سے جمعہ قائم ہو، اس کو بند کرنا کیسا ہے:

سوال: کیا حکم ہے حضور امیر شریعت کا اس مسئلہ میں کہ موضع بیلا، متصل جہاں آباد میں مسلمانان موضع بیلا زمانۂ قدیم سے نماز جمعہ با جماعت ادا کرتے چلے آئے ہیں اور آج تک برابر جاری ہے؛ لیکن چھ دنوں سے بعض مسلمان اس نماز جمعہ کو موضع بیلا کے لیے غیر شرعی قرار دے کر بند کرانے کی کوشش کر رہے ہیں، لہٰذا عرض ہے کہ باعتبار حکم شریعت آپ کا کیا حکم ہے؟ صریح اور تفصیل کے ساتھ حکم صادر فرمایا جائے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جب اس بستی میں مدّت دراز سے نماز جمعہ جاری ہے تو اس کو بند نہیں کرنا چاہیے اور نماز جمعہ قائم رکھنا چاہیے۔(۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۴۵/۱۰/۲۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۱/۲-۲۵۲)

جہاں جمعہ قائم ہو اسے بند کرنا موجب فتنہ ہے:

سوال: ایک گاؤں میں تقریباً چار پانچ سو گھر کی آبادی مسلمانوں کی ہے، مالکان تمام نیک سیرت، پابندِ شریعت ہیں، آبادئ مذکورہ میں تین مساجد بڑی آباد ہیں اور سات مساجد آس پاس ہیں، دکان بازار گلی کوچہ خرید وفروخت

---

(۱) فی ما ذکرنا إشارة إلٰی أنه لا تجوز فی الصغیرة التی لیس فیها قاضٍ ومنبر وخطیب، کما فی المضمرات. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعید)

(۲) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) هٰذا یصدق علٰی کثیر من القریٰ. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر، بیروت، انیس)

(۴) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا رجحان بھی اسی طرف ہے، چناں چہ وہ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں: "لیکن چوں کہ عرصۂ دراز کے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنے میں جو فتنے اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ان کے لحاظ سے اس مسئلہ میں حنفیہ کو شوافع کے مذہب پر عمل کر لینا جائز ہے اور جب کہ وہ شوافع کے مذہب پر عمل کر کے جمعہ پڑھیں گے تو پھر ظہر ساقط نہ ہونے کے کوئی معنی نہیں، مسئلہ مجتہد فیہ ہے اور مفاسد لازمہ عمل بمذہب الغیر کے لیے وجہ جواز ہیں۔ (کفایت المفتی ۱۹۳/۳) [مجاہد]

کھانے پینے کی اشیا میسر ہیں، جامع مسجد میں نماز جمعہ عرصہ سے جاری ہے اور نماز عیدین بھی عرصہ سے جاری ہے، عیدگاہ عمدہ باہر آبادی سے ہے اور ایک عالم جمعہ کے روز وعظ ونصیحت فرماتے ہیں، رونق اسلام کی خوب ہے اور ایک عالم نے آکر جمعہ مبارک کو روک دیا ہے اور نماز عیدین بھی روک دی ہے۔ وہ صاحب فرماتے ہیں کہ گاؤں مذکورہ میں نماز عیدین وجمعہ جائز نہیں ہے، اگر کوئی پڑھے گا تو سزاوار عذاب ہوگا، اس پر وعید ہے۔ایک صاحب فرماتے ہیں: تارک پر وعید ہے۔ہم لوگ کون سا راستہ اختیار کریں؟

(المستفتی: ۱۸۲۳، حاجی فخر الدین صاحب (ضلع منٹگمری) ۲۳/رجب ۱۳۵۶ھ، ۲۹/ستمبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

اس مقام میں جس کا حال سوال میں لکھا ہے کہ اس میں مجموعی تعداد مساجد کی دس ہے اور آبادی میں تمام اشیائے ضروریہ مل جاتی ہیں، بازار اور گلی کوچے ہیں اور عرصہ دراز سے وہاں نماز جمعہ وعیدین قائم ہے، بے شبہ نماز جمعہ وعیدین جائز ہے، ''(المصر هو مالایسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء''. (۱) اس تعریف پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ دیا ہے اور امام اعظمؒ کی روایت پر بالاتفاق عمل متروک ہے؛ کیوں کہ اجراء احکام اور تنفیذ حدود تو بہت سے ممالک اسلامیہ میں نہیں، چہ جائیکہ ہندوستان میں، نیز فقہا کی اس تصریح نے کہ دار الحرب میں بھی جمعہ ادا ہوسکتا ہے: ''أما بلاد عليها ولاة كفار فيجوز للمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلما منهم''. (۲) مصر کی تعریف میں اجراء احکام وتنفیذ حدود کی شرط کو نظر انداز کردیا۔اسی طرح باقی شروط بھی ''مالایسع'' والی تعریف میں نظر انداز کردی گئیں اور اس پر بہت سے مشائخ نے فتویٰ دے دیا اور آج کل اقامت جمعہ بہت سے مصالح عظیمہ اسلامیہ کی وجہ سے اہم ہے؛ اس لیے بھی اور اس نظریئے سے بھی کہ جمعہ قدیمہ کو بند کرنا بہت سے فتنہ ہائے شدیدہ کا موجب ہوتا ہے، ''مالایسع'' والی روایت پر عمل کرنا لازم ہے۔ (۳) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۴۶/۳-۲۴۷)

قائم شدہ نماز جمعہ وعیدین ادا کرتے رہنا جائز ہے:

سوال: گاؤں کاکوسی آج سے تقریباً دوسوسال کا ہے تو جب سے یہ گاؤں قائم ہوا ہے، اس وقت سے یہاں پر عیدین کی نماز ہوتی ہے اور قرب وجوار کے لوگ بھی آکر شریک نماز ہوتے ہیں اور یہاں کی آبادی قریباً آٹھ سو، ساڑھے آٹھ سو گھر

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، قبيل مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار: ۳۶۹/۵، دار الفكر، انيس

(۳) (المصر هو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها) وعليه فتوىٰ أكثر الفقهاء ... وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر علىٰ إقامة الحدود. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۳۸، ط: سعيد)

فلو الولاة كفاراً يجوز للمسلمين إقامة الجمعة ويصير القاضي قاضياً بتراضي المسلمين، ويجب عليهم أن يلتمسوا والياً مسلماً. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب قبيل في نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱۴۴/۲، ط: سعيد)

کی ہے، پولیس تھانہ ہے، ریل ہے، سرکاری اسکول ہے، سوائے سبزی بھاجی کے ضرورت کی ہر شئے مل جاتی ہے، سبزی بھاجی بھی کبھی کبھی مل جاتی ہے اور جب گاؤں میں پیداوار ہوتی ہے تو ہمیشہ مل جاتی ہے، مساجد تین ہیں اور یہاں کی بڑی مسجد میں اگر سب جمعہ ہوں تو سب نہیں آسکتے، مسجد کے تین حصے ہیں، ہر تین کا عرض وطول درج ذیل ہے:

حصہ اول کا طول ۲۰/ ہاتھ، عرض ۱۴/ ہاتھ، حصہ ثالث ثانی کا طول ساڑھے چودہ ہاتھ، عرض چھ چھ ہاتھ، حصہ ثالث کا طول ۲۶/ ہاتھ، عرض چوبیس ہاتھ، حصہ ثالث صحن ہے، باقی کنواں غسل خانہ وغیرہ علاحدہ ہیں۔

تو کیا ان سب باتوں کے باوجود یہاں پر نماز عیدین، یا جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۰۰۹، ایچ، کے، ایس، ایچ اے قدوسی صاحب، مدرسہ اسلامیہ کاکوسی سڑانا روڈ، ۹/رمضان ۱۳۵۶ھ،۱۴/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

قائم شدہ نماز عیدین اور نماز جمعہ اس موضع میں ادا کرتے رہنا جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۷)

دوسو گھر کی آبادی میں قائم نماز عیدین بند کرنا جائز نہیں:

سوال: تحصیل تلہ گنگ ضلع کیمل پور میں موضع گٹال واقع ہے، جس میں تقریباً دوسو گھر کی آبادی ہے، عرصۂ دراز؛ یعنی چالیس سال سے بھی زائد ہو چکے کہ عیدین کی نماز وہاں پڑھائی جاتی ہے، جس میں وہاں کے باشندے اور گردونواح کے لوگ کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں، جس میں اکثر اس طور پر مواعظ حسنہ سے جہلاء کو نہایت فائدہ ہوتا ہے، اب گزشتہ سال سے ایک مولوی صاحب نے آکر فرمایا کہ یہاں عید مبارک نہیں ہوسکتی، یہاں عید پڑھنا پڑھانا ناجائز ہے۔ لوگ بہت پریشان اور حیران ہیں، اتنا عرصہ ہوگیا اور کسی مولوی نے ناجائز نہیں کہا، حتی کہ عید نہ پڑھی جائے تو نہ کسی اور شہر میں شوق کر کے جائیں گے اور بہت خطرہ ہے کہ بہت جاہل نہ ہو جائیں، نہ کوئی ایسا معین وقت نظر آتا ہے کہ ان کو جمع کر کے وعظ حسنہ سنایا جائے، مہربانی کر کے مطلع فرمایا جائے کہ عندالشرع ایسی جگہ عیدین کی نماز کو ممنوع کر دیا جائے، یا کہ بطریق سابقہ نماز پڑھی جائے؟ (المستفتی:۲۰۱۱، فیض بخش صاحب (کیمل پور) ۹/رمضان ۱۳۵۶ھ،۱۴/نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

چالیس سال سے عید کی نماز اس موضع میں پڑھی جاتی ہے تو اب اس کو بند کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں دینی فتنہ ہے،(۲) لہٰذا عیدین کی نماز وہاں حسب دستور قائم رکھنی چاہیے اور جمعہ کی نماز بھی وہاں ہوسکتی ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۴۸)

(۱-۲) واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لايمنعون؛ لأنهم إذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولى من تركها أصلاً.(رد المحتار، باب العيدين: ۲/ ۱۷۱، ط:سعيد)

جس گاؤں میں جمعہ قائم ہو وہاں بند نہ کیا جاوے:

سوال: ایک موضع کرینڈا ریاست الور جس کی آبادی قریب دوسو آدمیوں کی ہے، ان میں سے دوسری قوموں کے صرف پچیس تیس آدمی ہیں، بقیہ سب مسلمان ہیں، پنج گانہ نمازی قریب پچاس آدمی ہیں۔ اس گاؤں میں سنا گیا ہے کہ بیس پچیس سال قبل جمعہ ہوتا تھا، یہاں کے باشندگان کو نماز جمعہ کی سخت تکلیف ہوتی ہے، جس مقام پر قدیمی جمعہ ہوتا چلا آتا ہے، وہ اس گاؤں سے تین چار کوس کے فاصلے پر ہے، وہاں نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے جانا اور واپس آنا اس میں بہت تکلیف ہوتی تھی، تمام دن بیکار ہوجاتا تھا، اس گاؤں میں صرف ایک مسجد ہے، اس میں جو مقررہ امام ہے، سال بھر سے جمعہ پڑھانا شروع کردیا ہے، دس بارہ آدمی کسی جمعہ میں باہر کے بھی آجاتے ہیں، جمعہ کی نماز میں بلاشبہ ہر جمعہ کو اندازاً ۴۰-۵۰/ آدمی ہوجاتے ہیں، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس گاؤں میں جمعہ قائم کرنا چاہیے، یا نہیں؟ اور آیا یہ ایک سال سے جو جمعہ ہورہا ہے، اس کو بند کردیا جائے، یا جاری رکھا جائے؟

(المستفتی: ۲۶۸۲، شمو ولد حسن خاں وغیرہ (ریاست الور) ۱۱/رجب ۱۳۶۰ھ، م ۶/اگست ۱۹۴۱ء)

الجواب

جمعہ بند نہ کیا جائے، جاری رکھا جائے اور سب لوگوں کو لازم ہے کہ اتفاق سے رہیں، آپس میں اختلاف کرنا بہت برا ہے۔

قلت: وهٰذا وإن كان غير موافق لماعليه الحنفية ولكنه أشد موافقة لمصالح الاسلامية الإجتماعية خصوصاً فى هٰذا القطر وفى هٰذه الزمان فإن أعداء الاسلام يظهرون بمقاصدهم المشومة فى قرى لا تقام فيهاالجمعة ويخيبون فى مواضع إقامة الجمعة والتوفيق من اللّٰه عز وجل، وحفاظة الاسلام خيرمن الإصرارعلٰى تركها والمسئلة مجتهد فيها.

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۵۰-۲۵۱)

جہاں جمعہ قائم ہو وہاں بند کرنا مصالح اسلامیہ کے خلاف ہے:

سوال: ہمارے ضلع میں چار مواضعات بڑے بڑے ہیں، آبادی ان مواضعات کی کل دو ہزار سے زائد ہے اور مسلمانوں کی تعداد ہزار سے زائد ہے اور چار پانچ مسجدیں ہیں اور نماز جمعہ بھی سو برس سے جاری ہے۔ اب چند روز سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہاں جمعہ جائز نہیں ہے۔

الجواب

سو برس سے قائم شدہ جمعہ کو بند کرنا مصالح مہمہ اسلامیہ کے خلاف ہے اور جب کہ مواضعات کی آبادی بھی زیادہ اور مساجد بھی متعدد ہیں اور مکلّف بالجمعہ بڑی مسجد میں سما نہیں سکتے تو حنفی مذہب کے بموجب بھی ان مواضعات

میں جمعہ جائز ہے، ایسی حالت میں منع کرنے والے غلطی کررہے ہیں۔ہاں پڑھنے والوں کو بھی مانعین پر تشدد نہ کرنا چاہیے، جو نہیں پڑھتے، ان سے تعرض نہ کریں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۵۷/۳-۲۵۸)

ضد وعداوت سے دوسری مسجد میں اقامت جمعہ کرنے کا حکم جب کہ مسجد قدیم کو نقصان بھی پہنچتا ہو:

سوال: بیرونجات شہر؛ یعنی دیہات میں ادائے نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟ خصوصاً بستی سورت میانی جو بقدر دو میل کے فاصلہ پر ملتان شریف کے غرب کی طرف ہے، اس بستی میں عرصہ دراز سے کہنہ وجامع مسجد موسومہ مولوی گل صاحب مرحوم والی جو مشہور ومعروف اور موجود ہے اور آج تک بفضل خداوندا کبر آباد ہے، جس کی نو تعمیر کسی شخص کو خواہ طویل العمر اور سن رسیدہ بھی ہو، کوئی حال معلوم نہیں کہ کس تاریخ، یا کس زمانہ میں اس مسجد شریف کی تعمیر شروع ہوئی ہے۔ہاں البتہ کچھ عوصہ دراز سے مرمت کی تاریخ اس مسجد شریف مذکور کی محراب پر لکھی ہوئی ہے، جس مرمت کو عرصہ ایک سوتیں سال کا گذر چکا ہے، شروع بنیاد کا کوئی حال معلوم نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ اس مسجد شریف مذکور کو تیار ہوتے ہی نماز جمعہ جاری، یا کوئی زمانہ پیچھے شروع ہوئی ہے۔ہاں البتہ اپنے بزرگان سے یہ سنا گیا ہے کہ بادشاہ نواب صاحب نے اپنی عملداری میں باتفاق تمام مسلمانان اس مسجد شریف مذکورہ میں نماز ادا کی ہے، علی ہذا القیاس آباء واجداد سے یعنی قدیم الایام سے تا حال کے زمانہ تک نماز جمعہ جاری ہے۔(الحمد للہ) ونیز اس مسجد شریف کے گردونواح کی متفرق بستیوں میں بہت سی مساجد نو وکہنہ موجود ہیں، جنہوں نے آج تک ایسا کوئی موقع نہیں گذرا کہ ان مساجد میں بھی نماز جمعہ ادا کی گئی ہو؛ کیوں کہ یہ مسجد شریف مذکورہ تمام گردونواح کی مسجد سے بڑی مسجد ہے اور جامع مسجد ہے اور تمام مساجد اس مسجد شریف سے چھوٹی ہیں؛ بلکہ چند مساجد غیر آباد بھی ہیں، تمام لوگ گردونواح کے باہمیں اتفاق سے جمع ہوکر اسی مسجد شریف مذکورہ میں نماز جمعہ ادا کرتے چلے آتے ہیں؛ بلکہ بہت سے علماء عظام واعظین وغیرہ خواہ ملتان شریف کے ہوں، یا بیرونجات کے ہوں، جو متفرق بستیوں میں وعظ فرمانے کو تشریف لاتے ہیں اور روز جمعہ کا ہوتا تھا، تو پہلے اسی مسجد شریف مذکورہ میں نماز جمعہ ادا کرکے پھر متفرق بستیوں کی مساجد میں وعظ بیان فرماتے چلے آئے ہیں، آج تک کسی عالم نے متفرق بستیوں کی مساجد میں نماز جمعہ ادا نہیں کی، خصوصاً اس مسجد شریف مذکورہ میں کوئی ایسا امر شرعیہ مانع نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے گردونواح کی مساجد متفرقہ میں بھی نماز جمعہ ادا کی جاوے۔

جناب من آج عرصہ ڈیڑھ سال کا گذر چکا ہے کہ اقوام شیخان نے بسبب عداوت اور ضد کے اور واسطے آزار دینے

---

(۱) (تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق.(رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،ط: سعيد)

واستشهد له بما في التجنيس عن الحلواني أن كسالى العوام إذا صلوا الفجر عند طلوع الشمس لايمنعون؛لأنهم اذا منعوا تركوها أصلاً وأداؤها مع تجويز أهل الحديث لها أولىٰ من تركها أصلاً.(رد المحتار،باب العيدين: ۱۷۱/۲،ط:سعيد)

اور بے رونق کرنے اس مسجد شریف مذکورہ کے اپنی مسجد کو جو بر فاصلہ ۵۰ یا ۶۰ رقدم پر ہے، خوب سنوار کر اور آراستہ کر کے؛ بلکہ بعض بعض مردمان نماز خوانندگان کو راستہ سے روک کر اپنی مسجد شریف کی ترغیب دے کر ایک ملا نو تعلیم یافتہ غیر علاقہ کا بلا کر فی نماز جمعہ مبلغ ع یا عص نقد دے کر نماز جمعہ جاری کر دی ہے؛ کیوں کہ ان کی مسجد شریف خاص امام مقرر نہیں ہے، جو آ گیا، اس نے نماز پڑھا دی، بعض اوقات کوئی شخص نماز پڑھانے والا جو نہیں ہوتا، اکیلے نماز بھی پڑھی جاتی ہے، چند دفع لوگوں نے کہا ہے کہ تم ضد اور عداوت کو چھوڑ دو اور آپس میں اتفاق رکھ کر جس مسجد میں نماز ہوتی رہتی ہے، وہاں وہاں پڑھو، ہرگز نہیں مانتے؛ بلکہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہماری مسجد شریف بھی جامع مسجد ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے نماز جمعہ پہلے ادا کر لی، اس کی نماز جمعہ درست ہے اور جس نے پیچھے ادا کی، اس کی نماز جمعہ ناجائز ہے، اس واسطے ہم ان سے پہلے نماز جمعہ ادا کر لیتے ہیں؛ تاکہ ہماری نماز درست ہو جائے اور ان کی نماز ناجائز ہووے، آیا شرعا اس مسئلہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب معہ نقول کتب فتوی علیہ و بمعہ مواہیر، یا دستخط خود تحریر فرما دیں کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے۔

الجواب

صورت مسئولہ میں جن لوگوں نے محض عناد اور ضد کی وجہ سے دوسری مسجد میں نماز قائم کیا ہے، وہ گنہ گار ہیں۔

قال العلامة عبد الحيء في فتاواه:قال البغوي وقال عطاء: لما فتح الله على عمر الأمصار أمر المسلمين أن يبنوا المساجد وأمرهم أن لايبنوا في مد ينتهم مسجد ين يضار أحدهما الآخر،آه.(۲۰۶/۱)

پس اس صورت میں کہ سب لوگ مسجد قدیم میں جمعہ پڑھنے پر راضی نہیں اور وہاں جمعہ کا انتظام بھی ہمیشہ سے ہے، بلاضرورت بلا وجہ محض ضد و نفسانیت سے دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا اور اس مسجد قدیم کے درپے تخریب ہونا سبب گناہ عظیم ہے، گو دوسری مسجد میں بھی جمعہ درست ہو جائے گا؛ مگر جو لوگ ضد و نفسانیت کی وجہ سے وہاں جمعہ پڑھیں گے، ان کو گناہ بھی ہوگا اور جو لوگ خالی الذہن ہو کر وہاں جمعہ پڑھیں گے، ان کو گناہ تو نہ ہوگا؛ مگر مسجد قدیم کے برابر ثواب نہ ملے گا؛ کیوں کہ مسجد قدیم میں جدید سے زیادہ فضیلت و ثواب ہے۔

قال في رد المختار في مسئلة:تعدد الجمعة في بلدة واحدة مانصه):لأن جواز التعدد وإن كان أرجح وأقوىٰ دليلاً لٰكن فيه شبهة قوية؛لأن خلافه مروي عن أبي حنيفة أيضاً،واختاره الطحاوي والتمرتاشي وصاحب المختار وجعله العتابي الأظهر وهومذهب الشافعي والمشهور عن مالك وإحدىٰ الروايتين عن أحمد، كما ذكر المقدسي في رسالته"نور الشمعة في ظهر الجمعة" بل قال السبكي من الشافعية:إنه قول أكثر العلماء ولايحفظ عن صحابي ولا تابعي تجويزتعدد ها،آه،وقد علمت قول البدائع أنه ظاهر الرواية وفي شرح المنية عن جوامع الفقه أنه أظهر الروايتين عن الإمام، قال في النهر:وفي الحاوي القدسي وعليه الفتوى وفي

التکملة للرازی وبه نأخذ،آه، فهو حینئذ قول معتمد فی المذهب لا قول ضعیف ولذا قال فی شرح المنیة:هو الإحتیاط؛لأن الخلاف فی جواز التعدد وعدمه قوی وکون الصحیح الجواز للضرورة للفتوی لایمنع شرعیة الإحتیاط للتقوی،آه.(۱/ ۸٤٤)(۱)

قلت:و قد علمت من السوال أن لا ضرورة إلٰی تعدد الجمعة فی الصورة الحاضرة وإنما هو بمحض العناد والحسد وذکر قاضی خان وصاحب منیة المصلی وغیرهما أن الأقدم أفضل وإن استویا فی القدم فالأقرب أفضل،آه.(فتاوی مولانا عبدالحیء: ۱/ ۲۰٦)

۲۱/ جمادی الاولی (امدادالاحکام:۲/ ۳۵۳)

تعدد جمعہ کا حکم:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کیمپ میرٹھ لال کورتی بازار میں دو مسجدوں؛ یعنی سیدہ والی اور شیخ الٰہی بخش والی میں ہمیشہ سے جمعہ کی نماز ہوتی ہے اوراب قریب ایک ماہ کے چند اشخاص نے بوجہ نفسانیت چند اشخاص کوٹھی کے ضد میں مسجد کوٹلہ والی میں جمعہ پڑھنا شروع کردیا ہے اور موجد لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر ہمہ تن درستی مسجد کوٹلہ والی میں مصروف ہیں۔اس مسجد میں جمعہ پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟اوراگر یہ جمعہ بوجہ نفسانیت بھی ہوتو اس مسجد میں جمعہ پڑھ کر لال کورتی میں تین جگہ جمعہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب

اول تو اسی میں اختلاف ہے کہ ایک بستی میں کئی جگہ جمعہ جائز ہے، یانہیں؟اگرچہ واسطے دفع حرج کے اکثر علما اسی طرف ہیں کہ جائز ہے، پھر مجوزین کی تعداد اس میں مختلف ہے کہ آیا دو جگہ سے زیادہ بھی جائز ہے، یانہیں؟اگرچہ بوجہ اطلاق دلیل راجح یہی ہے کہ جائز ہے۔

(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة)مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ،شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیر،دفعاً للحرج وعلی المرجوح فالجمعة لمن سبق تحریمة وتفسد بالمعیة والاشتباه.(الدرالمختار)

وبما ذکرنا اندفع ما فی البدائع من أن ظاهر الروایة جوازها فی موضعین لا فی أکثروعلیه الاعتماد،آه.(ردالمحتار: ۱/ ۵٤۱)(۲)

یہ سب اختلاف اس صورت میں ہے کہ از راہ نفسانیت نہ ہو، ورنہ کسی کے نزدیک جائز نہیں،اگرچہ سقوط واجب ہوجائے گا۔پس صورت مسئولہ میں اگر از راہ نفسانیت بھی نہ ہوتا، جب بھی بہتر نہ تھا؛ کیوں کہ خواہ مخواہ اختلاف علما

(۱) رد المحتار،باب الجمعة،مطلب فی نیة آخر ظهر بعد صلاة الجمعة:۲/ ۱٤۵،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) الدرالمختار مع الرد،کتاب الصلاة،باب الجمعة:۲/ ۱۳۲-۱٤۵،بیروت،انیس

میں پڑنا کون ضرور ہے۔ دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور دراز سے سب کا آنا کون ضرور ہے۔ دوسری وجہ جواز تعدد دفع حرج ہے کہ ایک مسجد میں دور دراز سے سب کا آنا دشوار ہوگا اور لال کورتی جیسی چھوٹی جگہ میں یہ بھی حرج نہیں، **فإذا فاتت العلة فات المعلول**، چہ جائیکہ یہ تفریق از راہ نفسانیت ہوتو بہت بیجا اور مشابہت ہے اہل مسجد ضرار کے ساتھ کہ جن کی شان میں ﴿**والذين اتخذوا مسجداً ضراراً و كفراً وتفريقاً بين المؤمنين**﴾ الخ، **أعاذنا الله من جميع المسلمين**. ہاں جس جگہ پہلے سے جمعہ ہوتا ہے، اگر وہاں کوئی خرابی شرعی ہو اور اس کا تدارک بجز کنارہ کشی کے ممکن نہ ہو تو بے شک اس علاحدگی میں کچھ مضائقہ نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳؍شعبان ۱۳۰۲ھ (امداد: ۱؍۱۰۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱؍۶۵۰-۶۵۱)

سوال: دیہاتوں میں جہاں چند جگہ جمعہ ہوتا ہے تو ان میں جمعہ پہلے ہوا، ان کا جمعہ ہونا اور باقی کا غیر صحیح ہونا کسی ادلۂ شریعت سے ثابت ہے، یا نہیں؟ فقط

الجواب

عن ابن عباس رضی الله عنهما أن النبی صلی الله علیه وسلم خرج یوم الفطر فصلٰی رکعتین لم یصل قبلها ولا بعدهما. (۱)

اس حدیث اور نیز دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک جس طرح فعل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی حکم پر استدلال کرتے رہے ہیں، اسی طرح ترک سے بھی استدلال کئے ہیں۔ اسی بنا پر عید کے قبل اور بعد کی نوافل کو فقہا نے مکروہ کہا ہے اور اپنے محل میں ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قاطعۃ کسی امر کا معمول ہونا، یا عامۃ کسی امر کا متروک ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر سکوت فرمانا یہ حدیث تقریری اور مثل حدیث قولی، یا فعلی کے اثبات حکم میں ہے۔ اس کے بعد غور کرنا چاہیے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں ایک مصر میں چند مساجد میں جمعہ ہونا کہیں منقول نہیں دیکھا گیا اور اگر کہیں ہو تو کہا جاوے گا کہ مانع تعدد کو وہ روایت نہیں پہونچی۔ پس اس بنا پر نظر الی الامرین المذکورین مانع اس طرح استدلال کر سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تعدد کا بالعموم متروک ہونا دلیل اس کے عدم مشروعیت کی ہے اور مقصود اس استدلال کے نقل کرنے سے اس منع کی تقویت نہیں ہے؛ کیوں کہ خود علمائے مذہب نے اس قول کے مرجوح ہونے کی تصریح کر دی ہے، **كما فی الدر المختار**: "**(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوٰی، شرح المجمع للعینی وإمامة فتح القدیر، دفعاً للحرج**". (۲) اور یہ امر مجتہد کو ذوقرائن سے معلوم ہو جاتا ہے اور تعدد جمعہ کا ترک اتفاقاً تھا۔ ادھر اجتماع کا شوق تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز

---

(۱) صحيح البخاری، کتاب العیدین، باب الصلاة قبل العید وبعدها: ۱/۱۳۵، قدیمی، انیس

(۲) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۴-۱۴۵، دار الفکر بیروت، انیس

پڑھنے کا ذوق تھا، ہفتہ میں ایک بار ذرا اہتمام کر لینے میں کچھ حرج نہیں تھا؛ اس لیے تعدد کی نوبت نہ آئی، اس سے عدم مشروعیت ثابت نہیں ہوتی، خصوص جب کہ اس میں حرج بھی ہو، جو خود مستقل مقتضی ہے توسع کو، چناں چہ دفعاً للحرج کہنا اس طرف مشیر ہے اور چوں کہ اس جواب کے بعد دلیل منع کا ضعف خود ثابت ہو گیا، اس ضعیف ہونے کو مثل دلیل مفقود ہونے کے کہہ دیا گیا ہے، **کمافی ردالمحتار: "ولم یوجد دلیل عدم جوازالتعدد بل قضیة الضرورة عدم اشتراطه، آه"**. اور اسی حرج کے مبنی ہونے پر نظر کر کے موضعین، یا مواضع کثیرہ کے اقوال میں بھی تطبیق ہوگئی کہ مختلف مقامات پر مختلف ضرورتیں معلوم ہوئیں اور گو یہ دلیل منع کی ضعیف تھی؛ مگر موقع احتیاط میں ضعیف پر نظر ہونا جواب سوال میں بیان ہو چکا ہے۔فقط

۶ رمحرم ۱۳۲۸ھ (تتمہ اولیٰ، ص: ۲۸) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۱-۶۵۲)

ایک شہر میں نماز جمعہ کا تعدد:

سوال: ایک شہر میں چند جگہ نماز جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین سے مختلف روایات منقول ہیں:

(۱) ایک جگہ کے علاوہ جمعہ درست نہیں۔شمنی بیان کرتے ہیں، شرح نقایہ میں ہے: **"وثانیتهاعن أبی حنیفة: لایجوز فی أکثرمن موضع واحد؛ لأن الجمعة من أعلام الدین لایجوزتقلیل جماعتها وفی جوازها فی مکانین تقلیلها"، إنتهیٰ.** (۱)

(۲) صرف دوجگہ پڑھنا جائز ہے بغیر کسی شرط کے، شمنی شرح نقایہ میں بیان کرتے ہیں: **"وثالثهاعن أبی حنیفة وصاحبیه: یجوز فی موضعین لاغیر"، إنتهیٰ.** (۲)

(۳) دوجگہ پڑھنا درست ہے، بشرطیکہ اس شہر کے درمیان نہر فاصل ہو، جیسے بغداد۔شمنی فرماتے ہیں: **"ورابعها عن أبی یوسف یجوزفی موضعین إذاکان المصر کبیراً وحال بین الحطتین نهر کبغداد"، إنتهیٰ.** (۳)

(۴) امام محمدؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ صرف تین جگہ تک پڑھنا درست ہے۔(شرح وقایہ) (۴)

(۵) بغیر کسی تعیین کے متعدد جگہ پڑھنا درست ہے۔اس قول کو امام سرخسی اور دیگر ائمہ دین نے امام اعظمؒ اور امام محمدؒ سے نقل کیا ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور فقہا نے اسی قول کو صحیح اور واصح لکھا ہے۔

(۱-۳) فتح باب العنایة بشرح النقایة، باب صلاة الجمعة: ۱/ ٤٠٤، مکتبة شرکة دار أرقم بیروت، انیس

(۴) وما عن محمد من إطلاق الجواز فی ثلاث مواضع فمحمول علی موضع الحاجة والضرورة. (النهر الفائق، باب صلاة الجمعة: ۱/ ۳٥٤، دارالکتب العلمیة بیروت، انیس)

دررالحکام شرح غررالاحکام میں ہے:

"(جازت) الجمعة (فی مواضع من المصر) وهوقول أبی حنیفة ومحمد وهوالأصح؛ لأن فی الاجتماع فی موضع واحد فی مدینة کبیرة حرجاً بیّناً"،إنتهٰی. (۱)

اورذخیرۃالعقبیٰ میں ہے:

"والصحیح من قول الإمام الأعظم الربانی أن یؤدی فی مصرواحد فی مواضع کثیرة"،إنتهیٰ. (۲)

اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے:

"وتعددها أی الجمعة فی مواضع کثیرة فی مصر واحد جائز عند أبی حنیفة، قال السرخسی فی الصحیح من مذهبه وبه قال محمد"،إنتهیٰ. (۳)

اوردرمختار میں ہے:

(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ،شرح المجمع للعینی،إنتهیٰ. (۴)

اورطحطاوی نے" **قوله مطلقاً**" پرحاشیہ لکھا:

سواء کان هناک ضرورة أولا،فصل بین جانبی البلد نهرأم لا،إنتهٰی. (۵)(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۷-۲۴۸)

ایک شہر میں کئی جگہ جمعہ درست ہے، یانہیں؟اور چند دوسرے سوالات:

سوال:　چندجگہ بستی میں جمعہ ہونے سے ثواب میں تو کچھ کمی نہیں آتی ؟اکیلے امردکو جماعت میں شریک کرنے سے نقصان تونہیں آتا؟تعلیم خداوندی میں تقیید مثل آج کل مدارس درست ہے، یانہیں؟ مدرسین پر جرمانوں کا قاعدہ قانون سے مدلل شرح فرمایئے؟ مدرسین کا ماہوار لینا درست ہے، یانہیں؟

متعصب عالم کے پیچھے نماز درست ہے، یانہیں؟

الجواب

ایک شہر میں چندجگہ جمعہ درست ہےاس سے ثواب جمعہ میں کچھ کمی نہیں آتی۔

درمختار میں ہے:

(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتوی. (٦)

---

(۱)　دررالحکام شرح غرر الحکام،شروط الجمعة: ۱۳۸/۱،دارإحیاء الکتب العلمیة بیروت،انیس

(۲)

(۳)　مبسوط السرخسی،باب الجمعة: ۱۲۰/۲،دارالمعرفة بیروت،انیس

(۴)　الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۴۴/۲-۱۴۵،دار الفکر بیروت،انیس

(۵)　حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار: ۳۴۴/۱،انیس

(٦)　الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۴۴/۲-۱۴۵،دار الفکربیروت،انیس

امرد کا جماعت میں شریک ہونا درست ہے اور امرد اگر نابالغ ہو اور تنہا ہو تو اس کو بھی شریک جماعت کر لینا جائز ہے۔ (کذافی الدر المختار)(۱) دینی مدارس میں اگر انتظام و پابندی اوقات وغیرہا مثل انگریزی مدارس کے کیا جاوے، کچھ حرج نہیں ہے۔ جرمانہ مالی شریعت میں درست نہیں ہے، البتہ مدرسین وملازمین کی تنخواہ حسب قاعدہ وضع ہوسکتی ہے اور مدرسین کو عیدی وغیرہ لینا اطفال سے حسب عرف درست ہے، عالم کے پیچھے نماز افضل ہے اور عالم کو دین میں متعصب ہونا ہی چاہیے، تعصب کے معنی پختگی فی الدین کے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۴۸/۵-۱۴۹)

چھوٹے قصبے میں جمعہ ایک ہی جگہ ہونا مناسب ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جامع مسجد میں جس میں قدیم سے جمعہ ہوتا ہے اور چند اشخاص نے بوجہ خصومت کے دوسری مسجد میں جو جامع مسجد نہ ہو اور اس مسجد میں آواز اذان قدیم کی جاتی ہو، جمعہ قائم کریں اور امامِ مسجد ایسا مقرر کریں کہ مولوی بھی ہو اور حکمت بھی کرتا ہو اور ناچ وراگ بھی سنتا ہو، پس سوائے جامع مسجد قدیم کے دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھے جائز ہے، یانہیں؟ اور ایسے امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے، یانہیں؟ اور یہ کیفیت ایک قریہ میں واقع ہو، جس میں سو دوسو نمازی ہوں اور پانچ چار، یا دس آدمی ہیں، اگر ہم ان اشخاص کو مانع ہوں تو کچھ نقصان تو نہ ہوگا اور کوئی گناہ تو نہ ہوگا، بس؟ (بینوا توجروا) اور ہم کو اتنا اختیار بھی ہے کہ ہم بند کر سکتے ہیں۔

الجواب

چھوٹے قصبے میں جمعہ ایک جا ہونا مناسب ہے اور تفرقہ باہم کرنا اور دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا نامناسب ہے، اگرچہ جہاں جمعہ درست ہے، وہاں تعدد جمعہ کا فقہا نے لکھا ہے؛ مگر بوجہ نفسانیت و پرخاش کے تفرقہ کرنا اور دس پندرہ آدمی کا جدا (علاحدہ) ہوکر جمعہ قائم کرنا، ظاہر ہے کہ محض افتراق ونزاع باہمی ہے، جس کو شریعت میں حرام فرمایا ہے۔ پس ایسی وجہ سے تفرقہ اور تعدد لاریب منع ہے۔ سو جو لوگ بلا وجہ شرعی براہ تفرقہ اندازی، دس بیس آدمی سے جمعہ جدا کرتے ہیں، بے شک وہ گنہگار رہوں گے اور تفرقہ انداز حمیت اسلام کے ہوکر مخالف حکم قرآن شریف کے ہوویں گے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ الخ. (۲)

پس ایسی صورت میں ان لوگوں کو فہمائش کرنا چاہیے، اگر مان لیویں، بہتر ہے؛ مگر ایسا نزاع کرنا کہ موجب زیادت فتنہ کا (ہو)، نہ چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ: رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص: ۱۹۱-۱۹۲) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۴-۱۸۵)

---

(۱)　(یصف) ... (الرجال) ... (ثم الصبیان) ظاهره تعددهم فلو واحد دخل الصف

وفی ردالمحتار: وكذا لو كان المقتدى رجلاً وصبياً يصفهما خلفه لحديث، الخ. (رد المحتار، باب الامامة: ۵۷۱/۱، دار الفكر بيروت، ظفير)

(۲)　سورة آل عمران: ۱۰۳

(ترجمہ: اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔) (ترجمہ شیخ الہند)

جمعہ کی جماعت ایک مسجد میں:

سوال: ''مسجد روضہ'' بڑی مسجد ہے، ہمیشہ نماز جمعہ ہوا کرتی ہے، اس کے اردگرد سو دو سو قدم پر تین مسجدیں ہیں اور سب میں نماز جمعہ ہوتی ہے، اگر تینوں کے مصلی روضہ کی مسجد میں جمع کیے جائیں تو اسلامی شوکت بڑھ جائے؛ مگر کچھ لوگ ان مسجدوں کی جماعت ٹوٹ جانے کے خوف سے متفق نہیں ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں از روئے شرع صحیح صورت کیا ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سب سے زیادہ اہم وضروری چیز جو ہے ''وہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد اور اشتراک عمل''۔ اگر مذکور الصدر تینوں مساجد کے مصلی باہم متحد ہو کر ''مسجد روضہ'' میں نماز جمعہ پڑھا کریں تو زیادہ بہتر ہے اور ثواب بھی ملے گا، بڑی مسجد کی آبادی اور کثرت جماعت کا خیال مقدم ہے۔ ایک جگہ نماز جمعہ ہونے کا مقصد یہ ہے کہ بقیہ چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں نماز جمعہ نہ ہو، باقی پنج وقتی نماز ہر مسجد میں ہو؛ تاکہ سب مسجدیں آباد رہیں، ان چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں نماز جمعہ نہ ہونے سے کوئی گناہ نہیں ہوگا؛ بلکہ بڑی مسجد میں پڑھنے اور بڑی جماعت ہونے سے سب لوگوں کو ثواب زائد ملے گا؛ مگر بہر حال یہ خیال مقدم رہنا چاہیے کہ کثرت جماعت کے حصول کے لیے باہمی نفاق و پھوٹ نہ ہونے پائے، اگر اس کا اندیشہ ہو تو پھر ایک جگہ نماز جمعہ کے لیے کوشش نہ کی جائے؛ بلکہ جس طرح دستور ہے، وہی باقی رہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۲۱/۴/۱۳۴۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۶/۱) ☆

---

(۱) بہت سے فقہاء کے یہاں ایک آبادی میں ایک ہی جگہ جمعہ ہونا چاہیے، امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں ایسی آبادیوں کی رعایت ہے، جہاں جامع مسجد کی مسافت شہر کے مختلف گوشوں سے طویل ہوتی ہے اور ایک ہی مسجد میں پورے شہر کو نماز جمعہ کے ادا کرنے کا پابند کرنا موجب حرج ہے؛ اس لیے امام صاحبؒ جواز تعدد جمعہ کے قائل ہیں؛ لیکن جمعہ کی اجتماعیت بہر حال اس کی متقاضی ہے کہ اسے پنج وقتی نمازوں کی طرح نہیں بنا دیا جائے؛ اسی لیے جس شہر میں جمعہ ہوتا ہے، وہاں مسجد میں معذورین کا جماعت ظہر قائم کرنا ممنوع قرار دیا گیا؛ بلکہ کہہ دیا گیا کہ جمعہ کے دن جامع مسجد کے علاوہ شہر کی دیگر مساجد جہاں جمعہ نہیں ہوتا، بند رکھی جائیں۔

''وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع''. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الغرض جو کام ہو باہمی مشورہ اور اتحاد کے ساتھ ہو، (بہر حال اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ بلا ضرورت ایک سے زیادہ مقام پر نما جمعہ ادا نہ کی جائے؛ لیکن توحید جمعہ کے لیے مسلمانوں میں اختلاف اور جھگڑا بھی نہ پیدا کیا جائے کہ ﴿الفتنة أشد من القتل﴾ [مجاهد]

☆ **نماز جمعہ اور تعدد جمعہ کی تحقیق**

سوال: ایک چھوٹے گاؤں میں تقریباً ۵۰۰ گھر ہیں اور اس گاؤں میں چار مسجدیں ہیں اور چاروں مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے، جس کو عرصہ پانچ چھ سال کے قریب ہو گیا ہے اور اس سے پیشتر دو جمعہ ہوتے تھے۔ اب یہ جو کہ دو جمعہ ہوتے ہیں۔ یہ جائز ہیں، یا کہ نہیں؟ اور اس گاؤں میں احتیاط ظہر پڑھنا چاہیے، یا کہ نہیں؟ ==

ایک بستی میں دوجگہ نماز جمعہ:

سوال: ایک خام مسجد تیاری کے چندسال بعد منہدم ہوگئی، ایک دوسری مسجد تیار ہوئی، اس وقت دونوں مسجد میں نماز ہوتی تھی۔ مولانا طٰہٰ صاحب نے پرانی مسجد میں جمعہ اور عیدین پڑھنے کی ہدایت کی اور بقیہ نمازیں دونوں میں۔ بعد میں لوگوں نے دونوں مسجدوں میں جمعہ اور عیدین شروع کردیا۔ ہر ایک مسجد میں پندرہ، بیس نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جمعہ اور عیدین دونوں میں جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں بہتر تو یہی ہے، جو مولانا طٰہٰ صاحب نے کہا تھا؛ لیکن نماز دونوں مسجدوں میں جائز ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۳/۱۳۵۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۶/۲)

آپسی اختلاف کی وجہ سے دوجگہ جمعہ:

سوال: تھانہ موضع بہیرہ میں چھ مواضعات خلط ملط ہیں، پچاس برس سے ایک مسجد محلّہ قاضیانہ میں جامع مسجد تھی اور چھوٹی چھوٹی مسجد ہر محلّہ میں ہے؛ لیکن جمعہ صرف جامع مسجد میں ہوتا رہا۔ تفاقاً جامع مسجد گرگئی تو لوگوں نے دوسرے محلّہ کی ایک مسجد میں جمعہ قائم کیا۔ سال بھر میں جامع مسجد کی پھر تعمیر ہوگئی، تب شیخ ٹولی والے نہیں آنے لگے، مولانا عبدالباقی صاحب کا وعظ کا اثر ہوا تو وہ لوگ بھی پھر جامع مسجد ہی میں جمعہ پڑھنے لگے۔ اب پانچ ماہ سے منہام ٹولی کے لوگ یہ عذر کرکے کہ جامع مسجد میں جگہ کم ملتی ہے، اپنے محلّہ کی مسجد کو پختہ بنوا کر جمعہ پڑھنے لگے تو مولوی الیاس صاحب مدرس نے تقریر کی اور اس علاحدگی کو ناجائز بتایا، پھر دوماہ ہوئے کہ مولوی الیاس مذکور نے بسبب دنیاوی جھگڑوں کے جامع مسجد کو چھوڑ کر علاحدہ دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرلیا ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟ کیا یہ متفرق کردینے والا کس حکم میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ کی نماز ایک ہی جگہ جامع مسجد میں ہونی چاہیے اور جن لوگوں نے دنیاوی جھگڑوں کی وجہ سے، یا غیر شرعی عذر پیش کرکے جماعت کو متفرق کردیا ہے، وہ غلطی پر ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۱/۸/۱۳۴۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۴۷/۲)

==

الجواب ــــــــــــــــــــ

جس جگہ شرعی قاعدہ سے جمعہ جائز ہے، وہاں دوچار جگہ؛ بلکہ دس پانچ جگہ بھی جائز ہے۔ اب یہ دیکھ لیا جائے کہ اس گاؤں میں صحت جمعہ کے شرائط موجود ہیں، یا نہیں؟ جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ کسی محقق عالم کو یہ گاؤں دکھلا کر پھر مسئلہ دریافت کیا جاوے اور جب تک صحت جمعہ کا یقین نہ ہوجائے، اس وقت تک وہاں جمعہ نہ پڑھا جائے، صرف ظہر پڑھنی چاہیے۔

۱۹؍رمضان ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام: ۳۶۱/۲)

(۱) (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقًا علی المذہب، وعلیہ الفتوٰی. (الدر المختار علٰی ہامش ردالمحتار، باب الجمعۃ: ۱۴۴/۲-۱۴۵، دار الفکر بیروت، انیس)

نماز جمعہ بلاضرورت متعدد جگہ قائم کرنا خلاف اولیٰ ہے:

سوال: شومارکیٹ آگرہ کی تعمیر کے ساتھ ساتھ ممبران شومارکیٹ نے اندرون مارکیٹ ایک شاندار سہ منزل مسجد بھی خاص اپنے مشترکہ سرمایہ سے تعمیر کرائی ہے، جس میں پانچ سال سے پنج وقتہ نماز کے علاوہ نماز جمعہ بھی ادا کی جاتی ہے۔ ممبران مارکیٹ نے ایسے انتظامات بھی کیے ہیں؛ لیکن مسجد نمازیوں کی کمی کی وجہ سے خالی رہتی ہے۔ مسجد متذکرہ بالا سے یک صد چار قدم کے فاصلے پر بیرون شومارکیٹ ایک اور مسجد ہے، جس میں کبھی نماز جمعہ ادا نہیں کی گئی؛ مگر اس وقت کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بیرون شومارکیٹ کی مسجد میں بھی نماز جمعہ ادا کیا جاوے۔ ایسی حالت میں یہ خدشہ ہے کہ مسجد اول الذکر جو نمازیوں کی کمی کی وجہ سے خالی رہتی ہے اور بھی خالی ہوجائے گی اور ممبران مارکیٹ کا وہ انتظام جو مسجد سے ملحق ہے، درہم برہم ہوجائے گا، ایسی حالت میں دوجگہ نماز جمعہ کا ہونا صحیح ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو افضل کون سی مسجد میں ہے؟

(المستفتی: ۱۰۷۱، حافظ محمد مسلم صاحب (آگرہ) ۶/ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ۲۴/ جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب

جمعہ کی نماز متعدد مساجد میں ادا کرنے سے تو سب مسجد والوں کی ہوجاتی ہے؛ (۱) لیکن بلاضرورت جمعہ کی نماز جہاں تک ہوسکے تعدد اور کثرت سے بچائی جائے، یہ افضل اور مستحسن ہے اور سوال میں جو صورت کہ مذکورہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مجوزہ نماز جمعہ بلاضرورت قائم کی جارہی ہے اور اس سے پہلی مسجد کی جماعت میں کمی واقع ہوگی؛ اس لیے یہ جدید اقامت جمعہ خلاف اولیٰ اور خلاف افضل ہوگی۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۸۷-۲۸۸)

آبادی کے اعتبار سے دیگر مسجد میں جمعہ قائم کرسکتے ہیں:

سوال: خطیب صاحب جامع کیمل پور نے فرمایا کہ جمعہ صرف جامع مسجد میں ہونا چاہیے۔ اگر جامع مسجد کے سوا کسی دوسری مسجد میں جمعہ پڑھا جائے تو جمعہ نہیں ہوتا، کیمل پور شہر میں مسلمانوں کی آبادی تقریباً چار ہزار ہے اور تین مساجد ہیں اور تینوں کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور جمعہ صرف دو مساجد میں پڑھا جاتا ہے؛ لیکن خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ جمعہ صرف جامع مسجد میں ہوسکتا ہے، جہاں وہ خود (خطیب جامع) امام ہیں۔ سوال اب صرف یہ ہے کہ دوسری مسجد میں سوائے جامع مسجد کے اگر جمعہ پڑھا جائے تو ہوسکتا ہے، یا کہ نہیں؟ خطیب صاحب نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جامع مسجد کے سوا دوسری مسجد میں جمعہ نہیں؛ بلکہ جمیاں، یا جمی پڑھی جاتی ہے۔ اس پر بھی روشنی ڈالی جائے؟

خطیب صاحب جامع مسجد کیمل پور نے فرمایا ہے کہ ہر ایک محلّہ کے لوگ محلّہ کی مسجد میں نماز ادا کریں، اگر کوئی شخص

---

(۱) وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة مطلقاً علی المذهب. وعلیه الفتوىٰ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱٤٤، ط: سعید)

اپنے محلّہ والی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں عمداً نماز پڑھنے جائے گا تو اس کی نماز نہ ہوگی؛ بلکہ الٹا گناہ ہوگا۔
(المستفتی:۱۶۷۸،محمد شریف (رنگیز کیمل پور) (ضلع اٹک) ۹/ جمادی الثانی ۱۳۶۵ھ، مطابق ۱۷/ اگست ۱۹۳۷ء)

الجواب

ایک بستی میں ایک جگہ جمعہ پڑھنا افضل ہے؛لیکن اگر بستی بڑی ہو اور ایک جگہ سب لوگوں کا جمع ہونا دشوار ہو تو دو جگہ حسب ضرورت جمعہ پڑھنا جائز ہے،(۱) اور بلا ضرورت بھی کئی جگہ جمعہ پڑھا جائے تو نماز ہو جاتی ہے،البتہ خلاف افضل اور خلاف اولیٰ ہوتی ہے۔

اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا بہتر ہے؛مگر کوئی دوسرے محلّہ کی مسجد میں اس نیت سے جائے کہ دور جانے سے ثواب زیادہ ہوگا اور اس کے جانے کی وجہ سے اس کے محلّہ کی مسجد کی جماعت کو نقصان نہ پہنچے تو یہ بھی جائز ہے۔ہاں اگر اس کے جانے سے محلّہ کی مسجد کی جماعت ویران ہوتی ہو تو پھر نہ جانا چاہیے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۸۸/۳)

بوجہ مصلحت دیگر مسجد میں جمعہ قائم کرنا:

سوال:　مظفر پور ٹاؤن کے اندر ۲/ جگہ نماز ہوتی ہے اور اس میں ایک بڑا محلّہ سعد پورہ جس میں دو ٹولہ میں دو مسجد ہے، دونوں مسجد کے درمیان چار سو قدم، یا ہزار فٹ کا فاصلہ ہے، عرصہ سے ایک مسجد میں جمعہ کی نماز قائم ہے؛مگر بوجہ چند مصلحت کچھ لوگوں نے دوسری مسجد میں بھی جماعت مسجد اول ترک کر کے نیا جمعہ قائم کیا ہے اور وہ مصلحت یہ ہے کہ کچھ بے نمازی جو نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے پڑھنے لگیں اور دوسری مصلحت یہ کہ مسجد کے انتظام کے لیے پریشانی سے چندہ مہیا ہوتا تھا تو اس مصلحت سے بھی کہ جمعہ کے روز چندہ وصول کر کے مسجد کا انتظام کیا جاوے اور بقیہ رقم مسجد میں وقف کی جائے،اول مسجد کے جمعہ کی نماز میں چار کبھی پانچ صفیں ہوتی تھیں اور دوسری مسجد میں بھی چار پانچ صف جمعہ کی جماعت سے ہوتی ہے اور یہی امید ہے تو ایسی صورت میں دوسری مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا جائز ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی:۱۶۹۵،حافظ عبدالحق صاحب کیپ مرچنٹ (مظفر پور) ۲۰/ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ، ۲۸/ اگست ۱۹۳۷ء)

الجواب

پہلی مسجد میں جمعہ موقوف کر کے دوسری مسجد میں جمعہ قائم کرلیں تو یہ بات مصالح مذکور کی وجہ سے جائز ہے اور پہلی میں جمعہ ہوتا رہے اور دوسری میں بھی جمعہ مقرر کرلیا جائے تو اس صورت میں صرف یہ بات ہوئی کہ شہر کے جمعوں کی تعداد

(۱)　وتؤدى فى مصر واحد بمواضع كثيرة مطلقاً على المذهب وعليه الفتوىٰ.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۴۳/۲-۱۴۴،ط:سعيد)

مسجد حيه أفضل من الجامع والصحيح أن ما ألحق بمسجد المدينة ملحق به فى الفضيلة.(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها فى فرع أفضل المساجد مكة ثم المدينة: ۶۵۹/۱،دار الفكر بيروت)

بجائے بارہ کے تیرہ ہوگئی۔اس کا حکم یہ ہے کہ متعدد مساجد میں جو جمعہ کی نمازیں ہوتی ہیں، یہ سب ہوجاتی ہیں؛(۱) مگر اولیٰ اورافضل یہ ہے کہ جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہوایک جگہ ہو، ورنہ سخت حاجت اورضرورت میں دو، یا تین جگہ کی جائے ، بلاضرورت زیادتی مکروہ ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۲۸۹/۳)

جس شہر میں جتنی ضرورت ہو، اتنا ہی جمعہ قائم کرنا چاہیے:

(الجمعیۃ،مورخہ ۱۶/ا کتوبر ۱۹۳۷ء)

سوال: دہلی میں نماز جمعہ علاوہ جامع مسجد فتحپوری کے کتنی جگہ کتنے کتنے فاصلہ پر ادا کی جاسکتی ہے؟

الجواب

جمعہ کی نماز جہاں تک ممکن ہو، سخت ضرورت کے مواقع میں قائم کرنی چاہیے، بلاضرورت تعدد مکروہ ہے۔دہلی جیسے شہر میں ایک دوجگہ پر اکتفا کرنا تو ممکن الوقوع نہیں ؛مگرزیادہ سے زیادہ تمام شہر میں پندرہ بیس جگہ جمعہ ہوسکتا ہے۔اس سے زیادہ غیرضروری مواقع کے جمعے بند کرادینا ہی بہتر ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۲۹۱/۳)

اشتراط عدم مصلیان درصلوٰۃ جمعہ:

سوال: اگرکیمپ کے مسلمان جماعت کثیر ہوجاویں، یا آٹھ دس آدمی تک ہوں، جمعہ کی نماز حالت سفر میں پڑھ سکتے ہیں، یانہیں؟

الجواب

جمعہ کے لئے کم ازکم چارآدمی شرط ہیں، اس سے کم میں جمعہ صحیح نہیں اور چاراورزائد سے جائز ہے، بشرطیکہ وہ جگہ قابل اقامت جمعہ کے ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے، ایسی جگہ کومسافر پر جمعہ فرض نہیں ؛ لیکن پڑھ لے تو صحیح ہے۔فقط

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد:۳۸/۱) (امدادالفتاویٰ جدید:۶۱۱/۱)

نماز جمعہ درکارخانہ کہ ازجبل پورسہ میل است:

سوال: یہاں کارخانہ میں جس میں ملازم ہوں، شہرجبل پور سے قریبا تین میل کے فاصلہ پر واقع ہےاوروہ اشخاص جوباہر کے رہنے والے ہیں کارخانہ کے پاس سرکاری مکانوں میں اقامت گزیں ہیں، سوءِ اتفاق سے یہاں مسلمانوں کے

(۱-۲) (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) مطلقاً علی المذهب وعلیه الفتویٰ.(الدرالمختارعلیٰ هامش ردالمحتار،باب الجمعة: ۱٤٤/۲،ط:سعید)

وفی الشامية :"أی سواء كان المصر كبيراً أولا، وسواء فصل بين جانبيه نهر كبيراً أولا ... وسواء كان التعدد فی مسجدين أو أكثر.(رد المحتار،باب الجمعة: ۱٤٤/۲،ط:سعید)

لیے کوئی مسجد وغیرہ نہیں ہے، جس میں وہ سب مل کر نماز باجماعت ادا کرسکیں، اب چوں کہ گورنمنٹ نے ازراہ عنایت فریضہ جمعہ ادا کرنے کی چھٹی عطا فرمائی ہے؛ اس لیے ہم یہاں یہ نماز ادا کرنے کا یہ انتظام کررہے ہیں کہ ایک معمولی لکڑی کا جنگلہ لگا کر ایک احاطہ بنالیا جاوے اور اس میں نماز جمعہ ادا کی جاوے؛ لیکن اس پر بعض معترض ہیں کہ اس جگہ نماز درست نہیں؛ اس لیے مکلّف خدمت ہوں کہ اپنی رائے روشن سے مطلع فرما کر ممنون فرمادیں کہ آیا حالت مذکورہ الصدر میں نماز جمعہ درست ہے، یا نہیں؟ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ شہر جا کر کسی مسجد میں نماز ادا کرسکیں اور آدمی تقریباً سو سے زیادہ ہی نماز کے لیے جمع ہوں گے۔ امید ہے کہ جواب سے بہت جلد سرفراز فرمادیں گے؟

الجواب

جبل پور جیسے بڑے شہر کا فنا تین میل ہونا ممکن ہے اور کارخانہ چوں کہ مصالح بلد سے ہے؛ اس لیے اس مقام کا فنا ہونا واقع بھی ہے، لہذا نماز جمعہ صحیح ہے۔

۱۸/شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱-۲/۱۱۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۲)

کارخانوں میں نمازِ جمعہ:

سوال: ایک فیکٹری ہے، جس میں مسلمان ملازموں کی تعداد بہت کم ہے، اس کے قریب کوئی مسجد نہیں ہے اور نہ ہی فیکٹری میں کوئی جگہ مختص کی جاسکتی ہے کہ پانچ وقت کی اذان اور نماز کا اہتمام کیا جاسکے، نماز ظہر کبھی اجتماعی طور پر اور کبھی انفرادی طور پر ادا کرلی جاتی ہے؛ لیکن نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں جو دشواریاں درپیش ہیں، وہ یہ ہیں کہ لنچ کا وقفہ صرف آدھا گھنٹہ؛ یعنی ساڑھے بارہ سے ایک بجے تک ہے اور فیکٹری سے مسجد کا فاصلہ دو یا ڈھائی کیلومیٹر دور ہے، اتنے کم وقت میں مسجد جاکر نماز جمعہ ادا کرنا ممکن نہیں ہے، ہفتہ میں اس ایک دن کے لیے آدھا گھنٹہ کے وقفہ پر اضافہ وقت اجرت کے نقصان کے ساتھ لینا چاہتے ہیں۔ انتظامیہ اس کے لیے بھی تیار نہیں ہے۔ ان کوششوں سے مایوس ہوجانے کے بعد کچھ لوگوں نے یہ طے کیا کہ فیکٹری کے احاطہ میں نمازِ جمعہ کا اہتمام کرلیا کریں گے، چناں چہ کچھ عرصہ سے یہ سلسلہ جاری ہے۔ کیا ہمارا یہ فعل صحیح ہے اور نمازِ جمعہ ادا ہوجاتی ہے، یا نہیں؟ (سید محمد رفیع اللہ)

الجواب

کارخانہ میں بھی نمازِ جمعہ پڑھی جاسکتی ہے، جمعہ کے لیے اِذنِ عام شرط ہے؛ لیکن فقہا نے ایسے قلعوں میں جمعہ کو صحیح قرار دیا ہے، جہاں مسجد کا دروازہ اندرون قلعہ کے لوگوں کے لیے بند نہ ہو؛ لیکن باہر والوں کے لیے بند ہو۔

"فلا یضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الإذن العام مقرر لأهله وغلقه لمنع العدو لا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن". (۱) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۲، ۶۳)

(۱) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۲، دار الفکر بیروت، انیس

مسجد ہوتے ہوئے گھر کی چھت پر جمعہ:

سوال: شہر کی چار مسجدوں میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے، شہر کے سارے لوگ انہیں چار مسجدوں میں جمعہ کی نماز ادا کرتے ہیں؛ لیکن ۱۳/ جولائی کو جمعہ کی نماز کچھ لوگوں نے ایک غیر مسلم کے مکان کی چھت پر ادا کی، کیا ان لوگوں کی نماز ہوگئی اور کیا اس طرح جمعہ کی نماز مسجدوں کو چھوڑ کر غیر مسلم کے گھر پر ادا کی جاسکتی ہے؟ (محمد عبدالرحیم، پالونچہ)

الجواب

شہر میں کسی بھی مقام پر جمعہ کی نماز ادا کی جاسکتی ہے، جمعہ قائم کرنے کے لیے مسجد ہونا ضروری نہیں؛ لیکن جب شہر میں چار مسجدیں موجود ہیں اور وہ تمام مسلمانوں کے لیے کفایت کرتی ہیں، یا اگر کفایت نہ کرتی ہوں تو ان کے گرد و پیش مسجد کی توسیع اور صفیں لگانے کی گنجائش موجود ہو تو ایسی صورت میں بہتر طریقہ یہی ہے کہ نماز مسجد میں ادا کی جائے، مسجد چھوڑ کر دوسری جگہ نماز جمعہ ادا کرنا مسجد کی حق تلفی ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ!

''اگر امیر اپنے محل میں جمعہ قائم کرے اور لوگوں کو اس میں آنے کی اجازت دے دے تو جمعہ تو ہو جائے گا؛ لیکن یہ مکروہ فعل ہوگا؛ کیوں کہ یہ مسجد کی حق تلفی کے مترادف ہے'' ۔

''... **لأنه لم يقض حق المسجد الجامع**''. (۱)

خاص کر غیر مسلم بھائی کے گھر کی چھت پر نماز پڑھنے میں اندیشہ ہے کہ کہیں آئندہ دوسرے مسلمان اس پر اصرار کرنے لگیں تو ظاہر ہے کہ یہ نہ صرف انصاف کے خلاف ہوگا؛ بلکہ یہ بات اسلامی تعلیمات کے بھی خلاف ہوگی اور اس سے نقض امن بھی ہوسکتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۶۶-۶۷)

غیر آباد مسجد میں نمازِ جمعہ:

سوال: ایک ایسی مسجد جہاں کہ پانچ وقت کی باجماعت نماز نہیں ہوتی، جب کہ امام مقرر ہے، صرف امام اکیلا ہی نماز پڑھ لیا کرتے ہیں، البتہ جمعہ کے دن کچھ لوگ آجاتے ہیں تو کیا ایسی مسجد میں جمعہ پڑھنا درست ہے؟

(عبدالرشید، سکندرآباد)

الجواب

کسی مسجد میں نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اس مسجد میں نمازِ پنج وقتہ جماعت کے ساتھ ادا ہوتی

---

(۱) (رد المحتار:۳/۲۶) (فَلَوْ دَخَلَ أَمِيرٌ حِصْنًا) أَوْ قَصْرَهُ (وَأَغْلَقَ بَابَهُ) وَصَلَّى بِأَصْحَابِهِ (لَمْ تَنْعَقِدْ) وَلَوْ فَتَحَهُ وَأَذِنَ لِلنَّاسِ بِالدُّخُولِ جَازَ وَكُرِهَ. (الدرالمختار)قُلْتُ: وَيُؤَيِّدُهُ قَوْلُ الْكَافِي وَأَجْلَسَ الْبَوَّابِينَ،إلَخْ، فَتَأَمَّلْ (قَوْلُهُ وَأَذِنَ لِلنَّاسِ،إلَخْ) مُفَادُهُ اشْتِرَاطُ عِلْمِهِمْ بِذَلِكَ، وَفِي مِنَحِ الْغَفَّارِ وَكَذَا أَيْ لَا يَصِحُّ لَوْ جَمَعَ فِي قَصْرِهِ لِحَشَمِهِ وَلَمْ يُغْلِقْ الْبَابَ وَلَمْ يَمْنَعْ أَحَدًا إلَّا أَنَّهُ لَمْ يُعْلِمْ النَّاسَ بِذَلِكَ،آه،(قَوْلُهُ وَكُرِهَ) لِأَنَّهُ لَمْ يَقْضِ حَقَّ الْمَسْجِدِ الْجَامِعِ،زَيْلَعِيٌّ وَدُرَرٌ.(ردالمحتار،باب الجمعة:۲/۱۵۲، دارالفكر بيروت،انيس)

ہو۔فقہا لکھتے ہیں کہ ''اگر بادشاہ اپنے خدام کے ساتھ ایسے گھر میں جمعہ کی نماز پڑھ لے جہاں عام لوگوں کو بھی آنے کی اجازت ہو تو جمعہ کی نماز ادا ہو جائے گی۔فتاوی ہندیہ میں ہے:

''السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره،فإن فتح باب الدار وأذن إذنًاعامًا جازت صلاته شهدها العامة أولم يشهدوها ''. (۱)

تو جب عام جگہوں میں نمازِ جمعہ درست ہے تو ایسی مسجد میں بدجۂ اولی درست ہوگی۔(کتاب الفتاویٰ:۳/۴۲-۴۳)

دوسرے کی زمین پر اس کی اجازت سے نماز جمعہ وعیدین کا حکم:

سوال: مسلمانان قصبہ روسٹرہ عیدین کی نماز عرصہ چار برس سے بوٹن نداف کے مکان کے پاس قریب دس ہاتھ کے فاصلہ پر ایک ہندو مہنت کی زمین غیر مزروعہ میں ادا کرتے ہیں؛ کیوں کہ بوٹن نداف اس ہندو کا جیٹھ رعیت ہے اور یہ زمین اس کے قبضہ میں ہے۔بوٹن میاں اور پٹواری کی زبانی اجازت پر نماز ہوا کرتی ہے۔بوٹن میاں کہتے ہیں کہ ہم نے مالک سے ہمیشہ کے لیے نماز عیدین کی اس زمین پر اجازت لے لی ہے؛مگر کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے۔اب چند مسلمان کہتے ہیں کہ نماز عیدین کسی کے مکان میں، یا پیش دروازہ درست نہیں ہے،صحرا ہونا چاہیے، وہ بھی ملک مسلمان اور باجازت مسلمان مالک اور روسٹرہ میں صحرا نہیں ہے اور زمانہ قدیم میں عیدین مسجد قدیم میں ہوتی تھی اور جمعہ بھی اور ابھی تک کچھ لوگ جمعہ اسی مسجد میں پڑھتے ہیں اور کچھ لوگ جدید مسجد میں، جس میں وسعت چار پانچ ہاتھ زیادہ ہے پڑھتے ہیں۔روسٹرہ میں قریب ساٹھ گھر مسلمان ہیں، چوحدی اس زمین کی جس میں عیدین پڑھا جاتا ہے، یہ ہے: پورب، دکھن جوت ہے، اتر سڑک قیصر ہند، پچھم مکان بوٹن میاں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ بستی میں دو مسجد ہے: ایک قدیم، دوسری جدید اور جدید قدیم سے چند ہاتھ وسیع ہے۔یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ بخیال قدامت قدیم مسجد میں اور کچھ لوگ بخیال وسعت جدید مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں۔جمعہ دونوں جگہ ہوتا ہے،مگر بہر حال جمعہ کو ایک ہی جگہ ہونا چاہیے تھا۔قدیم مسجد میں اگر بستی کے نمازیوں کی گنجائش ہو تو اسی مسجد میں نماز جمعہ پڑھنا چاہیے۔عیدین میں چوں کہ جماعت زیادہ ہوا کرتی ہے، اگر اس جماعت کے لیے بھی قدیم مسجد کافی ہو تو قدیم مسجد ہی میں پڑھی جائے، ورنہ جدید مسجد میں، بہر حال دونوں مسجد میں سے کسی کو ویران نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ پنج وقتی نماز دونوں مسجد میں ہونی چاہیے،عیدین کی نماز کسی کے پیش دروازہ میں نہیں پڑھنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۴/۱۱/۱۳۴۹ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۴۷-۲۴۸)

---

(۱) **الفتاوى الهندية،الباب السادس عشر في صلاة الجمعة ومنها الاذن العام:** ۱/ ۱٤۸،دارالفكر بيروت

(۲) اگر بوٹن میاں جیٹھ رعیت نے مالک زمیندار سے ہمیشہ کے لیے عیدین کی نماز ادا کرنے کے لیے اجازت لے لی ہے تو ان کی بات کا اعتبار کیا جانا چاہیے، تحریر ضروری نہیں ہے، ایسی جگہ پر عیدین کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔[مجاہد] ==

مدرسہ میں جمعہ کی نماز صحیح ہے:

سوال: مدرسہ میں نماز جمعہ صحیح ہے، جب کہ بستی میں مسجد نہیں؟ اسی مدرسہ میں بعض وقت نماز پنج گانہ ہوتی ہے۔

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــ وبالله التوفيق

کسی ایسی بڑی آبادی میں بالفعل مسجد کی عمارت نہ ہو اور مدرسہ کی عمارت موجود ہو اور جمعہ کی شروط پائی جاتی ہوں تو ضرورۃً مدرسہ میں اذن عام کے ساتھ جمعہ ادا کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۳/۴۷)

مسجد کے علاوہ کسی عام جگہ پر جمعہ کی نماز کا حکم:

سوال(۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شہر کے اندر ایک انجمن اسلامیہ کی وسیع عمارت ہو، جہاں مسلمانوں کا اجتماع برابر اسلامی و دینی حیثیت سے ہوا کرتا ہو، اگر وہاں بعض شرعی ضرورت کے لحاظ سے نماز جمعہ برابر پڑھی جائے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ شہر کے اندر کوئی ایسی جامع مسجد نہیں ہے، جہاں اجتماع اس انجمن اسلامیہ کے برابر ہوسکتا ہو تو ایسی جگہ میں نماز جمعہ جائز ہوگی، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب ازمولانا محمد ابراہیم صاحب بہاری

(۱) چوں کہ انجمن اسلامیہ شہر میں واقع ہے اور وہاں اتنا اجتماع ہوتا ہے کہ جس کا بڑی مسجد موجودہ فی المصر میں آنا ممکن نہیں، نیز جمعہ کے لیے کوئی شرط مسجد ہی میں ادا کرنے کی نہیں؛ اس لیے اگر وہاں تمام مسلمانان کے آنے جانے میں جمعہ کے لیے بھی اذن عام ہو تو کوئی حرج اس انجمن میں جمعہ پڑھنے میں نہیں ہے۔

عن حذيفة قال: قال رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم: ”فضلنا على الناس بثلٰث جعلت صفوفنا كصفوف الملائكة وجعلت لنا الأرض كلها مسجداً وجعلت تربتها لنا طهورًا إذا لم نجد الماء“. (۱)

وكذا السلطان إذا أراد أن يجمع بحشمه في داره فإن فتح باب الدار وأذن إذنا عاما جازت صلاته شهدها العامة أولم يشهدوها، كذا في المحيط. (۲)

ابوالنعیم محمد ابراہیم بہاری، مدرس اول و مہتمم مدرسہ نصرۃ الاسلام، بہار محلّہ چوہٹہ بقلم خاص

(۲) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک ایسی عمارت جو قومی چندہ سے اسلامی

== ”تكره في أرض الغير لو مزروعة أومكروبة إلا اذا كانت بينهما صداقة أو رأى صاحبها لا يكرهه فلا بأس“. (ردالمحتار، مطلب في الصلاة في الأرض المغصوبة، الخ: ۲/ ٤٤، مكتبة زكريا ديوبند، انيس)

(۱) رواه مسلم، وكذا في الفتاوىٰ الهنديه، كتاب الصلاة: ۱/ ۵۷، مطبوعة مصر (صحيح لمسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة: ۱/ ۱۹۹، طبع عليمي، دهلي)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر ومنها الإذن العام: ۱/ ۷٦، طبع رحيمية

جلسوں کے کرنے کے لیے بنائی گئی ہو، اگر ضرورتاً اس میں پنج وقتہ، یا جمعہ کی نماز برابر پڑھی جایا کرے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱-۲) ہر ایک طاہر و پاک زمین اور غیر مغصوب میں بلا کراہت نماز جائز ہے۔(۱) بشرط مذکور صورت مسئولہ میں بھی نفس جواز نماز میں کوئی شک نہیں ہے، جس طرح کسی شخص واحد کے گھر میں اس کی اجازت واذن عام سے نماز با جماعت ونماز جمعہ ہو سکتی، اسی طرح کسی قومی اسلامی عمارت میں بھی قوم کی اجازت سے نماز با جماعت ونماز جمعہ ہو سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۳/۳/۱۳۴۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۶۸-۶۹)

جواز جمعہ بر کوٹھی و بنگلہ حکام بشرط قرب از بلد.....:

سوال: کوٹھی رزیڈینٹی شہر سے علاحدہ ہے، ادھر جامع مسجد ایک میل سے تین میل کے فاصلہ تک ہے، اس فاصلہ کے ملازمین کو کوٹھی سے بغیر تعطیل باہر نکلنے کی اجازت بھی نہیں۔ ایسی حالت میں کوٹھی کے احاطہ میں، یا کسی مکان میں جمعہ پڑھا جا سکتا ہے؟ کیوں کہ کیمپ کی آبادی توابع شہر میں ہے، گانوک تو کہا نہیں جا سکتا، نماز جمعہ تو غالباً فرض ہوگی بغیر مسجد کے بھی ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اگر یہ جگہ توابع شہر سے ہو، جیسا ظاہر ہے تو جمعہ اس میں صحیح ہے اور یہاں سے کسی کو باہر جانے کی اجازت نہ ہونا تو مضر نہیں؛ لیکن یہ دیکھنا چاہیے کہ اس حد کے اندر باہر والے بھی آ سکتے ہیں، یا نہیں؟ اگر آ سکتے ہیں، تب بلا تردد جمعہ جائز ہے اور اگر نہیں آ سکتے ہیں تو جواز جمعہ میں تردد (یعنی سوال آئندہ کے جواب میں) ہے؛ اس لیے مسافر (جمعہ کی صحت کے لیے "اذن عام" کی جو شرط ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو جمعہ سے روکا نہ جاوے؛ تا کہ ان کا جمعہ فوت نہ ہو۔ علامہ شامی رحمہ اللہ کی مندرجہ ذیل عبارت (جسے حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی نقل کی ہے)، اس کی واضح دلیل ہے:

قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما اذا كانست لاتقام الافى محل واحد أما لو تعددت فلا ؛لأنه لايتحقق التفويت كما أفاد ه التعليل تأمل،آه. (۲)

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: غنية المستملي الكبير،مكروهات الصلاة،ص: ۳۶۲

وكذا تكره فى أماكن كفوق كعبة وفى طريق ومزبلة ومجزرة ومقبرة ومغتسل وحمام وبطن واد ... وأرض مغصوبة أو للغيرلومزروعة أو مكروبة وصحراء بلا سترة لمار.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،كتاب الصلاة: ۱/۳۷۹-۳۸۱،دار الفكر بيروت،انيس)

(۲) ردالمحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب فى شروط وجوب الجمعة: ۲/۱۵۲،دار الفكر بيروت،انيس

اورمنح وغیرہ کی عبارات میں جو عدم جواز مذکور ہے،اس کی وجہ بھی یہی ’’تفویت جمعہ عن الناس‘‘ ہے؛ کیوں کہ امیر کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ اورکوئی جمعہ قائم نہ کرے گا۔ پس جب اس نے درواز بند کرلیا تو باہر والوں کوشرکت جمعہ کی اجازت نہیں دی، یاانہیں اقامت جمعہ فی القلعہ کا علم ہی نہیں ہوا توان تمام صورتوں میں باہر والوں کا جمعہ فوت ہوجاوئے گا،و کان ھو المانع عن الجواز.

اورصورت مسئولہ میں جب عدم جواز کی علت موجود نہیں ہے (کیوں کہ شہر کی جامع مسجد میں بھی جمعہ ہوتا ہے) تو حسب تصریح علامہ شامی جواز جمعہ میں کچھ تردد نہیں ہوسکتا، چناں چہ حضرت مجیب قدس سرہ نے بھی سوال: ۵۴۰ کے جواب میں (جوزمانہ بعد کا ہے) بلاتردد جواز کا حکم لکھا ہے۔

لہٰذا کوٹھی اور بنگلہ حکام کے ملازمین اسی طرح کارخانہ کے ملازمین اور چھاؤنی والے (ب انہیں اجازت نہ ملے)(۱) کواس صورت میں اولیٰ یہ ہے کہ ظہر پڑھے؛ کیوں کہ جمعہ مسافر پرفرض نہیں تو غیرفرض کے لیے تردد میں کیوں پڑے اور جامع مسجد جمعہ کے لیے شرط نہیں۔

وجه التردد مافى الدرالمختار:(والإذن العام) ... فلا يضرغلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة.

وفى ردالمحتار(بعد نقل عدم جوازالجمعة إن منعوا عن الدخول مانصه: قلت:وينبغى أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا فى محل واحد أما لوتعددت فلا؛لأنه لايتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل،آه، وفيه عن المنح وكذا أى لايصح لوجمع فى قصره لحشمة ولم يغلق الباب ولم يمنع أحد إلا أنه لم يعلم الناس بذلك،آه.(۲)

۱۵/شعبان ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۸) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۱۱-۶۱۳)

حکم اقامت جمعہ درمکان دفتر سرکاری وقلعہ:

سوال: دفتر کے اندر عام لوگوں کوآنے کی اجازت نہیں ؛مگر حاکم نے اجازت دے دی ہے کہ جمعہ کوآنے کے روزصرف نماز پڑھنے کے واسطے جس کا جی چاہے، وہ چلا آوے، ممانعت نہیں ہے۔اس حالت میں نماز جمعہ دفتر کے اندر پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

جب اذن عام ہے، درست ہے، ورنہ باہر نکل کرمیدان میں پڑھ لیں۔

۲/جمادی الاخریٰ ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱/۲/۲۲) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۱۳)

(۱) کوٹھی کارخانہ اور چھاؤنی میں بلاتردد نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ نے اس سلسلہ میں مفصل بحث فرمائی ہے ملاحظہ فرمائیں فتاویٰ دارالعلوم (جدید) ۵/۱۰۴-۱۰۷) واللہ سبحانہ اعلم (سعید احمد)
مسافر کا ذکر سوال سابق کی وجہ سے ہے، یہ دونوں سوال ایک ہی سائل کے ہے۔ سعید

(۲) رد المحتار،باب الجمعة: ۲/۱۵۱-۱۵۲،دار الفكر بيروت،انيس

سوال: آنجناب کو معلوم ہوگا کہ اب جمعہ کے دن ہر ایک سرکاری دفتر میں نماز جمعہ ادا کرنے کی اجازت مل گئی ہے؛ مگر کمترین بدقسمتی سے قلعہ میں ملازم ہے۔ عرض یہ ہے کہ سنا ہوا ہے کہ قلعہ میں جمعہ کی نماز نہیں ہوتی؛ مگر اب جب کہ سرکار اجازت دیتی ہے اور خوشی سے اجازت دیتی ہے تو قلعہ میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ ایک اور شرط جو کہ جمعہ کے متعلق ہے، وہ شاید شارع (۱) عام کا ہونا ضروری ہے، سو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ قلعہ چھاؤنی فیروز پور ایک بڑے گاؤں کے مانند ہے اور اس کی مختلف شاخیں جو کہ اسی کے احاطہ کے اندر ہیں، بمنزلہ مکانات کے ہیں اور ہر ایک آدمی کو خواہ مزدور ہو، یا کلرک ہو، ایک بجے کی چھٹی میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے تو کیا اس حالت میں بمعنی شارع عام کی ضرورت ہے، یہ قید جو کہ سرکار نے لگائی ہے، وہ صرف نقصان سے بچاؤ غرض سے ہے اور ایسا ہم بھی عموماً اپنے بڑے کارخانہ میں کرلیا کرتے ہیں۔ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

اذن عام ہونا بھی من جملہ شرائط صحت جمعہ ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذن عام میں مخل نہیں۔

فی الدر المختار (والإذن العام) من الامام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين "كافی" فلايضر غلق باب القلعة لعدو أولعادة قديمة؛لأن الاذن العام مقرر لاهله وغلقه لمنع العدو لا المصلی نعم لولم يغلق لكان أحسن، آه.

وفی ردالمحتار: وينبغی أن يكون محل النزاع ما اذا كانت لا تقام إلا فی محل واحد مالو تعددت فلا، لأنه لايتحقق التقويت، كما أفاده التعليل تأمل. (۱/۸۵۱)(۲)

پس بنا بر روایت بالا اس قلعہ میں نماز جمعہ درست ہے۔

۸/شعبان ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱،۲/۱۱۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۱۳-۶۱۴)

فوجی کیمپ میں جمعہ ادا کرنا:

سوال: جب عساکر اسلامی فوج ٹریننگ کے لیے شہر سے دور کیمپ میں قیام کرتی ہیں اور انہیں وہاں طبی سہولتیں مکمل میسر ہیں، تعداد چار، پانچ صد ہے، اس صورت میں کیا جمعہ فرض ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو ثواب سے محروم ہوں گے، یا نہیں؟ اگر امام جمعہ نہ پڑھائے تو کیا تو مخالفت حکم امیر کا مرتکب تو نہیں؟ اور جو لوگ امام کے ساتھ اس صورت میں مخالفت کریں، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جمعہ شہری آبادی میں ہوتا ہے، شہر کی آبادی سے دور جنگل میں جمعہ نہیں ہوتا، جس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی

(۱) سائل یہ لفظ "اذن عام" تسامحاً استعمال کررہا ہے۔

(۲) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۱-۱۵۲، دار الفكر بيروت، انيس

اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں ظہر کی نماز پڑھی تھی، حالاں کہ جمعہ کا دن تھا۔

فی حديث جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه فذكر الحديث فی حجة النبی صلی الله عليه وسلم ... ثم أذن بلال ثم أقام فصلی الظهر، الخ.(۱)

چوں کہ جنگل میں جمعہ صحیح نہیں؛ اس لیے آپ لوگوں نے جتنے جمعے جنگل میں پڑھے ہیں، اتنے دن کی ظہر کی نمازیں آپ کے ذمہ باقی ہیں، ان کو قضا کیجیے۔

وفی الجواهر: لو صلوا فی القری لزمهم أداء الظهر.(۲)

جس جگہ جمعہ شرعا جائز نہیں، اگر امیر وہاں جمعہ پڑھنے کا امام صاحب کو حکم دیتا ہے تو اس کا یہ حکم غلط ہے اور وہ اس غلط حکم دینے کی وجہ سے خود گناہ گار ہے، امام صاحب کو اس کی تعمیل جائز نہیں۔ اگر خلاف شریعت حکم کی تعمیل کرے گا تو ایسا امام امامت کا اہل نہیں۔ حدیث شریف میں ہے:

عن عبد الله بن عمر عن النبی صلی الله عليه وسلم السمع والطاعة علی المرء المسلم فيما أحب وكره ما لم يؤمر بمعصية فاذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.(۳)

(ترجمہ: مسلمان پر امیر کی سمع وطاعت واجب ہے، خواہ وہ حکم اس کو پسند ہو، یا ناپسند، بشرطیکہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے، جب گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ اس حکم سنا جائے، نہ مانا جائے۔)

ایک اور حدیث میں:

عن علی أن النبی صلی الله عليه وسلم بعث جيشا ... وقال للآخرين: لا طاعة فی معصية الله إنما الطاعة فی المعروف.(۴)

(ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے کام میں کسی کی اطاعت نہیں، اطاعت صرف اچھے کام میں ہے۔)

اور یہ حدیث زبان زد خاص وعام ہے:

عن النواس بن سمعان قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق". (۵)

(ترجمہ: خالق کی نافرمانی کے کام میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۰/۴-۱۲۱)

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی، کتاب الحج، باب الجمعة يوم عرفة: ۱۱٤/۵، انیس

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱۳۸/۲، انیس

(۳) صحیح البخاری، کتاب الأحكام، باب السمع والطاعة: ۱۰۵۷/۲، قدیمی، انیس

(۴) صحیح البخاری، کتاب أخبار الآحاد، باب ماجاء فی إجازة خبر الواحد: ۱۰۷٦/۲-۱۰۷۷، قدیمی، انیس

(۵) مشکوٰة المصابيح، کتاب الامارة والقضاء فی الفصل الثانی، ص: ۳۲۱، قدیمی، انیس

مارکیٹ کے تہہ خانے میں نماز جمعہ:

سوال:　تہہ خانے میں ایک مسجد ہے، جس میں تین وقت کی باجماعت نماز ہوتی ہے، اس کے اُوپر مارکیٹ ہے، اس سے اوپر دوسری منزل پر بھی مارکیٹ ہے اور تیسری منزل پر کار پارکنگ ہے، جب کہ چوتھی منزل پر رہائشی فلیٹ ہیں۔ کیا اس مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

نمازِ جمعہ ادا ہوسکتی ہے۔ **والمسجد الجامع ليس بشرط ولهٰذا أجمعوا على جوازها بالمصلىٰ فى فناء المصر.** (الحلبى الكبير، ص: ۵۵۱)

لیکن اس جگہ کو مسجد کا حکم دینا مشکل ہے۔ **وحاصله أن شرط كونه مسجداً أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد عنه.** (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۱/۴)

تفریح کے مقام، یا اجتماع کی جگہ پر نماز جمعہ ادا کرنا:

سوال:　کسی تفریح کے مقام، یا اجتماع کے موقع پر نماز جمعہ پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

ایسی جگہ جمعہ کا ادا کرنا مکروہ ہے۔

الصلاة فى الطريق: أى فى طريق العامة مكروهة وعلله فى المحيط بما يفيد أنها كراهة تحريم بقوله: لأن فيه منع الناس عن المرور والطريق حق الناس أعد للمرور فيه فلايجوز شغله بما ليس به حق الشغل. (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۲/۴)

نماز جمعہ گھر کی بیٹھک میں ادا کرنا:

سوال:　کیا جمعہ کی نماز کسی بھی گھر کی بیٹھک میں ہوسکتی ہے جس کا رقبہ 10x10 فٹ ہو؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

جامع مسجد کے علاوہ دوسری جگہ جمعہ پڑھنا مکروہ ہے؛ تاہم اگر وہاں ہر ایک شخص کو آنے کی اجازت ہو تو جمعہ ادا ہو جائے گا۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۸/۴)

---

(۱)　رد المحتار: ۳۵۸/٤، كتاب الوقف، مطلب فى أحكام المسجد، طبع: سعيد

(۲)　البحر الرائق: ۲۰/۲، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۳)　والاذن العام والأداء على سبيل الشهرة من جملة تلك الخصوصيات فلا تجوز بدونها. (الحلبى الكبير، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۵۸)

جمعہ کی نماز نہ ملے تو گھر میں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: اگر کسی وجہ سے جمعہ کی نماز چھوٹ جائے تو کیا گھر میں پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب

اگر اپنے قریب کی مسجد میں جمعہ نہ ملے تو کوشش کی جائے کہ کسی دوسری جگہ میں جمعہ مل جائے اور اگر کہیں نہ ملے تو ظہر کی چار رکعت نماز پڑھے اور جمعہ میں سستی کرنے پر استغفار کرے، گھر میں اکیلے جمعہ نہیں ہوتا۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۲۸/۴)

فوجی معمول کی مشق کے لیے ویران جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں تو وہاں جمعہ نہ پڑھیں:

سوال: فوج کی چند یونٹیں ہر سال مشق کے لیے اپنی چھاؤنی سے ساٹھ ستر میل کے فاصلے پر جاتی ہیں۔ان کی تعداد تقریباً پانچ سو، یا اس سے زائد ہوتی ہے۔مشق کے لیے علاقے بالکل ویران اختیار کئے جاتے ہیں۔مشق کے دوران ایک جگہ خیمہ لگایا جاتا ہے، جسے ہیڈ کوارٹر کہا جاتا ہے، جہاں پر یونٹ کا کمانڈر اور دوسرے افسران رہتے ہیں، جب کہ باقی خیمے پانچ پانچ دس دس میل کے فاصلے پر لگائے جاتے ہیں اور سپاہیوں کو مشق کے لیے کچھ مزید فاصلہ بھی طے کرنا پڑتا ہے اور مشق کے لیے کچھ علاقہ منتخب کیا جاتا ہے، جس کی لمبائی چوڑائی پندرہ میل، یا اس سے کچھ زائد ہوتی ہے اور خیمے ایک جگہ سے دوسری جگہ بدلتے رہتے ہیں اور مشق کے لیے مدت پندرہ دن سے زائد ایک، یا دو ماہ ہوتی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز جمعہ واجب نہیں، جب کہ ضروریات زندگی فوجی نقطہ نگاہ سے مل جاتی ہیں اور افسران اور عدالت بھی ہوتی ہے۔مصلحت کی بنا پر اذن عام نہیں ہوتا۔ذرا وضاحت سے بیان فرمائیں کہ جمعہ کے اس دوران کیا احکام ہوں گے؟

الجواب

مذکورہ صورت میں جمعہ کی بجائے ظہر با جماعت ادا کی جائے؛ کیوں کہ جمعہ کے لیے مصر، یا قریہ کبیرہ کا ہونا ضروری ہے، عارضی رہائش کی جگہ شہر، یا بستی کے حکم میں نہیں۔

(ويشترط لصحتها) سبعة أشياء: الأول (المصر) ... (أوفناؤه) بكسر الفاء (وهوما)حوله (اتصل به)أولا ... (لأجل مصالحه) كدفن الموتى وركض الخيل.(٢)

قال شمس الأئمة الحلوانى عسكر المسلمين إذا قصدوا موضعاً ومعهم اخبيتهم وخيامهم و فساطيطهم فنزلوا امفازة فى الطريق ونصبوا الأخبية والفساطيط وعزموا فيها علىٰ إقامة خمسة عشريومًا لم يصيروا مقيمين؛لأنها حمولة وليست بمساكين كذا فى المحيط.(٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۰۳ھ۔(خیر الفتاویٰ:۷۲/۳)

(۱) ولا يتمكن من أداء الجمعة بنفسه وانما يتمكن من أداء الظهر،الخ. (المبسوط لشمس الدين السرخسى، كتاب الصلاة،باب الجمعة: ٢٢/٢،دارالفكر بيروت)

(٢) الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار،باب الجمعة: ١٣٧/٢-١٣٩،دار الفكر بيروت،انيس

(٣) الفتاوىٰ الهندية،الباب الخامس عشر فى صلاة المسافر: ١٣٩/١،انيس

سرکاری قلعہ میں نماز جمعہ کا حکم:

سوال: جمعہ کی بابت جو لکھا ہے، قلعہ کی تفصیل یہ ہے: قلعہ کے اندر کوئی غیر آدمی کسی وجہ سے بھی نہیں آسکتا، نہ جمعہ کے واسطے اس کے، نہ اور کسی کام کے واسطے، اگر کسی کو کوئی ضرورت ہوتی ہے تو اجازت سے کمان افسر صاحب کی آسکتا ہے اور ہمارے پیش امام صاحب نے تو نماز عید بھی اسی جگہ پڑھائی تھی، حضرت اس مسئلہ کو صاف صاف لکھیں، اگر نماز کے واسطے ممانعت ہو تو کیا حکم ہے، اگر بالکل اجازت نہ ہو تو کیا حکم ہے، اکثر کھلی ہوئی چھاؤنی میں بھی آنے کی ممانعت ہوتی ہے، چاروں طرف سنتری لگ جاتے ہیں، وہاں کی بابت بھی تحریر کردیں تو عین مہربانی کا باعث ہوگا؛ کیوں کہ ایسا موقع ہمارے ساتھ اکثر گزرتا ہے تو فرض نماز نہ رہ جاوے اور اب ٹریننگ (تعلیم فوج) بھی شروع ہے، جنگل میں جمعہ ہوسکتا ہے، یا نہیں؛ کیوں کہ وہاں بھی غیر آدمیوں کے آنے جانے کی ممانعت ہوتی ہے؟

الجواب

قال في الدر: (والإذن العام) من الإمام وهو يحصل بفتح أبواب الجامع للواردين، كافي، فلا يضر غلق باب القلعة لعدو أو لعادة قديمة؛ لأن الاذن مقرر لأهله وغلقه لمنع العد ولا المصلي، نعم لو لم يغلق لكان أحسن، آه. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس شہر میں جامع مسجد وغیرہ نماز جمعہ کے لیے موجود ہو اور ان میں نمازیوں میں رکاوٹ نہ ہو، وہاں اگر چھاؤنی، یا قلعہ میں جمعہ ادا کیا جائے تو جائز ہے، گو چھاؤنی اور قلعے میں دوسرے لوگ نہ آسکتے ہوں؛ کیوں کہ مقصود نماز سے روکنا نہیں ہے؛ بلکہ انتظام مقصود ہے۔ پس قلعہ اور چھاؤنی والے اس حالت میں جمعہ وعید کرسکتے ہیں، بشرطیکہ چھاؤنی، یا قلعہ شہر میں، یا فناء شہر میں اس کے متصل ہو، باقی جنگل میں جمعہ جائز نہیں، جب کہ وہ جنگل فناء شہر میں داخل نہیں اور فناء شہر وہ ہے، جس سے شہر کا تعلق ہو، خواہ قبرستان ہو، یا گھوڑ دوڑ کا میدان ہو، یا عیدگاہ کا موقع ہو، وغیرہ۔ واللہ اعلم

۱۲/صفر ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام: ۳۶۴/۲-۳۶۵)

مسجد چھوڑ کر کسی دوسری جگہ الوداع کا جمعہ پڑھنا:

سوال: اگر الوداع کو بوجہ کثرت آدمیوں کے جمعہ کی نماز عیدگاہ، یا حدود شہر میں اور جگہ پڑھی جائے، جامع مسجد کو چھوڑ کر کیا یہ جائز ہے؟ اور ثواب میں کمی تو نہیں ہوگی؟ اس جگہ دو باتیں قابل غور ہیں: ایک تو جامع مسجد کو چھوڑنا دوسرے ثواب وغیرہ میں کمی ہوگی؟ مہربانی فرما کر اپنی رائے بیان نہ کریں؛ بلکہ کتاب کا حوالہ دیں۔ ہاں اگر کتابوں میں یہ جزئی موجود نہ ہو تو پھر اپنی رائے پیش فرما سکتے ہیں؟

(المستفتی: ۲۳۲، مولوی محمد عمر خطیب مسجد جامع سرگودھا، ۱۹/ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، ۶/مارچ ۱۹۳۴ء)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۱/۲ - ۱۵۲، دار الفکر بیروت، انیس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

کوئی جزئی نہیں دیکھی ؛ مگر مسجد کو چھوڑ نا مناسب نہیں ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳/۲۱۰)

جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کرنا:

سوال: ہمارے علاقہ میں معمول ہے کہ جمعۃ الوداع عیدگاہ میں ادا کیا جاتا ہے۔کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر جامع مسجد میں گنجائش ہو تو جمعۃ الوداع کی نماز بھی حسب معمول جامع مسجد میں ادا کی جائے ؛ کیوں کہ عیدگاہ میں جا کر پڑھنے کا استحباب عیدین کے ساتھ خاص ہے ؛ لیکن جمعہ بہر حال ادا ہو گیا۔فقط واللہ اعلم

فقیر محمد انور عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح ، بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۰۴)

کچھ لوگ بستی میں الگ اپنا زاویہ بنا کر جماعت کا اہتمام کریں تو ان کا کیا حکم ہے:

سوال: ایک قصبہ میں زمانہ قدیم سے سب اہل اسلام ایک مسجد میں نماز جمعہ پڑھتے تھے، چند دنوں سے ایک فرقہ ذاکرین کا آیا ہے، انہوں نے ایک جگہ ذکر و شغل اور حلقے کے لیے مقرر کی ہے، جسے وہ زاویہ کہتے ہیں۔یہ لوگ مسجد قدیم میں جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں آتے ؛ بلکہ اسی زاویہ میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ،ان کے اس فعل سے مسجد کی جماعت میں بہت کمی واقع ہوگئی ہے، آئندہ عید کی نماز بھی وہ لوگ اسی زاویہ میں ادا کریں گے، مسجد کی جماعت کم کرنے کی غرض سے وہ لوگ زاویہ میں ہمیشہ جماعت کرتے ہیں۔آیا ان لوگوں کی نماز جمعہ وعید وغیرہ اس جگہ ادا ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر ادا ہوسکتی ہے تو ثواب مسجد و جماعت سے محروم ہوئے ، یا نہیں؟ اور جب کہ مسجد کی جماعت کم کرنے کی غرض سے انہوں نے یہ فعل کیا ہے تو ان کے زاویہ پر احکام مسجد ضرار کے عائد ہوں گے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر ان کے اقرار، یا قرائن قویہ معتبرہ سے ان کی یہ نیت ثابت ہو جائے کہ مسجد کی جماعت کم کرنے کے لیے انہوں نے یہ فعل اختیار کیا ہے تو ان کی جماعت پر حرام ہونے کا حکم کیا جائے گا اور اگر اس نیت کا ثبوت کافی طور پر موجود نہ ہو تو بصورت واقع میں اس نیت کے ہونے کے کراہت تحریمی لازم ہے اور اگر نیت مذکورہ نہ ہو تو نہیں، البتہ زاویہ میں نماز

(۱) (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرۃ) مطلقاً علی المذہب،وعلیہ الفتویٰ.(الدرالمختار علیٰ ھامش رد المحتار،باب الجمعۃ:۲/۱٤٤،ط:سعید)

(وشرط صحتھا) سبعۃ أشیاء:الأول المصر.(الدرلمختارعلیٰ ھامش رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب الجمعۃ ۲/۱۳۷،ط:سعید)

پڑھنے سے مسجد کا ثواب بہر صورت نہ ملے گا۔اسی طرح اگر جماعت قلیلہ سے نماز پڑھیں تو جماعت کثیرہ کے ثواب سے محروم رہیں گے، تقلیل جماعت مکروہ تحریمی ہے، تاخیر عشا نصف لیل پر مکروہ تحریمی اسی وجہ سے ہے۔(۱) واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۲۹/۳-۲۳۰)

بوجہ تنگی مسجد کسی کے مکان میں جمعہ جائز ہے، یا نہیں؟ اور فناء مصر کس کو کہتے ہیں:

سوال (۱) بوجہ تنگی مسجد کسی شخص کے مملوکہ مکان میں کہ جس میں تمام مسلمان بلا روک ٹوک آسکیں اور فراخ ہو۔ جمعہ کی نماز جائز ہے، یا نہیں؟

(۲)　فنائے مصر کس کو کہتے ہیں؟

(المستفتی :۱۸۵،محمد لائل پوری دیوبندی (ضلع لدھیانہ) ۸/شوال ۱۳۵۲ھ،۲۴/جنوری ۱۹۳۴ء)

الجواب

ہاں مکان میں بھی جمعہ کی نماز ہوسکتی ہے، جب کہ کسی کی روک ٹوک نہ ہو؛مگر ہمیشہ مکان میں ہی نماز قائم کرنا اور مسجد کو معطل کرنا نہیں چاہیے۔(۲)

(۲)　فنائے مصر وہ مقام ہے، جو شہر سے باہر؛مگر متصل ہو اور شہر کی بعض ضروریات اس مقام سے بہم پہنچتی ہوں۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۳۱/۳)

مسجد واحد میں تعدد جمعہ جائز نہیں:

سوال:　شہر مولمین کے اطراف میں ایک جگہ کے لوگوں میں کسی وجہ سے تفرقہ پیدا ہوا، ایک فریق کے لوگ بروز جمعہ مسجد کے امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرتے وقت دوسرے فریق کے لوگ اقتدا نہ کرکے الگ رہتے ہیں، فریق اول کے لوگ نماز جمعہ ہونے کے بعد فورا دوسرے فریق کے لوگ دوسرا ایک امام کھڑا کرکے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔پس سوال یہ ہے کہ اس طور سے ایک مسجد میں دومرتبہ نماز جمعہ ادا کرنا درست ہے، یا نہیں؟ اور فریق اول کی نماز جمعہ صحیح ہے، یا نہیں؟ اور فریق ثانی کی نماز جمعہ کا کیا حکم ہے؟ **بینوا بالدلیل توجروا بالأجر الجزیل.**

---

(۱)　(فإن أخرها إلی ما زاد علی النصف) کره لتقلیل الجماعة.(الدر المختار)(قوله: کره) أی تحریماً.(رد المحتار، کتاب الصلاة:۳۶۸/۱،انیس)

(۲)　(والسابع:الإذن العام) من الامام وهو یحصل بفتح أبواب الجامع للواردین.(الدرالمختار علی هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۵۲/۲،ط:سعید)

(۳)　(وشرط صحتها) ... (المصر) ... (وفناؤه،وهو ما) حوله (اتصل به) ... (لأجل مصالحه) کدفن الموتٰی ورکض الخیل.(الدرالمختار علی هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۳۸/۲،ط:سعید)

الجواب

تعدّدِ جمعہ مسجدِ واحد میں جائز نہیں اور اسی صورت میں جماعت اولی کی نماز تو صحیح ہو جائے گی، دوسری جماعت کی صحیح نہ ہوگی۔

قال فی الدر:(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً علی المذهب،آه.

(وفی الرد تحته):فقد ذكر السرخسی أن الصحيح من مذهب أبی حنيفة جواز إقامتها فی مصر واحد فی مسجدين وأكثر وبه نأخذ،آه.(۱)

قلت:وقيودالفقه إحترازية وقد قيدوا جوازها بمواضع كثيرة وبمسجدين مختلف فيه أيضاً وعدم الجواز هوالظاهرولكنهم جوزوه للضرورة.

ففی رد المختار:بل قال السبكی من الشافعية أنه (أی عدم جوازالتعدد قول أكثر العلماء ولا يحفظ عن صحابی ولا تابعی تجويز تعددها،آه.(إلیٰ أن قال) ولذا قال فی شرح المنية:الأولی هوالاحتياط؛لأن الخلاف فی جوازالتعدد وعدمه قویٰ وكون الصحيح الجوازللضرورة للفتوی لايمنع شرعية الاحتياط للتقوی،آه.(۱۴۴/۱)(۲)

قلت:فلماكان هذا حال التعدد فی موضعين فكيف به فی موضع واحد لعدم الضرورة فيه أصلاً وعدم تجويزه عن أحد من الأئمة فيمنع كل المنع والله أعلم

۱۲/رجب ۱۳۴۳ھ (امدادالاحکام:۳۶۶/۲-۳۶۷)

ایک گاؤں میں دوجگہ، یا اس سے زائد جگہ جمعہ پڑھنا درست ہے:

سوال (۱) ایک گاؤں میں چھ سو پانچ گھر ہیں، دوجگہ، یا اس سے زائد جمعہ پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

(۲)　جمعہ با شرائط ہے، یا بلا شرائط پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

(۳)　جمعہ کی نماز کے بعد فرض احتیاطی پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۷۱۸، راجہ فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ، ۱۸/مئی ۱۹۴۲ء)

الجواب

(۱)　جس مقام میں جمعہ کی نماز پڑھنی جائز ہے، وہاں دوجگہ بھی پڑھی جائے تو درست ہے؛(۳) لیکن اگر وہ بستی

(۱-۲)　رد المحتار،باب الجمعة:۱۴۵/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۳)　(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع كثيرة) مطلقاً علی المذهب،وعليه الفتویٰ.(الدرالمختارعلیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة:۱۴۴/۲،ط:سعيد)

زیادہ بڑی نہ ہواور ایک مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے میں دشواری نہ ہوتو ایک ہی جگہ ادا کرنا افضل ہے؛ کیوں کہ جمعہ کی نماز میں جہاں تک ممکن ہو،تعدد نہ ہونا چاہیے اور ضرورت تعدد کی ہوتو تعدد بلا کراہت جائز ہے اور بلاضرورت تعدد ہوتو خلاف اصل ہے۔

(۲) جمعہ کی شرطیں ہیں، جب وہ شرطیں پائی جائیں تو جمعہ کی نماز پڑھنا فرض ہے،(۱)اوراگر شرط نہ پائی جائے تو پھر جمعہ کی ظہر باجماعت پڑھی جائے، یہ سوال مبہم ہے،جس شرط میں کلام ہو،اس کو صاف صاف تحریر کرکے اوراس کی صورت بیان کرکے دریافت کرنا چاہیے۔

(۳) اگرچہ جمعہ کی نماز کے بعد ظہر احتیاطی کی بعض فقہا نے اجازت دی ہے؛مگر صحیح اور قوی قول یہ ہے کہ ظہر احتیاطی کوئی ثابت شدہ نماز نہیں ہے؛اس لیے اس کا ترک اس کے فعل سے اولیٰ ہے اور محققین کا اس پر تو اتفاق ہے کہ عام طور پر اس کا فتویٰ اور حکم نہ دینا چاہیے اوراگر کوئی اس کا قائل نہ ہواور نہ پڑھے تو اس پر کوئی الزام اور اعتراض نہیں ہوسکتا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ۔(کفایت المفتی:۲۵۲/۳-۲۵۳)☆

---

(۱) (ويشترط لصحتها) سبعة أشياء:الأول(المصروهو مالا يسع أكبر مساجده أهله المكلفين بها).(الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۷/۲،ط:سعيد)

عن علي قال:لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع ، وكان يعد الأمصار:البصرة والكوفة والمدينة والبحرين.(مصنف عبد الرزاق، باب القرى الصغار: ۷۰/۳،رقم الحديث: ۵۱۹۱)

قال علي:"لاجمعة و لاتشريق و لاصلاة فطر ولاأضحى إلا في مصرجامع أومدينة عظيمة".(مصنف ابن أبي شيبة،باب من قال لا جمعة ولاتشريق إلا في مصر جامع: ۴۳۹/۱،رقم الحديث: ۵۰۵۹،انيس)

(۲) قال في البحر:"وأفتيت مراراً بعدم صلاة الأربع بعدها بنية آخرظهرخوف اعتقاد عدم فرضية الجمعة وهو الاحتياط في زماننا.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۳۷/۲،ط:سعيد)

☆ **جمعہ کے آداب:**

(۱) ہر مسلمان کو چاہیے کہ جمعہ کا اہتمام پنج شنبہ سے کرے، پنج شنبہ (جمعرات) کے دن عصر کے بعد استغفار وغیرہ زیادہ کرے اوراپنے پہننے کے کپڑے صاف کرکے رکھے،اگر خوشبو گھر میں نہ ہواور ممکن ہوتو اسی دن لاکر رکھے؛ تاکہ پھر جمعہ کے دن ان کاموں میں اس کو مشغول نہ ہونا پڑے۔

(۲) پھر جمعہ کے دن غسل کرے،سر کے بالوں کواور بدن کو خوب صاف کرے اور مسواک کرنا بھی اس دن بہت فضیلت رکھتا ہے۔

(۳) جمعہ کے دن بعد غسل عمدہ سے عمدہ کپڑے، جواس کے پاس ہوں پہنے اور ممکن ہوتو خوشبو لگائے اور ناخن وغیرہ بھی کتروائے۔

(۴) جامع مسجد میں بہت سویرے جائے جو شخص جتنی سویرے جائے گا اسی قدر اس کو ثواب زیادہ ملے گا۔

(۵) جمعہ کے دن پاپیادہ جانے میں ہر قدم پر ایک سال روزہ رکھنے کا ثواب ملتا ہے۔

(۶) جمعہ کے دن خواہ نماز سے پہلے یا پیچھے سورۂ کہف پڑھنے میں بہت ثواب ہے۔(ماخوذ از دین کی باتیں،حضرت مولانا تھانویؒ)

تکرار جماعت جمعہ کا حکم:

سوال: تکرار جماعت نماز جمعہ جائز ہے، یانہیں؟ اوراگر ہے توبلا کراہت جائز ہے، یا بکراہت؟ اور درصورت جواز کے کہ بلا کراہت ہواولیٰ نماز جمعہ پڑھنا ہے، یا نماز ظہر؟

الجواب

فی الدرالمختار: (وكذا أهل مصرفاتتهم الجمعة) فانهم يصلون الظهر بغير أذان ولا اقامة ولا جماعة (وفيه قبل هٰذه العبارة) وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة إلا الجامع.

(وفی ردالمحتار): (قوله الاالجامع) أی الذی تقام فيه الجمعة فان فتحه فی وقت الظهر ضروری والظاهر أنه يغلق أيضاً بعداقامة الجمعة، الخ. (۱)

ان روایات سے واضح ہوتا ہے کہ تکرار جماعت نماز جمعہ مشروع نہیں ہے اور نہ فوت جمعہ سے علی التعین ادائے ظہر کا امر اگر چہ کسی مجمع ہی کا جمعہ فوت ہوگیا ہو، نہ ہوتا اور خود جامع مسجد اور دوسری مساجد کا اغلاق بعد نماز جمعہ مامور بہ نہ ہوتا؛ کیوں کہ احتمال تکرار جمعہ کا رہتا۔

"أما الصحة اوعدم الصحة فلم يتعرضوا لها إن كان مقتضٰى القواعد هی الصحة مع الكراهة وأما التعدد فجوازه للضرورة ولا ضرورة فی التكرار".

پس ایسے لوگوں کو نماز ظہر ہی بلا جماعت پڑھنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۲۵ رشوال ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۱۳۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۲-۶۵۳)

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین اندریں مسئلہ کہ صلوٰۃ جمعہ از چند کس اگر اتفاقاً فوت شدہ باشد پس اوشاں صلوٰۃ جمعہ را خوانند یا نماز ظہر منفرداً ادا سازند بہ تقدیر اول نماز بصحن مسجد کہ برائے نماز موضوع نیست بلکہ دراں کفشہا میدانند جائز است یا نہ دہلیز واشاں ہم موجود ست، و پوشیدہ نماند کہ در ہمہ مسجد چاٹ گام بل ہنگامہ جمعہ می شود۔ (۲)

الجواب

فی الدرالمختار: وأفاد أن المساجد تغلق يوم الجمعة الا الجامع (وكذا أهل مصرفاتتهم الجمعة) فانهم يصلون الظهر بغير أذان ولا اقامة ولا جماعة، الخ.

(فی ردالمحتار): (قوله: إلا الجامع) أی الذی تقام فيه الجمعة. (۳)

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) خلاصۂ سوال: اگر اتفاقاً چند آدمیوں کی نماز جمعہ فوت ہوجائے تو وہ لوگ جمعہ کی نماز پڑھیں، یا ظہر تنہا تنہا پڑھیں؟ پہلی صورت میں مسجد کے صحن میں جو نماز کے لیے نہیں ہے؛ بلکہ وہاں جوتے رکھتے ہیں، نماز جمعہ پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟ ان لوگوں کے گھر بھی موجود ہیں تو کیا کسی گھر میں جمعہ کی نماز پڑھیں؟ واضح رہے کہ چاٹگام کی تمام ہی مساجد میں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ (سعید احمد)

(۳) رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۷، دار الفکر بیروت، انیس

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن مساجد میں جمعہ ہوتا ہے، اگر ان میں سے کسی مسجد میں جمعہ مل سکے تو وہاں پڑھ لے، **لجواز تعدد الجمعة** اور اگر ان میں سے کسی میں نہ ملے تو منفرداً ظہر پڑھے، نئی جگہ جمعہ نہ پڑھے۔

۸/شعبان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۵۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۴)

ایک مسجد میں بغیر عذر شرعی دوبارہ جمعہ کی جماعت کرنا:

سوال: ایک جاہل پیر میاں اپنے باپ کے مرید آباد میں آئے، بستی کے لوگوں نے موافق دستور کے خاطر مدارات کی، پیرزادہ سمجھ کر امام بنایا، چند مہینوں کے بعد نمازیوں نے خلاف شرع کئی بات کرتے دیکھا؛ اس لیے بجز آٹھ دس آدمی کے پوری بستی کے نمازیوں نے سابق امام جو قرآن نہایت اعلیٰ درجہ پر اور نہایت خوش الحانی کے ساتھ ادا کرتے ہیں، تمام نمازیوں نے ان کو امام بنا کر جمعہ کی اور بقیہ نماز پنج گانہ ادا کرتے ہیں۔ پیرزادہ صاحب کو بڑا رنج ہوا اور آٹھ دس آدمی کو بلا کر جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد اس مسجد میں اسی وقت جمعہ کی نماز ادا کیا۔ پچھلی نماز جائز ہے، یا نہیں؟ خدا کے لیے بہت جلد قرآن وحدیث وفقہا ومحدثین سے جواب فرما کر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں۔

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ایک مسجد میں دو مرتبہ نماز جمعہ قرآن مجید، حدیث وفقہ سے ثابت نہیں ہے۔ پہلی جماعت جو ہوئی، وہ درست ہوئی۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابو المحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۹/۴/۱۳۴۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۶۷)

ایک ہی مسجد میں ایک سے زیادہ بار جمعہ کی ادائیگی:

سوال: برطانیہ کے ایک شہر میں ایک کئی منزلہ مسجد ہے، جس میں عام نمازوں کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہوتی ہے، مسجد کو مزید وسیع کرنے کی گنجائش نہیں؛ کیوں کہ مسجد کے چاروں طرف مسجد کی مملوکہ زمین نہیں، مسجد کو مزید اونچا کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور قانون اس میں مانع ہے، عام دنوں میں مسجد کا کچھ حصہ ہی استعمال ہوتا ہے؛ لیکن جمعہ کے دن تمام منزلیں بھر جاتی ہیں، پھر بھی کافی نہیں ہوتی؛ اس لیے تین بار جماعت کی جاتی ہے، نماز میں شرکت کرنے والے حضرات کافی دور دور سے آتے ہیں، اس محلّہ کے لوگ کم ہوتے ہیں، جس میں یہ مسجد واقع ہے، اگر ہر جمعہ کو خاص طور پر ہال بک کیا جائے تو اولاً تو ہر ہفتہ کو ہال دستیاب ہونا دشوار ہے اور ہو تو اس کے اخراجات نا قابلِ تحمل ہیں۔ عیدین کی

---

(۱) ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الامامة: ۱/۵۵۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(قوله: ويكره) أي تحريماً لقول الكافي لايجوز والمجمع لايباح وشرح الجامع الصغير أنه بدعة، كما في رسالة السندي. (رد المحتار، باب الامامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۲/۵۵۲، دار الفكر بيروت، انيس)

نمازیں چوں کہ سال میں صرف دوبار ہوتی ہیں؛ اس لیے ہال کرایہ پر لے لیا جاتا ہے۔ برطانیہ کے قوانین اتنے سخت ہیں کہ لوگ سڑکوں پر نماز ادانہیں کر سکتے اور نماز کے لیے آنے والے اکثر لوگ وہ ہوتے ہیں، جو جمعہ کے نمازی ہوتے ہیں، اگر جمعہ میں بھی شریک نہ ہوں تو نہ معلوم عیدین کے علاوہ دوسری نمازیں پڑھیں بھی، یا نہیں؟

ان حالات کے پس منظر میں آپ سے درج ذیل باتیں وضاحت طلب ہیں:

(الف) مسجد میں ایک سے زیادہ جماعت کرنے کے سلسلہ میں فقہا کے مذاہب کیا ہیں؟

(ب) فقہ حنفی میں تکرارِ جماعت کی اجازت ہے؟

(ج) جوصورت حال اوپر مذکور ہوئی کیا اس صورت میں تکرار جماعت کی گنجائش ہے؟ (احمد علی، برطانیہ)

الجواب

(الف) تکرارِ جماعت کے سلسلہ میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے فقہا کے مذہب کی تفصیل یہ ہے کہ امام مالکؒ کے نزدیک جس مسجد میں کوئی امام مقرر ہو، وہاں اس امام کی جماعت کے علاوہ کوئی اور جماعت کرنا مکروہ ہے، اگر کئی ائمہ مقرر ہوں، جو الگ الگ جماعتوں کو پڑھائیں تو اس صورت کے بارے میں مالکیہ کے نزدیک اختلاف ہے؛ لیکن راجح یہی ہے کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے، جس مسجد میں کوئی باضابطہ امام مقرر ہو، اس میں دوبارہ جماعت مکروہ ہے، البتہ اگر مسجد تنگ ہے اور تمام لوگ ایک ساتھ نماز نہیں پڑھ سکیں تو ایک سے زیادہ جماعت کی گنجائش ہے۔(۱)

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مقررہ امام کی اجازت سے ایک سے زیادہ جماعتیں کی جاسکتی ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔(۲) مشہور محدث امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ فقہا میں امام اسحاقؒ کی بھی یہی رائے ہے،(۳) نیز متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ اسی نقطۂ نظر کے حامل ہیں، مشہور محدث امام بخاریؒ کا رجحان بھی یہی ہے۔(۴) فقہاء احنافؒ اصولی طور پر تکرار جماعت مکروہ قرار دیتے ہیں، چناں چہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

”وإن صلّٰی فیه أهله بأذان واقامة أو بعض أهله یکره لغیر أهله وللباقین من أهله أن یعیدوا الأذان والاقامة“.(۵)

اس طرح اکثر فقہا کا مسلک یہی ہے کہ تکرار جماعت کراہت سے خالی نہیں، مذاہب اربعہ میں احناف، مالکیہ اور

---

(۱) دیکھئے: روضة الطالبین: ۱/۵۱۰، نیز دیکھئے: الفقه الإسلامی وأدلته: ۲/۱۶۵-۱۶۴

(۲) دیکھئے: کشاف القناع: ۱/۵۳۸، بحوالہ الفقه الاسلامی وأدلته: ۲/ ۱۶۵

(۳) قالوا: لا بأس أن یصلی القوم جماعة فی مسجد قد صلّٰی فیه وبه یقول أحمد وأسحاق. (الجامع للترمذی، باب ماجاء فی الجماعة فی مسجد قد صلّٰی فیه مرة: ۱/۵۳، دارالفکر بیروت، انیس)

(۴) وجاء أنس بن مالک إلٰی مسجد قد صلّٰی فیه فأذن وأقام و صلّٰی جماعة. (صحیح البخاری، باب فضل صلاة الجماعة: ۱/۸۹، قدیمی، انیس)

(۵) بدائع الصنائع، باب الأذان، فصل أما بیان محل وجوب الأذان: ۱/۱۵۳، دار الحدیث، انیس

شوافع کا یہی نقطۂ نظر ہے، حنابلہ جواز کے قائل ہیں اور شوافع جگہ کی تنگی کی صورت میں تکرار جماعت کو جائز قرار دیتے ہیں، جو حضرات تکرارِ جماعت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل ایک روایت ہے کہ!

ایک صاحب جماعت ختم ہونے کے بعد مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کون ان کے اجر میں اضافہ کرے گا؟ یعنی کون ان کے ساتھ شریک ہوکر انہیں جماعت کا ثواب پہونچائے گا؟ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے، چناں چہ وہ ان کے ساتھ شریک ہوگئے اور ان صاحب نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جماعت سے نماز ادا کی۔ (۱)

اس طرح امام بخاریؒ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا ہے:

''حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک ایسی مسجد میں تشریف لائے، جس میں نماز ہوچکی تھی تو دوبارہ اذان واقامت کے ساتھ نماز ادا فرمائی''۔ (۲)

جو لوگ تکرار جماعت کو مکروہ قرار دیتے ہیں، ان کے پیش نظر وہ روایت ہے کہ رسول اللہ ایک بار کچھ لوگوں کے درمیان صلح کرانے تشریف لے گئے، جب آپ افارغ ہوکر مسجد آئے تو نماز ہوچکی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر واپس آئے اور اہل خانہ کو جمع کیا اور نماز ادا فرمائی۔ (۳)

نیز تکرار جماعت سے لامحالہ جماعت کی تعداد قلیل ہوگی؛ کیوں کہ جب لوگ دیکھیں گے کہ بار بار جماعت ہوسکتی ہے تو آنے میں تاخیر کریں گے اور اس طرح جماعت کی کثرت ''جو شریعت کا منشا ہے'' فوت ہوکر رہ جائے گا، چناں چہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''لأن التكرار يؤدى إلٰى تقليل الجماعة؛ لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة، إذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه''. (۴)

''لأن في تكرار الجماعة تقليلها''. (۵)

واقعہ ہے کہ جمہور کا نقطۂ نظر شریعت کے مزاج ومذاق اور جماعت کی مصلحت سے زیادہ قریب ہے۔

---

(۱) عن أبى سعيد قال: جاء رجل وقد صلّٰى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال: أيكم يتجر علٰى هذا فقام رجل وصلّٰى معه. (سنن الترمذى، باب ماجاء فى الجماعة فى مسجد قد صلّٰى فيه: ۵۳/۱، رقم الحديث: ۲۲۰، قديمى، انيس)

(۲) وجاء أنس بن مالك إلٰى مسجد قد صلّٰى فيه فأذن وأقام وصلّٰى جماعة. (صحيح البخارى، باب فضل صلاة الجماعة: ۹۸/۱، قديمى، انيس)

(۳) عن أبى بكرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل من نواحى المدينة يريد الصلاة فوجد الناس قد صلوا فمال إلٰى منزله مجمع أهله فصلّٰى بهم. (مجمع الزوائد، باب فيمن جاء الى المسجد فوجد: ۱۷۳/۲، انيس)

(۴) بدائع الصنائع، باب الأذان، فصل "وأما بيان محل وجوب الأذان: ۱۵۳/۱، دار الحديث، انيس

(۵) منحة الخالق على البحر الرائق، باب الامامة: ۶۰۵/۱، دار الفكر بيروت، انيس

(ب) احناف کے مسلک کی تفصیل ہے کہ چند صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں بالاتفاق تکرار جماعت مکروہ نہیں:

(اول) یہ کہ ''مسجد محلّہ'' نہ ہو؛ بلکہ بازار یا شارع عام کی مسجد ہو، جس میں گزرنے والے نماز پڑھ لیا کرتے ہوں۔ ''أو **كان مسجد طريق جاز إجماعًا**''(۱) ''**وكذا في مسجد قارعة الطريق**'' (۲) اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی مسجدوں میں متعین نمازی نہیں ہوتے؛ بلکہ حسب موقع گزرنے والے پڑھ لیتے ہیں؛ اس لیے اس سے کثرت جماعت متأثر نہیں ہوتی۔

(دوسرے) اس مسجد میں بھی تکرار جماعت میں کوئی حرج نہیں ہے، جس کے لیے امام متعین نہ ہو اور کچھ متعین لوگ مسجد میں نہ آیا کرتے ہوں؛ بلکہ ''کیف ما اتفق'' کبھی کچھ لوگ، کبھی کچھ اور لوگ نماز پڑھتے ہوں، چناں چہ فتاوی عالمگیری میں ہے:

''**المسجد إذا كان له إمام معلوم أو جماعة معلومة في محلة فصلىٰ أهله فيه بالجماعة لا يباح تكرارها فيه بأذان ثان**''. (۳)

(تیسرے) اگر پہلی جماعت اہل محلّہ ہی نے کی؛ لیکن اذان آہستہ اس طریقے پر دی کہ دوسرے لوگ نہ سن سکیں تو اس کے بعد دوبارہ جماعت کی جاسکتی ہے۔

''**جماعة من أهل المسجد أذنوا في المسجد علىٰ وجه المخافتة بحيث لم يسمع غيرهم ثم حضر قوم من أهل المسجد ولم يعلموا ما صنع الفريق الأول فأذنوا علىٰ وجه الجهر والإعلان، ثم علموا ما صنع الفريق الأول فلهم أن يصلوا بالجماعة علىٰ وجهها ولا عبرة للجماعة الأولىٰ**''. (۴)

(چوتھی صورت) یہ ہے کہ مسجدِ محلّہ ہی میں غیر اہل محلّہ نے پہلے اذان واقامت کے ساتھ جماعت کرلی ہو تو اب اہل محلّہ کا دوبارہ جماعت کرنا مکروہ نہیں۔

''**يكره تكرار الجماعة في مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلىٰ بهما فيه أوّلا غير أهله**''. (۵)

(پانچویں صورت) یہ ہے کہ پہلی جماعت اذان کے ساتھ ہوئی ہو، اور دوسری جماعت بغیر اذان کے ہو اس کو حنفیہ نے بالاتفاق مباح قرار دیا ہے۔

''**وأما إذا صلوا بغير أذان يباح إجماعًا**''. (۶)

اور شامی میں ہے:

''**ولو كرر أهله بدونهما... جاز اجماعًا**''. (۷)

---

(۱) رد المحتار: ۲۸۸/۲

(۲-۳) الفتاوىٰ الهندية، الباب الخامس فى الإمامة، قبيل الفصل الثانى فى بيان من هو أحق بالامامة: ۸۳/۱، انيس

(۴) فتاوىٰ قاضى خان علىٰ هامش الفتاوى الهندية: ۷۸/۱، محشى

(۵) ردالمحتار، باب الامامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد: ۵۵۲/۲-۵۵۳، دار الفكر بيروت، انيس

(۶) الفتاوىٰ الهندية: ۸۳/۱

(۷) ردالمحتار، باب الامامة، مطلب فى تكرار الجماعة فى المسجد: ۵۵۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

تکرارِ جماعت کے جائز ہونے کی یہ صورتیں فقہاء حنفیہ کے نزدیک متفق علیہ ہیں، امام محمدؒ سے منقول ہے کہ اگر دوسری جماعت تداعی اوراجتماعی کےطور پر نہ ہو، تو مکروہ نہیں، ورنہ مکروہ ہے، چناں چہ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

" وروى عن محمد أنه إنما يكره إذا كانت الثانية علىٰ سبيل التداعى والاجتماع فأما إذا لم يكن فلا يكره". (۱)

(۱) ممکن ہے کہ امام محمدؒ کے اس قول کا مقصد وہی ہو، جو مذکور ہوا ہے کہ دوسری جماعت اذان کے ساتھ مکروہ ہے، بغیر اذان کے نہیں؛ کیوں کہ اذان تداعی کی واضح صورت ہے، امام ابو یوسفؒ کے قول میں نسبتاً زیادہ وسعت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر جماعتِ ثانیہ جماعت اولی کی ہیئت پر نہ ہو تو جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں، تغیرِ ہیئت سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں عام طور پر یہ بات کہی گئی ہے کہ محراب اور امام کی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ امامت کی جائے، چناں چہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

"وعن أبي يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولىٰ لا تكره وإلا تكره،وهو الصحيح وبالعدل عن المحراب تختلف الهيئة كذا في البزازية" .(۲)

نیز علامہ ابن نجیم کا بیان ہے:

"وعن أبي يوسف لابأس به مطلقا إذا صلىٰ في غيرمقام الإمام" .(۳)

یہاں یہ بات بھی اہم ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کو فقہا نے صحیح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، چناں چہ علامہ شامی کی صراحت اصول کے بارے میں گزرچکی ہے، **"هو الصحيح".**

(۲) جمعہ چوں کہ شعائر دین کے درجہ میں ہے؛ اس لیے جمعہ کا بہر حال اہتمام ہونا چاہیے؛ اس لیے فقہا نے جمعہ کے قیام کے لیے بعض شرائط کے بارے میں تخفیف ورعایت سے کام لیا ہے، چناں چہ اصل یہ ہے کہ ایک ہی جگہ جمعہ ہو؛ لیکن اس کے مستحب ومطلوب ہونے میں کسی کو بھی کلام نہیں؛ لیکن اگر ایک جگہ تمام لوگوں کے اجتماع میں دقت ہو تو فقہا کہتے ہیں کہ متعدد جمعہ میں بھی کوئی حرج نہیں۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں:

"يصح أداء الجمعة في مصرواحد بمواضع كثيرة وهو قول أبي حنيفة ومحمد،وهو الأصح ؛لأن في الاجتماع في موضع واحد في مدينة كبيرة حرجًا بيّناً وهومدفوع". (۴)

یہی بات فقہاءِ مالکیہ نے لکھی ہے:

"واعلم أن خشية الفتنة بين القوم إذا اجتمعوا في مسجد تبيح التعدد كالضيق". (۵)

---

(۱) بدائع الصنائع،باب الأذان،فصل وأما بيان محل وجوب الأذان: ۱۵۳/۱،دارالكتب العلمية، انيس
(۲) رد المحتار،باب الامامة،مطلب فى تكرارالجماعة: ۵۵۳/۱،دار الفكر،بيروت،انيس
(۳) البحرالرائق،باب الامامة: ۶۰۵/۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس
(۴) البحرالرائق،باب الجمعة: ۲۵۰/۲،دار الكتب العلمية بيروت،انيس
(۵) الشرح الصغير،فصل فى شروط الجمعة،شروط الجامع: ۵۰۱/۱،دار المعارف،انيس

امام شافعیؒ کے نزدیک تو ایک شہر میں متعدد جمعہ جائز نہیں؛ لیکن اس کے باوجود متأخرین نے از راہ ضرورت متعدد جمعہ کی اجازت دی ہے؛(۱) تاکہ جمعہ سے لوگ محروم نہ ہونے پائیں۔(۲)

اس طرح سجدہ تو زمین پر ہونا چاہیے؛ لیکن اگر جمعہ میں اژدحام کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو فقہا نے نمازیوں کی پشت پر بھی سجدہ کرنے کی اجازت دی ہے۔

”رجل لم يستطع يوم الجمعة أن يسجد على الأرض من الزحام فإنه ينتظر حتٰى يقوم الناس، فإذا رأى فرجة سجد وإن سجد علٰى ظهر الرجل أجزأه“.(۳)

ان نظائر سے یہ بتانا مقصود ہے کہ شریعت میں اقامت جمعہ کی جو اہمیت ہے، فقہا نے اپنے اجتہادات میں اس کو بڑی اہمیت دی ہے؛ اس لیے تکرارِ جماعت کی کراہت سے بڑھ کر یہ ہے کہ کچھ مسلمان جمعہ کی سعادت سے محروم ہوجائیں، لہٰذا راقم الحروف کی رائے ہے کہ!

(الف) اولاً تو مسجد کے ذمہ داران اس بات کی کوشش کریں کہ جمعہ کے لیے مستقل طور پر کوئی ہال حاصل ہوجائے۔

(ب) جب تک یہ سہولت حاصل نہ ہو، تکرارِ جماعت ہی کے ذریعہ سہی، مسلمانوں کو جمعہ سے محروم نہ ہونے دیں، ورنہ اندیشہ ہے کہ اس سے ان کی دینی حالت پر بہت ہی خراب اثر مرتب ہوگا۔

(ج) صورت یہ ہو کہ صرف پہلی جماعت سے پہلے اذان اور اقامت ہو۔ دوسری، یا تیسری جماعت کے لیے اذان اور اقامت نہ کہی جائے؛ تاکہ اس قول کے مطابق کہ ”دوسری جماعت بغیر اذان و اقامت کے درست ہے“ تکرارِ جماعت درست قرار پائے۔

(د) پہلی جماعت میں امام جہاں کھڑا ہو، دوسری جماعت میں اس سے کسی قدر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو اور دوسری جماعت میں امام کی جو جگہ ہو، تیسری جماعت میں امام اس سے بھی ہٹ کر نماز پڑھائے، اس طرح تغیر ہیئت کی کیفیت پیدا ہوجائے گی، جو امام ابو یوسفؒ کے قول پر مکروہ نہیں ہے۔

(ہ) یہ بات بھی مناسب ہوگی کہ مسجد کا مقررہ امام آخری جماعت کی امامت کرے؛ تاکہ اس کا شمار اہل محلّہ کی جماعت میں ہو اور پہلی جماعتوں کا شمار غیر اہل محلّہ کی جماعتوں میں ہو، اور غیر اہل محلّہ کی جماعت کے بعد بھی اہل محلّہ کی جماعت بالاتفاق درست ہے۔

تکرار جماعت کی یہ وہ صورتیں ہیں کہ احناف کے مسلک کی مذکورہ تفصیلات کے مطابق یہ کراہت کے دائرہ میں

---

(۱) **قال الشافعيؒ ولا يجمع وإن عظم وكثرت مساجده إلا في موضع واحد ... واختلف أصحابنا في أمرها علٰى أوجهٍ: أصحها أنه جازت الزيادة فيها علٰى جمعة ... إذا كثر الناس وعسر اجتماعهم.(روضة الطالبين، كتاب صلاة الجمعة: ۵/۲، انيس)**

(۲) دیکھئے: روضة الطالبين: ۵۱۰/۱

(۳) **الفتاوى قاضي خان علٰى هامش الفتاوٰى الهندية، كتاب الصلاة: ۱۷۸/۱، باب صلاة الجمعة، محشي**

نہیں آتیں؛ لیکن ظاہر ہے کہ اصل یہ ہے کہ مسجد میں ایک ہی جماعت ہو؛ اس لیے اس کے لیے کوشش جاری رکھنی چاہیے اور جب تک یہ سہولت بہم نہیں پہونچے، تکرار جماعت کے ساتھ ہی سہی، تمام آنے والوں کے لیے جمعہ کی سہولت برقرار رکھنا چاہیے کہ اس سے فریضۂ دین کی اہمیت لوگوں کے ذہن میں باقی رہے گی اور ان کے ذہنوں میں اپنی مذہبی شناخت بھی قائم رہے گی۔ (کتاب الفتاویٰ:۸۰/۳۔۸۱)

جمعہ کی جماعت ثانیہ:

سوال: ہمارے یہاں مسجد میں جمعہ کی نماز کے لیے بہت سے لوگ آتے ہیں، جب مسجد بھر جاتی ہے تو کچھ لوگ جو تقریباً ۷۰ سے زائد ہوتے ہیں، مسجد کے اوپر چھت پر کھلے آسمان کے نیچے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں، گزشتہ جمعہ کے دن مسلسل بارش ہوتی رہی، کیا ایسی صورت میں اوپر کے لوگوں کو بارش میں بھیگتے ہوے نماز ادا کرنا چاہیے، یا دوسری جماعت بنا کر پڑھنا چاہیے؟ ایسی صورت میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کا واضح طریقہ بتائیں۔

(حافظ نعمان ذاکر حسامی، پٹن چرو)

الجواب

جو صورت آپ نے ذکر کی ہے، اس میں اولاً تو کوشش کرنی چاہیے کہ مسجد کی چھت کے بجائے اگر دوسری مسجد ہو تو وہاں، یا مسجد کے علاوہ کوئی اور چھت والی جگہ ہو تو وہاں جمعہ کی دوسری جماعت کر لی جائے؛ لیکن اگر یہ دشوار ہو تو عذر کی وجہ سے دوبارہ جماعت کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ خاص حالات میں فقہا نے تکرار جماعت کی اجازت دی ہے۔ واللہ اعلم

(کتاب الفتاویٰ:۸۱/۳۔۸۲)

نمازِ جمعہ دوبارہ پڑھنا:

سوال: ایک آدمی کئی مسجدوں میں ایک ہی دن جمعہ کی نماز (دو رکعت فرض نماز) بحالتِ مجبوری، یا ثواب کی خاطر پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ یعنی زید مسجد طوبیٰ سے ۲ رکعت نماز فرض (جمعہ) پڑھ کر مسجد قبا میں میں پھر دو رکعت نماز فرض (جمعہ) پڑھے؟

الجواب

ایک نماز کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں، البتہ نفل کی نیت سے دوسری جماعت میں شریک ہو سکتا ہے۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۴۵/۴)

---

(۱) ویصلی المتنفل خلف المتفرض، لأن الحاجة فی حقه إلی أصل الصلاة وهو موجود فی حق الإمام فیتحقق البناء. (الهداية، باب الامامة: ۱۳۰/۱، مکتبة رحمانية لاهور، انیس)

(ویصلی المنفل خلف المفترض) لأن فیه بناء الضعیف علی القوی وهو جائز. (اللباب فی شرح الکتاب، باب صفة الصلاة: ۸۳/۱، المکتبة العلمية بيروت، انیس)

تقدیم رعایت جمعہ بر رعایت جماعت:

سوال: جب سے دیہات میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے تو نماز جمعہ کے لیے الٰہ آباد جایا کرتا ہوں؛ لیکن ایک وقت کی جماعت کم از کم ضرور راستہ میں فوت ہوجاتی ہے؛ کیوں کہ اکثر دیہات میں نماز کی جماعت کا اہتمام نہیں، جس سے قلق بھی ہوتا ہے، اس صورت میں کون سی صورت اختیار کرنا بہتر ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جزئیہ تو دیکھا نہیں؛ مگر فقہا نے ایک کلیہ لکھا ہے کہ خلافیات میں مراعات خلاف کی اولیٰ ہے، بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آوے، سو چوں کہ فرضیت جمعہ قریٰ میں مختلف فیہ ہے تو شہر میں جا کر جمعہ پڑھنے میں اس کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کا کوئی مکروہ لازم نہیں آیا؛ اس لیے جمعہ کی رعایت اولیٰ معلوم ہوتی ہے۔

۲۹/ ربیع الثانی ص ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص: ۳۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۳-۶۸۴)

قریب کی مسجد چھوڑ کر دور کی مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنا:

سوال: میں جمعے کی نماز اپنے گھر کے سامنے والی مسجد میں نہیں پڑھتا؛ بلکہ کسی اور مسجد میں جا کر پڑھتا ہوں، کیا میری نمازِ جمعہ قبول ہوگی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

اپنی قریبی مسجد میں پڑھنا بہتر ہے، البتہ ضرورت، یا بڑی مسجد ہونے کی وجہ سے دوسری مسجد میں جمعہ ادا کیا جاسکتا ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۲۲)

جمعہ کہاں اولیٰ ہوگا:

سوال: یہاں بہت سی مسجدوں میں جمعہ ہوتا ہے اولیٰ کس میں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

سب مسجدوں میں جمعہ درست ہے؛ مگر بڑی مسجد میں اولیٰ ہے، یا جس میں امام عالم متقی ہو۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۲۹)

جمعہ کا اول وقت اور جمعہ بستی میں ایک جگہ ہونا، بہتر ہے:

سوال: ایک قصبہ میں سابق [میں] تین جگہ جمعہ ہوتا تھا، مصلحت سمجھ کر قدیم جامع مسجد کا جمعہ چھوڑ کر ایک مسجد

---

(۱) ومسجد حيه أفضل من الجامع الذى جماعته أكثر من مسجد الحى وهٰذا أحد قولين حكاهما فى القنية والثانى العكس وما هٰنا جزم به فى شرح المنية. (رد المحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فى أفضل المساجد: ۱/ ٦٥٩، دار الفكر بيروت، انيس)

میں مقرر کیا تھا، اب صاحبان اس طرف کے قریب ایک بجے کے، یا پیشتر جمعہ پڑھ لیتے ہیں۔ اس صورت میں اکثر نمازی محروم رہ جاتے ہیں، اگر مسجد قدیم میں اہل محلّہ جمعہ ادا کریں تو جائز ہے، یا نہیں؟ جواب ارقام فرماویں اور جمعہ کا وقت کب تک ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

جمعہ کا وقت عصر تک رہتا ہے، ظہر کا وقت اور جمعہ کا ایک ہی ہے۔ پس اس عذر سے کہ وہ ایک بجے جمعہ سے فارغ ہوجاتے ہیں، دوسری جگہ جمعہ قائم کرنا اچھا نہیں۔ جمعہ ایک جگہ ہونا اولیٰ ہے اور جمعہ کا اول وقت ہونا مستحب ہے۔ پس اس عذر سے تفرقہ مناسب نہیں۔ مع ہٰذا اگر دوسری جگہ کر لیویں گے تو جمعہ ادا ہوجائے گا، گو تفرقہ غیر مناسب ہے۔ (کذا فی کتب الفقۃ) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص: ۱۶۰) (۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۴)

ایک جگہ جمعہ ادا کرنا افضل ہے:

سوال (۱) زید کا بیان ہے کہ ہمارے یہاں زمانۂ قدیم سے تمام مسلمان متفقہ طور پر ایک ہی مسجد میں نماز جمعہ ادا کرتے تھے؛ لیکن اب مذہبی اختلافات وعقائد کی بنا پر بخوشی تین چار مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے۔ اب جناب تحریر کریں کہ آیا جمعہ کے فضائل ان چاروں مسجدوں میں یکساں ہوتے ہیں، یا کم وبیش؟

(۲)　زید کے محلّہ کی مسجد میں نماز جمعہ ادا کی جاتی ہے؛ لیکن زید اپنے محلّہ کی مسجد کو چھوڑ کر دیگر مسجد میں جا کر نماز جمعہ ادا کرتا ہے۔ آیا زید کا یہ فعل درست ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۹۰۷، محمد علی پیش امام مسجد آسیاں (ضلع حصار) ۱۷ر شعبان ۱۳۵۶ھ، ۲۳ر اکتوبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱)　افضل اور بہتر یہی ہے کہ جمعہ کی نماز ایک مسجد میں پڑھی جائے، بلا ضرورت متعدد مسجدوں میں نماز جمعہ ادا کرنا بہتر نہیں ہے؛ لیکن نماز چاروں مسجدوں میں ہوجاتی ہے۔ (۲)

(۲)　زید دوسرے محلّہ کی مسجد میں اگر اس خیال سے جاتا ہے کہ وہاں جماعت بڑی ہوتی ہے یا امام اچھا ہے یا وہ قدیم سے جمعہ کے لئے مخصوص ہے تو اس کے اس عمل میں کوئی برائی نہیں ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۹/۳-۲۹۰)

---

(۱)　[نوٹ: ایک ضروری مسئلہ: شہر اور گاؤں میں فرق کیا ہے؟ ضمیمہ دوم میں ملاحظہ ہو۔ نور]

(۲)　(وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) علی المذهب وعلیه الفتویٰ. (الدر المختار، باب الجمعة: ۱٤٤/۲، ط: سعید)

(۳)　إذا کان لمنزل الرجل مسجد أن یذهب الٰی مکان أقدم فان کانا سواء یذهب الٰی مکان أقرب من منزله وإن استویا فهو مخیر فإن کان قوم أحدهما أکثر فان کان فقیهاً یذهب الٰی الذی قومه أقل لیکثر الجمع بسببه وإن لم یکن فقیهاً یذهب حیث أحب. (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیة، فصل فی المسجد: ٦٧/۱، ط: ماجدیة، کوئته)

قدیم وجدید مسجدوں میں سے کون سی مسجد میں جمعہ ادا کیا جائے:

سوال: گورستان کے درمیان ایک مسجد عرصہ سے موجود ہے، بعد میں اس محلّہ کے اندر دو مسجدیں اور بھی تعمیر شدہ موجود ہیں، کیا ابتدائی مسجد گورستان والی میں نماز جمعہ وعیدین وغیرہ باقاعدہ پڑھے جاسکتے ہیں؟ اور زیادہ حقدار ان میں سے کون سی مسجد ہے؟ (المستفتی: ۲۰۲۰، مولوی محمد عبداللہ شاہ (میانوالی)

الجواب

گورستان والی قدیم مسجد میں اگر نماز جمعہ وعید ہوتی تھی تو اب بھی پڑھی جاسکتی ہے، البتہ اگر ان مساجد میں سے بڑی اور محل وقوع کے لحاظ سے مناسب مسجد کو سب لوگ منتخب کر کے صرف ایک مسجد میں جمعہ پڑھا کریں تو بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۰/۳)

گاؤں میں نماز جمعہ ایک ہی جگہ ادا کرنا افضل ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۶/جولائی ۱۹۲۷ء)

سوال: موضع بلند التحصیل نکودر ضلع جالندھر میں واقع ہے، تمام گاؤں میں مسلمان ہی آباد ہیں۔ یہاں دو مساجد ہیں، جن کا درمیانی فاصلہ دس بارہ قدم ہے، ان ہر دو مساجد میں جمعہ کی نماز علاحدہ علاحدہ ادا کی جاتی ہے۔ اگر ایک ہی مسجد میں ادا کی جائے تو اتنی گنجائش ہے کہ سب لوگ ایک ہی مسجد میں آجائیں گے؟

الجواب

مسلمان قوم کو لازم ہے کہ آپس میں اتفاق ومحبت کے ساتھ ایک مسجد میں جو دونوں میں سے بڑی ہو، جمعہ کی نماز پڑھیں کہ یہ اعلیٰ اور افضل ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۰/۳)

جامع مسجد نئی بنالی جائے تو پرانی میں جمعہ ترک کر سکتے ہیں:

سوال: ایک جامع مسجد نئی زیر تعمیر ہے، جس کا کام شروع ہو چکا ہے، اس کی تکمیل کے بعد اگر ہم سابقہ مسجد کی جگہ نئی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں اور سابقہ مسجد میں جمعہ کی نماز ترک کر دیں تو کیا شرعاً اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب

اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

(۱-۲) (وتؤدی فی مصر واحد بمواضع کثیرة) علی المذهب وعلیه الفتویٰ. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱٤٤/۲، ط: سعید)

درمختار میں ہے:

”وأفاد أن المساجد تغلق یوم الجمعة إلا الجامع“. (۱)فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ۔الجواب صحیح،خیر محمد عفا اللہ عنہ ۱۹/۱۰/۱۳۸۸ھ۔(خیر الفتاویٰ:۱۱۹/۳)

جمعہ کے لیے جامع مسجد ہونا شرط نہیں:

سوال: ایک شخص نے اپنی تصنیف میں لکھا ہے کہ ادائے جمعہ کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے؟

الجواب

اس کے متعلق یہ تفصیل ہے کہ بے شک جمعہ کے لیے جامع مسجد کا ہونا شرط نہیں ہے،شہر کی دوسری مسجد میں،یا شہر کے میدان میں بھی جمعہ ہوسکتا ہے؛مگر جمعہ کے لیے یہ شرط ہے کہ شہر،یا قصبہ ہونا چاہیے اور بڑا گاؤں جو مثل قصبہ کے ہو،وہ بھی اس حکم میں ہے۔چھوٹے قریہ میں جمعہ عندالحنفیہ درست نہیں ہے۔(۲)

حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میں ہے:

”لا جمعة ولا تشریق،الخ،إلا فی مصر جامع“. (الحدیث)(۳)فقط(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۴۷/۵۔۱۴۸)

جامع مسجد کی بجائے محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھنا کیسا ہے:

سوال: بعض لوگ جامع مسجد کو چھوڑ کر محلّہ کی مسجد میں جمعہ پڑھتے ہیں کیا حکم ہے؟

الجواب

ایک شہر میں جمعہ چند جگہ بھی صحیح مذہب کے موافق صحیح ہے۔(کذا فی الدرالمختار وغیرہ)(۴)لیکن بلا وجہ جامع مسجد کو چھوڑنا اچھا نہیں ہے،البتہ اگر کوئی فتنہ وغیرہ کا اندیشہ ہوتو خیر،ورنہ حتی الوسع جمعہ ایک جگہ جامع مسجد میں ہونا اچھا ہے اور موجب ثواب عظیم ہے۔(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۶۲/۳۔۱۶۳)

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس

(۲) تقع فرضاً فی القصبات والقریٰ الكبيرة التی فيها أسواق ... فيما ذكرنا إشارة إلیٰ أنه لا تجوز فی الصغيرة التی ليس فيها قاض ومنبر وخطيب.(ردالمحتار،باب الجمعة: ۱۳۸/۲،دار الفكر بيروت،ظفير)

(۳) قال علی:”لا جمعة و لاتشريق و لاصلاة فطر ولاأضحی إلا فی مصرجامع أومدينة عظيمة“.(مصنف ابن أبی شيبة،باب من قال لا جمعة ولاتشريق إلا فی مصر جامع: ۴۳۹/۱،رقم الحديث: ۵۰۵۹،انيس)

(۴) (وتؤدی (الجمعة) فی مصرواحد بمواضع كثيرة) ملطقاً علیٰ المذهب وعليه الفتویٰ.(الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۴۴/۲۔۱۴۵،دار الفكر بيروت،انيس)

لأن جوازالتعدد وإن كان أرجح وأقویٰ دليلاً لكن فيه شبهة قوية؛لأنه خلا فه مروية عن أبی حنيفة أيضاً واختاره الطحاوی.(ردالمحتار،باب الجمعة،مطلب فی نية آخر ما ظهربعد صلاة الجمعة: ۱۴۵/۲،ظفير)

بستی والوں کا شہر جا کر جمعہ پڑھنا:

سوال: ہمارے گاؤں سے کوئی شہر، یا قصبہ سات کوس سے کم نہیں؛ اس لیے جمعہ کی نماز سے محروم رہتے ہیں۔ گاؤں سے دو کوس فرید پور ایک اوسط درجے کی بستی ہے، وہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے۔ اس میں دو مسجدیں ہیں: ایک شیعوں کی، دوسری سنیوں کی۔ گاؤں میں صرف ایک آدھ مکان پر کچھ کپڑا مل جاتا ہے اور ایک نامکمل سی دکان پنساری کی بھی ہے۔ مٹھائی، یا سبزی وغیرہ کی کوئی دکان نہیں، برست ڈھائی کوس پر ہے۔ وہاں بھی جمعہ کی نماز ہوتی ہے، برست میں چھ سات مسجدیں ہیں؛ مگر سب شیعوں کی ہیں۔ انہوں نے ایک مسجد سنیوں کو دی ہوئی ہے، اسی میں جمعہ ہوتا ہے اور جب چاہتے ہیں، چھین لیتے ہیں، دوسری دے دیتے ہیں؛ مگر برست میں سوائے سبزی کے ضروریات کی سب چیزیں ملتی ہیں اور آبادی دونوں بستیوں کی تقریباً یکساں ہے، کیا ہم ان دونوں بستیوں میں نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟

(المستفی: ۲۴۹، شہباز خاں سب انسپکٹر پولس موضع گڑھی بیرل ڈاکخانہ گھرونڈ ضلع کرنال، ۴؍ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ، ۲۰؍مارچ ۱۹۳۴ء)

الجواب

ان دونوں مقاموں میں سے کسی ایک جگہ جا کر جمعہ کی نماز ادا کر سکتے ہو۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۳۳/۳-۲۳۴) ☆

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا کیسا ہے:

سوال: ایک مولوی صاحب قبل از نماز جمعہ بوقت ادائیگی سنت وعظ فرمایا کرتے ہیں، جس سے سنت پڑھنے والوں کو دقت ہوتی ہے، ایسی حالت میں سنت ادا کریں، یا وعظ سنیں؟

الجواب

ایسے وقت کہ نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو اور بعض سنتوں سے رہ جاویں، وعظ کہنا ہی نہ چاہیے؛ کیوں کہ فقہاء یہ تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر، یا تلاوت قرآن بالجہر سے اگر نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو تو اس طرح ذکر اللہ وغیرہ نہ کرنا چاہیے، **فما ظنکم بالوعظ**... اول تو ایسے وقت میں واعظ کو وعظ ہی نہ کہنا چاہیے اور اگر وہ وعظ کو نہ چھوڑے تو سنت قبل جمعہ کو جو کہ سنت مؤکدہ ہیں، (۲) نہ چھوڑیں، ضرور پڑھیں۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۱۵۷/۵-۱۵۸)

---

(۱) وعبارة القهستاني: تقع فرضا في القصبات والقرىٰ الكبيرة التي فيها أسواق. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۸/۲، ط: سعيد)

☆ **جمعہ والی مسجد مسجد جامع ہے:**

جس مسجد میں لوگ جمعہ پڑھنے لگیں اس میں مسجد جامع کا ثواب ہوگا، البتہ مسجد قدیم کا اور کثرت جماعت کا ثواب اسی جگہ ہوگا، جہاں ہمیشہ سے جمعہ ہوتا ہے اور نمازی بکثرت ہوتے ہیں اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے، جب کہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے۔ پانچ سو کا ثواب نفس جامع مسجد کا ہے اور اور وجوہ سے اور زیادہ ہو جاتا ہے۔ (تالیفات رشیدیہ، ص: ۳۵۳)

(۲) (وسن) مؤكداً ... (أربع قبل الجمعة). (الدر المختار) ==

دعا بعد از خطبہ عید وصلوٰۃ عید ووعظ خطبہ عید:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس جوار میں یہ معمول ہے کہ بعد خطبہ عید کے ممبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھ کر بہ عوض بعد صلوٰۃ عید دعا مانگتے ہیں، یہ فعل شرعا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کہیں ثابت نہیں، اگر چہ دعا ہر وقت جائز ہے؛ مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، لبتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں متشروع ہے اور دبر الصلوٰۃ (۱) اوقات اجابت دعا بھی ہے۔ بہر حال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغییر سنت ہے اور قابل احتراز وہذا کلہ ظاہر واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد: ۱/۲۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۲-۶۰۳)

سوال: ایک مولوی صاحب یہاں تشریف لائے اور عید الاضحی کی نماز انہوں نے ہی پڑھائی اور نماز سے پیشتر عید گاہ میں وعظ فرمایا، بعد نماز بغیر دعا مانگے، خطبہ پڑھا اور خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد بھی دعا نہ مانگی۔ اس پر لوگ بہت برہم ہوئے، مولوی صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد لوگوں نے مجھ سے دریافت کرنا شروع کیا۔ میں نے سکوت کیا اور یہ خیال کر کے کہ آنجناب سے اس کے متعلق دریافت کر کے کچھ کہوں گا، اب تک جواب نہیں دیا۔ اب جیسا ارشاد ہو، ویسا عمل میں لایا جائے، نیز لوگوں نے مولوی صاحب پر یہ اعتراض بھی کیا کہ جب دعا مانگنی نا جائز ہے تو عید گاہ میں وعظ کہنا کب جائز ہے۔ پس اس کے متعلق بھی تحریر فرمائیے کہ وعظ کہنا عید گاہ میں نماز سے پہلے جائز ہے، یا نہیں؟ چوں کہ مولانا نے خطبہ سے فارغ ہو کر یہ فرمایا تھا کہ دعا مانگنا نماز عید اور خطبہ کے بعد صحابہ تابعین تبع تابعین سے منقول نہیں؛ اس لیے بغرض اتباع دعا نہ مانگنی چاہیے۔ اس پر ایک صاحب نے حدیث پیش کی اور کہا کہ منقول ہے اور اس حدیث سے ثابت ہے:

عن أم عطية رضي الله عنها قالت: أمرنا أن نخرج الحُيّض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحُيّض عن مصلاهن، قالت امرأة: يارسول الله صلى الله عليه وسلم، الخ. (مشكاة، باب صلاة العيدين) (۲)

دعا متنازعہ فیہ کے بارے میں لفظ "**دعوتهم**" سے استدلال کیا۔ پس دریافت طلب یہ ہے کہ یہ استدلال ان کا صحیح ہے؟ اگر صحیح نہیں تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

== ولهٰذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب في لحوق الاثم ويستوجب تاركها التضليل واللوم. (ردالمحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ۲/۱۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۱) یعنی نماز کے بعد، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز کے بعد دعا قبول ہوتی ہے۔ (محمد شفیع عفا اللہ عنہ)

(۲) مشكاة المصابيح، الباب الأول، رقم الحديث: ۱۴۳۱/صحيح البخاري، باب وجوب الصلاة في الثياب، رقم الحديث: ۳۵۱/صحيح لمسلم، باب ذكر إباحة خروج النساء في العيدين، رقم الحديث: ۸۹۰، انيس

الجواب

واقعی بعد نماز عید، یا خطبہ دعا مانگنا بالخصوص منقول تو نہیں دیکھا گیا اور ''دعوتھم'' سے استدلال ناتمام ہے؛ کیوں کہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعا کس وقت ہوتی ہے، پھر محل خاص میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعا وہ ہو جو نماز کے اندر، یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے، جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائض ہوتے ہیں؛ لیکن بالخصوص منقول نہ ہونے سے حکم ابتداع کا بھی مشکل ہے؛ کیوں کہ عمومات نصوص سے فضیلت دعاء بعد الصلوٰۃ کی ثابت ہے۔ پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے اور اگر کوئی شخص بالخصوص منقول نہ ہونے کے سبب اس کو ترک کرے، اس پر بھی ملامت نہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔ رہا وعظ کہنا، چوں کہ یہ بالالتزام نہیں ہوتا، اس کے جواز کے لیے دلیل منع کی نہ ہونا کافی ہے۔

۱۶/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ: ۱۲۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۳-۶۰۴)

سوال: بعد نماز عیدین کے، یا بعد خطبے کے دعا مانگنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہذا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے، انتہی، ہکذا فی بہشتی گوہر اور الرشید جمادی الاولیٰ ۱۳۳۴ھ، صفحہ: ۳۱ تحت فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں لکھا ہے: ''اور دعا مانگنا بعد نماز عیدین کے مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے، **لعموم الأدلة**، انتہیٰ''. **ما التوفیق فیما بینهما؟**

الجواب

اول میں نفی نقل جزئی کی ہے، ثانی میں اثبات کلی سے ہے، **فلا تعارض**؛ لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے، **وهو المعمول لی وإن کنت نقلت الأول من علم الفقه والأمر واسع ولعل موافقة الجمهور أولیٰ.**

(ترجیح رابع، ص: ۸۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۴)

سوال: بعالی جناب کرامت مآب برگزیدۂ اذکیاء پسندیدۂ اصفیاء جناب مولانا صاحب دام ظلہ بعد از آرزوئے قدم بوسی واشتیاق دست بوسی معروض خدمت حاشیہ بوسان آستان قدوسی نشان می گرداند کہ آں صاحبان در تصنیف خود اعنی بہشتی گوہر در باب عیدین چنیں فرمودہ است کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واصحاب وتابعین وتبع تابعین بعد از صلوٰۃ عید دعا نخواستہ اند اگر خواستہ شدہ بودے ضرور نقل کردہ بودے از خواستن عدم خواستن افضل است وحوالہ آں صاحب بہ کتاب البحر الرائق نمودہ ست عرض این است کہ ما یاں ایں مسئلہ را در باب عید نیا فتیم ودر مطلب دعاء در کتاب شامی نوشتہ است: ''**من صلی صلاة ولم یدع فیها فهو خداج**''، ودیگر قول باری تعالیٰ: ﴿**فإذا فرغت فانصب**﴾

ازآیت وحدیث ایں سخن معلوم می شود کہ دعاء درپس ہر نماز می باید کرد ہنوز ایں چنیں عرض است کہ آں صاحب توفیق کلام خود وحدیث وآیت شریف می باید کرد کہ شک مایاں رفع شود عنایت باشد از جواب سرفراز فرمایند گستاخی معاف فرمایند، چرا کہ در باب دیں ایں امر اولیٰ است؟ (۱)

الجواب

السلام علیکم بہشتی گوہر تصنیف مستقل نیست بلکہ تلخیص است ازعلم الفقہ پس ناقلیم ازعلم الفقہ کہ مولفش زندہ ہستند گوعلم الفقہ ناقل از دیگر جا باشد، پس بذمۂ ناقل تصحیح نقل می باشد و بذمہ ما تصحیح نقل ازعلم الفقہ است و بذمۂ علم الفقہ تصحیح نقل ازالبحر الرائق است ما ذمہ دار نیستیم ایں کلام بود متعلق نقل تصحیح آں اما نفس مسئلہ اقرب الی کلیات الشرع ہمان است کہ شما نوشتہ آید وعمل من واکابر من موافق ہمین است یعنی بعد نماز عیدین دعا معمول است، بہر حال ہر قدر کہ مضمون بہشتی گوہر معارض قواعد است ازاں رجوع می کنم۔ والسلام (۲)

۱۸/ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (ترجیح حصہ رابعہ،ص:۸۴) (امداد الفتاویٰ جدید:۶۰۴/۱-۶۰۶)

سوال: بہشتی گوہر حصہ یازدہم میں یہ مسئلہ مندرج ہے (بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعا مانگنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے صحابہ وتابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں ہے، اگران حضرات نے دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی، لہذ ا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے) اور فتاویٰ امدادیہ کے حصہ اول میں جواباً

(۱) خلاصۂ سوال: بہشتی گوہر میں عیدین کی نماز کے بیان میں ہے: ''بعد نماز عیدین کے'' الخ (پوری عبارت سوال (۵۳۱) میں آرہی ہے، اس مسئلہ کا حوالہ البحر الرائق میں دیا ہے، عرض اینکہ ہمیں بحر کی کتاب العیدین میں یہ مسئلہ نہیں ملا اور شامی میں مطلب فی الدعاء بغیر العربیۃ (۴۸۷/۱) کے تحت حدیث ہے: من صلی، الخ اور نیز ارشاد باری ہے: ﴿فاذا فرغت فانصب﴾ اس آیت اور حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا چاہیے۔ اب عرض یہ ہے کہ بہشتی گوہر کے مصنف اپنی بات اور حدیث وآیت میں تطبیق بیان کریں؛ تا کہ ہمارا شک دور ہو؟

(۲) ترجمۂ جواب:۔ السلام علیکم بہشتی گوہر مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ علم الفقہ کی تلخیص ہے۔ پس ہم مسئلہ نقل کرنے والے ہیں، علم الفقہ کے مصنف زندہ ہیں (لہذا ان سے تطبیق دریافت کی جائے) گو علم الفقہ میں بھی دوسری جگہ سے نقل کیا گیا ہے۔ پس ناقل کے ذمہ تصحیح نقل ہوگی، (تطبیق بیان کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہے) ہماری ذمہ داری علم الفقہ سے نقل کی تصحیح ہوگی اور علم الفقہ کے ذمہ البحر الرائق سے نقل کی تصحیح ہوگی، ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

نوٹ: علم الفقہ میں مذکور مسئلہ اور اس کے بعد ایک اور مسئلہ لکھ کر حوالہ: ''البحر الرائق وغیرہ'' لکھا ہے۔ پس مذکور مسئلہ بحر میں ہونا ضروری نہیں، ممکن ہے کسی اور کتاب سے لیا گیا ہو، جس کی طرف ''وغیرہ'' میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (سعید احمد)

یہ گفتگو تو اس مسئلہ کی نقل تصحیح کے بارے میں تھی۔ رہا نفس مسئلہ تو قواعد کلیہ شرعیہ سے اقرب وہی معلوم ہوتا ہے، جو آپ نے لکھا ہے اور میرا اور میرے اکابر کا عمل بھی وہی ہے؛ یعنی عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنے کا معمول ہے۔ بہرحال بہشتی گوہر کا جس قدر مضمون قواعد سے معارض ہے، اس سے رجوع کرتا ہوں۔ والسلام

اضافہ: بہشتی گوہر میں اب مسئلہ بدل کر اس طرح کر دیا گیا ہے۔ مسئلہ بعد نماز عیدین کے (یا خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں؛ مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے۔ (سعید) اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا۔

مرقوم ہے (البتہ بعد نماز کے آثار کثیرہ میں مشروع ہے اور دبر الصلوٰۃ اوقات اجابت دعا بھی ہے) بہرحال بعد نماز دعا نہ کرنا اور بجائے اس کے بعد خطبہ مقرر کرنا تغیر سنت ہے اور قابل احتراز) عبارت گوہر سے تو بعد نماز عیدین دعا نہ کرنا اولیٰ معلوم ہوتا ہے اور فتاویٰ امدادیہ سے نہ کرنا تغیر سنت ظاہر ہوتا ہے، اندریں صورت قول راجح اور اقویٰ نماز کے بعد دعا کا کرنا ہے یا نہ کرنا۔؟

الجواب

دونوں جواب قواعد سے ہیں اور دونوں میں تعارض نہیں فتاویٰ امدادیہ میں مقصود نکیر ہے اس پر کہ بجائے بعد نماز دعا کرنے کے بعد خطبہ کے دعاء کی جاوے اور اسکو بہشتی گوہر میں بھی جائز نہیں رکھا گیا۔

(ترجیح خامس: ۱۰۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۶-۶۰۷)

سوال: بعد نماز عیدین دعا روبہ قبلہ مسنون ہے، یا یمین ویسار کو بھی بعد خطبہ عیدین دعا کرنا مسنون ہے اور کس شان سے کھڑے، یا بیٹھے، یا کس طرف کو؟

الجواب

بعد نماز عیدین، یا بعد خطبہ دعا کرنا، یا نہ کرنا خصوصیت کے ساتھ نظر سے نہیں گزرا۔ ظاہر قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعا بہتر معلوم ہوتی ہے، اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد ہے۔

۱۵/ رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ: ۱۶۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۷)

جواز وعظ قبل خطبہ جمعہ:

سوال: کسی شہر میں جامع مسجد میں جو ایسی وسیع ہے کہ جس کی نصف تک نمازی نماز جمعہ میں جمع ہوتے ہیں اس کے علاوہ مسجد کے متصل دالان وغیرہ موجود ہیں کہ جس میں سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ قبل جمعہ وعظ ہونے سے کسی کی نماز میں خلل نہیں پڑتا، مبتدعین نے اپنا برا اثر عام مسلمانوں پر ڈال رکھا ہے یہ ضرورت ہے وعظ کی اس پر کوئی واعظ یا مولوی مبتدعین کی تردید یا دینی فوائد کی ضروری باتیں مسلمانوں کو قبل نماز جمعہ وعظ میں بیان کرتا ہے عام مسلمان بوجہ پیشہ ورہونے کے بعد نماز جمعہ نہیں ٹھہر سکتے پس ایسی حالت میں واعظ یا مولوی صاحب کا وعظ بیان کرنا اور ضروری عقائد سے واقف کرنا اور اسلام کے فوائد بیان کرنا قبل خطبہ جائز ہے یا نہیں اور یہ وعظ ہمیشہ اور ہر جمعہ میں نہ ہوتا بلکہ گاہ بگاہ۔

الجواب

فی الدرالمختار،أحکام المسجد:ویحرم فیه السوال ... ورفع صوت بذکر للمتفقهة.
وفی ردالمحتار:(قوله:ورفع صوت بذکر،الخ)أجمع العلماء سلفا وخلفاً علٰی استحباب

ذکر الجماعة فی المساجد وغیرها الا أن یشوش جهرهم علٰی نائم أو مصل أو قارئ، الخ. (۱)

استثناء ''إلا للمتفقهم'' واستثناء ''إلا أن یشوش'' سے معلوم ہوا کہ جب درصورت عدم تشویش مصلین ذکر جائز ہے تو مسائل دین کا بیان کرنا عدم تشویش کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ جائز ہے اور صورت مسئولہ میں عدم تشویش ظاہر ہے کہ مسجد بھی وسیع ہے اور دالان وغیرہ بھی موجود ہیں، خصوص جب کہ کبھی ہو، ہمیشہ نہ ہو۔

۶/ رمضان ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۷۰۸/۱-۷۰۹)

خطبہ سے پہلے وعظ کہنے کا حکم:

سوال: ضلع ہردوئی میں انجمن تبلیغ وحفاظت اسلام قائم ہے اور فی زمانہ اس کام کی جس قدر اہمیت ہے، ظاہر ہے مسلمانوں کی بے حسی بھی واقع ہے، چناں چہ مسلمانوں کو حالت حاضرہ سے آگاہ کرنے کے لیے اور انجمن کی مالی کے واسطے زید ہر جمعہ کو خطبہ سے قبل کچھ وعظ کہہ کر چندہ طلب کیا کرتا تھا، عمر جو مسجد کا امام ہے، اس بات سے مانع ہوا کہ وعظ کہنے اور چندہ طلب کرنے میں ان لوگوں کی سنتوں میں خلل پڑتا ہے، جو خطبہ سے پہلے سنتیں پڑھتے ہیں اور اس نے یہ بھی کہا کہ خطبہ سے پہلے مسجد میں کسی قسم کا بھی وعظ ہو ممنوع ہے؛ اس لیے زید اپنے فعل سے باز رہا اور اس سلسلہ میں شعبۂ تبلیغ کو جو کچھ چندہ مل جایا کرتا تھا، وہ بند ہو گیا، نماز جمعہ کے بعد لوگ منتشر ہو جاتے ہیں؛ اس لیے پھر اس کا موقع نہیں ملتا کہ وعظ کہا جائے، یا چندہ فراہم کیا جائے، لہٰذا جب کہ شعبۂ تبلیغ کی اس قدر اہمیت ہے اور اس کے لیے نماز جمعہ سے پہلے چندہ فراہم کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے تو ایسی صورت میں شرع کا کیا مسئلہ ہے؟ آیا قبل خطبہ کوئی وعظ کہا جا سکتا ہے، یا نہیں؟ اور امام مسجد کا اس میں مانع ہونا کہاں تک بجا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا جائز ہے، البتہ اس میں یہ رعایت کی جائے کہ جو وقت خطبہ شروع ہونے کے لیے مقرر ہے، اس وقت وعظ شروع کیا جائے؛ تاکہ لوگ سنتوں سے فارغ ہو جائیں اور جو شخص اس وقت تک بھی سنتوں سے فارغ نہ ہوگا، وہ خود کوتاہی کرتا ہے؛ کیوں کہ اب اس کی سنتوں میں خطبہ سے خلل پڑتا، جب کہ خطبہ کا وقت آ گیا، البتہ اس صورت میں نماز دیر سے ختم ہوگی، جس میں نمازیوں پر گرانی ہونا محتمل ہے؛ اس لیے یہ بھی ضروری ہے کہ کسی جمعہ میں عام نمازیوں سے اس کی اجازت لی جائے کہ اگر آپ صاحبوں پر گرانی نہ ہو تو خطبہ سے پہلے خطبہ کے وقت تھوڑی دیر اس کام کے لیے آپ کا وقت لے لیا جائے، اگر سب، یا اکثر اس پر راضی ہوں تو پھر مضائقہ نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ خطبہ سے پہلے وعظ کہنا فی نفسہ ممنوع نہیں، اگر کوئی مانع خارجی پیش آ جائے، اس کا انسداد کر دے، خواہ اس طریق سے جو اس جواب میں مذکور ہے، خواہ کسی دوسری طریق سے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ، ۱۱/ شوال ۱۳۴۶ھ۔ اشرف علی (امداد الاحکام: ۳۸۶/۲-۳۸۷)

(۱) ردالمحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۶۵۹/۱-۶۶۰، دار الفکر بیروت، انیس

خطبہ سے پہلے وعظ کہنا درست ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۸/دسمبر ۱۹۲۷ء)

سوال: ایک مسجد کا خطیب بعد اذان اول جب کہ کچھ لوگ جمع ہو جاتے ہیں، مسجد سے ملے ہوئے مکان سے مسجد میں آتا ہے، سلام کر کے لکڑی کے منبر کے پاس کھڑا ہو کر خطبہ وعظ، یعنی: "**الحمد لله نحمده الخ أما بعد فأعوذ بالله، الخ**" کے بعد کوئی ایک، یا چند آیات تلاوت کر کے اردو میں وعظ کرتا ہے، پون گھنٹہ، یا کم وبیش وعظ کے بعد چار سنت ادا کرتا ہے اور دیگر مردم کچھ تو اذان اول کے بعد وعظ سے پہلے فارغ ہو لیتے ہیں، کوئی درمیان وعظ میں ہی پڑھ لیتا ہے، باقی وعظ کے بعد پڑھتے ہیں، خطیب سنت ادا کرنے کے بعد منبر پر بیٹھتا ہے، اس کے سامنے اذان ثانی ہوتی ہے، پھر خطبہ مسنونہ پڑھ کر نماز پڑھاتا ہے۔ اس صورت مذکورہ کو ایک مولوی صاحب خلاف سنت بتاتے ہیں اور تین خطبوں سے تعبیر کرتے ہیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

یہ صورت جائز ہے اور تین خطبے نہیں ہوئے؛ بلکہ اذان ثانی کے بعد جو خطبے وہ پڑھتا ہے، وہی مسنون خطبے جمعہ کے ہو جاتے ہیں اور پہلا وعظ وعظ ہی ہوگا، خطبہ میں شامل نہیں ہوگا۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۱/۳-۲۸۲) ☆

دونوں خطبوں کے درمیان اردو میں وعظ کرنا:

سوال: کیا ہندوستان میں خطبہ اول کے بعد اور خطبہ ثانی کے قبل اردو میں وعظ کہنا، یا کتاب پڑھنا جائز ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

دونوں خطبوں کے درمیان وعظ بیان کرنا بالکل بے اصل اور خلاف طریقۂ مسنونہ ہے، باقی رہا اردو میں خطبہ پڑھنا

---

(۱) (ويسن خطبتان) خفيفتان وتكره زيادتهما على قدر سورة من طوال المفصل (بجلسة بينهما). (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱٤۸/۲، ط: سعيد)

☆ **خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا جائز ہے:**

سوال: خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۲۴۷، انوار الحق صاحب ناظم مدرسہ تجوید القرآن قصبہ جھالو ضلع بجنور، ۴/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ، ۲۰/مارچ ۱۹۳۴ء)

الجواب ــــــــــــــــ

خطبہ جمعہ سے قبل وعظ کہنا جائز ہے۔ اس میں کوئی وجہ ممانعت کی نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۴/۳)

حرام تو نہیں ہے؛ مگر خلاف طریقۂ ماثورہ ہے؛ اس لیے اتقیاء امت وتبعین سنت اس سے پرہیز کرتے ہیں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۵/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۲)

خطبہ سے قبل تقریر کے دوران سنت پڑھنا کیسا ہے:

سوال: جمعہ کی اذان ثانی سے قبل اگر کوئی واعظ مذہبی تقریر کررہا ہو تو اس صورت میں سنت پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ یا تقریر سننی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

خطبۂ جمعہ کے پہلے؛ یعنی اذان ثانی کے پہلے اگر کوئی شخص مسجد میں تقریر کرتا ہو تو اس کی تقریر کا سننا واجب نہیں ہے؛ اس لیے لوگوں کو اس وقت سنت ونفل پڑھنی جائز ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۳/۱۲/۱۳۷۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۳)

خطبۂ جمعہ میں سیاسی باتیں بیان کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر جمعہ کے خطبہ میں پیش امام خطبہ کے علاوہ سیاسی اور دنیاوی باتیں بیان کرے تو جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

خطبہ میں ہر پیش آمدہ معاملہ کے متعلق خطیب کہہ سکتا ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۱۲/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۴)

منبر پر دینی باتیں بیان کرنا کیسا ہے:

سوال: تفسیر قرآن، یا دینی وعظ اگر مسجد میں منبر پر بیٹھ کر کیا جائے تو یہ درست ہے، یا نہیں؟

---

(۱) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز كذا قالوا والمراد بالجواز هو الجواز في حق الصلاة بمعنى أنه يكفي لأداء الشرطية وتصح بها الصلاة، لا الجواز بمعنى الاباحة المطلقة بأنه لاشك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة.(عمدة الرعاية على حاشية شرح الوقاية: ۱/۲۴۲)

(۲) البتہ مقررین کو چاہیے کہ خطبہ سے پانچ، سات منٹ قبل تقریر ختم کردیں؛ تاکہ جن کی سنت رہ گئی ہو، وہ اپنی سنت مکمل کرلیں اور تقریر کے دوران کوئی بھی سنت نہ پڑھے، اس طرح تقریر بھی ہوجائے گی اور نمازیوں کی نماز میں خلل بھی نہیں ہوگا۔[مجاہد]

(۳) (قوله: ويبدأ) أي قبل الخطبة الأولى بالتعوذ سرًّا، ثم بحمد الله تعالىٰ والثناء عليه والشهادتين، والصلاة على النبي، والعظة والتذكير والقراءة.(ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب: قال الله تعالىٰ أعوذ بالله، الخ: ۲/۱۴۹، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

منبر پر چڑھ کر دینی باتوں کا بیان کرنا جائز ودرست ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۳۰؍۲؍۱۳۷۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲؍۲۴۴-۲۴۵)

اذان خطبہ سے پہلے وعظ کہنا، یا خطبہ کا ترجمہ سنانا:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین کہ جمعہ کے خطبہ کی اذان کے وقت سے پہلے چار پانچ منٹ منبر سے علاحدہ خطبہ کا ترجمہ سنانا حسب فرمائش مصلیان اور پھر فوراً اذان خطبہ کے وقت منبر پر جانا اور حسب معمول اذان خطبہ ہونا اور عربی میں خطبہ کا پڑھنا، اس میں کوئی کراہت، یا مفسد نماز ہے، یا نہیں، زیادہ ادب؟

(۲۲؍ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ)

الجواب ـــــــــــــــــــ

یہ خطبہ کا سنانا تذکیر ہے اور آیت ﴿وذكّر فان الذكرىٰ تنفع المؤمنين﴾ اپنے عموم سے ہر وقت کے تذکیر کی اجازت دیتی ہے، بجز ان مواقع کے جو مستقل دلیل سے ممنوع ہیں اور جو قیود سوال میں مذکور ہیں، ان میں دو قیدیں اور قابل اضافہ ہیں، ایک یہ کہ عوام الناس اس کو ہمیشہ کے لیے لازم نہ سمجھیں، دلیل اس کی مشہور ہے۔ دوسرے یہ کہ مذکر اس وقت منبر سے دور ہوتا کہ ہیئت خطبہ کا ایہام نہ ہو، دلیل اس کو مجوزین تکرار جماعت کی یہ تقیید ہے کہ عدول عن المحراب ہو۔ پس ان سب قیود کے ہوتے ہوئے کوئی امر جواز سے مانع نہیں، لہذا جواز کا حکم کیا جاوے گا اور کراہت کی کوئی وجہ نہیں نہ اس فعل میں اور نہ اس فعل سے نماز میں اور فساد صلوٰۃ میں تو وسوسہ کا بھی درجہ نہیں، البتہ اگر خود خطبہ ہی غیر عربی میں ہو، سو وہ چوں کہ بقول راجح خطبہ ہی نہیں اور خطبہ شرط ہے نماز جمعہ کی؛ اس لیے اس صورت میں فساد صلوٰۃ کے حکم کی گنجائش ہے اور اس جواز کی تائید شیخین کی احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

روى مسلم عن جابر في قصة يوم الفطر: ثم خطب النبي صلى الله عليه وسلم الناس، فلما فرغ نزل فأتى النساء فذكرهن. (الحديث)(۲)

وروى البخاري عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق هو وبلال إلىٰ بيته. (الحديث)(۳)

(۱) اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منبر پر وعظ ونصیحت، دینی باتیں اور شرعی احکام بیان کرنا ثابت ہے۔[مجاهد]

”عن ابن عمر قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب خطبتين كان يجلس إذا صعد المنبر حتى يفرغ، أراه (هذا قول الراوي) المؤذن ثم يقوم فيخطب ثم يجلس فلا يتكلم ثم يقوم فيخطب“. (سنن أبي داؤد، باب الجلوس إذا صعد المنبر: ۱/۱۵٦)

(۲) صحيح لمسلم، كتاب صلاة العيدين، رقم الحديث: ۸۸۵/صحيح البخاري، باب موعظة الإمام النساء يوم العيد، رقم الحديث: ۹۷۸، انیس

(۳) صحيح البخاري، باب العلم الذي بالمصلى، رقم الحديث: ۹۷۷، انیس

یہ احادیث اس میں نص ہیں کہ اس تذکیر کے وقت میں (جو کہ خطبہ نہ تھی، جس کا قرینہ یہ ہے کہ یہ تذکیر بعد فراغ خطبہ تھی اور نیز منبر پر نہ تھی اور اس کے بعد عود الی المنبر نہیں ہوا) اور خطبہ کے وقت میں کوئی فصل نہ تھا، جس سے معلوم ہوا کہ اس تذکیر کے اور خطبہ کے وقت میں فصل نہ ہونا مانع جواز نہیں اور تقدیم وتاخیر کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پس اس کا جواز سنت سے بھی زیادہ ثابت ہوگیا۔ واللہ اعلم

۲۴/ ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ (''النور'' ربیع الاول ۱۳۵۷ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۴۹-۶۵۰)

جمعہ کے وعظ کے دوران ذکر اللہ، یا درود شریف پڑھنا:

سوال: کیا نمازِ جمعہ میں وعظ کے درمیان ذکر اللہ، یا درود شریف پڑھنا صحیح ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

وعظ کے دوران وعظ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اس وقت کچھ پڑھنا صحیح نہیں۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۱۴۲-۱۴۳)

بوقت سنت وعظ:

سوال: قبل نماز جمعہ وخطبہ ایک واعظ جامع مسجد میں ہمیشہ وعظ کہتا ہے اور سنت پڑھنے والے ہمیشہ سنت پڑھتے رہتے ہیں اور کبھی لڑکے نابالغوں سے قرآن شریف پڑھوایا جاتا ہے، جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے، ایسے مواقع میں وعظ اور قرآن شریف پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فقہا نے تصریح فرمائی ہے کہ رفع الصوت بالذکر جس سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہو، یا نائمین کو ایذا ہو، ممنوع ہے، کما فی ردالمحتار:

ولایعارض ذلک حدیث "خیر الذکر الخفی" لأنه حیث خیف الریاء أوتأذی المصلین أوالنیام فإن خلا مما ذکر، فقال بعض أهل العلم: أن الجهر أفضل. (۲)

---

(۱) وإذا شرع فی الدعاء لایجوز للقوم رفع الدین ولا تأمین باللسان جهراً فإن فعلوا ذٰلک أثموا. (رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۸، دار الفکر بیروت، انیس)

قال أبو جعفر: ومن دخل المسجد یوم الجمعة والامام یخطب جلس ولم یرکع، وذلک لقول اللّٰه تعالیٰ: ﴿وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا﴾ فروی أنها نزلت فی شان الخطبة ... وإذا دخل أحدکم المسجد والامام علی المنبر فلا صلاة له ولا کلام حتیٰ یفرغ الامام. (الحدیث) وأیضاً: اتفقوا علیٰ أن من کان قاعداً فی المسجد حتیٰ إبتداء الخطبة لم یرکع کذلک الداخل، کما لم یختلف الداخل والجالس فی منع الکلام، والعلة الجامعة بینهما کونه ماموراً باستماع الخطبة فی الحالین. (شرح مختصر الطحاوی، بحث إذا دخل المسجد والإمام یخطب لایصلی: ۲/ ۱۳۱)

(۲) رد المحتار، باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها، مطلب فی رفع الصوت بالذکر: ۱/ ۶۶۰، دار الفکر، انیس

پس ہرگاہ ذکر اللہ کے ساتھ جہر کرنے کو منع کیا گیا ہے، نمازیوں کی تکلیف کی وجہ سے پس وعظ کو منع کرنا بدرجۂ اولیٰ ہے۔اسی طرح قرآن شریف جہر سے پڑھوانا اور اس موقع پر کہ نمازی نماز پڑھ رہے ہیں اور قرآن شریف پکار کر پڑھنے سے ان کی نمازوں میں خلل واقع ہوتا ہے ممنوع ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۰/۵-۱۸۱)

اذانِ ثانی سے قبل تقریر:

سوال: جمعہ کے دن جمعہ کے خطبہ سے قبل جو تقریر ہوتی ہے منبر سے نیچے تقریر کے بعد منبر پر سے خطبہ پڑھا جاتا ہے۔بعض حضرات کا اعتراض ہے کہ یہ درست نہیں ہے، چوں کہ خطبہ کے معنی تقریر کرنا ہے، تقریر منبر پر سے ہونی چاہیے۔صحابہ کرام سے اس کا ثبوت نہیں ملتا ہے۔اس طرح تین خطبہ ہوجاتا ہے، ایک منبر سے نیچے اور دو منبر پر، جو بدعت ہے۔اب اس صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا جو تقریر خطبہ کے قبل منبر سے نیچے کی جاتی ہے، اس کو اسی طرح کیا جائے، یا منبر سے دیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

اگر تقریر سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ ہو تو اذانِ ثانی سے قبل ضروری مسائل اور دینی احکام مختصراً بیان کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، شرعاً جائز ہے؛ بلکہ مستحب ہے۔صحابۂ کرام کے عمل سے ثابت ہے، اس کو بدعت، یا ناجائز قرار دینا صحیح نہیں ہے۔مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ کے متعلق ہے کہ وہ جمعہ کے روز خطبہ سے پہلے منبر کے قریب کھڑے ہوکر احادیث بیان فرماتے تھے۔(مستدرک حاکم: ۱۰۸/۱)(۲)

اسی طرح دوسرے صحابۂ کرام کے بارے میں بھی روایتیں وارد ہوئی ہیں، مثلاً حضرت تمیم داریؓ، امیر المؤمنین عمر فاروقؓ اور حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں خطبہ سے پہلے بیان فرمایا کرتے تھے۔(مسند احمد ۴۴۹/۱)

البتہ اس کو لازم نہ قرار دیا جائے، کبھی کبھی ترک بھی کردینا چاہیے؛ تاکہ لوگ ضروری نہ سمجھنے لگیں اور بیان مختصر ہو، اس بات کی کوشش ہو کہ نماز پڑھنے والوں کی نماز میں خلل نہ ہو، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ تقریر کے دوران کوئی سنت نہ پڑھے اور اذانِ ثانی سے ۵، ۷/منٹ پہلے تقریر ختم کردی جائے؛ تاکہ سنت پڑھنے والے سنت پڑھ سکیں، پھر خطبۂ جمعہ بھی مختصر ہونا چاہیے؛ تاکہ لوگ اُکتا نہ جائیں اور سنت بھی یہی ہے۔منبر سے نیچے تقریر بھی درست ہے، جیسا کہ صحابۂ کرام کے عمل سے ثابت ہوا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۷/۲-۴۹۸)

---

(۱) وعظ کے لیے اہل مسجد وقت طے کرلیں، بس وقت سنت ادا نہ کریں اور سنت وعظ کے بعد عربی سے پہلے ادا کریں، اس طرح دونوں عمل صحیح ہوگا۔(انیس)

(۲) المستدرک للحاکم، ذکر أبی هريرة الدوسی وقد کثر الخلاف فی اسمه واسم أبيه، رقم الحديث: ٦١٧٣، انیس

منبر پر اردو تقریر:

سوال: کیا منبر پر ٹھہر کر عربی خطبہ کے علاوہ اردو میں تقریر کرنا بھی درست ہے؟ (احمد، علی نگر)

الجواب

یوں تو منبر پر اردو میں بھی بیان وتقریر کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ وعیدین کے خطبات کے علاوہ عام مواعظ بھی منبر پر کھڑے ہوکر، یا بیٹھ کر ارشاد فرمایا کرتے تھے؛ تاہم جمعہ میں چوں کہ منبر پر کھڑے ہوکر اردو بیان میں اس کے خطبہ ہونے کا وہم ہوسکتا ہے، حالاں کہ خطیب کا مقصد اس سے خطبہ دینا نہیں ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ اردو بیان منبر پر نہ ہو۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۷)

خطبہ اور تقریر سے پہلے سلام:

سوال: خطبہ سے پہلے سلام کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز کیا کوئی مقرر تقریر اور دینی بیان سے پہلے بغیر سلام کئے بیان شروع کرسکتا ہے؟ (عثمان بن محمد باوزیر، پبلک گارڈن)

الجواب

شوافع وحنابلہ کے نزدیک جب خطیب منبر پر بیٹھے تو اس کو سلام کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ابن ماجہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر پر بیٹھتے تو سلام فرماتے۔

”عن جابر بن عبد اللّٰہ أن ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا صعد المنبر. (مسلم)(۱)

حنفیہ کے یہاں قول مشہور یہی ہے کہ خطیب سلام نہیں کرے؛ کیوں کہ اگر وہ سلام کرے تو سامعین جواب دینے پر مجبور ہوں گے اور امام کے منبر پر بیٹھنے کے بعد سامعین کے لیے گفتگو کی ممانعت ہے،(۲) جہاں تک حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، تو اس کو امام بیہقیؒ اور بعض اور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن حنفیہ میں سے علامہ حدادی اور ایک گروہ کا خیال ہے کہ خطیب سلام کرسکتا ہے؛(۳) اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ خطیب سلام نہ کرے؛ لیکن اگر کرلے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجة، رقم الحدیث: ۱۱۰۹، باب ما جاء فی الخطبة یوم الجمعة: ۷۸/۱، قدیمی، انیس

نیز دیکھئے: عن ابن عمر کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا دخل المسجد یوم الجمعة علی من منبرہ من الجلوس فإذا صعد المنبر توجه إلی الناس فسلم علیهم. (جمع الفوائد، باب وقت الجمعة ونداؤها، ص: ۲۹۱، مکتبة الرشد ناشرون، انیس)

(۲) دیکھئے: صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۹۳۴، باب الأنصات یوم الجمعة والإمام یخطب

نیز دیکھئے: ولا یسلم عند الحنفیة؛ لأنه یلجئهم الٰی ما نهوا عنه من الکلام. (الفقه الاسلامی وأدلته، المبحث الثانی صلاة الجمعة: ۲۹۱/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) دیکھئے: (لا یسلم الخطیب علی القوم اذا استوٰی علی المنبر) (وقال محشیه) ... (الحدادی وجماعة من مشائخنا قالوا: أنه یسلم. (مراقی الفلاح سمع حاشیه الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۲۰، دار الکتب العلمیة، بیروت، انیس)

جہاں تک عام بیانات اور تقریروں سے پہلے سلام کی بات ہے تو اگر حاضرین سے پہلے ملاقات ہو چکی ہو، تب تو بیان سے پہلے سلام نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ سلام کا تعلق ملاقات سے ہے، نہ کہ بیان سے اور سلام کی جگہ اول ملاقات ہے اور وہ پہلے ہو چکی اور اگر پہلے سے حاضرین سے ملاقات نہیں ہوئی ہو، یا حاضرین میں زیادہ لوگ ہوں، کچھ سے ملاقات ہوئی اور کچھ سے نہیں تو تقریر کرنے سے پہلے سلام کر سکتے ہیں؛ تاہم ایسا کرنا ضروری نہیں ہے؛ کیوں کہ سلام کرنا سنت ہے، نہ کہ واجب۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۸-۴۹)

جمعہ میں خطبہ سے پہلے تقریر:

سوال: آج کل یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جمعہ کے دن امام صاحب خطبہ سے پہلے تقریباً نصف گھنٹہ تقریر کرتے ہیں، اس درمیان جو لوگ آتے ہیں، ان کو نہ تحیۃ المسجد پڑھنے کا موقع ملتا ہے، نہ قرآن کی تلاوت کی جاسکتی ہے، نہ سورۂ کہف پڑھنے کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ واستغفار کا امام صاحب کا وعظ ختم ہو جانے کے بعد اعلانات شروع ہو جاتے ہیں، پھر امام صاحب اعلان کرتے ہیں کہ اگر کسی نے سنت نہ پڑھی ہو تو پڑھ سکتے ہیں اور اس ضمن میں مصلیان کو پانچ منٹ کا وقت ملتا ہے، اس کے بعد اذان وخطبہ شروع ہوتا ہے، شرعی خطبہ سے پہلے بیان، یا طویل کتابی خطبات پڑھ کر سنانا کہاں تک درست ہے؟　　(عامر بن عبداللہ، بنی کلو، محبوب نگر)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا امت مسلمہ کا فریضۂ منصبی ہے اور اس کی ایک صورت وعظ و بیان بھی ہے۔ جمعہ کے دن لوگ جس یکسوئی کے ساتھ دینی باتیں سنتے ہیں، شاید ہی کسی اور موقع پر سنتے ہوں، پھر مسجد کا پاکیزہ ماحول اور خود سامعین کے پاکی اور طہارت کی حالت میں ہونے کا بھی اثر پڑتا ہے؛ اس لیے یہ بہت ہی مفید سلسلہ ہے اور اس سے خطبہ کے مقصد کی بھی تکمیل ہوتی ہے، خطبہ ذکر بھی ہے اور تذکیر بھی، عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے عربی خطبہ سے ذکر کا مقصد تو پورا ہو جاتا ہے؛ لیکن تذکیر کا مقصد حاصل نہیں ہو پاتا، خطبہ سے پہلے کا بیان اس کمی کی تلافی کر دیتا ہے؛ اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں۔ فی الجملہ اس کا ثبوت حدیث سے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے بھی ہے۔ کتب سیرت کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احد (جس میں عبداللہ بن ابی کا نفاق پوری طرح واضح ہو کر آگیا) سے پہلے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ سے پہلے کچھ دیر اس کی گفتگو ہوا کرتی تھی، جس میں وہ اللہ اور رسول اللہ کی اطاعت کی تلقین کرتا۔ اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ شاہان بنو امیہ کے زمانہ میں خطبہ سے پہلے وہ کچھ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ (۱)

جہاں تک تحیۃ المسجد کی بات ہے تو یہ اس بیان کے درمیان بھی پڑھی جاسکتی ہے اور توبہ واستغفار کے لیے بھی اور

(۱)　سير إعلام النبلاء: ٦٢٣/٢، ط: مؤسسة الرسالة بيروت

مواقع ہیں اور جہاں تک سورۂ کہف پڑھنے کی بات ہے تو اس کا اذانِ جمعہ کے بعد ہی پڑھنا ضروری نہیں۔اس سے پہلے، یا جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ احادیث میں مطلقا جمعہ کے دن سورۂ کہف پڑھنے کی ترغیب آئی ہے،(۱) دن کے کسی خاص وقت کی تحدید منقول نہیں۔ وباللہ التوفیق (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۹-۵۰)

کلام اللہ کی تلاوت جاری رکھیں، یا وعظ سنیں:

سوال: جب کوئی شخص تلاوت کررہا ہو اور جمعہ کیا بیان شروع ہو جائے، آیا یہ شخص تلاوت کرتا رہے، یا تلاوت بند کرکے بیان سنے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

تلاوت کو مؤخر کرکے وعظ سنے بشرطیکہ وہ حقیقت میں وعظ ونصیحت ہو۔شامی میں "**قوله: فاستماع العظة أولى**" کے تحت لکھا ہے:

"**الظاهر أن هذا خاص بمن لاقدرة له علىٰ فهم الآيات القرآنية والتدبر فى معانيها الشرعية والاتّعاظ بمواعظها الحكمية إذ لاشک أن من له قدرة علىٰ ذلک يكون استماعه أولىٰ بل أوجب بخلاف الجاهل فإنه يفهم من المعلم والواعظ مالايفهمه من القارى فكان ذلک أنفع له،آه**". (۲)فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۱/۴/۱۴۰۹ھ۔(خیر الفتاویٰ:۳/۹۹)

تقریر جمعہ سے پہلے ہو، یا بعد میں:

سوال: جمعہ کی نماز سے پہلے؛ یعنی خطبہ سے پہلے تقریر کرنا اور نماز جمعہ کے بعد وعظ کرنا ان دونوں میں سے کون سا سنت کا مطابق ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

یہ تقریر نماز جمعہ کے آداب وسنن میں سے نہیں مستقل چیز ہے، جس وقت میں سامعین کے لیے انفع ہو، اس وقت کا تعین کرلیا جائے۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۳/۱۰۰)

جمعہ کی دوسری اذان کے متعلق بحث:

سوال: تمام مساجد میں جو بروز جمعہ قبل خطبہ اذان دوم دی جاتی ہے، سو یہ عند المحدثین مکروہ معلوم ہوتی ہے۔کتاب

(۱) من قرأ سورة الكهف يوم الجمعة أضاء له النورما بينه وبين البيت.(كنز العمال،رقم الحديث: ۲۰۹۸،باب الأذكار بسورة الكهف)

(۲) رد المحتار،قبيل باب الوتر والنوافل: ۱/۶۶۳،دار الفكربيروت،انيس

المدخل میں بڑی شدومد سے مکروہ لکھا ہے اور ہیچمدان نے بھی فقہاء کے قول پر خاص ممبر کے قریب بالتصریح لکھا نہیں پایا، بین یدیہ کا لفظ لکھا ہوا ہے، اس کا مطلب سامنے مسجد کے منار پر، یا مسجد کے احاطہ میں اذان دی جائے تو کیا حرج ہے؟

الجواب

کتب فقہ میں اس بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

(ویؤذن) ثانیاً (بین یدیه) أی الخطیب. (الدرالمختار)

شامی میں ہے:

(قوله: ویؤذن ثانیاً بین یدیه) أی علٰی سبیل السنیة کما یظهر من کلامهم. (۱)

پس جب کہ فقہاء حنفیہ خطیب کے سامنے اذان کو سنت فرماتے ہیں تو غیر اہل مذہب کی تحریر کی وجہ سے اس میں تذبذب کرنا درست نہیں ہے اور **بیـــن یـدیـــه** کا لفظ تو اسی وقت صادق آتا ہے کہ امام کے سامنے مؤذن اذان کہے، **وهذا هو التوارث.** فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۱/۵)

اذان ثانی منبر کے سامنے دی جائے:

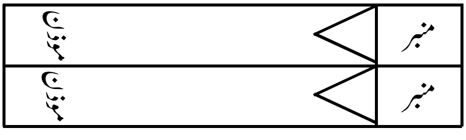
سوال: کیا تحقیق ہے علما کی اس باب میں کہ اذان ثانی جمعہ کا فعل جو عند المنبر ، یا ما بین یدی خطیب لکھا ہے، آیا مراد اس سے مطلق قرب ہے، خواہ بالمعنی المتبادر، یا عام اس سے اور خواہ مع المحاذاۃ، یا عام اس سے افیدونا وتم مفیدین؟

الجواب

اکثر کتب کا عبارت تو محتمل وجہین کو ہے؛ مگر جامع الرموز کی عبارت صریح ہے قرب متبادر ومحاذات میں۔

هـو هٰـذه بيـن يـدی أی بيـن الـجهتيـن الـمسـامتتيـن ليـمين المنبر أو الامام ويساره قريباً منه ووسـطهـمـا بـالسـكـون فيشمل ما إذا أذن فی زاوية قائمة أو حادة أو منفرجة حادثة من خطين خارجين من هاتين الجهتين، آه.

قـلت: تحد القائمة إذا كان المؤذن حذاء وسط المنبر بالحركة والمنفرجة والحادة إذا كان فی غير حذائه وصورتهما هٰكذا:



وقلت دليل ذلک كله التوارث .

قرب ۱۳۳۷ھ (تتمہ خامسہ: ۷۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۹۹/۱-۷۰۰)

(۱) رد المحتار، باب الجمعة: ۱٦۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس

خلاصۃ الکلام فی اذان الجمعۃ بین یدی الامام:

یہ امر تو محقق ہے کہ اذان ثانی یوم الجمعہ کی داخل مسجد جائز ہے؛ بلکہ یہی متوارث ہے۔

﴿وإذا نودی للصلاة من یوم الجمعة﴾(الآیة)

النداء الأذان،آه.(تفسیر النسفی)

أی إذا أذن لها،آه.(البیضاوی)

أطلقه وله أذان خارج المسجد وأذان بعده بین یدی المنبر إذا جلس الخطیب علی المنبر،آه.(تبصرة الرحمٰن)

والمعتبر أول أذان بعد زوال الشمس سواء کان علی المنبر أو علی الزوراء یجب السعی وترک البیع بالأذان الأول لقولہٖ تعالیٰ:﴿فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰه وذروا البیع﴾ واختلف المراد بالأذان الأول قبل الأول باعتبار المشروعیة وهو الذی بین یدی المنبر؛لأنه کان أولا فی زمنه علیه السلام و زمن أبوبکر وعمر رضی اللّٰه عنهما،حتیٰ أحدث عثمان رضی اللّٰه عنه الأذان الثانی علی الزوراء حین کثر الناس والأصح أن الأول باعتبار الوقت وهو الذی یکون علی المنارة بعد الزوال،انتهٰی.(غنیة المستملی)

وکذلک فی الهدایة وحاشیة الکفایة والعنایة وغیرها من المتون والشروح والحواشی والفتاویٰ وفی حاشیة الشیخ وجیه الدین علیٰ شرح الوقایة:أذن ثانیاً بذلک جری التوارث من لدن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إلیٰ هٰذه الزمان الأذان أمام المنبر،آه.

وفی العنایة شرح الهدایة: وکان الحسن بن زیاده یقول المعتبر هو الأذان علی المنارة؛لأنه لو انتظر الأذان عند المنبر تفوته أداء السنة وسماع الخطبة،کذافی تنشیط الأذان.(ص:۱۰)

وفیه أیضاً عن مبسوط السرخسی:والمعتبر أول أذان بعد زوال الشمس سواء کان علی المنبر أو علی الزوراء،آه.

ان عبارات میں ”علی المنبر،أمام المنبر،بین یدی المنبر“ یہ سب الفاظ اس کو ظاہر کرتے ہیں کہ اذان ثانی منبر کے سامنے اور اس کے نزدیک ہونا چاہیے،باقی اس قرب کو صف اول کے ساتھ محدود کرنا صحیح نہیں۔

قال فی جامع الرموز:وإذا جلس الإمام علی المنبر أذن أذانا ثانیاً بین یدیه أی بین الجهتین المسامتتین لیمین المنبر أو الامام ویساره قریباً منه ووسطها بالسکون فیشمل ما اذا أذن فی زاویة قائمة أو حادة أو منفرجة،آه.(من التنشیط،ص:۱۰)

اس میں ”قریبا منه“ کی تو قید ہے؛لیکن صف اول کی قید نہیں اور جس عبارات خلاصہ سے بعض مفتیان رامپور نے صف اول کی قید کو ثابت کیا ہے،اس سے استدلال نہیں ہوسکتا؛کیوں کہ خلاصہ کی صحیح عبارت یہ ہے:

”ویكره البيع والشراء يوم الجمعة إذا أذن المؤذن والبيع جائز والأذان المعتبرأذان الخطبة الصف الأول فی المقصورة ومنهم من قال مايلی المقصورة وبه أخذ الفقيه،آه“.(۲۱۳/۱)

اور بعض نسخوں میں جو یہ عبارت زیادہ لفظ فی کے ساتھ اس طرح ہے:

”والأذان المعتبر أذان الخطبة فی الصف الأول فی المقصورة“الخ.

سو یہ زیادت ”فی“ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اذان خطبہ صف اول میں ہو اور مقصورہ میں ہو، حالاں کہ مقصورہ میں اذان ہونے سے امام اور منبر کی مسافت بالکل فوت ہو جاوے گی اور فقہا کے الفاظ مذکورہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اذان امام اور منبر کے سامنے ہو، كماصرح به فی جامع الرموز وقد مر.

قال الشامی: أقول: والظاهر أن المقصورة فی زمانهم إسم لبيت فی داخل الجدار القبلی من المسجد كان يصلی فيها الأمراء الجمعة ويمنعون الناس من دخولها خوفاً من العدو فعلٰی هٰذا اختلف فی الصف الأول هل هو ما يلی الامام من داخلها أما ما يلی المقصورة من خارجها فأخذالفقيه بالثانی توسعة علی العامة كی لا تفوتهم الفضيلة،آه.(۵۹۵/۱)

اور ظاہر ہے کہ منبر خارج مقصورہ ہوتا ہے، پس اذان اگر داخل مقصورہ ہوگی تو اس پر ”بين يدی الامام وبين يدی المنبر وعند المنبر“ وغیرہ کا اطلاق صحیح نہ ہوگا؛ بلکہ عبارت صحیح وہی ہے، جو بدون لفظ ”فی“ کے اول لکھی گئی ہے اور ”الصف الأول فی المقصورة“ یہ کلام مستقل ہے، جس میں صاحب خلاصہ نے اول صف جمعہ کی بحث کو بیان کرنا چاہا ہے؛ کیوں کہ یہ مسئلہ اس وقت متکلم فیہ تھا، چناں چہ بحر میں بھی اس بحث کو لکھا ہے:

قال:ثم تكلموا فی الصف الأول قيل هو خلف الإمام فی المقصورة، و قيل:ما يلی المقصورة وبه أخذ الفقيه أبو الليث؛لأنه يمنع العامة عن الدخول فی المقصورة فلاتتوصل العامة إلٰی نيل فضيلة الصف الأول،آه.(۱۵۷/۲)

اس بحث کو دیکھتے ہوئے کوئی عاقل ہرگز ”الصف الأول فی المقصورة“کو اذان خطبہ سے متعلق نہیں کہہ سکتا؛ بلکہ یقیناً اس کو کلام مستقل مانا جائے گا۔

اب رہی یہ بات کہ خطبہ جمعہ کی اذان کے سوا دیگر اذانیں مسجد میں بلا کراہت جائز ہیں، یا اس میں کچھ کراہت ہے؟ اس کے متعلق روایات ذیل ہیں:

قال فی الدرالمختار؛لأنه صلی الله عليه وسلم صلی آخر صلاته قاعداً وهم قيام وأبوبكر يبلغهم تكبيره وبه علم جواز رفع المؤذنين أصواتهم فی جمعة وغيرها(أی فی تبليغ تكبير الامام) يعنی أصل الرفع،أما ما تعارفوه فی زماننا فلا يبعد أنه مفسد إذا الصياح يلحق بالكلام، آه.(من التنشيط،ص:۸)

و فيه أيضاً من السعاية شرح شرح الوقاية لغز:أی أذان لايستحب رفع الصوت فيه قل هو الأذان الثانی يوم الجمعة الذی يكون بين يدی الخطيب؛لأنه كالاقامة لاعلام الحاضرين،آه.(ص:۹)

وفيه أيضاً عن فتح القدير: فالأولٰى ما عينه في الكافي جامعاً وهو ذكر الله في المسجد أي في حدوده لكراهة الأذان في داخله. ويزاد أيضاً فيقال ذكر في المسجد يشترط لها الوقت فيستجب الطهارة فيه وتعاد استحباباً إذا كانا جنبا كالأذان، انتهٰى. (ص: ٢٤)

وفيه أيضاً عن جامع الرموز وفيه إيذان بوجوب الجهر بالأذان لاعلام الناس فلوأذن لنفسه خافت؛ لأنه الأصل في الشرع، كمافي كشف المنار وبأنه يؤذن في موضع عال وهوسنة، كما في القنية وبأنه لايؤذن في المسجد فإنه مكروه، كما في النظم؛ لكن في الجلابي أنه يؤذن في المسجد أوما في حكمه لا في البعيد منه، آه. (ص: ٢٥)

وفي العالمغيرية: وينبغي أن يؤذن على المئذنة أوخارج المسجد ولايؤذن في المسجد، كذا في فتاوىٰ قاضي خان والسنة أن يؤذن في موضع عال يكون أسمع لجيرانه ويرفع بها صوته، كذا في البحرالرائق، آه. (ص: ٣٤)

ان سب میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ اذانیں مسجد میں کہنا کراہت تنزیہیہ؛ یعنی خلاف اولیٰ ہونے سے خالی نہیں اور علت غالبًا یہ ہے کہ اذان میں رفع صوت زائد اور صیاح ہوتا ہے اور صیاح خود ملحق بالکلام ہے؛ گو صیاح بالذکر ہی ہو، نیز صیاح ادب مسجد کے بھی خلاف ہے۔

قال تعالٰى: ﴿لاترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي ولاتجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض أن تحبط أعمالكم﴾

والمسجد محل مناجات الحق ويكون الحق فيه تجاه العبد فلاينبغي الصياح فيه وروى عن واثلة بن الأسقع مرفوعاً: "جنبوا مساجدكم صبيانكم ومجانينكم" وقال: "ورفع أصواتكم وإقامة حدودكم"، الخ. (من الترغيب، ص: ٥٢، رواه البهقي والطبراني وغيرهما)

اور اذان جمعہ وقت خطبہ میں اس قدر جہر وصیاح نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو مثل اقامت کے ہوتی ہے؛ اس لیے وہ مسجد میں جائز ہے، علاوہ ازیں وہ مسجد ہی میں متوارث ہے۔ رہا یہ کہ حدیث زید بن ثابت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلال ؓ سقف مسجد پر اذان دیتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے لیے سقف مسجد پر کچھ حصہ بلند بنادیا گیا تھا، جو مئذنہ تھا اور مئذنہ پر اذان دینا داخل مسجد بھی بلا کراہت جائز ہے۔

كما يشعربه ما مر في عبارة الهندية: ينبغي أن يؤذن على المئذنة أوخارج المسجد، الخ، من التقابل بين المئذنة وخارج المسجد والله أعلم ولعل السر فيه كون المئذنة خارجا عن المسجد في نية الباني أوالواقف فلايكون لهاحكم المسجد، نقل في السعاية عن طبقات ابن سعد حدثني محمد بن عمرقال ثني معاذ بن محمد عن يحيٰى بن عبد الله بن عبد الرحمٰن بن سعد بن زرارة قال أخبرني من سمع النوار أم زيد بن ثابت تقول: كان بيتي حول المسجد فكان

بلال يؤذن فوقه من أول مايؤذن إلٰى أن بنٰى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم المسجد فكان يؤذن بعد علٰى سقف المسجد وقد رفع له شيء فوق ظهره،آه.(من التنشيط،ص:۱۹)

وما فى حديث عبد اللّٰه بن زيد أنه صلى اللّٰه عليه وسلم قال له:فاخرج مع بلال إلى المسجد فألقهاعليه وليناد بلال فإنه أندٰى صوتاً منک، قال:فخرجت مع بلال إلى المسجد فجعلت ألقيها عليه وهو ينادى بها،آه.فيحمل علٰى أما فى حدود المسجد أو يراد به سقف المسجد ومارفع له فوقه واللّٰه تعالٰى أعلم

قلت:وقال فى ردالمحتارفى تعريف المكروه:هوضد المحبوب قد يطلق على الحرام وعلى المكروه تحريماً وعلى المكروه تنزيهاً وهوما تركه أولٰى من فعله ويراد فى خلاف الأولٰى، آه.(من التنشيط،ص:۲۰)

عذر کی حالت میں یہ کراہت مرتفع ہوجاوے گی،مثلاً مسجد کے سوااذان کے لیے قریب مسجد کے کوئی جگہ نہ ہو۔

قال فى الدر بعد بيان كراهة قيام الامام فى المحراب:وانفراده على الدكان وعكسه أن هٰذاكله عند عدم العذر(وأما عند العذر)كجمعة وعيد فلوقاموا على الرفوف والامام على الأرض أوفى المحراب لضيق المكان لم يكره،آه.

قال الشامى:حكى الحلوانى عن أبى الليث لايكره قيام الإمام فى الطاق عند الضرورة بأن ضاق المسجد على القوم،آه.(۱/۶۷۶)

حررہ الاحقر ظفیر احمد عفا اللہ عنہ، ۲۷؍شعبان ۴۴ھ(تتمہ خامسہ:۴۲۵)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۷۰۰-۷۰۴)

جمعہ کی اذان ثانی کا مسجد میں ہونا:

سوال: حضرت اقدس مرشدی ومولائی ادام اللہ ظلالہم ،بعد ادائے آداب فدویانہ التماس ہے مدرسہ ہذا میں پہلے یہ استفتا(۱) آیا تھا،جس کا جواب مندرجہ پرچہ ہذا لکھ کر بھیج دیا تھا،اب دوبارہ اس پر چند شکوک لکھ کر سائل نے بھیجے ہیں،اصل استفتا کی نقل اور وہ شکوک بعینہ مرسل خدمت خدام عالی ہیں۔نیز سنن ابی داؤد پر جو حاشیہ غیر مقلدین کا عون المعبود نام ہے،اس کی عبارت کی نقل بھی بھیجی جاتی ہے،انہوں نے خارج مسجد میں ہونے پر بہت زور دیا ہے،عنایہ اورکفایہ کی عبارت سے بظاہر قریب منبر کے معلوم ہوتا ہے،اس میں تاویل خارج مسجد کی مشکل ہے،اس کی عبارت بھی منضم ہے۔نیز مولوی احمد رضا خاں صاحب کا ایک استفتا مطبوعہ بھی منسلک ہے،اگر اس موقع پر آثار السنن جلد دوم،صفحہ:۹۴،۹۵ کو ملاحظہ فرمایا جاوے تو مناسب ہے،انہوں نے مسجد کے اندر قریب منبر کے ہونے کی تائید کی ہے اور حدیث ابی داؤد پر جرح کیا ہے،فقہا سے تعجب ہے کہ جہاں اذان سے مسجد کے اندر ممانعت کرتے ہیں،وہاں اگر اذان ثانی مسجد میں ہوتی تھی تو اس کا استثنا کیوں نہیں کرتے ،اگرچہ ان تمام طویل تحریروں کا دیکھنا حضرت اقدس کا وقت عزیز ضائع

---

(۱)　وہ استفتاء اور پرچہ یہاں منقول نہیں؛مگر اصل مضمون جواب ذیل سے معلوم ہوجاوے گا۔منہ

کرے گا؛لیکن چوں کہ آج کل اس کی نسبت اختلاف پھیل رہا ہے؛اس لیے توجہ ازبس ضرور ہے۔مولوی عبدالحی صاحب مرحوم نے حاشیہ شرح وقایہ میں خارج مسجد ہونے کی نسبت ترجیح دی ہے۔اس کو بھی ملاحظہ فرمالیا جاوے،سب کی نقل موجب تطویل تھی؛اس لیے اس پر اختصار کیا گیا،بین یدیہ میں تو خیر تاویل بھی ہوسکتی ہے؛لیکن عندالمنبر کے الفاظ جوعنایہ وکفایہ میں مذکور ہیں،اس کی تاویل ازبس دشوار ہے۔

الجواب

عزیزم،السلام علیکم ورحمۃ اللہ

میں نے سب تحریرات کوغور سے تو نہیں؛مگر سرسری نظر سے کسی قدر زیادہ دیکھا،آثار السنن کو دیکھا،مجموعہ کودیکھ کربشہادت ذوق میرے ذہن میں جوبات آئی ہے،وہ یہ ہے کہ اذان ثانی جمعہ کی افضل واولیٰ مسجد ہی کے اندر ہے اورابوداؤد کی روایت اگر مجروح بھی نہ ہوتو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت یہی اذان اعلان عام کے لیے تھی،لہٰذا مسجد سے خارج ہونا مناسب تھا کہ بہ نسبت داخل مسجد کے اس میں اعلان زیادہ ہوسکتا تھا،جب حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں باتفاق صحابہ اذان اول بڑھائی گئی تو اب جوعلت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی میں تھی،وہ اول میں متحقق ہوگئی؛اس لیے اس کا خارج مسجد ہونا مناسب ہوگا اوروہ عت خارج مسجد ہونے کی اس ثانی سے منتفی ہوگی؛اس لیے خارج مسجد ہونے کا حکم بھی اس سے منتفی ہوجائے گا اور بجائے حکمت اعلان عام کے اب حکمت اس میں صرف توجہ الحاضرین الی الخطبہ ہے توجولوگ محل خطبہ یعنی مسجد میں موجود ہیں،ان کو متوجہ کرنے کی مصلحت زیادہ مقتضیٰ اس کی ترجیح کو ہے کہ داخل مسجد ہو،جس طرح اقامت کہ متوجہ الی الصلوٰۃ کرنے کے لیے بالاجماع مسجد کے اندر ہی ہوتی ہے اورفقہا نے جواذان کوداخل مسجد کے منع فرمایا ہے،وہ بھی محمول ہے خلاف اولیٰ پر اور حکمت اس میں وہی اعلان کا ابلغ ہونا ہے،اور گوفقہا نے تصریحاً اذان ثانی جمعہ کواس سے مستثنیٰ نہیں کیا؛لیکن لفظ بین یدی بالمعنی المتبادر اورعندالمنبر اور علت اعلان عام کا اس میں نہ پایا جانا یہ دلیل استثنا کی کافی ہے،**هٰذا أما اطمأن إليه قلبي ولعل الله يحدث بعد ذلک أمراً**. فقط واللہ اعلم

۲۸؍جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ:۱۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۱؍۷۰۵-۷۰۶)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جواذان حضرت عثمان نے مروج کیا ہے،وہ اذان مسجد کے باہر سامنے،یابغل میں ہوتی ہے اورمسجد سے کتنے فاصلے پر ہوتی ہے اوراذان کا مقام جوحضرت عثمانؓ نے مقرر کیا ہے،وہ صحن سے کتنے فاصلہ پر ہے؟ فاصلہ کا حساب شرعی گز سے لکھنا؟

الجواب

وہ مقام زوراء ہے جیسا صحیح بخاری وغیرہ میں ہے مجمع البحار میں اس کے متعلق یہ اقوال لکھے ہیں:

(۱)موضع بسوق المدينة(۲)وقيل:إنه مكان مرتفع كالمنارة(۳)وقيل:حجرة كبيرة عند

باب المسجد(٤)الزوراء هو دار فى سوق المدينة يقف المؤذن علىٰ سطحه للنداء الثالث (أى باعتبار الشرعية وهوالأولىٰ باعتبار الوقوع).

باقی سامنے ہونا، یا بغل میں ہونا اور فاصلہ کی مقدار اور صحن سے اس کی سمت اور بعد خصوص گزوں سے یہ نظر سے نہیں گزرا، نہ اس تحقیق کی کوئی ضرورت، شاید سائل کا یہ خیال ہو کہ اب جو مسجد میں ہوتی ہے، یہ خلاف سنت ہو۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل تو یہی ہے کہ ندا سے جس مقام کی طرف بلایا جاتا ہے، اسی مقام پر ہو؛ مگر اس اصل سے عدول اس لیے کیا گیا تھا کہ نئی چیز تھی، لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ نماز جمعہ کے بہت قبل بھی اذان ہوتی ہے، جس سے جمعہ کی تیاری شروع کر دیں؛ اس لیے ایسے مقام پر اس کا ہونا مناسب تھا کہ سب متوجہ ہو جاویں، پھر جب اس کا معمول ہو گیا، اب لوگ خود بخود اس کے اس کے استماع کی کوشش کرنے لگے، پھر اصل کی موافق تعامل ہو گیا، جو ایک قسم کا اجماع ہے ، اب اس کی مخالفت جائز نہیں۔

۱۳/ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ (النور ماہ محرم، ص: ۷، ۱۳۵۲ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۰۶)

جمعہ کی اذان ثانی کے مسجد کے اندر ہونے پر شبہ اور اس کا جواب:

سوال: فی زماننا اکثر مقامات میں اذان ثانی جمعہ کی جو بین یدیہ کہی جاتی تھی، اب مسجد کے دروازہ کے قریب، یا کسی دوسرے مقام پر امام کے محاذی کہی جاتی ہے اور اس کی تائید ابوداؤد کی روایت: ’’كان يؤذن بين يدى رسول الله صلى الله عليه وسلم إذاجلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد،الخ‘‘ و نیز طبرانی کی روایت بھی، جسے عینی نے شرح بخاری میں نقل کی ہے، وهكذا فى فتح البارى پورے طور سے کرتی ہے اور اس کے جواز وثبوت کے لیے کافی شاہد ہے؛ لیکن روایات فقہیہ متناً وشرحاً ایک ہی پکار پکار کہہ رہی ہیں: ’’وإذا صعد الإمام المنبر جلس وأذن المؤذنون بين يدى المنبر ،انتهىٰ. (الهداية) ويؤذن ثانياً بين يدى الخطيب .(الدرالمختار) اگر صرف بین یدی پر اکتفا کیا جاتا ہے تو بالفرض ہو بھی ہو سکتا تھا؛ مگر جب کہ بین یدی المنبر کہا جا رہا ہے اور مؤذنون لفظ جمع لایا گیا ہے، اس سے اعلام بھی کافی ہو جاتا ہے، پھر باب مسجد، یا اور کسی مقام پر اذان کرنے کی ضرورت بھی نہیں معلوم ہوتی اور کلام کو ماؤل بھی نہیں کر سکتے، مشکل ہے، حاشیہ عون المعبود جو ابوداؤد پر غیر مقلدین کا ہے، اس میں بہت زور دیا گیا ہے کہ اذان خارج مسجد ہونی چاہیے۔ مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھی حاشیہ شرح وقایہ میں اسی کی تائید کی ہے اور روایت کا لکھنا خدام کے وقت عزیز کو ضائع کرتا ہے؛ اس لیے اسی پر اکتفا ہوں، گو یہ بھی تطویل مخل سے خالی نہیں؛ مگر مجبوراً عرض کیا؟

الجواب

فقہا پر شبہ جب ہوتا جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اذان بین یدی الامام اذان ثانی ہوتی؛ مگر اس وقت

تو یہ اذان اول تھی تو خارج مسجد ہونا اس کا ضروری تھا اور جب باجماع صحابہ کے قبل اذان اور بڑھادی گئی اور اذان بین یدی الامام کا کام اس سے لیا گیا تو صرف اس کا خارج عن المسجد ہونا کافی ہوا۔اب ثانی کا خارج عن المسجد ہونا کیا ضرور۔ پس اس تبدیل حالت کے سبب جس کا ماخذ اجماع ہے،اذان ثانی کی ہیئت منقولہ فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہیئت متاخرہ کا مقیس علیہ نہیں بن سکتا۔اگر اب بھی کوئی شبہ باقی ہو تو بلحاظ تقریر مذکور مکرر لکھئے۔

۲۸/محرم ۱۳۳۰ھ (تتمہ اولیٰ:۲۲۷) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۷۰۷-۷۰۸)

اذان ثانی منبر کے سامنے مسجد میں ہو، یا باہر:

سوال: اذان ثانی جمعہ منبر کے قریب مسجد میں ہونا افضل ہے، یا مسجد سے باہر دروازہ مسجد پر؟ اور سنن ابی داؤد کے لفظ علی باب المسجد سے کیا مراد ہے؟

الجواب

اذان ثانی جمعہ کی منبر کے سامنے مسجد میں مسنون ہے،(۱) اور تفصیل اسکی اور تاویل حدیث ابوداؤد کی رسائل میں جو اس بارے میں شائع ہوئے ہیں موجود ہے،ان کو دیکھ لیا جاوے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۱۵۸)

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہو،خواہ اندر ہو، یا باہر:

سوال: جو اذان بروز جمعہ بوقت خطبہ خطیب کے سامنے پڑھی جاتی ہے، وہ مسجد کے اندر خطیب کے سامنے ہو، یا باہر صحن میں؟

الجواب

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہونا چاہیے،خواہ مسجد کے اندر ہو، یا باہر۔احادیث میں دونوں طرح وارد ہے۔

شامی جلد اول میں ہے:

وقال ابن مسعود بالسند إلٰى أم زيد بن ثابت: كان بيتي أطول بيت حول المسجد فكان بلال يؤذن من أول ما أذن إلٰى أن بنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مسجده فكان يؤذن بعد علٰى ظهر المسجد وقد رفع له شئ فوق ظهره،انتهٰى.(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدود مسجد کے اندر اذان دینا جائز ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں حضرت بلالؓ چھت پر اذان کہتے تھے۔واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ،سنہری مسجد دہلی (کفایت المفتی:۳/۲۶۱)

(۱) (ويؤذن) ثانياً (بين يديه) أي الخطيب ... (إذا جلس على المنبر).(الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب الجمعة:۲/۱۶۱،ظفير)

(۲) ردالمحتار،باب الأذان،مطلب في أول من بنى المنائر للأذان:۱/۳۸۷،دار الفكر بيروت،انيس ==

اذان ثانیہ کے بعد دعا مسنون نہیں:

سوال: اذان ثانیہ جو منبر کے سامنے دی جاتی ہے، اس کے بعد دعا ہے، جیسا کہ اذان اول میں مسنون ہے، اللّٰهم رب هذه الدعوة، الخ پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۳۳۱ (از ٹرانسوال) ۶/ ربیع الاول ۱۳۵۳ھ، ۱۹/ جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

اذان ثانیہ کے بعد دعائے اذان نہیں پڑھنی چاہیے؛ لیکن اگر کوئی شخص دل ہی دل میں بغیر ہاتھ اٹھائے امام کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے پڑھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں، اگر چہ نہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۶۶)

اذان ثانی کے بعد دعائے وسیلہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ کی اذان ثانی کا جواب اور دعائے وسیلہ کا پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بصورت جواز ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنی چاہیے، یا بغیر ہاتھ اٹھائے؟ نیز اس اذان کے جواب ودعائے وسیلہ میں امام وقوم کا ایک ہی حکم ہے، یا کچھ فرق ہے؟ زید کہتا ہے کہ خطبہ کی دعا کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے اور نہ مانگنے والا گمراہ ہے۔ زید کا یہ قول کیسا ہے؟ اور جو لوگ بعد اذان خطبہ دعا نہیں مانگتے، ان کا عمل کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۸۳۶، محمد یسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور اعظم گڑھ)

الجواب

ہوالموفق، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج امام سے ختم خطبہ تک کوئی کلام نہیں کرنا چاہیے۔ ان کی دلیل بخاری شریف کی یہ روایت ہے:

عن سلمان الفارسی قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من اغتسل یوم الجمعة

== نوٹ: اس حدیث سے خطبہ پر اذان پر استدلال قابل غور ہے، یہ اذان اول کی بات ہے، یا مطلق اذان کی؟ جمعہ کے روز اذان کیسے ہوتی تھی، اس کو دلیل میں لانا چاہیے، پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں جو اذان اول جاری کیا، اس کے بعد اذان ثانی کہاں ہوتی تھی، اس کو پیش کرنا چاہیے، خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہوگی، مسجد کے اندر، نہ کہ باہر۔ واللہ اعلم

درمختار میں ہے: (ویؤذن) ثانیاً (بین یدیه) أی الخطیب، (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی حکم المرقی بین یدی الخطیب: ۲/ ۱۶۱)

نورالایضاح میں ہے: ”والأذان بین یدیه کالإقامة“. (بحوالہ ثمرة النجاح علی نور الإیضاح: ۲/ ۷۲)

(۱) وینبغی أن لا یجیب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الأذان: ۱/ ۳۹۹، ط: سعید)

وتطهر بما استطاع من طهر ثم ادهن أومس من طيب ثم راح فلم يفرق بين اثنين فصلٰى ماكتب ثم إذا خرج الإمام انصت غفرله مابينه وبين الجمعة الأخرىٰ. (البخاری: ١٢٤/١)(۱)

تو اجابت اذان اور دعائے وسیلہ ان کے نزدیک جائز ہے؛ مگر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت ہمارے علم میں نہیں ہے، زید جو اس بات کا مدعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی ہے، اس کا ثبوت پیش کرنا اس کے ذمہ لازم ہے، ورنہ "**من كذب علي معتمدا**" کی وعید کا مستحق ہوگا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۲/۳-۲۷۳)

اذان خطبہ خطیب کے سامنے، یا دوسری صف کے بعد دروں کے درمیان:

سوال: دوسری اذان جو خطبۂ جمعہ کے قبل کہتے ہیں، وہ خطیب کے سامنے کہنا چاہیے، یا دوسری صف کے پیچھے بیچ کے در میں کہنا چاہیے؟

الجواب

خطبہ کی اذان خطیب کے سامنے ہونی چاہیے، خواہ منبر کے قریب ہو، یا دوسری تیسری صف کے درمیان، خواہ بالکل صفوں کے بعد۔ غرضیکہ مؤذن کا خطیب کے قریب ہونا ضروری نہیں ہے، صرف سامنے ہونا چاہیے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۰/۳)

اذان ثانی کے بعد دعا مانگنا اور اذان کا جواب دینا:

سوال: جمعہ کے روز اذان ثانی کا جواب اور بعد اذان دعا مانگنی کیسی ہے؟

الجواب

اذان ثانی جو خطیب کے سامنے ہوتی ہے، اس کا جواب اور اس کے بعد دعا امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں چاہیے؛ یعنی زبان سے نہ جواب دے، نہ دعا مانگے، دل میں جواب دے دے، یا دعا مانگ لے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۴/۳)

---

(۱) **صحيح البخاری، باب لايفرق بين اثنين يوم الجمعة: ١٢٤/١، ط: قديمی كتب خانة كراچی**

اس حدیث میں انصات کو خروج امام سے متعلق فرمایا ہے اور حدیث معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے یہ ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت معاویہؓ چوں کہ امام وخطیب تھے، لہٰذا ان کی طرف سے اجابت اذان خارج نہیں؛ کیوں کہ انصات کا حکم غیر خطیب کے لیے ہے۔ ہاں امام ابویوسف وامام محمد رحمہما اللہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے غیر خطیب کے لیے کلام دینی کو جائز فرماتے ہیں۔

قال: "لا بأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها وإذا جلس عند الثانی. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ١٥٩/٢، ط: سعيد)

(۲) **إذا جلس الإمام على المنبر أذن أذاناً ثانياً بين يديه. (جامع الرموز، فصل فی صلاة الجمعة: ٢٦٨/١، ط: كريمية قزان)**

اذان خطبہ کا جواب زبان سے نہ دے:

سوال: خطبہ کی اذان کا جواب دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز نہیں، البتہ دل دل میں جواب دینا بہتر ہے۔ **کذا فی الدر والشامی: وینبغی أن لایجیب بلسانه إتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب.** (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۳۳۱/۲)

''القول القریب فی اجابۃ الأذان بین یدی الخطیب'' اذانِ خطبہ کا جواب دینے کی تحقیق:

سوال: ہمارے یہاں بعض علما اذان ثانی کی اجابت اور دعاء وسیلہ پڑھنے کے متعلق اختلاف کرتے ہیں اور اذان کی اجابت اور دعاء وسیلہ کو پڑھنا دونوں کو بلا کراہت جائز ومسنون بتاتے ہیں اور استدلال میں بخاری، **باب یجیب الإمام علی المنبر إذا سمع النداء** سے ایک حدیث پیش کرتے ہیں، جس کے آخری الفاظ یہ ہیں کہ!

''یاأیھاالناس إنی سمعت رسول اللہ صلی اللہ وسلم علٰی ھٰذا المجلس حین أذن المؤذن یقول ما سمعتم منی مقالتی''. (۲)

نیز کتب فقہیہ میں سے البحر الرائق وطحطاوی وغیرہ سے نقول پیش کرتے ہیں۔

البحر الرائق میں ہے:

قال بعضھم: إنما کان یکرہ ما کان من کلام الناس وأما التسبیح ونحوہ فلا، وقال بعضھم: کل ذلک مکروہ والأول أصح.

اور طحطاوی میں حدیث بالا کو نقل کر کے بہت زیادہ کلام کیا ہے اور عدم اجابت کے متعلق جو حدیث **''إذا خرج الإمام فلا صلاۃ ولا کلام''** کتب فقہ میں نقل کی جاتی ہے، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حدیث نہیں؛ بلکہ زہری کا قول ہے، یہ حدیث بالا کا معارض نہیں ہوسکتا، چوں کہ حدیث مذکورہ اور عبارات فقہیہ بالا سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اجابت اذان ثانی اصح قول کے مطابق جائز؛ بلکہ مسنون ہے، لہٰذا بعض کتب فقہ میں جو **''لایجیب اتفاقاً، الخ''** کی عبارت منقول ہے، وہ صحیح نہیں۔ چناں چہ مولانا عبدالحئی مرحوم نے ہدایہ کے حاشیہ میں تصریح کی ہے۔ اب دریافت طلب یہ ہے کہ اجابت وعدم اجابت میں کون سا قول صحیح اور موید بالدلائل شرعیہ ہے؟ کسی قدر وضاحت کے ساتھ مدلل تحریر فرمائیں؟

(۲) نیز صلوٰۃ خمسہ کی طرح وتر کی نماز قضا ہو جانے سے کفارہ وفدیہ آتا ہے، یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں: وتر کی نماز کا کفارہ وفدیہ نہیں آتا۔ اس میں صحیح قول کیا ہے؟ باحوالہ تحریر فرمائیں؟

---

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۳۹۹/۱، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) صحیح البخاری، یجیب الامام علی المنبر اذا سمع النداء: ۱۲۵/۱، انیس

الجواب

(۱) فی عامة المتون من الهداية وغيرها: وإذاخرج الإمام يوم الجمعة ترك الناس الصلاة والكلام حتٰى يفرغ من خطبته.(۱)

(۲) فی جمعة الطحطاوی علی المراقی: وفی البحر عن العناية والنهاية اختلف المشائخ علی قول الإمام فی الكلام قبل الخطبة،فقيل:إنما يكره ماكان من جنس كلام الناس،أما التسبيح ونحوه،فلا،وقيل:ذلك مكروه،والأول أصح،ومن ثمة قال فی البرهان: وخروجه قاطع للكلام أی كلام الناس عند الامام،آه. فعلم بهٰذا أنه لاخلاف بينهم فی جوازغيرالدنيوی علی الأصح.(۲)

(۳) وفی جمعة الدرالمختار: وقالا:لابأس بالكلام قبل الخطبة و بعدها وإذا جلس عند الثانی والخلاف فی كلام يتعلق بالآخرة،أما غيره فيكره إجماعاً.(۳)

قلت:وأقره الشامی.(۴)

وقال الطحطاوی علی الدر:هذا أحد القولين والأصح كما فی العناية والنهاية: أنه لايكره.(۵)

(۴) وفی أذان الدر المختار قال بلسانه:وينبغی أن لايجيب باللسان اتفاقاً فی الأذان بين يدی الخطيب وأن يجيب بقدمه اتفاقاً فی الأذان الأول يوم الجمعة،آه.(۶)وأقره الشامی(۲۹٤/۱).

(۵) وفی حاشية البحر للشامی:قال فی النهر:أقول:ينبغی أن لاتجب باللسان اتفاقاً علی قول الامام فی الأذان بين يدی الخطيب وأن تجب بالقدم اتفاقاً فی الأذان الأول من الجمعة.(۷)

(۶) وفی نصب الرأية للزيلعی: "قال عليه السلام:إذا خرج الإمام فلاصلاة ولا كلام". قلت: غريب مرفوعاً،قال البيهقی:رفعه وهم فاحش،إنما هومن كلام الزهری،إنتهی،رواه مالك فی الموطأعن الزهری ... وعن مالك،رواه محمد بن حسن فی موطأ وأخرج ابن أبی شيبة فی مصنفه عن علی وابن عباس وابن عمر أنهم كانوا يكرهون الصلاة والكلام بعد خروج الإمام.(۸)

---

(۱) الهداية،باب صلاةالجمعة: ۱۸۰/۱،مكتبة رحمانية،لاهور

(۲) حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح،باب الجمعة،ص:۵۱۸،ومثله عند الطحطاوی علی الدرالمختار، باب الأذان: ۱۸۸/۱

(۳) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الجمعة:۱۵۹/۲_۱۶۰،دار الفكربيروت،انيس

(۴) ردالمحتار: ۶۰۷/۱،كتاب الجمعة

(۵) حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار،باب الجمعة: ۳٤۷/۱

(۶) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار،باب الأذان: ۳۹۹/۱،دار الفكر بيروت،انيس

(۷) منحة الخالق علی البحرالرائق،باب الأذان: ٤۵۰/۱،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۸) نصب الرأية،باب صلاة الجمعة: ۳۱۶/۱

(۷) وفي مبسوط شمس الأئمة السرخسي (۲۹/۲) لحديث ابن مسعود و ابن عباس موقوفاً عليهما ومرفوعاً: "إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام".

عبارات مندرجہ بالا سے واضح ہوا کہ امام کے منبر پر آنے کے بعد خطبہ شروع ہونے سے پہلے صلوٰۃ وکلام کے جواز وعدم جواز میں امام اعظم اور صاحبین میں اختلاف ہے۔امام اعظم ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز، جیسا کہ عبارت ہدایہ وغیرہ نمبر(۱) سے واضح ہے اور عامہ متون حنفیہ میں حسب قاعدہ امام اعظمؒ کے قول کو اختیار کیا ہے اور وہی مفتی بہ ہے، (لعدم سبب العدول عنہ)۔

پھر مشائخ حنفیہ کا امام اعظمؒ کے کلام کی شرح میں اختلاف ہے۔بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ وہ کلام جو خروج امام کے ساتھ ممنوع ہوجاتا ہے، اس سے مراد مطلق کلام نہیں؛ بلکہ صرف کلام الناس؛ یعنی دنیوی کلام ہے اور اسی میں اختلاف ہے کہ امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز اور دینی کلام جیسے تسبیح تہلیل، یا اجابت اذان وغیرہ، وہ باتفاق جائز ہے، اس میں اختلاف نہیں، جیسا کہ عبارت طحطاوی نمبر (۲) میں مذکور ہے اور دوسرے مشائخ نے اس کے برعکس کلام کو اپنے ظاہر کے موافق مطلق رکھا ہے اور حاصل اختلاف یہ قرار دیا ہے کہ دنیوی کلام تو باتفاق ناجائز ہے۔ اختلاف صرف دینی کلام؛ یعنی تسبیح وغیرہ میں ہے، اسی کو امام صاحب ناجائز فرماتے ہیں اور صاحبین جائز، جیسا کہ عبارت درمختار نمبر (۳) میں مصرح ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے مذہب ''**إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام**'' کی شرح میں مشائخ حنفیہ مختلف ہیں۔بعض حضرات اس کو کلام دنیوی کے ساتھ مخصوص ومقید فرماتے ہیں، **كما عند الطحطاوي و النهاية و العناية** اور بعض حضرات ظاہر کے موافق اس کو مطلق رکھتے ہیں، **كما عند الدر المختار والشامي وغيرهم.**

اسی اختلاف پر یہ اختلاف مبنی ہے کہ جمعہ کی اذان ثانی کا جواب دینا جائز ہے، یا نہیں؟ جو حضرات ممانعت کو صرف کلام دنیوی کے ساتھ مقید کرتے ہیں، وہ اجازت دیتے ہیں، **كما عند الطحطاوي في باب الأذان (۱۸۸/۱)** اور جو ظاہر کلام کے موافق مطلق رکھتے ہیں، وہ منع کرتے ہیں، **كما في رواية الدر المختار (رقم: ٤) ورواية النهر (رقم: ٥).**

ہمارے اساتذہ واکابر نے امام صاحب کے کلام کا مطلب درمختار وشامی وغیرہ کے مطابق یہی قرار دیا ہے کہ مطلقاً کلام کو ممنوع سمجھا جاوے اور اجابت اذان کو بھی اس میں داخل کیا جاوے، وجوہ ترجیح مختصراً یہ ہیں:

اول یہ کہ کلام مطلق ہے، اس کو مقید کرنے کا کوئی قرینہ کلام امام میں موجود نہیں۔

دوسرے احوط بھی یہی ہے؛ کیوں کہ اجابت اذان باللسان واجب تو باتفاق نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ مستحب ہے۔اب جو شخص اذان ثانی کا جواب زبان سے دیتا ہے، اس نے بعض مشائخ کے نزدیک مستحب پر عمل کیا ہے اور بعض کے نزدیک ایک ممنوع کا ارتکاب کیا ہے، ایسے مشتبہ موقع میں ترک ہی میں احتیاط معلوم ہوتی ہے۔

تیسرے یہ مذہب امام اعظمؒ کا موید بالحدیث والآثار بھی ہے۔حدیث پر اگر چہ بعض حضرات نے یہ جرح کی ہے کہ وہ مرفوع نہیں؛ بلکہ زہری کا قول ہے؛لیکن شمس الائمہ سرخسی کی عبارت نمبر(۷) سے واضح ہوگیا کہ یہ حدیث مرفوعاً بھی منقول ہےاورموقوفاً بھی اور دونوں میں کوئی تعارض نہیں اور زیلعی نے بھی مرفوعاً کوغریب کہہ کراشارہ کردیا ہے کہ **رفع في الجملة** ثابت ہے۔نیزنصب الرایہ میں یہی مذہب فقہاء صحابہ حضرت علی رضی اللہ عنہ،ابن عباس رضی اللہ عنہما،عمررضی اللہ عنہ کا اور مبسوط میں عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کانقل کیا گیا ہے،**و کفٰی بهم قدرة.**

خلاصہ یہ ہے کہ اذان ثانی کا جواب دینا بعض حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے،بعض کے نزدیک ممنوع ومکروہ؛اس لیےاحتیاط اسی میں ہے کہ ترک کیاجاوے۔

تنبیہ: البتہ اختلاف روایات حدیث اوراختلاف مشائخ کا یہ اثرضرور ہے کہ یہ کراہت تحریمی نہیں بلکہ تنزیہی ہے،جیسا کہ درمختاراورنہر کے الفاظ''**لا ینبغي**'' سے معلوم ہوتا ہے۔

تنبیہ دوم: کتب فقہ میں جو''**لا یجیب إتفاقاً**'' منقول ہے،درحقیقت اس کی نقل میں کچھ تصحیف ہوگئی۔یہ عبارت درمختار میں بحوالہ نہرنقل کی گئی ہےاورنہر کے الفاظ''**لا تجب**'' ہیں،'' **لا یجب**''نہیں؛ کیوں کہ نہر میں یہ کلام اس سلسلہ میں آیا ہے کہ کہ اجابت اذان واجب ہے،یانہیں؟اسی بحث میں فرمایا ہے کہ اذان ثانی کی اجابت باللسان باتفاق واجب نہیں اور بالقدم باتفاق واجب ہے۔بقیہ اذانوں میں اختلاف ہے،پھر''**لاتجب**'' سے''**لایجب**''یاتونقل کی غلطی سے پیدا ہوگیااور یااس بناپر کہ''**لاتجب**''،پرتفریع کر کے صاحب درمختار نے یہ مسئلہ نکالا کہ''**ینبغي ان لایجب**''.

واللّٰہ سبحانه و تعالٰی أعلم

(۲) قال في الدرالمختارمن الفوائت:(ولومات وعليه صلوات فائتة وأوصٰی بالكفارة يعطی لكل صلاة نصف صاع من برّ) كالفطرة و كذا حكم الوتر،انتهی.

قال الشامي: لأنه (أي الوتر)فرض عملي عنده خلافاً لهما،ط.(۱)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ وتر کا بھی فدیہ دینا امام صاحب کے نزدیک واجب ہے (اور یہی قول مفتی بہ ہے)۔فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (امدادالمفتین:۲/۳۳۱-۳۳۴)

جمعہ کی پہلی اذان کوموقوف کرنا کیسا ہے:

سوال: اگر جمعہ کی پہلی اذان موقوف کردی جائے تو کیاحکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفيق

جمعہ کی پہلی اذان بھی سنت ہےاورکسی سنت کا مردہ کرناسخت گناہ ہے۔

(۱) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار،باب قضاء الفوائت: ۷۲/۲،دارالفكربيروت،انيس

حدیث میں ہے:

"عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين". (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۳۷)

جمعہ کی دو اذانیں:

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کی ایک ہی اذان حدیث سے ثابت ہے تو آج کل دو اذانیں کیوں دی جاتی ہے؟ (راشد حسین)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جمعہ کی ایک ہی اذان ہوا کرتی تھی۔ خلیفۂ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم کی موجودگی میں ایک اور اذان کا اضافہ فرمایا اور یہ منقول نہیں کہ صحابہؓ نے اس سے کوئی اختلاف کیا ہو، پھر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میرے اور میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کو اختیار کرو" (۲) اس لیے ایسے امور میں خلفاء راشدین کی اتباع بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے؛ اسی لیے ائمہ اہل سنت جمعہ کی دو اذان پر متفق ہیں، (۳) اور عہد عثمانی سے آج تک حرمین شریفین میں یہی معمول چلا آ رہا ہے۔ پس جمعہ میں دو اذانیں سنت کے مطابق ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۱-۴۲)

☆ ☆ ☆

(۱-۲) عن يَحيَى بْنُ أَبِي الْمُطَاعِ، قَالَ: سَمِعْتُ الْعِرْبَاضَ بْنَ سَارِيَةَ، يَقُولُ: قَامَ فِينَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، فَوَعَظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللَّهِ: وَعَظْتَنَا مَوْعِظَةَ مُوَدِّعٍ، فَاعْهَدْ إِلَيْنَا بِعَهْدٍ، فَقَالَ: عَلَيْكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ عَبْدًا حَبَشِيًّا، وَسَتَرَوْنَ مِنْ بَعْدِي اخْتِلَافًا شَدِيدًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي، وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، عَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَالْأُمُورَ الْمُحْدَثَاتِ، فَإِنَّ كُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ. (سنن ابن ماجة، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين، رقم الحديث: ٤٢، انيس)

(۳) "و لم ينكر أحد من المسلمين". (فتح القدير: ٢/٣٨)

خطبۂ جمعہ سے متعلق مسائل

خطبہ جمعہ فرض ہے، یا سنت:

سوال (۱) خطبہ جمعہ فرض ہے، یا سنت؟

بوقت خطبہ کسی قسم کا ذکر جائز ہے، یا نہیں:

(۲) بوقت خطبہ کس قسم کا ذکر جائز ہے، یا خاموش رہنا چاہیے؟

جمعہ سے پہلے کی سنت خطبہ سے پہلے نہ پڑھ سکا، اب کیا کرے:

(۳) نماز جمعہ سے پہلے جو چار سنت ہیں، وہ رہ گئیں اور نماز جمعہ کا خطبہ شروع ہوگیا، ان چار رکعت کو کس وقت پڑھے؟

الجواب

(۱) خطبہ میں فرض (۱) مطلق ذکر ہے، یہاں تک کہ اگر بقدر الحمد للہ، یا سبحان اللہ کہہ لیا، فرض خطبہ ادا ہوجاوے گا؛ مگر سنت یوں ہے کہ دو خطبہ ہوں، **کذا فی الدر المختار**:

(وكفت تحميدة أوتهليلة أوتسبيحة) للخطبة المفروضة مع الكراهة ... (ويسن خطبتان). (۲)

(۲) خطبہ پڑھنے کی حالت میں خاموش ہوکر سننا چاہیے، کسی قسم کا ذکر وتسبیح ونماز وغیرہ اس وقت نہ چاہیے، **هٰكذا في كتب الفقه.** (۳)

(۳) خطبہ شروع ہونے کے بعد سنت نہ پڑھے، بعد نماز جمعہ کے پڑھے، دوسرے خطبہ کے وقت بھی نہ پڑھے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۵۴-۱۵۵)

---

(۱) خطبہ ادائے جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے۔ ويشترط لصحتها سبعة أشياء: الأول: المصر، الخ، ... والرابع: الخطبة. (الدر المختار، باب الجمعة: ۱/۱۰۹، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار: ۱/۷۵۸، ظفير

(۳) (إذاخرج الإمام) من الحجرة إن كان وإلا فقيامه (للصعود فلا صلاة ولا كلام) إلىٰ تمامها.

و في ردالمحتار: (قوله: فلاصلاة) شمل السنة وتحية المسجد ... (قوله: لا كلام) أي من جنس كلام الناس، أما التسبيح ونحوه فلا يكره وهو الأصح كما في النهاية والعناية وذكر الزيلعي أن الأحوط الإنصات ومحل الخلاف قبل الشروع، أما بعده فالكلام مكروه تحريماً بأقسامه، كما في البدائع وقال البقالي في مختصره: وإذا شرع في الدعاء لايجوز للقوم رفع اليدين ولاتأمين باللسان جهراً فإن فعلوا ذلك أثموا وقيل أساءوا ولا إثم عليهم والصحيح هو الأول وعليه الفتوىٰ. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱/۱۵۸، دارالفكر بيروت، انيس)

جمعہ کا خطبہ شرط نماز ہے:

سوال: بعض کتابوں میں دیکھا ہے کہ جمعہ کا خطبہ شرط نہیں ہے، سنت ہے اور خطیب بغیر وضو بھی پڑھ سکتا ہے، درمختار وغیرہ میں لکھا ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

صحت جمعہ کے لیے سات چیزیں شرط ہیں، من جملہ ان سات اشیا کے چوتھی شرط خطبہ ہے، بدون خطبہ کے جمعہ صحیح نہ ہوگا۔ درمختار میں ہے:

(ویشرط لصحتها) سبعة أشياء ... والرابع (الخطبة فيه) فلو خطب قبله وصلٰى فيه لم تصح. (۱)

معلوم ہوا کہ بدون خطبہ کے نماز جمعہ صحیح نہ ہوگی اور یہ غلط ہے کہ درمختار میں خطبہ جمعہ کا سنت لکھا ہے، البتہ خطبہ عیدین کا بے شک سنت ہے، چناں چہ درمختار، باب العیدین میں ہے:

(تجب صلاتهما) في الأصح (علٰى من تجب عليه الجمعة شرائطها) المتقدمة (سوٰى الخطبة) فانها سنة بعدها، الخ. (۲)

غالباً سائل کو اس عبارت سے دھوکہ ہوا ہے، جس کی وجہ سے اس نے خطبہ جمعہ کو سنت ہونا لکھا ہے۔ (امداد المفتین: ۳۳۶/۲)

صحت جمعہ کے لیے خطبہ شرط ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ جمعہ کی نماز کا جز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

خطبہ نماز کا جز تو نہیں ہے؛ لیکن جمعہ کے صحیح ہونے کے لیے شرط کے درجہ میں ہے کہ بغیر خطبہ کے جمعہ کی نماز نہیں ہوگی۔ (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نعمت اللہ قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۴۹۶/۲)

خطبہ سننا واجب ہے:

سوال: عیدین اور جمعہ میں خطبہ پڑھنا، یا سننا واجب ہے، یا کیا؟ اور خطبہ اول ودوم کے لیے ایک حکم ہے، یا علاحدہ؛ یعنی اول واجب ودوم سنت ہے، یا کیا؟

---

(۱) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲-۱۴۷، دارالفکر بیروت، انیس

(۲) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب العیدین: ۱۶۶/۲، دارالفکر بیروت، انیس

(۳) (ویشترط لصحتها) سبعة أشياء ... (و) الرابع (الخطبة فيه) فلو خطب قبله وصلٰى فيه لم تصح. (الدرالمختار علٰى هامش ردالمحتار: ۵/۳-۱۹)

الجواب

فی الدر المختار: ویشترط لصحتها (أی الجمعة) سبعة أشیاء ... قال: والرابع الخطبة ... ویسن خطبتان وفیه ویخطب بعدها (أی صلاة العیدین) خطبتین وهما سنة.

اس عبارت سے یہ امور ثابت ہوئے:

(۱) عیدین کا خطبہ سنت ہے۔

(۲) جمعہ کا خطبہ فرض ہے اور اس کے دو حصے ہونا سنت ہے۔

(۳) اول وثانی میں دونوں کے کچھ فرق نہیں۔

(۴) سننا سب خطبوں کا واجب ہے۔

۵/ جمادی الاول ۱۳۲۹ھ (تتمہ اولیٰ: ۳۵) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۶-۶۷۷) ☆

☆ جمعہ کے خطبہ کے مسائل:

مسئلہ: جب سب لوگ مسجد میں آجائیں تو امام کو چاہیے کہ ممبر پر بیٹھ جائے اور مؤذن اس کے لیے سامنے کھڑے ہوکر اذان کہے، بعد اذان کے فوراً کھڑے ہوکر خطبہ شروع کردے۔

مسئلہ: خطبہ میں بارہ چیزیں مسنون ہیں:

(۱) خطبہ پڑھنے کی حالت میں خطبہ پڑھنے والے کا کھڑا رہنا (۲) دو خطبے پڑھنا (۳) دونوں خطبوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھنا کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں (۴) دونوں حدثوں سے پاک ہونا (۵) خطبہ پڑھنے کی حالت میں منہ لوگوں کی طرف رکھنا (۶) خطبہ شروع کرنے سے پہلے اپنے دل میں أعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہنا (۷) خطبہ ایسی آواز سے پڑھنا تاکہ لوگ سن سکیں (۸) خطبہ میں ان آٹھ قسم کے مضامین کا ہونا:

(۱) اللہ تعالیٰ کا شکر (۲) اور اس کی تعریف (۳) خداوند کریم کی وحدت (۴) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت (۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (۶) وعظ ونصیحت (۷) قرآن مجید کی آیتوں کا، یا کسی سورت کا پڑھنا، دوسرے خطبہ میں ان چیزوں کا اعادہ کرنا (۸) دوسرے خطبہ میں بجائے وعظ ونصیحت کے مسلمانوں کے لیے دعا کرنا۔

(۹) خطبہ کو زیادہ طول نہ دینا؛ بلکہ نماز سے کم رکھنا (۱۰) خطبہ منبر پر پڑھنا، اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا اور ہاتھ کا ہاتھ پر رکھ لینا منقول نہیں (۱۱) دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا، یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار ملا دینا خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے (۱۲) خطبہ سننے والوں کو قبلہ رو ہوکر بیٹھنا، دوسرے خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آل واصحاب وازواج مطہرات خصوصاً خلفاء راشدین اور حضرت حمزہ وعباس رضی اللہ عنہم کے لئے دعا کرنا مستحب ہے بادشاہ اسلام کے لیے بھی دعا کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: جب امام خطبہ کے لیے کھڑا ہو، اس وقت سے کوئی نماز پڑھنا، یا آپس میں بات چیت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں قضا نماز کا پڑھنا صاحب ترتیب کے لیے اس وقت بھی جائز؛ بلکہ واجب ہے۔

مسئلہ: جب خطبہ شروع ہوجائے تو تمام حاضرین کو اس کا سننا واجب ہے، خواہ امام کے نزدیک بیٹھے ہوں، یا دور اور کوئی ایسا فعل کرنا جو سننے میں مخل ہو، مکروہ تحریمی ہے اور کھانا پینا، بات چیت کرنا، چلنا پھرنا، سلام یا سلام کا جواب، یا تسبیح پڑھنا، یا کسی کو شرعی مسئلہ بتانا جیسا کہ حالتِ نماز میں ممنوع ہے، ویسا ہی اس وقت بھی ممنوع ہے۔ ہاں خطیب کو جائز ہے کہ خطبہ پڑھنے کی حالت میں کسی کو شرعی مسئلہ بتادے۔

مسئلہ: اگر سنت، نفل پڑھتے ہیں، خطبہ شروع ہوجائے تو سنت مؤکدہ تو پوری کرلے اور نفل میں دو رکعت پر سلام پھیر دے۔==

== **مسئلہ**: دونوں خطبوں کے درمیان میں بیٹھنے کی حالت میں امام کو، یا مقتدیوں کو ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہِ تحریمی ہے۔ رمضان کے اخیر جمعہ کے خطبہ میں وداع وفراق کے مضامین پڑھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں۔

مسئلہ: خطبہ کسی کتاب وغیرہ سے دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔

مسئلہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک اگر خطبہ میں آئے تو مقتدیوں کو اپنے دل میں درود شریف پڑھ نالینا جائز ہے۔

جمعہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ نقل کرنے سے یہ غرض نہیں کہ لوگ اسی خطبہ پر التزام کرلیں؛ بلکہ کبھی کبھی بغرض تبرک واتباع اس کو بھی پڑھ لیا جایا کرے، آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب لوگ جمع ہوجاتے، اس وقت آپ تشریف لاتے اور حاضرین کو سلام کرتے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتے جب اذان ختم ہوجاتی، آپ کھڑے ہوجاتے اور معاً خطبہ شروع فرماتے، جب تک منبر نہ تھا، کسی لاٹھی یا کمان سے ہاتھ کو سہارا لیتے اور کبھی کبھی اس لکڑی کے ستون سے جو محراب کے پاس تھا، جہاں آپ خطبہ پڑھتے تھے تکیہ لگا لیتے تھے، بعد منبر بن جانے کے پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں۔ دو خطبے پڑھتے اور دونوں کے درمیان میں کچھ تھوڑی دیر بیٹھ جاتے اور اس وقت کچھ کلام نہ کرتے نہ دعا مانگتے، جب دوسرے خطبے سے آپ کو فراغت ہوتی، تب حضرت بلا رضی اللہ عنہ اقامت کہتے اور آپ نماز شروع فرماتے اکثر خطبے میں فرمایا کرتے تھے: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ؛ یعنی میں اور قیامت اس طرح ساتھ بھیجا گیا ہوں، جیسے دو انگلیاں اور بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی کو ملا دیتے تھے اور اس کے بعد فرماتے تھے۔

أما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله وخير الهدى هدى محمد وشر الأمور محدثاتها وكل بدعة ضلالة أنا أولٰى بكل مؤمن من نفسه من ترك مالاً فلأهله ومن ترك دينا أوضياعا فعليّ. (سب سے اچھی بات کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سب سے اچھا طریقہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دین میں سب سے برا کام دین میں نئی بات پیدا کرنا ہے؛ کیوں کہ اس سے لوگ گمراہ ہوتے ہیں، میں ہر مومن کے ساتھ اس کی ذات سے زیادہ قریب ہوں۔ مرتے وقت آدمی جو مال چھوڑے گا، وہ اس کے گھر والوں کا ہے اور جو قرض، یا اولاد چھوڑے گا، وہ میرے ذمہ ہے۔)

کبھی یہ خطبہ پڑھتے تھے۔

يا أيها الناس توبوا قبل أن تموتوا وباردوا بالأعمال الصالحة وصلوا الذى بينكم وبين ربكم بكثرة ذكركم له وكثرة الصدقة بالسر والعلانية توجر وتحمدوا وترزقوا واعملوا أن الله قد فرض عليكم الجمعة مكتوبة فى مقامى هٰذا فى شهرى هٰذا فى عامى هٰذا الٰى يوم القيامة من وجد اليه سبيلا فمن تركها فى حياتى أو بعدى محموداًواستخفافاً بها وله إمام جائزأوعامل فلا جمع الله شمله ولا بارك له أمره ألا ولاصلاة له ألا ولا صوم له ألا ولازكاة له ألا ولاحج الا ولابرله حتٰى يتوب فان تاب تاب الله ألا لا تؤمن امرأة رجلاً ألا ولا يؤمن أعرابى مهاجراً الا ولا يؤمن فاجرمؤمناً إلا أن يقهر سلطان يخاف سيفتو سوطه. (اے لوگو! مرنے سے پہلے توبہ کرو اور نیک کاموں میں جلدی کرو، اپنے اور اپنے خدا کے بیچ کلام پاک کی پڑھائی اور پوشیدہ وعلانیہ صدقے کی کثرت پیدا کرو، تمہیں اس کا پھل ملے گا اور تمہاری تعریف کی جاوے گی، تم کو روزی دی جائے گی اور جان لو کہ اللہ نے تمہارے اوپر جمعہ فرض کیا ہے، اس جگہ پر اس مہینے میں اس سال میں قیامت تک جو آدمی راستہ پاتا ہے، اس جمعہ کی طرف پھر جو بھی میری زندگی میں، یا میرے بعد جمعہ کا انکار کرتے ہوئے اور اسے خاص نہ سمجھ کر اس لیے چھوڑے گا کہ اس کا امام ظالم ہے، یا عالم تو اللہ اس کے حال کو ٹھیک کرے اور اس کے معاملات میں برکت دے، جمعہ چھوڑنے والے کی نہ نماز ہوگی نہ کوئی روزہ نہ زکوۃ ہوگی اور نہ اس کا حج، نہ اس کی کوئی نیکی قبول ہوگی، جب تک کہ وہ توبہ نہ کرے، پھر اگر توبہ کرے گا تو اللہ اس کی توبہ قبول کرے گا، خبردار کوئی عورت کسی مرد کی امامت نہ کرے، نہ کوئی اعرابی کسی مہاجر کی اور نہ کوئی چھوٹا کسی سچے کی؛ لیکن اگر کسی بادشاہ یا حاکم کا ڈر ہو تو دوسری بات ہے۔) ==

جمعہ کی نماز فرض ہے، یا نہیں؟ اور خطبہ اس کا سننا کیسا ہے:

سوال: دو رکعت جمعہ فرض ہے، یا کیا؟ اور خطبہ اولیٰ وثانی فرض ہیں یا کیا اور سننا واجب ہے، یا نہ؟ اور خطبہ کے وقت باتیں کرنا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

جمعہ دو رکعت فرض ہے، (۱) اور خطبہ مطلقا فرض ہے، (۲) اور دو ہونا خطبہ کا یعنی دو خطبے پڑھنا سنت ہے، (۳) اور

== اور کبھی بعد حمد وصلاۃ کے خطبہ پڑھتے تھے: الحمد لله نحمده ونستغفره ونعوذ بالله من شرورنا أنفسنا ومن سيأت أعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له وأشهد أن لآ إله إلا الله وحده لا شريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله أرسله بالحق بشيراً ونذيراً بين يدى الساعة من يطع الله ورسوله فقد رشد واهتدىٰ ومن يعصهما فإنه لا يضره إلا نفسه ولا يضره الله شيئاً. (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہی ہیں جس کی ہم تعریف کرتے ہیں اور نجات چاہتے ہیں ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں، اپنی جانوں کی برائی سے اور اپنے برے کاموں سے جسے اللہ ہدایت دیتا ہے اسے کوئی گمراہی کرنے والا نہیں ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں اور جس کا کوئی ساجھی نہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں، جنہیں اللہ نے حق کے ساتھ بھیجا ہے، جو فرمانبرداروں کو خوشخبری دینے والے ہیں اور نافرمانوں کو ڈرانے والے ہیں، قیامت آنے تک جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ ہدایت پا گیا اور جو نافرمانی کرے گا، وہ نقصان اٹھا گیا، اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا۔)

ایک صحابی فرماتے ہیں کہ حضرت سورۂ قٓ خطبہ میں اکثر پڑھا کرتے تھے، حتیٰ کہ میں نے سورۂ قٓ حضرت ہی سن کر یاد کی ہے، جب آپ منبر پر اس کو پڑھا کرتے تھے اور کبھی سورۃ العصر اور کبھی ﴿لا يستوى أصحاب النار وأصحاب الجنة أصحاب الجنة هم الفائزون﴾ اور کبھی ﴿ونادوا يا مالک ليقض علينا ربک قال انکم ماکثون﴾ پڑھا کرتے تھے۔

نماز جمعہ کے مسائل

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ پڑھے، وہی نماز پڑھائے اور اگر دوسرا پڑھائے، تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ: خطبہ ختم ہوتے ہی فوراً اقامت کہہ کر نماز شروع کر دینا مسنون ہے، خطبہ اور نماز کے درمیان میں کوئی دنیاوی کام کرنا مکروہ تحریمی ہے، اگر وضو نہ رہے اور وضو کرنے جائے، یا بعد خطبے کے اس کو معلوم ہو کہ اس کو غسل کی ضرورت تھی اور غسل کرنے جائے تو کچھ کراہیت نہیں، نہ خطبے کے اعادہ کی ضرورت ہے۔

مسئلہ: نماز جمعہ اس نیت سے پڑھی جائے: نويت أن أصلى رکعتى الفرض من صلاة الجمعة؛ یعنی میں نے یہ ارادہ کیا کہ دو رکعت فرض نماز جمعہ پڑھوں۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ جمعہ کی نماز ایک مقام میں ایک ہی مسجد میں سب لوگ جمع ہو کر پڑھیں، اگر ایک مقام کی متعدد مسجدوں میں بھی نماز جمعہ جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی مسبوق قعدۂ اخیرہ میں التحیات پڑھتے وقت، یا سجدۂ سہو کے بعد آ کر ملے تو اس کی شرکت صحیح ہو جائے گی اور اس کو جمعہ کی نماز تمام کرنا چاہیے، ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ: بعض لوگ جمعہ کے بعد ظہر احتیاطی پڑھا کرتے ہیں، چوں کہ عوام کا اعتقاد اس سے بہت بگڑ گیا ہے، ان کو مطلقاً منع کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی ذی علم موقع شبہ میں پڑھنا چاہے تو اپنے پڑھنے کی کسی کو اطلاع نہ کرے۔ (دین کی باتیں از حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

(۱) هى فرض عين يكفر جاحدها لثبوتها بالدليل القطعى. (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۳۷/۲، دار الفکر، انيس)

(۲) ويشترط لصحتها، الخ، الخطبة فيه. (الدر المختار: ۷۵۷/۱)

(۳) (ويسن خطبتان) ... (بجلسة بينهما). (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، دار الفکر بيروت، انيس)

تمام خطبہ کا سننا فرض ہے۔(۱) خطبہ پڑھنے کی حالت میں باتیں کرنا اور نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔ **إذا خرج الامام فلاصلاة و لاکلام الی تمامها.** (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیو بند:۱۵۸/۵)

بلا خطبہ جمعہ جائزہ ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ کا خطبہ فرض ہے، یا واجب، یا سنت؟ اور بلا خطبہ نماز جمعہ ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

خطبہ جمعہ نماز جمعہ کی صحت کے لیے شرط ہے، بغیر اس کے نماز جمعہ ادا نہیں ہوتی۔

قال فی الدرالمختار: (یشترط لصحتها) سبعة أشیاء ... والرابع (الخطبة فیه) فلو خطب قبله وصلٰی فیه لم تصح. (۳) (امداد المفتین:۳۲۲)

خطبہ کی رواج قرون ثلاثہ میں تھا، یا نہیں:

سوال: خطبہ کی کتاب ہاتھ میں لے کر پڑھنے کا رواج قرونِ ثلاثہ میں تھا، یا نہیں؟

حامدًا و مصلیًا، الجواب و باللّٰہ التوفیق

رواج نہیں تھا اور چوں کہ ان حضرات کی مادری زبان عربی تھی؛ اس لیے انہیں دیکھ کر پڑھنے کی ضرورت نہ تھی۔ عجمی ممالک میں جہاں ائمہ مساجد کو تکلم عربی پر قدرت نہیں، کتاب میں دیکھ کر پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۹۳/۳)

کیا خطبہ جمعہ سنے بغیر نمازِ جمعہ ہو جائے گی:

سوال: اسلام میں ہے کہ جمعہ کی نماز خطبہ سنے بغیر ادھوری ہو جاتی ہے۔ آپ سے یہ پوچھنا ہے کہ اگر کسی وجہ سے خطبے کی آواز ہم تک نہ پہنچے تو کیا اس صورت میں خطبہ سنے بغیر نماز ہو جائے گی؟

الجواب

جو شخص جمعہ کے خطبے میں شریک تھا؛ لیکن امام کی آواز اس تک نہیں پہنچ رہی تھی، اس کو پورا ثواب ملے گا، بشرطیکہ خطبے کے دوران خاموش رہے۔ (۴) (آپ کے مسائل اور ان کا حل:۱۳۱/۴)

---

(۱) یجب علیه أن یستمع. (الدرالمختار) حیث قال: إذا استماع فرض، کما فی المحیط، أو واجب. (رد المحتار، باب الجمعة:۱۵۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، باب الجمعة:۷٦۷/۱، ظفیر

(۳) الدرالمختار علٰی هامش ردالمحتار، باب الجمعة:۱۳۷/۲-۱٤۷، دار الفکر بیروت. انیس

(۴) بل یجب علیه أن یستمع ویسکت (بلا فرق بین قریب وبعید) فی الأصح، محیط. (الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار:۱۵۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

جو جمعہ کا خطبہ نہ سن سکا اس کے جمعہ کا حکم:

سوال: جمعۃ المبارک کا خطبہ فرض ہے۔ایک آدمی نہ سن سکا،نماز جمعہ ادا ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

خطبہ سننا بھی بہت اہم اور موجب ثواب ہے۔مع ھذا نہ سننے کے باوجود نماز ادا ہوگئی۔فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، الجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۹۰/۳)

بلا خطبہ نمازِ جمعہ کا حکم:

سوال: کیا بغیر خطبہ کے نماز جمعہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

خطبہ جمعہ کی شرائط سے ہے،اس کے بغیر پڑھیں گے تو جمعہ ادا نہیں ہوگا۔

(ومنها الخطبة قبلها) حتٰی لو صلوا بلا خطبة أو خطب قبل الوقت لم يجز،آه.(۱)فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۹۵/۳)

جمعہ کے لیے دو خطبوں کا ثبوت:

سوال(۱) کیا خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ایک پڑھا جاتا تھا۔

(۲) خطبۂ جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کس زمانے میں اجماع صحابہ سے دو حصوں میں شروع ہوا؟

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان جمعہ ایک دلوائی، یا دو اور پھر یہ دونوں اذانیں کب سے شروع ہوئی؟

الجواب

(۱۔۲) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے ارشاد فرمایا کرتے تھے۔

عن ابن عمر رضی الله عنه قال: كان النبی صلی الله عليه وسلم:يخطب خطبتين كان يجلس إذا صعد المنبر حتٰی يفرغ أراه المؤذن ثم يقوم فيخطب ثم يجلس فلايتكلم ثم يقوم فيخطب.(۲)

(۳) اذان ثانی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے اجماع صحابہؓ سے مشروع ہوئی۔

فلما كان خلافة عثمان غنی رضی الله عنه كره الناس أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فأذن علی الزوراء، فثبت الأمر علٰی ذلک.(أبوداؤد: ١٥٦/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۹۲/۱۰/۱۵ھ۔

اذان ثالث کہنا بوجہ تکبیر کے ہے، ورنہ یہ عملاً اذان اول ہے: والجواب صحیح: محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۳۵/۳)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة،باب الجمعة: ١٤٦/١،انيس

(۲) أبوداؤد،باب الجلوس إذا صعد المنبر: ١٦٣/١،مكتبة رحمانية،انيس

حکم بودن امام در جمعہ وعیدین غیر خطیب:

سوال: جمعہ وعیدین میں امام اور ہو اور خطیب دوسرا شخص ہو تو کچھ مضائقہ تو نہیں؟ اگر عذر ہو، مثلاً امام جماعت باعتبار تقویٰ طہارت قرأت قرآن وغیرہ کے افضل ہو اور خطبہ میں بوجہ عدم عربیت غلطیاں کرتا ہو تو ایسی صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار فی الشرط الخامس للجمعة: "لكن سيجيء أنه لايشترط اتحاد الامام والخطيب". (۱)

ثم وفى وعده بقوله فيمابعد: (لاينبغي أن يصلى غير الخطيب) (إلى قوله) (فإن فعل بأن خطب صبى بإذن السلطان صلى بالغ جاز) هوالمختار. (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بلا عذر بھی جائز ہے؛ مگر خلاف اولیٰ اور عذر سے خلاف اولیٰ بھی نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محرم ۱۳۲۳ھ (امداد: ۶۵/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۳-۶۳۴)

جمعہ میں ایک آدمی کو خطبہ اور دوسرے کو نماز پڑھانا:

سوال (۱) نماز جمعہ میں ایک آدمی کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا نماز پڑھانا شرع شریف میں درست ہے، یا نہ؟ اگر درست ہے تو مع الکراہت ہے، یا بلا کراہت، اگر مکروہ ہے تو تحریمی ہے، یا تنزیہی؟

(۲) پیچھے تنہا ایک آدمی کھڑا ہو نیت کرنے سے قبل آگے کی صف سے ایک آدمی کو کھینچ لیوے، یا بعد نیت؟ تحریر جواب سرفراز فرمائیں۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

جمعہ میں ایک آدمی کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا اجازت خطیب سے نماز پڑھانا جائز ہے؛ مگر اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف ہے کہ بلا ضرورت ایسا کرنے کو بعض نے منع کیا ہے، لہٰذا اس سے احتراز اولی ہے۔

وفى السراجية لو صلىٰ أسحد بغيرإذن الخطيب لايجوز إلا إذا اقتدىٰ به من له ولاية الجمعة.

فى الرد: شمل الخطيب الماذون وذلك لأن الاقتداء به إذن دلالة بخلاف مالوحضرولم يقتد وعليه تحمل عبارة الخانية السابقة ثم إذاكان حضوره بدون اقتداء لم يعتبر إذنا يفهم منه أنه لا تجوزخطبة غيره بلا إذن بالأولىٰ خلافاً لمن فهم منه الجواز أفاده ط. (۱/۸٤۱) (۳)

---

(۱) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۱/۲، دار الفكر بيروت، انيس
(۲) الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱٦۲/۲، دار الفكر بيروت، انيس
(۳) الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٤۲/۲، دار الفكربيروت، انيس

(۲)　پیچھے صف کے جو آدمی کھڑا ہو، وہ تنہا کھڑا ہو جاوے، اگلی صف میں سے کسی کو نہ کھینچے، نہ بعد نیت کے، نہ قبل نیت کے۔

قال الطحطاوی فی حاشیة مراقی الفلاح: والاولی فی زماننا عدم الجذب والقیام وحده. (۱) **والله أعلم**

۲۴؍صفر ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۴۹/۲)

جمعہ وصلوٰۃ عیدین میں امام وخطیب کا علاحدہ علاحدہ ہونا:

سوال:　عیدین کی نماز ایک شخص؛ یعنی قاضی شہر پڑھاتا ہے اور خطیب دوسرا آدمی ہے، وہ خطبہ پڑھتا ہے اور اسی طرح زمانہ شاہی سے ہوتا آیا ہے، لہذا ایسا فعل؛ یعنی نماز ایک شخص پڑھاوے اور خطبہ دوسرا پڑھے، شرعاً جائز ہے اور یہ فعل قرون ثلثہ میں پایا گیا ہے؟

الجواب

فی الدر المختار (ولاینبغی أن یصلی غیر الخطیب)؛ لأنهما کشئی واحد، الخ. (۲)

روایت سے معلوم ہوا کہ ایسا فعل جائز تو ہے؛ مگر خلاف اولیٰ ہے اور قرون ثلثہ میں پایا جانا نہ پایا جانا کسی روایت میں نہیں دیکھا۔

والروایة المذکورة وإن ذکرت فی الجمعة؛ لکن حکم خطبة العیدین کالجمعة، لما فی الدر المختار: وما یسن فی الجمعة ویکره یسن فیها ویکره. (۸۷۴/۱) (۳) واللہ اعلم

۹؍صفر ۱۳۲۸ھ (تتمۂ اولیٰ، ص: ۲۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۷۵/۱-۶۷۶)

ایک شخص کا خطبہ پڑھنا اور دوسرے کا نماز پڑھانا جائز ہے:

سوال (۱) جمعہ کے دن ایک آدمی خطبہ پڑھے اور دوسرے آدمی سے نماز پڑھانے کو کہے تو جائز ہے، یا نہیں؟

(۲)　دو آدمی اگر محراب کے اندر کھڑے ہو جائیں اور ایک آدمی نماز پڑھائے اور دوسرا یونہی مقتدی بن کر کھڑا ہو اور باقی سب لوگ پیچھے کھڑے ہوں، جگہ بھی بہت ہے، صفوں کے اندر اگر سو دو سو آدمی اور بھی ہوں تو آسکتے ہیں تو ایسی صورت میں امام کے ساتھ کھڑا ہونا جائز ہے، یا نہیں؟

(۳)　اگر ایک معمولی نواب کسی گاؤں کے اندر آجاویں اور جمعہ کا دن ہو اور خطبہ پڑھنے کے وقت ان کا نام خطبہ میں شامل کر کے پڑھ لیں تو جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱)　حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، فصل فی المکروهات: ۲۴۴، بولاق، انیس

(۲)　الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۲/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۳)　الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الصلاة: ۱۷۵، دار الفکر بیروت، انیس

(۴) ایک معمولی نواب کے لیے مسجد سے نکلتے وقت ایک آدمی پکار کر کہے کہ ان نواب کا نام زور سے لیں اور باقی سب لوگ آمین کہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۲، مولوی عبدالستار صاحب، نول گڑھ، ۴؍شعبان ۱۳۵۲ھ، ۲۳؍نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(۱) ایک شخص جمعہ کا خطبہ پڑھے اور اس کی اجازت سے دوسرا شخص نماز پڑھاوے تو یہ جائز ہے۔(۱)

(۲) جگہ ہو تو امام کیساتھ کھڑا نہ ہونا چاہیے، جگہ کی تنگی ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے۔

(۳) معمولی نواب اگر باختیار حاکم ہو تو خیر، ورنہ مختار اور غیر حاکم کا نام لینا مکروہ ہے۔(۲)

(۴) اس سوال سے کیا غرض ہے سمجھ میں نہیں آئی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۶۳-۲۶۴)

ایک شخص خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے تو یہ کیسا ہے:

سوال: نماز جمعہ وعیدین میں نماز ایک شخص اور خطبہ دوسرا شخص پڑھائے، جیسا کہ اس اطراف میں معمول ہو گیا ہے۔ یہی طریقہ بہتر ہے، یا یہ کہ ایک ہی شخص خطبہ ونماز دونوں پڑھائے؟ مسنون ومعمول بہا اسلاف کا کیا رہا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

خطبہ اور نماز جمعہ وعیدین ایک ہی شخص کو پڑھانا مسنون ہے؛(۳) لیکن اگر کسی وجہ سے خطبہ ایک شخص پڑھائے اور نماز دوسرا تو یہ اگر چہ جائز ہے؛ لیکن خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین سے خطبہ اور نماز برابر ایک ہی شخص کا پڑھانا ثابت ہے؛ اس لیے یہی سنت اور یہی قابل عمل ہے اور اس کے خلاف جو کچھ ہے، وہ قابل ترک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۵/۱۱/۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۲-۲۴۳)

خطبہ عیدین وجمعہ ایک شخص پڑھے نماز دوسرا شخص پڑھائے:

سوال: بروز عیدین وجمعہ اگر ایک شخص نماز پڑھاوے اور دوسرا بلا عذر خطبہ پڑھے۔ جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر

---

(۱) لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب؛لأن الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فلا ينبغي أن يقيمها اثنان وان فعل جاز، الخ.(رد المحتار،باب الجمعة،مطلب في استثنائة الخطيب: ۲/۱٤۱،ط:سعيد)

(۲) فإن الدعاء للسلطان على المنابر قد صار الآن من شعائر السلطنة فمن تركه يخشى عليه،الخ.(رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱٤۹،ط: سعيد)

(۳) (لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛لأنهما كشيء واحد. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۲/۱٦۲،دار الفكر بيروت،انيس)

مکروہ ہے تو تنزیہی، یا تحریمی؟ حرام ہے، یا غیر حرام؟ یا باعذر بباعث اس کے کہ ایک شخص خطبہ پڑھنا اچھا جانتا ہے اور نماز نہیں پڑھا سکتا اور دوسرا نماز تو پڑھا سکتا ہے؛ مگر خطبہ نہیں پڑھ سکتا اور تیسرا شخص موجود نہیں، یا موجود ہے تو ان ہر سہ صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

بروز عیدین و جمعہ خطبہ دوسرے شخص کو پڑھنا درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

خطبہ کوئی اور دے، امامت کوئی ادا کرے:

سوال (الف) ہمارے یہاں مسجد میں ایک صاحب خطبہ دیتے ہیں اور ایک دوسرے حافظ صاحب نماز کی امامت کرتے ہیں۔ کیا یہ صورت درست ہے؟

(ب) خطبہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ خطبۂ اولی میں پہلے قرآنی آیات تلاوت کی جاتی ہے، پھر دس پندرہ منٹ کتاب میں دیکھ کر اردو میں خطبہ پڑھا جاتا ہے اور اختتامی جملہ عربی میں کہے جاتے ہیں، البتہ خطبۂ ثانیہ مکمل عربی میں دیا جاتا ہے۔ کیا اس طرح خطبہ ہو جاتا ہے؟ (محمد اقبال الدین احمد، عثمان پورہ)

الجواب ــــــــــــــــــــ

(الف) بہتر طریقہ یہ ہے کہ جو خطبہ دے، وہی نماز پڑھائے؛ لیکن خطبہ دینے والا اور ہو اور نماز پڑھانے والا اور، تب بھی خطبہ اور نماز ادا ہو جاتے ہیں۔

(لاينبغي أن يصلي غير الخطيب)؛ لأن الجمعة مع الخطبة كشئ واحد فلا ينبغي أن يقيمها اثنان، وإن فعل جاز''. (۱)

اس لیے بہتر ہے کہ خطیب صاحب ہی نماز بھی پڑھایا کریں۔

(ب) عربی زبان شعائر اسلام کا درجہ رکھتی ہے؛ اس لیے بہتر تو یہی ہے کہ عربی زبان ہی میں خطبہ دیا جائے؛ بلکہ اکثر فقہاء کے نزدیک اگر کوئی شخص عربی میں خطبہ دے سکتا ہو تو اس کے لیے اردو میں خطبہ دینا جائز نہیں؛ لیکن امام ابوحنیفہؒ کے ایک قول کے مطابق غیر عربی زبان میں بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے۔ فتاوی سراجیہ میں ہے کہ ''اگر فارسی زبان میں خطبہ دے تو یہ بھی جائز ہے''۔

''ولو خطب بالفارسية يجوز''. (۲)

اس لیے بہتر طریقہ یہ ہے کہ خطیب صاحب خطبہ سے پہلے اردو میں تقریر کیا کریں اور خطبہ عربی زبان میں دیں؛

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في جواز استنابة الخطيب: ۱۴۱/۲، دارالفكر بيروت، انيس

(۲) الفتاوى السراجية، ص: ۱۷

تا کہ لوگوں کو تذکیر کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور سلف صالحین کے طریقہ کی پیروی بھی ہو؛ لیکن اگر کسی جگہ اس کی مخالفت میں فتنہ اور انتشار کا اندیشہ ہو تو چوں کہ ایک قول غیر عربی زبان میں خطبہ کا موجود ہے اور بہت سے علماء نے اس کو ترجیح دی ہے؛ اس لیے زیادہ شدت اور اصرار سے کلام نہیں لینا چاہیے؛ کیوں کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنا ان جزوی اختلافات سے زیادہ اہم ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶۰/۳-۶۲)

جمعہ میں خطیب و امام ایک ہی ہونا چاہیے:

سوال: ایک خطیب کا گلا خراب ہے، اس نے ایک اور خطیب کو دعوت دی، اس نے صرف خطبہ پڑھا اور نماز کے لیے سابق کو آگے کر دیا، بعد میں بتایا کہ میں جمعہ ادا کر کے آیا ہوں۔ کیا یہ درست ہے؟ اور وہ جمعہ میں شرکت کر سکتے ہیں؟

الجواب

جمعہ میں امام وخطیب ایک ہی شخص ہونا چاہیے، مذکورہ جمعہ ہو گیا، آئندہ ایسا نہ کیا جاوے، جو جمعہ ادا کر چکا ہے، وہ بہ نیت نفل شریک جماعت ہو سکتا ہے، امامت نہیں کرا سکتا۔

(لاینبغی أن یصلی غیر الخطیب)؛ لأنهما کشئی واحد (فإن فعل بأن خطب صبی بإذن السلطان وصلی بالغ جاز)، آه. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۲۳/۱۰/۱۳۹۹ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳۸/۳)

جمعہ کے لیے علاحدہ امام:

سوال: ہماری مسجد کے امام صاحب حافظ قرآن ہیں، اس کے باوجود متولی صاحب ایک اور صاحب سے جمعہ کی نماز پڑھواتے ہیں، کیا ان کا یہ عمل درست ہے؟ (عبد المجید، کرنول)

الجواب

متولی، یا مسجد انتظامیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ کچھ نمازوں کے لیے ایک امام اور کچھ نمازوں کے لیے دوسرا امام مقرر کریں، البتہ ان کی ذمہ داری ہے کہ پنج وقتہ نماز کے امام کے رہتے ہوئے جسے جمعہ کا امام مقرر کیا جائے، اسے پنج وقتہ کے امام سے زیادہ امامت کا اہل ہونا چاہیے، اگر وہ اس کی رعایت ملحوظ نہ رکھیں تو وہ اس کے لیے شرعاً جواب دہ ہوں گے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۵۲/۳)

عصا کے سہارے خطبہ بعد منبر مسنون کیوں ہے:

سوال: جب بعد بن جانے منبر کے لاٹھی پر سہارا دیکر خطبہ پڑھنا منقول نہیں تو یہ سنت کیوں ہے؟

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۲/۲، دار الفکر، بیروت، انیس

الجوابــ

جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاٹھی پر سہارا دے کر خطبہ پڑھا تو سنت ہوگیا، کسی چیز کے سنت ہونے کے لیے مواظبت شرط نہیں اور جس سنت پر ہمیشگی ہو، وہ سنت مؤکدہ ہوجاتی ہے۔ فقط

کتبہ: رشید احمد، بلند شہر۔ الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۷۸/۵)

خطبہ کے وقت عصا کا نہ لینا بھی حدیث سے ثابت ہے:

سوال: امام جب جمعہ کے خطبہ کے لیے کھڑا ہو تو ہاتھ میں عصا لینا سنت ہے، یا مستحب؟

حامدًا و مصلیاً الجوابــــــــــــــــ و باللہ التوفیق

خطبہ کے وقت عصا پکڑنا مستحب ہے؛ یعنی سنت غیر مؤکدہ ہے۔ عید کے خطبہ میں حسبِ روایت مسلم شریف کبھی عصا نہ لینا بھی ثابت ہے، (۱) اور جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احیاناً مع الترک ثابت ہو، وہ سنن زوائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ (۲) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۸۲/۳)

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا:

سوال: زید کہتا ہے کہ خطبہ پڑھتے وقت عصا ہاتھ میں لینا بموجب حدیث ابوداؤد سنت غیر مؤکدہ ہے، اگر سنت خیال کر کے ہاتھ میں لے لے تو باعث ثواب ہے اور احیاناً ترک بہتر ہے۔ عمر کہتا ہے کہ اخذ عصا سنت مؤکدہ ہے اور ترک اس کا مکروہ تحریمی۔ کس کا قول صحیح ہے؟

الجوابــ

زید کا قول اس مسئلہ میں بچند وجوہ صحیح ہے، اس باب میں احادیث مختلفہ کے دیکھنے سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، وہ صرف یہ ہے کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا، اس سے مواظبت (یعنی دوام) مستفاد نہیں ہوتی۔ حدیث ابوداؤد جو اس باب میں عمر کی حجت ہے، وہ اس سے زائد پر دلالت نہیں کرتی؛ کیوں کہ اس کے لفظ یہ ہیں: **فقام متوكئاً علىٰ عصاً أو قوس.** اس سے کسی طرح مواظبت معلوم نہیں ہوتی؛ بلکہ حدیث مسلم سے جو خطبہ عید کے باب میں واقع ہے، صراحۃً اس مواظبت کے خلاف معلوم ہوتا ہے؛ کیوں کہ اس میں ہے: **ثم قام متوكئاً علىٰ بلال.** ظاہر ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر تکیہ لگایا گیا تو عصا اور قوس پر تکیہ نہ تھا، جس

(۱) فی حدیث جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ وفیہ: ثم قام متكئًا علی بلال. (صحیح لمسلم، کتاب صلاۃ العیدین، وفی المشکوٰۃ بروایۃ النسائی، باب صلاۃ العیدین، الفصل الثانی)

(۲) السنۃ واظب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مع الترک أحیاناً فان کانت المواظبۃ المذکورۃ علیٰ سبیل العبادۃ فسنن الھدیٰ وان کانت علیٰ سبیل العادۃ فسنن الزوائد. (شرح الوقایۃ، کتاب الطھارۃ: ۶۹/۱، میر محمد کتب خانہ کراچی، انیس)

سے عصا وقوس کا ترک احیاناً مستفاد ہوا اور جو فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مع الترک ثابت ہو، وہ سنن زوائد میں شمار کیا جاتا ہے، کما فی شرح الوقایة وسائر کتب الاصول اور اگر بالفرض مواظبت بھی ثابت ہو تو بھی زید کا یہ قول صحیح ہے کہ مطلقاً مواظبت دلیل سنت مؤکدہ ہونے کی نہیں، جب تک بطور عبادت ہونا ثابت نہ ہو، ورنہ گیہوں کی روٹی پیٹ بھر کر کھانا بھی بقول عمر مکروہ تحریمی ہوجائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عصا کو بوقت خطبہ ہاتھ میں لینا سنت غیر مؤکدہ ہے اور جن حضرات نے مکروہ کہا ہے، وہ التزام واصرار کے مفاسد پر نظر فرما کر کہا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۴رصفر ۱۳۵۰ھ۔ (امداد المفتین: ۲/ ۳۲۳-۳۲۴)

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینے کی مفصل تحقیق:

سوال: منبر پر خطبہ پڑھنے کی حالت میں عصا لینا سنت ہے، یا نہیں؟ اگر عصا لے کر منبر پر خطبہ پڑھے تو عصا داہنے ہاتھ میں لے، یا بائیں ہاتھ میں؟ اور زبانی خطبہ پڑھے، یا کتاب میں دیکھ کر؟ بہرنوع کیا عصا بائیں ہاتھ میں ہی لینا چاہیے؟ کئی ایک کتب فقہ میں تلاش کیا، عصا کا بائیں ہاتھ میں لینا صراحت سے نہیں ملتا، البتہ داہنے ہاتھ میں لینے کی تائید "وما تلک بیمینک یا موسیٰ قال هی عصای". (الآیة) سے ہوتی ہے۔ بہشتی گوہر میں زیر عنوان جمعہ کے خطبہ کے مسائل کی صراحت ہے (حصہ دس) خطبہ منبر پر پڑھنا: اگر منبر نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ پر سہارا دے کر کھڑا ہونا اور منبر کے ہوتے ہوئے کسی لاٹھی وغیرہ پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہونا إلی آخر ماقال منقول نہیں، پھر زیر عنوان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جمعہ کے دن مصرح ہے: جب تک منبر نہ بنا تھا، کسی لاٹھی، یا کمان سے ہاتھ کو سہارا دے لیتے تھے اور بعد (ایک سطر کے بعد) منبر بن جانے کے، پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں؛ مگر تتمہ ثانیہ امداد الفتاویٰ مجتبائی دہلی، ص: ۱۸۵ میں جو سوال و جواب ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے سنیت عصا کو بحوالہ رد المحتار قبول کرلیا ہے اور عبارت بہشتی گوہر کو مرجوح مان لیا، چناں چہ عبارت رد المحتار یہ ہے:

(قوله: وفی الخلاصة، الخ): استشكله فی الحلية بأنه فی رواية أبی داؤد أنه صلى الله عليه وسلم قام أی فی الخطبة متوكئا على عصاً أو قوس، آه، ونقل القهستانی عن عبد المحيط أن أخذ العصاء سنة كالقيام، آه. (۱)

اور البحر الرائق میں یہ ہے:

وفی المضمرات معزياً إلٰی روضة العلماء الحكمة فی أن الخطيب يتقلد سيفاً ما قد سمعت الفقيه أبا الحسن الرستغفنی يقول: كل بلدة فتحت عنوة بالسيف، يخطب الخطيب علٰی منبرها متقلداً بالسيف ليريهم أنها فتحت بالسيف: وهٰذا مفيد لكونه يتقلد بالسيف لأنه شيئ يمسكه بيده كما هو المتعارف مع أن ظاهر ما فی الخلاصة كراهة ذلک فإنه قال: ويكره أن يخطب

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب اذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ۱٦۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

متکئاعلیٰ قوس أوعصا لکن قال فی الحاوی القدسی: إذافرغ المؤذنون قام الإمام والسیف بیسارہ وھوصریح فیه إلا أن یفرق بین السیف وغیرہ. (البحرالرائق: ۱۲۸/۲)(۱)

کیاایسا تونہیں کہ روایت ابوداؤد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر بن جانے سے پہلے عصا لے کر خطبہ پڑھنے سے متعلق ہو اورعبارت ہائے فقہاء میں جیسا کہ خلاصہ سے بحر وغیرہ نے کراہت نقل کی اور خود صاحب بہشتی گوہر نے صراحت کی کہ بعد منبر بن جانے کے پھر کسی لاٹھی وغیرہ سے سہارا دینا منقول نہیں ہے۔لفظ کراہت منبر ہونے کی حالت سے متعلق ہو۔

(ذ) خط کشیدہ عبارت بحر کا کیا مطلب ہے؟ عمرو اور مولوی صاحب مدعی ہیں کہ اس عبارت سے جس طرح سیف کا بائیں ہاتھ میں لینا ثابت ہوتا ہے، اسی طرح عصا کا بھی بائیں ہاتھ میں لینا ثابت ہوتا ہے اور زید امام مسجد کہتا ہے کہ اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ حاوی قدسی کے قول سے صراحۃً معلوم ہوگیا کہ (بلدة مفتوحة بالسیف میں) گو خطیب کو سیف لینا چاہیے؛ (یعنی مکروہ نہیں جیسا کہ مفاد عبارت مضمرات کا گلے میں لٹکانا ہے اور بائیں ہاتھ میں ہونا چاہیے۔ (بدیں حکمت کہ سل سیف بالیمین ہوسکے) اور سیف اور اس کے غیر عصا وقوس میں فرق ہونا چاہیے۔ اب اگر صریح "فیه" میں (فیه) کی ضمیر غائب کو حاوی قدسی کے قول میں مذکور "السیف" کی طرف راجع کرو تو یوں فرق ہوگا کہ سیف وقت خطبہ علی المنبر لی جاوے اور عصا اور قوس نہ لیا جاوے، (جیسا کہ عبارت خلاصہ میں منصوص ہے) اور اگر "فیه" کی ضمیر غائب کو حاوی کے قول میں مذکورہ لفظ "یسار" کی طرف لوٹاؤ تو یوں فرق ہوگا کہ خطبہ علی المنبر کے وقت سیف ہو تو بائیں ہاتھ میں لے اور اس کا غیر عصا لیا جاوے تو بائیں ہاتھ میں نہ لیا جاوے۔ حاصل یہ کہ زید امام مسجد مدعی ہے کہ عبارت خط کشیدہ بحر سے عصا کا بائیں ہاتھ میں لینا ہرگز ثابت نہیں ہوتا؛ بلکہ بالکل نہ لینا البتہ ثابت ہوسکتا ہے اور زید امام مسجد یہ بھی کہتا ہے کہ سیف کا بائیں ہاتھ میں لینا تو سمجھ میں آتا ہے کہ میان میں سے داہنے ہاتھ سے نکال سکے، مگر عصا بائیں ہاتھ میں لینے کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ خاص کر اس وقت کہ خطبہ زبانی پڑھ رہا ہو، نیز یہ خلاف عادت علما ہونے کے علاوہ خلاف آیت: ﴿وماتلک بیمینک یاموسی﴾ بھی ہے۔ پس مطلب خط کشیدہ عبارت بحر صاف لفظوں میں لکھ کر عبارت کے مطلب میں عمرو زید کے خلاف کا بھی فیصلہ فرمایا جاوے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــــ

خطیب کے لیے بوقت خطبہ عصا ہاتھ میں لینے کے متعلق چند روایات منقول ہیں، جن میں سے قابل اعتماد تو صرف ابوداؤد کی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: **فقام متوکئا علی عصاء أو قوس**، آہ. اگر چہ اختلاف اس کی اسناد میں بھی ہے، اس کے سوا مجمع الزوائد میں "**باب علی أی شی یتکئ الخطیب**" میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں "**کان یخطب بمخصرة**" بروایة الطبرانی فی الکبیر وارد ہے؛ مگر اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہیں، اس کی وجہ سے ضعیف ہے اور ایک حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ

(۱)　البحر الرائق، باب الجمعة: ۲۵۹/۲-۲۶۰، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

عنہما سے یہ الفاظ منقول ہے: ''کان یخطبھم فی السفر متکئا علی قوس''وفیه أبو شیبة وھو ضعیف اور تیسری حضرت قرظ رضی اللہ عنہ سے بلفظ ''کان اذا خطب فی الخطبة خطب علیٰ عصاء. وإسناده ضعیف. (مجمع الزوائد: ۲/۲۱۶)

الغرض یہ تینوں روایتیں جو مجمع الزوائد میں نقل کی گئی ہیں، ضعیف الاسناد ہیں، لیکن مجموعہ روایات سے بظن غالب اتنا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقت خطبہ کبھی کبھی قوس یا عصا دست مبارک میں لی ہے اور صحیح مسلم کی ایک روایت باب العیدین میں ہے: قام متوکئا علی بلال. جس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات نہ عصا ہاتھ میں لی، نہ قوس؛ لکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے مونڈھے پر دست مبارک ٹیک لیا۔ اس کے بعد یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول؛ یعنی کبھی قوس اور کبھی عصا کبھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگانا بطور عادت کے پیش آیا ہے، یا بطور عبادت کے، اس میں حضرات فقہا کی نظریں مختلف ہوگئیں، بعض حضرات نے اس فعل کو عبادت قرار دے کر آداب خطبہ میں داخل کر دیا اور بعض حضرات نے عادت سمجھا اور خطبہ کے سنن، یا آداب میں داخل نہیں کیا؛ بلکہ من جملہ امور مشروعہ کے رہا۔ نیل الاوطار میں شاید اسی لیے اس کا عنوان ''مشروعیة التوکؤ علیٰ قوس أو عصاء'' رکھا ہے۔ (نیل الاوطار، جلد: ۳)

فقہاء حنفیہ میں جو مختلف روایات ہیں، اس کا سبب بھی نظر کا اختلاف ہے۔ درمختار، شامی بحر وغیرہ میں اس کو مستحب قرار دیا ہے اور خلاصۃ الفتاویٰ اور محیط میں مکروہ لکھا ہے اور مراد اس کی غالبًا یہ ہے کہ اس پر ایسا التزام ودوام کرنا، جیسے سنن مؤکدہ پر کیا جاتا ہے، یہ مکروہ ہے اور طحطاوی علی المراقی الفلاح میں خلاصہ کے قول کے بعد یہ بھی لکھا ہے:

لأنه خلاف السنة محیط وناقش فیه ابن أمیر الحاج بأنه ثبت أنه صلی اللہ علیه وسلم کان خطیباً بالمدینة متکئا علی عصاء أو قوس، کما فی سنن أبی داؤد وکذا رواہ البراء بن عازب وصححه ابن السکن، انتھی. (۲)

حنفیہ کا ظاہر مذہب جو عامہ متون وشروح وفتاویٰ سے ظاہر ہوتا ہے، یہی ہے کہ اس فعل کو من جملہ عادات قرار دیا گیا ہے، جو بوقت خطبہ مشروع ضرور ہیں؛ لیکن خطبہ کے آداب واستحباب میں داخل نہیں۔ کنز، ہدایہ، بدائع اور عامہ معتبرات حنفیہ نے اس کو آداب خطبہ میں شمار نہیں کیا۔ کنز وہدایہ میں تو یہ بھی احتمال ہے کہ بوجہ اختصار کے آداب کا ذکر ہی چھوڑ دیا گیا ہے۔ بدائع الصنائع میں تو مفصل طور پر سنن وآداب خطبہ ذکر کئے ہیں؛ مگر ان کا علی القوس یا عصا کا کہیں نام نہیں۔ (بدائع: ۱/۲۶۳)

---

(۱) عن سعد القرظ مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان إذا خطب فی الخطبة خطب علیٰ عصاء. (مجمع الزوائد، باب علی أی شئ یتکی الخطیب: ۲/۴۱۳، انیس)

(۲) حاشیة الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

ہمارے بزرگ جن کو ہم نے دیکھا ہے، ان کا معمول عموماً بوقت خطبہ عصا ہاتھ میں لینے کا نہیں تھا اور وجہ یہی ہے کہ یہ فعل سنن مقصودہ میں سے تو ہے نہیں، محض عادات میں سے ہے، جس کے ترک سے کوئی ادنیٰ کراہت خطبہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ دوسری طرف عادت عجم کی عموماً یہ ہے کہ خطبہ ہاتھ میں لے کر دیکھ کر پڑھا جاتا ہے، اس صورت میں ایک ہاتھ میں خطبہ اور دوسرے ہاتھ میں عصا سنبھالنا دشواری اور تکلیف سے خالی نہیں؛ اس لیے عموماً ہمارے سب بزرگوں کا عمل ترک ہی پر رہا ہے اور خود حضرت سیدی مصنف بہشتی زیور و گوہر و امداد الفتاویٰ کا آخر تک یہی عمل رہا ہے اور ترجیح الراجح میں سنیت کو قبول کرنے کا مطلب اس سے زائد نہیں، اس کو تسلیم فرمالیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل منقول ہے؛ اس لیے فی الجملہ سنت کہا جاسکتا ہے۔ اگرچہ وہ سنن عادیہ میں سے؛ یعنی بطور عادت ہی کے ہو؛ کیوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال عادیہ کو بھی ایک حیثیت سے سنت کہا جاتا ہے۔

اب رہا یہ قضیہ کہ اگر عصا ہاتھ میں لی جاوے تو کس جانب، دائیں ہاتھ میں، یا بائیں ہاتھ؟ اس کے متعلق باوجود مختصر سی تلاش کے کوئی بات منقول نظر نہیں پڑی اور احقر کے خیال میں احتمال دونوں ہیں۔ داہنی جانب کا احتمال تو اس لیے قوی نظر آتا ہے کہ عصا رکھنے کی سنت بھی ثابت ہے اور عام افعال وحالات میں بھی سنت یہی ہے کہ داہنی جانب کو ترجیح دی جائے۔ حدیث میں ہے: ’’**کان یحب التیامن فی کل شئ حتی التنعل و الترجل**‘‘ اور آیت ’’**وما تلک بیمینک یاموسی**‘‘ سے بھی عصا کا یمین میں رکھنا سنت انبیاء معلوم ہوتا ہے؛ لیکن دوسرا احتمال بائیں ہاتھ میں رکھنے کا بھی خطبہ کی خصوصیت میں محتمل ضرور ہے؛ کیوں کہ عرب کی عادۃً خطابت کے موافق خطیب داہنے ہاتھ سے تفہیم کا اشارہ کرتا ہے، اس ہاتھ کے خالی رکھنے کی ضرورت ہے، اس ضرورت کے لیے عصا بائیں ہاتھ میں لیا گیا ہو تو کچھ مستبعد نہیں۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث سے اس کی تائید مستفاد ہوتی ہے: ’’**عن عمارة بن روبية أنه رأى بشر بن مروان على المنبر رافعاً يديه، فقال: قبح الله هاتين اليدين لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يزيد علىٰ أن يقول بيده هٰكذا وأشار بإصبعه المسبحة، رواه مسلم.**‘‘ (مشکاۃ)(۱)

اگرچہ حدیث مذکورہ میں اس کی تصریح نہیں کہ یہ اشارہ مسبحۃ داہنے ہاتھ سے فرمایا، یا بائیں ہاتھ سے؛ لیکن اول تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تیامن اور پھر عام طور پر خطبا کی عادت کا مقتضی یہی ہے کہ یہ اشارہ داہنے ہاتھ سے فرمایا جاتا تھا اور عموماً مسبحہ کا لفظ بھی داہنے ہاتھ ہی کی انگشت کے لیے بولا جاتا ہے اور جب بوقت خطبہ داہنے ہاتھ سے اشارہ تفہیم فرمانا ثابت ہوا تو جس حدیث میں عصا لینا بھی ثابت ہے، یا تو یہ کہا جاوے: اس وقت اشارہ نہیں فرمایا ہوگا، یہ قرار دیا جاوے کہ اشارہ داہنے ہاتھ سے فرمایا اور عصا بائیں ہاتھ میں سنبھالی۔

الغرض بائیں ہاتھ میں عصا لینا اس ضرورت سے محتمل ضرور ہے؛ مگر جب تک نقل صریح نہ ملے، کسی جانب کی تعین پر زور نہیں دیا جاسکتا۔

---

(۱) مشكاة المصابيح، باب الخطبة والصلاة، رقم الحديث: ١٤١٧، انيس

رہا البحر الرائق کا یہ جملہ ”وهو صريح فيه إلا أن يفرق بين السيف وغيره“، احقر کے نزدیک دائیں بائیں ہاتھ کے معاملہ سے اس جملہ کا کوئی تعلق نہیں، صريح فيه کی ضمیر نفس اتکاء کی طرف راجع ہے، جو بضمن متكئا عبارت سابقہ میں مذکور ہے۔ پس حاصل مطلب عبارت مذکورہ کا یہ ہے کہ صاحب خلاصہ نے عصا اور قوس میں ممانعت کی ہے؛ اس لیے کوئی تعارض نہ رہا؛ بلکہ جمع یوں ہوگیا کہ تلوار اور قوس اور عصا کے حکم میں فرق ہے، تلوار پر اتکاء کی اجازت ہے اور عصا اور قوس پر نہیں۔ یہ ایک تقریر رفع تعارض کی ہے۔ اجازت اتکاء اور کراہت اتکاء میں یمین و یسار سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح میں اس عبارت کی توضیح ہوجاتی ہے اور جو مطلب عرض کیا گیا، وہ تقریباً متعین ہوجاتا ہے۔ مراقی الفلاح کی عبارت:

”(و) إذا قام يكون (السيف بيساره) متكئاً عليه، آه“ پر طحطاوی نے لکھا ہے:

وفيه إشارة إلى أنه يكره الإتكاء على غيره كعصا أو قوس، خلاصة؛ لأنه خلاف السنة، محيط، وناقش فيه ابن أمير الحاج. (۱)

خلاصہ کلام احقر کے نزدیک اس باب میں یہ ہے کہ بوقت خطبہ عصا، یا قوس وغیرہ لینا حدیث سے ثابت اور مشروع ہے، کوئی شخص اس پر عمل کرے تو وہ قابل نکیر نہیں؛ لیکن اس کی دوسری جانب بھی قابل نکیر نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ سنن عادیہ میں سے ہے، جیسے امام کے لیے عمامہ اور سنن عادیہ کا ایسا اہتمام والتزام جیسے سنن مؤکدہ، یا واجبات کا ہوتا ہے، خود اس فعل کو بدعات کی قبیل میں داخل کر دیتا ہے اور اس کا ترک اولی ہوجاتا ہے۔ (۲) ہمارے بلاد میں جب کہ خطیب ہاتھ میں خطبہ لے کر پڑھتا ہے تو بلا شبہ عصا وغیرہ لینے اور سنبھالنے میں الجھن اور تکلف ہوگا اور شریعت نے اس الجھن میں پڑنے کا حکم نہیں کیا، ایسی حالت میں ترک کر دینا ہی اسلم معلوم ہوتا ہے۔ ہاں کوئی حفظ سے خطبہ پڑھے تو عصا وغیرہ ہاتھ میں رکھنا افضل ہوگا۔

الغرض اس فعل کے ترک، یا عمل کو معرکۂ بحث بنانا اس کو اس کی حد شرعی سے نکالنا ہے؛ بلکہ اسلم یہ ہے کہ کوئی کرے تو اس پر نکیر نہ کیا جاوے اور نہ کرے تو اس پر نکیر نہ کیا جاوے، پھر کرنے والے اگر داہنے ہاتھ میں عصا رکھیں، یہ اقرب الی الصواب معلوم ہوتا ہے؛ لیکن اگر بائیں ہاتھ میں لے لیں تو اس پر بھی نکیر نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ حدیث محتمل ہے اور صریح نقل کسی جانب موجود نہیں۔ (واللّٰہ أعلم) (اضافہ) (امداد المفتین: ۳۲۴/۲-۳۲۸)

---

(۱) مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوي، باب الجمعة، ص: ۵۱۵، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

(۲) قَالَ الطِّيبِيُّ: وَفِيهِ أَنَّ مَنْ أَصَرَّ عَلَى أَمْرٍ مَنْدُوبٍ، وَجَعَلَهُ عَزْمًا، وَلَمْ يَعْمَلْ بِالرُّخْصَةِ فَقَدْ أَصَابَ مِنْهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْإِضْلَالِ فَكَيْفَ مَنْ أَصَرَّ عَلَى بِدْعَةٍ أَوْ مُنْكَرٍ. (مرقاة المفاتيح، باب الدعاء في التشهد: ۷۵۵/۲، دار الفكر بيروت/ شرح المشكاة للطيبي، باب الدعاء في التشهد: ۱۰۵۱/۳، مكتبة نزار، انيس)

خطیب کو عصا دیتے وقت مؤذن کا درود پڑھنا:

سوال: خطیب کو عصا دیتے وقت مؤذن کا درود پڑھنا کیسا ہے؟

حامدًا و مصليًا،الجواب ـــــــــ وبالله التوفيق

اس وقت درود پڑھنے کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۱۰۱/۳) ☆

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا:

سوال: یہاں مدراس میں ہر جگہ عصا ہاتھ میں لے کر خطیب خطبۂ جمعہ پڑھتا ہے، اس میں شریک ہو سکتے ہیں، یا نہیں؟ امام کی عدم موجودگی میں لوگوں نے اصرار کیا کہ میں خطبہ جمعہ پڑھوں اور نماز بھی پڑھاؤں، میں نے عصا لینے سے انکار کیا اور بغیر عصا لیے پڑھنے کو بخوشی تیار ہوں تو یہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ علما کہتے ہیں کہ عصا ہاتھ میں لے کر پڑھنا سنت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــ

اخذ عصاء فی الخطبۃ کی مسنونیت میں حنفیہ نے اختلاف کیا ہے، خلاصہ میں مکروہ کہا ہے اور قہستانی نے محیط سے اخذ عصاء کی مسنونیت نقل کی ہے۔ (شامی:۸۶۲/۱، باب الجمعۃ)

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ اخذ عصاء سنت مقصودہ نہیں؛ بلکہ سنت مقصودہ اخذ سیف ہے۔ اس مقام پر جو سیف سے مفتوح ہوا ہو اور اگر سیف نہ لے تو عصا کا لینا بالقصد مسنون نہیں؛ بلکہ محض اعتماد اور سہولت قیام کے لیے اخذ عصاء جائز ہے، **وهو محمل ما روى أبو داؤد أنه صلى الله عليه وسلم قام أى فى الخطبة متوكئا علىٰ عصا أو قوس،** آه، **أى اتكاء علىٰ أحد هما الاعتماد واليسر لا تعبداً،** پھر جب عوام نے اخذ عصاء کو مثل اخذ سیف کے سنت مقصودہ سمجھ لیا تو بعض فقہا نے اس کو مکروہ کہہ دیا؛ کیوں کہ مباح کو مسنون سمجھ لینا مکروہ ہے۔ پس اخذ عصا فی نفسہ جائز ہے؛ مگر اس کا التزام نہ کیا جائے، احیانا ترک بھی کر دیا جائے۔ واللہ اعلم

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ (امداد الاحکام:۳۹۲/۲)

بوقت خطبہ عصا لینا لازم نہیں، جائز ہے:

سوال: گرفتن عصا بوقت خطبہ خواندن نماز جمعہ چگونہ است؟ (ترجمہ: خطبہ جمعہ کے وقت ہاتھ میں عصا تھامنا کیسا ہے؟) (المستفتی:۸۰۷۴، باسہ میاں (مولمین برما) ۱۱/صفر ۱۳۵۴ھ، ۱۵/مئی ۱۹۳۵ء)

☆ **ہمیشہ عصا ہاتھ میں لے کر خطبۂ جمعہ پڑھنا؟**

عصا لے کر بالدوام خطبہ پڑھنا بلا اصرار جائز ہے۔ فقط

رشید احمد عفی عنہ (مجموعہ رام پور، ص:۲۴) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۶)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

بوقت خطبہ عصا گرفتن لازم نیست، اگر ملک عنوۃ فتح کردہ شود خطیب را شمشیر حمائل کردن مستحب است، اما عصا بدست گرفتن بدعت ہم نیست، چہ از روایتے معلوم می شود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم بوقت خطبہ عصا، یا قوس بدست گرفتہ اند۔ واللہ اعلم

(ترجمہ: خطبہ کے وقت عصا تھامنا لازم نہیں ہے، اگر ملک کو غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو خطیب کو شمشیر کا حمائل کرنا مستحب ہے؛ لیکن ہاتھ میں عصا لینا بدعت بھی نہیں ہے؛ کیوں کہ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خطبہ کے وقت عصا، یا قوس تھامی ہے۔)(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳/۲۶۶-۲۶۷)

سوال مثل بالا کا جواب:

خطبۂ جمعہ میں عصا ہاتھ میں رکھنا نہ واجب ہے، نہ مسنون مؤکدہ، زیادہ سے زیادہ مستحب مندوب ہے، جس کو سنن زوائد میں شمار کیا جا سکتا ہے اور ''درمختار'' میں سے تو ''خلاصہ'' سے عصا پر خطیب کا سہارا دینا مکروہ لکھا ہے؛ مگر قہستانی نے اس کو سنت بتایا ہے، سنت سے مراد وہی سنت غیر مؤکدہ ہے۔(۲)

مفتی کفایت اللہ کان اللہ لہ، ۴/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۶/جولائی ۱۹۳۵ء۔ (کفایت المفتی :۳/۲۶۷)

ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ پڑھنا:

سوال: ہمارے شہر جام نگر اور تمام علاقہ کاٹھیا واڑ میں جمعہ کا خطبہ پڑھتے ہوئے ایک عصا نہایت مزین لے کر کھڑا ہونا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بغیر عصا خطبہ پڑھنے کو خلاف سنت بتایا جاتا ہے اور تارک کو ملامت اور طعن کیا جاتا ہے اور ثبوت زید یہ دیتا ہے کہ شامی میں اور حدیث ابوداؤد میں ایسا کرنا سنت لکھا ہے۔ عمرو جو تارک ہے، کہتا ہے کہ حضور نے اس وقت تک عصا لے کر خطبہ پڑھا ہے، جب تک منبر نہیں بنا تھا، بعد میں ایسا کرنا منقول نہیں اور

---

(۱) فی روایة أبی داؤد أنه صلی اللّٰه علیه وسلم قام أی فی الخطبة متوکئاً علٰی عصاً أو قوس ونقل القهستانی عن عبد المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام. (رد المحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب إذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ۱٦٣/٢، ط: سعید)

(۲) وفی الخلاصة: ''ویکره أن یتکی علٰی قوس أو عصاً. (الدر المختار)

وفی الرد: ''بأنه فی روایة أبی داؤد أنه صلی اللّٰه علیه وسلم قام أی فی الخطبة متوکئاً علٰی عصا أو قوسٍ، نقل القهستانی عن عبد المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام. (رد المحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب اذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ۱٦٣/٢، ط: سعید)

فقہا کی عبارات مختلف ہیں، یہ کہ فی نفسہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور اس کا التزام مکروہ اور بدعت ہے۔

عالمگیری میں خلاصہ اور محیط کے حوالہ سے قوس پر، یا عصا پر سہارا لگا کر خطبہ پڑھنا مکروہ لکھا ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ علمائے کرام ساتھ دلیل کے ہم کو اس کا فیصلہ دیں کہ مفتی بہ حنفیہ کے نزدیک کیا قرار پایا ہے اور ابوداؤد اور شامی میں سنت ہونے کا جواب کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا ثابت تو ہے؛ لیکن بغیر عصا کے خطبہ پڑھنا اس سے زیادہ ثابت ہے۔ پس حکم یہ ہے کہ عصا ہاتھ میں لینا بھی جائز ہے اور نہ لینا بہتر ہے اور حنفیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ پس اس کو ضروری سمجھنا اور نہ لینے والے کو طعن تشنیع کرنا درست نہیں، اسی طرح لینے والے کو بھی ملامت کرنا درست نہیں۔ (۱) (کفایت المفتی: ۲۶۰/۳) ☆

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا:

سوال: جمعہ کو خطبہ سے قبل خادم مسجد آن کر منبر پر جائے نماز بچھا جاتا ہے اور کتاب خطبہ رکھ جاتا ہے اور ایک

(۱) ویکره أن یتکئ علی قوس أوقوس أوعصاً.

وفی الرد: "بأنه روایة أبی داؤد أنه صلی اللّٰه علیه وسلم قام أی فی الخطبة متوکئاً علی عصا أوقوس و نقل القهستانی عن عبد المحیط أن أخذ العصا سنة کالقیام. (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة، قبیل مطلب اذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ۱۶۳/۲، ط: سعید)

نور الایضاح میں ہے:

وسنن الخطبة ثمانیة عشرشیئاً... و السیف بیساره متکئاً علیه فیه کل بلدة فتحت عنوةً وبدونه فی بلدة فتحت صلحاً.

حدیث میں ہے کہ! حدثنا شعیب بن زریق الطائفی ... فأقمنا بها أیاماً شهدنا فیها الجمعة مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقام متوکیاً علی عصاً أو قوس فحمد اللّٰه وأثنی علیه. (سنن أبی داؤد، باب الرجل یخطب، رقم الحدیث: ۱۰۹۶، بحواله ثمرة النجاح علی نور الایضاح: ۷۲/۲، انیس)

☆ **خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا خلاف سنت نہیں:**

سوال: عصا گرفتن در خطبہ جمعہ مستحب است، یا نہ؟ آنچہ در البحر الرائق و عالمگیری آوردہ کہ ہر شہر کہ فتح آں بغلبہ شدہ باشد دراں شہر سیف گرفتہ گوید و بر شہر کہ برضاء و رغبت اسلام آوردہ باشد بلا سیف خطبہ گوید، ایں فرق صحیح است، یا نہ؟ بینوا توجروا؟

الجواب

اخذ عصاء در خطبہ خلاف سنت نیست، و آنچہ در کتب حنفیہ قول بکراہت و عدم سنیت مذکور است، مراد بآں کراہت اعتقاد سنت مقصود است، و امانفس ایں فعل بدون اعتقاد مذکور خلاف سنت نیست۔

صرح به فی رد المختار وفی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (۲۹۹/۱) والبحر الرائق وعالمگیریة: فرقیکه میان بلد مفتوح بالغلبه وبغیر غلبه نوشته اند صحیح است. واللّٰه أعلم

۵/ جمادی الثانیہ ۱۳۴۳ھ (امداد الاحکام: ۳۶۶/۲)

چھڑی پتلی سی بانس کی جونہایت صاف ستھری ہوتی ہے، منبر پر رکھ جاتا ہے۔امام صاحب منبر پر خطبہ سنانے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں تو اسی چھڑی کو ہاتھ میں لے لیتے ہیں،اس بارے میں ناواقف لوگوں نے امام صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تھےتو کسی وقت آپ نے ہاتھ میں تلوار لی ہےاور کبھی کمان اور کبھی نیزہ اورلکڑی، چناں چہ بطریق سنت ایسا کیا جاتا ہےاور مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے، چناں چہ جناب سے دریافت طلب ہے کہ اس کی کیا صورت ہے؟ امید ہے کہ جواب سے آ گاہی فرمائی جائے گی۔

الجواب

عصا لینا مستحب ہے؛ لیکن اگر اس کو ضروری سمجھا جاوے اور تارک پر ملامت کی جائے تو **التزام مالایلزم** کی وجہ سے منع کیا جائے گا۔

فی الدرویکرہ أن یتکی علٰی قوس أوعصاء وفی الرد نقل القهستانی عن عبد المحيط إن أخذ عصاء سنة كالقيام. (۸٦٢/۱)(۱)

وقال شيخنا مد ظلهم العالی: إن الكراهة محمولة علٰى مقصودة. والله أعلم

کتبہ الأحقر عبدالکریم عفی عنہ، ۸؍ربیع الثانی ۱۳۴۴ھ۔ الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ (امدادالاحکام:۳۷۳/۲)

خطبہ کے وقت عصا پکڑنا:

سوال: خطیب کو وقت خطبہ عصا، یا لکڑی ہاتھ میں لینا سنت ہے، یا مستحب؟

(۲) نیز داہنے ہاتھ میں لیوے، بائیں میں اگر داہنے ہاتھ میں عصا لیوے اور بائیں میں خطبہ تو خلاف ادب تو نہیں؟

(۳) آں رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتکاء علی العصاء بہ کبرسنی، یا ضعف پر محمول ہے، یا سنت مستمرہ؟

الجواب

(۱) عادت نہ کرے ضرورت میں مضائقہ نہیں۔

وهو وجه الجمع بين حديث أبی داؤد فقام صلى الله عليه وسلم متوكئاً علٰى عصٰى وقوس وبين قول الفقهاء يكره أن يتكئی على قوس أوعصاء.

(۲) ظاہرا کچھ حرج نہیں؟

(۳) استمرار کا کوئی صیغہ نظر سے نہیں گزرا۔

۲۳؍رجب ۱۳۵۹ھ (النور، ص:٦، محرم ۱۳۵۰ھ) (امدادالفتاویٰ جدید:۲۵۳/۱) ==☆

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب اذا شرک فی عبادته فالعبرة للأغلب: ١٦٣/٢، دارالفکر بیروت، انیس

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ یہاں رنگون کی اکثر مساجد میں قاعدہ یہ ہے کہ بروز جمعہ خطیب اپنے ہاتھ میں عصا لے کر خطبہ پڑھا کرتا ہے۔ پس ارشاد ہو کہ اگر امام وقت خطبہ عصا کے بجائے تلوار ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھے تو شرعاً کیا حکم اور اگر تلوار کو ہاتھ میں لینے کی صورت میں نئی بات دیکھ کر کچھ لوگ اعتراض کرنے لگیں تو ان کے اعتراض کرنے کی وجہ سے آیا اس فعل کو چھوڑ دینا چاہیے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب ــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: (یخطب الإمام بسیف فی بلدة فتحت به) کمکة (وإلالا) کالمدینة.

وفی ردالمحتار: (قوله: فی بلدة فتحت به) أی بالسیف لیریهم أنها فتحت بالسیف فإذا رجعتم عن الاسلام فذلک باق فی أیدی المسلمین یقاتلونکم حتٰی ترجعواالی السلام. (۱)

متن کی قید اور حاشیہ کی حکمت صاف بتلا رہی ہے کہ یہ فعل مخصوص ہے امام المسلمین؛ یعنی سلطان اسلام، یا اس کے نائب کے ساتھ، پس دوسرے خطیبوں کے لیے مشروع نہیں۔

۲۶ر رمضان المبارک ۱۳۴۶ھ (تتمہ خامسہ: ۵۹۲) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۱)

سوال: **ماقولکم رحمکم اللّٰہ تعالی فی الدارین** اندریں کہ بوقت خطبہ پڑھنے کے لاٹھی ہاتھ میں لینا زید مسنون کہتا ہے؛ مگر عمرو بحوالۂ عالمگیری مکروہ تحریمی بتاتا ہے۔ اب مصلی طرفین اور زید وعمرو متفق الرائے ہوکر جناب فیض مآب سے مسئلہ طلب کرتا ہے کہ اگر قول وفعل زید کا معتبر ہوتو اس پر عمل کرے گا، وگرنہ نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

کیا عالمگیری میں تحریم کی تصریح (۲) ہے؟ مدعی سے پوچھو، ذرا شامی بھی دیکھ لی ہوتی کہ اس میں سنیت کا قول ہے

== ☆ خطبہ کے وقت ''عصا'' پکڑنا:

سوال: الخطب الماثورہ میں مذکور ہے کہ امام خطبہ کے وقت عصا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو اور بہشتی زیور سے ممانعت مفہوم ہو، **فکیف التوفیق وعلی ای القولین العمل؟**

الجواب ــــــــــــــــ

درمختار میں قوس، یا عصا پر سہارا لگانے کو مکروہ کہا ہے اور ردالمحتار میں اس پر دو اشکال کئے ہیں: ایک ابوداؤد کی روایت سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصا، یا قوس کا سہارا لیا ہے۔ دوسرا محیط کی روایت سے کہ اخذ عصا کو سنت کہا ہے مثل قیام کے۔ (۱/۸۶۲) اور ترجیح ردالمحتار کے قول کو ہے، پس بہشتی زیور میں گو اس مسئلہ کا ہونا بعید ہے (یہ مسئلہ بہشتی گوہر میں ''جمعہ کے خطبہ کے مسائل'' میں ہے بہشتی زیور میں نہیں ہے۔ سعید) اس لیے کہ اس میں احکام مختصہ بالرجال نہیں لیے گئے؛ لیکن اگر کہیں لکھا ہے تو غالباً درمختار کی روایت کی بنا پر لکھ دیا ہوگا، جس کا مرجوح ہونا ابھی معلوم ہوا۔

۱۵ر ذی قعدہ ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ: ۱۸۵) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۰-۶۸۱)

(۱)　ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۶۳، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　عالمگیری میں ''یکره'' ہے، وتحریمی اور تنزیہی دونوں کے شامل ہے۔

اورحدیث بھی نقل کی ہے۔اب صورت تطبیق کی یہ ہے کہ فی نفسہ سنت ہے ؛مگر غیر مؤکدہ ،اگر مؤکدہ سمجھا جائے گا تو مکروہ ہے،میرا یہی اعتقاد ہے۔

یکم صفر۱۳۵۱ھ (النورص:۷،رمضان المبارک ۱۳۵۱ھ)(امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۸۱-۶۸۲)

خطبہ کے وقت ہاتھ میں عصا لینا:

سوال: بوقت نماز جمعہ بوقت خطبہ عصا لینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

عصا لینا بوقت خطبہ سنت ہے؛مگر سنت مقصودہ نہ سمجھے،گاہے ترک بھی کردے۔

قال فی الدرالمختار :ویکرہ ان یتکی علٰی عصا أوقوس،آہ.

وفی الشامیة:استشکله فی الحلیة بأنه فی روایة أبی داؤد أنه صلی اللّٰه علیه و سلم قام أی فی الخطبة متوکئاً علٰی عصا أوقوس،آہ،ونقل القهستانی عن عبد المحیط أن أخذ العصاء سنة کا لقیام،آہ. (۱)

قلت:ومحمل الکراهة اعتقاد ہ مقصود.واللّٰه أعلم(امدادالاحکام:۲/۳۵۰)

بوقتِ خطبہ تعوذ وتسمیہ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں:

سوال: خطبہ کے شروع میں اعوذ بسم اللہ آہستہ کیوں پڑھتے ہیں؟

الجواب

جبراًاعوذ باللہ وبسم اللہ کا پڑھنا اس جگہ ثابت نہیں ہے۔(شامی:۱/۸۴۷)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عزیز الرحمٰن (فتاویٰ دارالعلوم:۵/۱۷۹)

تحقیق خواندن تسمیہ بالجہر درخطبہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب خطبۂ اولیٰ کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بآواز بلند پڑھتے ہیں،ایسا کرنا چاہیے کہ نہیں،اگر کرنا چاہیے تو یہ طریقہ مستحب ہے،یا سنت مؤکدہ یا کیا؟اوراگر نہیں کرنا چاہیے تو مکروہ ہے،یا کیسا؟جواب کے لیے جوابی کارڈ ارسال خدمت ہے۔بینوا توجروا۔

مستحب اورسنت طریقہ سے بحوالہ کتب اگر ممکن ہو تو سرفراز فرمائے اور قبل خطبہ اعوذ باللہ وبسم اللہ آہستہ پڑھنا مسنون ہے اور مستحب،یا جہر کے ساتھ؟

---

(۱) ردالمحتار،باب الجمعة،قبیل مطلب اذا شرک فی عبارته فالعبرة للأغلب:۲/۱۶۳،دار الفکر بیروت،انیس

الجواب

فی البحر الرائق:وأما سننها فخمسة عشر (إلی قوله) رابعها قال أبویوسف فی الجوامع: التعوذ فی نفسه قبل الخطبة، ثم قال:وهی تشتمل علی عشرة أحدها البداء ة بحمد اللّٰہ.(۱۵۹/۲)

وفی الدرالمختار:ویبدأ بالتعوذ سرا.

فی ردالمحتار:ای قبل الخطبة الأولیٰ بالتعوذ سرا،ثم بحمد اللّٰه،الخ.

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے قبل صرف اعوذ باللہ آہستہ پڑھے، نہ تو بسم اللہ پڑھے اور نہ اعوذ باللہ پکار پڑھے اور کسی نے قبل خطبہ بسم اللہ پڑھنے کو نہیں لکھا، جس سے معلوم ہوا خود بسم اللہ پڑھنا مطلوب ہی نہیں اور بعض نے جو لکھا ہے کہ بجز قرآن کے اور کسی کلام پر اعوذ نہ پڑھنے سو دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ خطبہ بحکم قرآن ہے، لہذا خطبہ اس عموم میں داخل نہ ہوگا۔

۲۹ ؍رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ:۱۷۱) (امدادالفتاویٰ جدید:۶۷۹/۱-۶۸۰)

اعوذ باللہ بسم اللہ جہراً پڑھے، یا آہستہ:

سوال: جمعہ کا خطبہ شروع کرنے سے پہلے خطیب کو بسم اللہ اور اعوذ باللہ آواز سے پڑھنا چاہیے، یا آہستہ سے پڑھنا چاہیے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

پہلا خطبہ شروع کرنے سے صرف اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم آہستہ پڑھ لے، جہر نہ کرے۔

قال الشامی: ویبدأ قبل الخطبة الأولٰی بالتعوذ سراً ثم بحمد اللّٰه تعالٰی والثناء علیه والشهاتین والصلاة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والعظة والتذکیر العظة والقراء ة، قال فی التجنیس:والثانیة کالأولٰی الا أنه یدعو للمسلمین مکان الوعظ،قال فی البحر:وظاهره أنه یسن قراء ة آیة فیها کالاأولٰی،آه.(۱)

قلت:وکذا ظاهره أن یبدأ بالتعوذ قبل الثانیة أیضاً سراً بعدم استثنا ئه سوٰی الوعظ.واللّٰه أعلم

اس عبارت کے اخیر جز سے قیاسا حیث قال والثانیۃ کالاولی ،معلوم ہوا کہ دوسرے خطبہ کو بھی اعوذ باللہ الخ آہستہ پڑھ کر شروع کیا جائے۔ باقی اعوذ باللہ قبل خطبہ کے، یا قبل اذان واقامت کے نماز کے زور سے پڑھنا جیسا آج کل بعض مقامات میں رواج ہے، بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۶ ؍ذی قعدہ ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۳۸۸/۲)

(۱) ردالمحتار،باب الجمعة،مطلب فی قول الخطیب قال اللّٰه تعالٰی أعوذ باللّٰه: ۱٤۹/۲،دار الفکر بیروت،انیس

خطبہ میں آیات قرآنی سے قبل تعوذ وتسمیہ پڑھنا:

سوال: ہم شافعی ہیں، ہمارے امام شافعی کے قول کے مطابق مسئلہ بتلایا جائے، ہم جمعہ کے خطبہ میں چوتھے فرض؛ یعنی ایک آیت قرآن کی پڑھنا ضروری ہے، اس آیت سے پہلے ''أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھنا شافعی قول سے درست ہے، یا کہ نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وبا للّٰہ التوفیق

''أعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم'' اور'' بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم'' کوآیت قرآن کی پڑھنے سے قبل پڑھنا درست ہے؛ کیوں کہ یہ دونوں ادب قرأت میں داخل ہیں۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۳۷)

خطبہ میں بسم اللہ بآواز بلند پڑھنا:

سوال: حنفی المذہب کو خطبہ میں بسم اللہ بلند آواز سے کہنا مشروع ہے، یا ناجائز؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ناجائز نہیں ہے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۷/۵/۱۳۵۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۳۹)

جمعہ کے خطبہ سے پہلے تسمیہ بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھی جاتی:

سوال: جمعہ کے خطبہ میں بسم اللہ بلند آواز سے پڑھ کر کیوں نہیں شروع کیا جاتا؟

الجواب ـــــــــــــــــــ

اسی طرح منقول چلا آتا ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴/۱۳۹)

خطبۂ مسنونہ کی مقدار:

سوال: ایک شخص امام مسجد ہے جمعہ پڑھاتا ہے اور خطبہ یہ پڑھتا ہے تو نماز ہوجاتی ہے، یا نہیں؟

---

(۱) البتہ آہستہ پڑھے۔[مجاہد]

ویبدأ بالتعوّذ سرًّا. (الدر المختار)

(قولہ: یبدأ) أی قبل الخطبة الأولٰی بالتعوّذ سرًّا. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۴۹، دارالفکر بیروت، انیس)

(۲) الخطبة تشتمل علٰی فرض وسنة فالفرض شیئان الوقت ... والثانی ذکر اللّٰہ تعالٰی وکفت تحمیدة أو تهلیلة أوتسبیحة کذا فی المتون هٰذا اذا کان علٰی قصد الخطبة. (الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة ومنها الخطبة: ۱/۱۴۶، انیس)

خطبہ یہ ہے:

الحمد للّٰہ کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی خصوصًا علٰی أفضل الرسل وخاتم الأنبیاء أما بعد: فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم وما أرسلنک إلا رحمة للعالمین أنہ جواد کریم ملک بر رحیم.

دوسرا خطبہ:

نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور أنفسنا ومن سیأت أعمالنا من یہدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد أن محمدًا عبدہ ورسولہ. أما بعد إن اللّٰہ یأمر بالعدل والإحسان وإیتاء ذی القربٰی وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعضکم لعلکم تذکرون أذکروا اللّٰہ یذکرکم ولذکر اللّٰہ تعالٰی أعلٰی وأولٰی وأتم وأکبر.

کیا اس خطبہ سے نماز جمعہ ہو جاتی ہے؟ حالاں کہ نماز جمعہ دو رکعت نماز اور خطبہ دو رکعت کے قائم مقام ہے؟

الجواب

خطبہ جمعہ میں مقدار مسنون طوال المفصل سورت کی مقدار ہے۔

مراقی میں ہے: **ویسن (تخفیف الخطبتین) ... (بقدر سورة من طوال المفصل) کذا فی معراج الدرایة ولکن یراعی الحال بما ہو دون ذلک فإنہ إذا جاء بذکر وإن قل یکون خطبةً.** (ص: ۲۸۱)(۱)

تشہد کی مقدار خطبہ پڑھنے سے خطبہ کی ادائیگی بلا کسی کراہت کے ہو جائے گی۔

"**وأقلہ قدر التشہد إلٰی قولہ عبدہ ورسولہ**". (مراقی الفلاح، ص: ۲۸۰)(۲)

مذکورہ خطبہ پڑھنے سے بھی نماز جمعہ کی ادائیگی ہو گئی ہے، آئندہ مقدار مسنون کی رعایت رکھی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عبد اللہ عفی عنہ نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۴۰۸/۳/۱۸ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ رئیس الافتاء۔

(خیر الفتاویٰ: ۳/۷۳)

جمعہ کے دونوں خطبے برابر ہونے چاہییے:

سوال: جمعۃ المبارک کے دونوں خطبے برابر ہوں، یا کوئی چھوٹا بڑا ہو سکتا ہے؟

الجواب

مراقی میں ہے: **(و) یسن (تخفیف الخطبتین) ... (بقدر سورة من طوال المفصل).** (۳)

(۱) مراقی الفلاح علٰی حاشیة الطحطاوی، کتاب الصلاة، باب الجمعة، ص: ۵۱٦، انیس
(۲) مراقی الفلاح علٰی حاشیة الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۱۳، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس
(۳) مراقی الفلاح علٰی حاشیة الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۱٦، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

اس عبارت سے بظاہر دونوں خطبوں کی برابری مفہوم ہوتی ہے، کمی بیشی بھی جائز ہے؛ لیکن خلاف اولیٰ ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی، ۱۴/۶/۱۴۰۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۷۵/۳)

جمعہ کا وقت - خطبہ طویل نہیں مختصر ہو:

سوال: نماز جمعہ وخطبہ کا کیا وقت ہے، کتنی دیر میں شروع ہوکر ختم ہونا چاہیے؟

الجواب ـــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

جس وقت سے ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے اور جس وقت ختم ہوتا ہے، وہی وقت جمعہ کا ہے۔(۱) اسی درمیان میں نماز وخطبہ دونوں ختم ہونا چاہیے، خطبہ میں وقت کم لینا چاہیے اور نماز میں زیادہ، یہی مسنون طریقہ ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۴/۷/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۳۶/۲)

جمعہ کا طویل خطبہ:

سوال: بعض حضرات جمعہ کے دن عربی خطبہ کو طوالت دیتے ہیں اور نماز کو مختصر پڑھتے ہیں، کیا یہ درست ہے؟

(شیخ حسن)

الجوابـــــــــــــــــــــــ

نماز جمعہ کی ادائیگی کے لیے خطبہ کا پایا جانا شرط ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس کی پابندی فرمائی ہے، البتہ اس کی کیفیت کے بارے میں احادیث میں صراحت ہے کہ وہ مختصر ہوا کرتے تھے۔

”**كان رسول الله صلى الله عليه وسلم لايطيل الموعظة يوم الجمعة، وإنما هن كلمات يسيرات**“.(۳)

ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کو مختصر دینے کا حکم دیا ہے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ!

”**أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم بإقتصار الخطب**“.(۴)

اسی لیے فقہا نے طویل خطبہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور خطبہ کی سنتوں میں سے ایک سنت یہ بھی بیان کی ہے کہ وہ مختصر؛ یعنی طوالِ مفصل (ق تا بروج) کے برابر ہو۔

---

(۱) (و)الثالث: (وقت الظهر فتبطل) الجمعة (بخروجه) (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۱٤٧/۲، دارالفكر بيروت، انيس)

(۲) (ويسن خطبتان) خفيفتان وتكره زيادتهما علىٰ قدر سورة من طوال المفصل.(الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۱٤٨/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۱۰۷

(۴) سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۱۰٦

”أما سننها فخمسة عشر... والرابع عشر: تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل“.(۱)

اور رہ گئی قرأت تو نماز جمعہ میں مستحب ہے کہ پہلی رکعت میں سورۂ اعلی اور دوسری رکعت میں سورہ غاشیہ پڑھی جائے، یا اس کے برابر دوسری آیتیں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جمعہ میں زیادہ تر انہیں سورتوں کے پڑھنے کا معمولِ مبارک تھا۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۳۸-۳۹)

خطبۂ جمعہ زیادہ طویل پڑھنا مناسب نہیں:

سوال: ایک امام صاحب نماز جمعہ پڑھاتے ہیں۔ خطبہ بہت طویل پڑھتے ہیں کہ ایک گھنٹہ ہوجاتا ہے، خطبہ کا پورا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں، کیا خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بھی ضروری ہے؟

ایک شخص کا بیان ہے کہ مسجد میں جو منبر ہوتا ہے، وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں نہ تھا۔ منبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایجاد کیا ہے، حقیقت اس کی کیا ہے؟

(المستفتی:۵۲۴، شیخ شفیق احمد (ضلع مونگیر ۷/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۹/جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

خطبہ زیادہ طویل پڑھنا نہیں چاہیے،(۲) اور خطبہ کا ترجمہ پڑھنا بھی طریقۂ مسنونہ متوارثہ کے خلاف ہے۔ منبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ پڑھا ہے، یہ بات غلط ہے کہ منبر کی ایجاد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۶۸)

جمعہ میں خطبہ طویل دینا اور نماز مختصر پڑھانا کیسا ہے:

سوال: جمعہ میں خطبہ کا طویل ہونا اور نماز کا قصیر ہونا شرعاً کیسا ہے؟ بعض مساجد میں امام صاحب خطبۂ جمعہ تقریباً پندرہ منٹ میں ختم فرماتے ہیں اور نماز جمعہ تقریباً چار منٹ میں۔ پس ارشاد فرمادیں کہ ان امام صاحب کا یہ طرز عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۱۸۴۲، حاجی داؤد ہاشم یوسف صاحب (رنگون) ۲۷/رجب ۱۳۵۵ھ، مطابق ۱۳/اکتوبر ۱۹۳۷ء)

---

(۱) الفتاوى الهندية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١/١٤٧

(۲) والرابع عشر تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل. (الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١/١٤٧، ط: ماجدية)

(۳) ومن السنة أن يخطب عليه اقتداء به صلى الله عليه وسلم ... ومنبره صلى الله عليه وسلم كان ثلاث درج غير المسمات بالمستراح. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فى حكم المراقى بين يدى الخطيب: ٢/١٦١، ط: سعيد) (كذا فى سنن الترمذى، باب فى استقبال الإمام إذا خطب: ١/١١٤)

الجواب

خطبۂ جمعہ کا طویل نہ کرنا بہتر ہے اور نماز میں امام کو خفت کا لحاظ رکھنا مامور بہ ہے۔

عن عمار بن یاسر قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: أن طول صلاۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطیلوا الصلاۃ واقصروا الخطبة وإن من البیان سحراً. (رواہ مسلم)(۱)

وعن أبی هریرۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: إذا صلیٰ أحدکم للناس فلیخفف فإن فیهم الضعیف والسقیم والکبیر واذا أحدکم نفسه فلیطول ماشاء. (۲)

پس نماز کی تطویل کی ترغیب جو مسلم کی روایت مذکورہ بالا میں ہے، ابو ہریرہ کی روایت کی بنا پر اس حد کے اندر محدود ہے کہ جماعت پر مشقت نہ ہو اور حد مسنون سے آگے نہ بڑھے اور خطبہ کے اختصار سے غالبا یہ مقصد نہیں ہے کہ نماز کے وقت سے خطبہ کا وقت کم ہو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ خطبہ ان خطبوں سے کم ہو جو عرفا طویل اور بڑے خطبے سمجھے جاتے ہیں ۔خطبہ میں ضروری امور پر اکتفا کرنا چاہئے ،ترمذی شریف (۳) کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بھی معتدل متوسط درجہ کی ہوتی تھی ،خطبہ بھی معتدل اور متوسط درجہ کا ہوتا تھا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۷۳-۲۷۴)

خطبہ جمعہ میں تطویل مکروہ ہے:

سوال: بعض لوگ خطبہ کو نماز جمعہ سے طویل کرتے ہیں، اس کے متعلق شرعی حکم سے مطلع فرمایا جائے؟

الجواب

عن أبی وائل عن عمار قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول: أن طول صلاۃ الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه فأطیلوا الصلاۃ وأقصروا الخطبة. (رواہ مسلم: ۱/۲۸۶)

وفی الدرالمختار: ویسن خطبتان خفیفتان وتکرہ زیادتهما علیٰ قد رسورۃ من طوال المفصل وعبارۃ القهستانی وزیادۃ التطویل مکروهة، آہ. (۱/۸٤۷)

وفی مراقی الفلاح: و یسن تخفیف الخطبتین قال ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه طول الصلوٰۃ وقصر الخطبة من فقه الرجل (قال المحقق فی الفتح من الفقه والسنة تقصیر الخطبة وتطویل الصلوٰۃ بقدر سورۃ من طوال المفصل ولکن یراعی الحال بما هودون ذلک ویکرہ التطویل من غیر قید بزمن ففی الشتاء لقصر الزمان وفی الصیف للضرربا لزحام والحر، آہ. (ص: ۲۹۹)

---

(۱) فصل فی ایجاز الخطبة واطالة الصلاۃ: ۱/۲۸٦، ط: قدیمی (باب تخفیف الصلاۃ والخطبة، ص: ۳٤۹) (مشکوٰۃ باب الخطبة والصلاۃ، الفصل الأول، ص: ۱۲۳، ط: سعید)

(۲) صحیح البخاری، باب إذا صلیٰ لنفسه فلیطول ماشاء: ۱/۹۷، ط: قدیمی کتاب خانة

(۳) باب ما جاء فی قصر الخطبة: ۱/۱۱۳، ط: سعید

احادیث نبویہ اور تصریحات فقہاء اس پر متفق ہیں کہ خطبہ کو نماز سے طویل نہ کرنا چاہئے، اور یہ کہ خطبہ میں تطویل مکروہ ہے پس اگر گاہے ایسا ہو جائے تو مضائقہ نہیں، مگر اس کا عادی ہونا مکروہ ہے، واللہ تعالی اعلم

ظفر احمد، ۲۳؍رجب ۱۳۵۶ھ

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نعم وھو عین الصواب. کتبہ: اشرف علی، ۲۳؍رجب ۱۳۵۶ھ (امدادالاحکام: ۴۱۸/۲)

بیان معنی حدیث کہ در بارۂ قصر خطبہ وطول صلوۃ وارد است:

سوال: خطبات الاحکام جو حضور والا نے تصنیف فرمائے ہیں، اول تو وہ سب مختصر ہیں، جب ضعفا کی رعایت سے قرأت مختصر کی جاوے اور دو چار سطر خطبہ کی بڑھ جاویں تو اس میں کوئی کراہت وغیرہ تو نہیں ہے اور تعمیلا خطبہ اختصار کیا جاوے گا، آئندہ جو ارشاد ہو خادم تو یہی خطبہ پڑھتا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ حامدًا و مصلیاً

حدیث میں جو قصر خطبہ طول صلوٰۃ وارد ہے، کما رواہ مسلم عن عمار، اس میں صلوٰۃ سے مراد پوری نماز ہے، نہ کہ صرف قرأت، سو میرے خطبات میں کوئی خطبہ سورۂ مرسلات سے بڑا نہیں، مسنون قرأت اور مسنون اذکار کی حالت میں اگر چہ چھوٹی ہی سورتیں ہوں، مجموعی نماز سے عادۃً بڑھ نہیں سکتے، البتہ صرف عیدین کے خطبہ کی مقدار بہ نسبت دوسرے سات آٹھ تکبیر کی قدر زیادہ ہے؛ مگر مسنون قرأت واذکار کی حالت میں وہ بھی مجموعی نماز سے نہیں بڑھ سکتے؛ اس لیے قرأت وغیرہا کے اختصار کی حالت میں بھی جب کہ سنت کے موافق ہو، خطبات مذکورہ میں تصرف اختصار کی حاجت نہیں۔ واللہ اعلم

۸؍صفر ۱۳۵۵ھ (النور، ص: ۲۶، ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ) (امدادالفتاویٰ جدید: ۷۰۶/۱-۷۰۷)

بین الخطبتین دعا:

سوال: **ما قولكم دام فضلكم فى الدعاء برفع اليدين فى الجلسة الخفيفة بين الخطبتين ليوم الجمعة هل لم بثبوت عنه صلى الله عليه وسلم؟ فالاتباع فى فعله، أم فى تركه؟ وعلى الثانى فهل هو جائز، أم مكروه؟ وعلى الثانى فهل كراهية تنزيهة، أم تحريمية؟ أفيدونا بالنقل الصريح. (رحمكم الله)**

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

درمیان دو خطبہ بہ نشستے وخاموش بودی ودعاء از آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں وقت بہ ثبوت نہ رسیدہ، قال فی غایۃ الاوطار: طحاوی فرماتے ہیں کہ اس جلسہ میں کوئی دعا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں کہ اس وقت میں نفس دعا منقول نہیں ہے، چہ جائیکہ **رفع اليدين، الخ، فالاتباع تركه.** غایۃ الاوطار شرح درمختار میں ہے کہ ہاتھ اٹھانا بھی درمیان خطبتین کے دعا کے واسطے غیر مشروع ہے

اور جامع الخطیب میں ہے کہ ہاتھوں اٹھانا بھی درمیان خطبتین کے دعا کی واسطے حرام ہے، الخ۔

فعلم من هٰذا النقول أن الدعا ء برفع اليدين فى الجلسة المذكورة غيرمشروع ومكروه تحريم وعلينا اتباع ماصرحوا به كما أفتوا ولعل الأصل فى ذلک ما رواه الترمذی فی صحيحه حدثنا أحمد قال: سمعت عمارة بن روبية وبشربن مروان يخطب فرفع يديه فى الدعاء فقال عمارة: قبح اللّٰه هاتين اليدين القصيرتين لقد رأيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وما يزيد على أن يقول هٰكذا وأشارهيثم بالسبابة،قال أبوعيسٰی: هٰذا حديث حسن صحيح، قال أبو الطيب فى شرح هٰذا الحديث: وإشارته صلى اللّٰه عليه وسلم لعلها كانت وقت التشهد أى التوجه واللّٰه تعالٰى أعلم وقال النووی:فيه أن السنة أن لا ترفع اليد فى الخطبة وهوقول مالک وأصحابنا وغيرهم وحكى القاضى عن بعض السلف وبعض المالكيه إباحته؛لأن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم رفع يديه فى خطبة الجمعة حين استسقٰى وأجاب الأولون بأن هٰذا الرفع كان لعارض ففى التحريرالمختار لرد المحتارعلٰى قوله:قلت قد صرح به فى الدرر أيضاً من صفة الصلاة بعد كلا م أن ترک السنة الموكدة قريب من الحرام وإن تاركها يستوجب التضليل واللوم، آه، فكما أن بشر بن مروان ارتكب عمارة مكروهاً تحريماً حتٰى التحق اللوم والدعاء عليه بقوله قبح اللّٰه هاتين اليدين القصيرتين بسبب إيتانه فعلاً فى الخطبة لم يفعله صلى اللّٰه عليه وسلم وترک السنة النبوية صلى اللّٰه عليه وسلم كذلک من يرفع يديه فى الجلسة الخفيفة بين الخطبتين للدعاء يستحق أن يدعى عليه ويقال فى حقه قبح اللّٰه هاتين اليدين،آه؛لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم لم يفعله فهوتارک للسنة النبوية صلى اللّٰه علٰى صاحبها وسلم ومرتكب أمرمكروه تحريم إذ لا لوم على الفعل المباح والمكروه تنزيها الذى مرجعه خلاف أولٰى.فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۱۸۱/۵-۱۸۲)

خطبہ میں آنحضرت کے نام پر درود پڑھیں، یا نہیں:

سوال (۱) خطبہ میں جب نام نامی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آوے تو سامعین درود پڑھیں، یا نہیں؟ خفیہ پڑھیں، یا جہر سے، یا قطعی نہ پڑھیں؟

دونوں خطبوں کے درمیان مقتدی دعا مانگے:

(۲) اور ایک خطبہ پڑھ کر امام جب بیٹھے اس وقت مقتدی دعاء ہاتھ اٹھا کر مانگیں یا دل میں یا قطعی نہ مانگیں؟

الجواب

(۱) درمختار میں لکھا ہے:

والصواب أنه يصلى على النبى صلى اللّٰه عليه وسلم عند سماع اسمه فى نفسه.(۱)

(۱) الدرالمختارعلٰى هامش رد المحتار،باب الجمعة: ۱۵۹/۲،دار الفكربيروت، انيس

وقال فی الرد: وکذٰلک اذا ذکر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایجوز أن یصلوا علیہ بالجھر بل بالقلب وعلیہ الفتوی، الخ. (۱)

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام جس وقت خطبہ میں نے دل میں درود شریف پڑھے، جہراً نہ پڑھے اور زبان سے بھی نہ پڑھے، دل میں خیال کر لیوے۔ فقط

(۲)　اور جس وقت خطیب جلسہ درمیانی کرے، اس وقت سامعین کچھ دعا زبان سے نہ مانگیں، اگر مانگیں دل میں مانگیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

وبتوفیق اللہ اقول: حاشیہ شامی کی عبارت سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ اگر دعا مانگے تو دل سے مانگے، زبان سے نہیں؛ لیکن شرح منیہ میں ہے:

إذا قرء الإمام إن اللّٰہ وملئکتہ یصلون علی النبی (الآیة) فعن أبی حنیفة ومحمد رحمھم اللّٰہ أنہ ینصت وعن أبی یوسف رحمہ اللّٰہ أنہ یصلی سرًا وبہ أخذ بعض المشائخ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طرفین کا مسلک یہ ہے کہ خاموش رہے اور امام ابو یوسف کا قول ہے کہ آہستہ درود پڑھے اور شامی معراج سے نقل کرتے ہیں کہ قلب سے دعا مانگے، جس کا ماحصل سکوت ہی ہے؛ اس لیے کہ سرّاً میں ادائے لفظ زبان سے ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کوئی آہستہ زبان سے بھی درود پڑھ لے تو اس پر نکیر نہیں کی جاسکتی کہ امام ابو یوسفؒ اور بعض مشائخ اس کی اجازت دیتے ہیں؛ لیکن عبادات میں مسلک امام صاحبؒ کی رعایت رکھتے ہوئے سکوت ہی کو ترجیح ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۷۰-۱۷۱)

دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے:

سوال:　دونوں خطبے جمعہ کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

دونوں خطبوں کے درمیان اگر دعا مانگے دل سے مانگے، زبان سے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا اس حالت میں درست نہیں ہے۔ (۳) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۵۷)

---

(۱)　رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۲/ ۱۵۸، دار الفکر بیروت، انیس

(۲)　امام ابو یوسف کی روایت ہے اور طرفین کے مسلک کے سلسلہ میں الصواب اور لا یجوز کا لفظ استعمال ہوا ہے، عبادات میں علی الاطلاق فتویٰ امام کے قول پر ہوتا ہے، اصل جواب ہی پر عمل ہوگا، اس تفصیل ورجعت کی ضرورت نہیں۔

(۳)　(إذا خرج الامام) ... (فلا صلاة ولا کلام إلیٰ تمامھا) وإن کان فیھا ذکر الظلمة فی الأصح (خلا قضاء فائتة لم یسقط الترتیب بینھما وبین الوقتیة) فإنھا لا تکرہ، سراج وغیرہ، لضرورة صحة الجمعة وإلا لا. (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، دار الفکر بیروت، انیس)

جمعہ وعیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا:

سوال: جمعہ وعیدین کے دو خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۱۳۰، محمد عنایت حسین کھنور، ۲۶/رجب ۱۳۵۲ھ، مطابق ۱۶/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

خطبوں میں جلسہ کے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا مکروہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۴/۳)

خطبتین کے درمیان دعا مانگنا:

سوال: دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کے وقت رفع یدین کے ساتھ، یا بغیر رفع یدین کے زبان سے ہو، یا قلب سے دعا مانگنا، جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

اگر دعا قلب کے ساتھ ہو اور زبان کو حرکت نہ ہو تو جائز ہے۔ ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں بیان کرتے ہیں:

کیف یدعون وهو مامور بالإنصات أجیب لیس من شرط الدعاء التلفظ به استحضاره بقلبه کاف، إنتهیٰ.

اور حموی شرح اشباہ میں بھی یہی مذکور ہے؛ لیکن زبان سے دعا مانگنا رفع یدین کے ساتھ، یا بغیر رفع یدین کے جائز نہیں اور حدیث سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبتین کے درمیان صرف ایک لحظہ کی مقدار جلسہ فرماتے؛ لیکن اس جلسہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کا ثبوت نہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سفر السعادت میں فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس جلسہ میں سکوت فرماتے اور کسی کلمہ کا زبان مبارک سے تکلم نہ فرماتے اور اس جلسہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دعا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، انتہیٰ کلامہ۔

اور مشکوۃ میں فرماتے ہیں:

عن ابن عمر قال کان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم یخطب خطبتین کان یجلس إذا صعد المنبر حتیٰ یفرغ ... ثم یقوم فیخطب ثم یجلس ولایتکلم ثم یقوم فیخطب، إنتهیٰ. (۲)

---

(۱) ولایجوز للقوم رفع الیدین ولا تأمین باللسان جهراً، الخ. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی شروط وجوب الجمعة: ۱۵۸/۲، ط: سعید)

(۲) مشکوٰة المصابیح، أبواب الجمعة، باب الخطبة والصلاة فی الفصل الثانی: ۱۲۴/۱، قدیمی، انیس

امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کا مسلک یہی ہے کہ خطبتین کے درمیان ہر قسم کا ذکر مکروہ ہے۔امام حافظ الدین ابوالبرکات نسفی کی کتاب الکافی شرح الوافی میں ہے:

كراهة الكلام غير مقصود حال الخطبة عند أبى حنيفة حتىٰ يكره الكلام عنده فى حال الجلسة بين الخطبتين لإطلاق الحديث،إنتهىٰ.

اور برجندی شرح مختصر میں ہے:

والمراد بالكلام مطلق الكلام سواء كان أمراً بالمعروف أوغيره و سواء كان ذكراً أوفراظ وغيرهما،انتهىٰ.

زیلعی شرح کنز میں فرماتے ہیں:

وعند محمد لايباح له أصلا وقد قال النبى صلى اللّٰه عليه وسلم:إذاخرج الإمام فلاصلاة ولا كلام.

چلپی حاشیہ شرح وقایہ میں بھی یہی مذکور ہے۔

اور ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن شیبہ اپنی مصنف میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی، ابن عباس، ابنِ عمر رضی اللہ عنہم صلوۃ وکلام کو مکروہ سمجھتے ہیں، جب کہ امام خطبہ کے لیے نکل آئے اور فرماتے ہیں کہ قول صحابی حجت ہے اور اس کی واجب تقلید ضروری ہے، انتھی کلامہ۔(۱)

اور یوم جمعہ میں قبولیت دعا کے وقت کے بارے میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مسلم میں روایت ہے کہ وہ مخصوص وقت امام کے منبر پر بیٹھنے اور نماز سے فارغ ہونے کے درمیان ہے؛ مگر بعض لوگوں نے اس روایت کے بارے میں کلام کیا اور اکثر محدثین کی یہ رائے ہے کہ اس بارے میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت اولیٰ اور راجح ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جمعہ کی آخری ساعت قبولیت کی ہے اور ساعتِ قبولیت کی تعین کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً پچاس روایتیں مروی ہیں، انتھیٰ۔(مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۵۰-۲۵۱)

منبر پر چڑھتے اترتے دعا مانگنا:

سوال: منبر پر چڑھتے ہوئے "**اللّٰهم انصر،إلخ**" اور اترتے ہوئے "**اللّٰهم اعز الإسلام،إلخ**" کے الفاظ کے ساتھ دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) (قَوْلُهُ: وَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ) يَعْنِي مِنْ الْمَقْصُورَةِ يَظْهَرُ عَلَيْهِمْ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ هُنَاكَ مَقْصُورَةٌ يَخْرُجُ مِنْهَا لَمْ يَتْرُكْ الْقِرَاءَةَ وَالذِّكْرَ إلَّا إذَا قَامَ إلَى الْخُطْبَةِ (قَوْلُهُ: تَرَكَ النَّاسُ الصَّلَاةَ وَالْكَلَامَ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهِ) وَكَذَا الْقِرَاءَةُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا بَأْسَ بِالْكَلَامِ قَبْلَ أَنْ يَخْطُبَ وَإِذَا نَزَلَ قَبْلَ أَنْ يُكَبِّرَ لِلْإِحْرَامِ؛ لِأَنَّ الْكَرَاهَةَ لِلْإِخْلَالِ بِفَرْضِ الِاسْتِمَاعِ وَلَا اسْتِمَاعَ فِي هَذَيْنِ الْحَالَيْنِ بِخِلَافِ الصَّلَاةِ؛ لِأَنَّهَا قَدْ تَمْتَدُّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْكَلَامَ أَيْضًا قَدْ يَمْتَدُّ طَبْعًا فَأَشْبَهَ الصَّلَاةَ وَالْمُرَادُ مُطْلَقُ الْكَلَامِ سَوَاءٌ كَانَ كَلَامَ النَّاسِ أَوْ التَّسْبِيحَ أَوْ تَشْمِيتَ الْعَاطِسِ أَوْ رَدَّ السَّلَامِ.(الجوهرة النيرة،باب صلاة الجمعة: ۹۲/۱،المطبعة الخيرية،انيس)

الجواب

کتب فقیہ میں خاص موقع مذکور کے بارے میں اس قسم کی دعائیں اور کلمات نظر سے نہیں گذرے اور ظاہر ہے کہ اس وقت دعا کی ضرورت بھی نہیں۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۵۱)

جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان طویل دعا کرنا:

سوال: ہمارے ہاں ایک خطیب صاحب نے جمعۃ المبارک کا پہلا خطبہ پڑھنے کے بعد بیٹھ کے ۷/ یا ۸/ منٹ تک مشرقی پاکستان میں شہید ہونے والوں پر تعزیت فرمائی اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل کی۔ اسی دوران ایک شخص نے کہا کہ مولانا یہ آپ خطبہ سے فارغ ہوکر ہی کر لیتے تو کہنے لگے کہ یہ پوری قوم کا مسئلہ ہے، تمہارے نزدیک اگر مسئلہ نہیں تو نہ سہی۔ وضاحت فرمائی جائے؟

الجواب

خطبہ کے درمیان وعظ و نصیحت کو فقہائے کرام نے بدعت و خلاف سنت لکھا ہے۔ (کمافی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۶۲/۴) کیوں کہ حدیث شریف میں خطبہ کو نماز کا جزو ہونے کا حکم دیا گیا ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ خطبہ دو رکعتوں کے قائم مقام ہے۔

شامی میں ہے: **(قوله: بل کشطرها فی الثواب) هٰذا تاویل لماورد به الأثر من أن الخطبة کشطر الصلٰوة فان متقضاه أنها قامت مقام الظهر کما قامت الجمعة مقام رکعتین منه.** (۱)

اس لیے اس نمازی کا مطالبہ صحیح تھا، مولوی صاحب کو اس پر ناراض نہیں ہونا چاہیے اور آئندہ کے لیے احتیاط کرتے رہیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح، خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۸۹/۳)

دونوں خطبوں کے درمیان دعا کیسے کریں:

سوال: جمعہ کے روز دونوں خطبوں کے درمیان ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب

ایسے وقت ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگیں بلکہ زبان سے بھی نہ مانگیں، دل سے مانگیں۔

وسئل علیه الصلاة والسلام عن ساعة الإجابة؟ فقال: ما بین جلوس الإمام إلٰی أن یتم الصلاة وهو الصحیح قوله وسئل علیه السلام ثبت فی الصحیحین وغیرهما عنه صلی اللّٰه علیه وسلم فیه ساعة لایوافقها عبد مسلم" وهو قائم یصلی یسأل اللّٰه تعالٰی شیئاً إلاأعطاه إیاه (إلٰی قوله) فیسن الدعاء بقبله لابلسانه لأنه مامور با لسکوت، آه. (شامی:۷۷۲/۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۹۱/۳)

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی قول الخطیب قال: الخ: ۱۵۰/۲، دار الفکر بیروت، انیس

آیت ﴿صلوا علیه و سلموا﴾ پر بآواز درود پڑھنا کیسا ہے:

سوال(۱) یہاں کے مسلمانوں میں یہ دستور ہے کہ خطبہ میں جب امام آیت: ﴿یا أیها الذین آمنوا صلّوا علیه وسلّموا تسلیماً﴾ (الآیة) پڑھتا ہے تو سب مقتدی درود شریف زور سے پڑھتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

اذان خطبہ کا جواب اوراس کے بعد دعا:

(۲) خطبہ کی اذان کا جواب دیتے ہیں اور بعد ختم اذان کے دعا پڑھتے ہیں۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

ختم سنت کے بعد اجتماعی دعا بدعت ہے:

(۳) نماز ختم ہونے کے بعد جب امام سنتوں سے فارغ ہو جاتا ہے تو زور زور سے دعا مانگتا ہے اور جو مقتدی فارغ ہو چکے ہوتے ہیں، وہ اس کے ساتھ دعا میں شریک ہوتے ہیں، یہ دعا لمبی چوڑی ہوتی ہے اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں۔ان امور متذکرہ بالا کا کیا حکم ہے؟

الجواب

(۱) یہ جائز نہیں ہے؛ بلکہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ اس وقت درود شریف دل سے پڑھے، زبان سے نہ پڑھے۔

لا یجوز أن یصلوا علیه بالجهر بل بالقلب. (۱)

(۲) یہ بھی جائز ہے۔

قال فی الدرالمختار. وینبغی أن لایجب بلسانه اتفاقاً فی الأذان بین یدی الخطیب. (۲)

(۳) یہ امر بھی سنت سے ثابت نہیں، لہٰذا بدعت ہے اسکو ترک کیا جائے۔ بدعت کی مذمت میں احادیث بکثرت وارد ہیں اور قبح اس کا ظاہر ہے اور جس امر سے نمازیوں کی نماز میں خلل ہو، اس کو فقہا منع لکھتے ہیں۔ پس اصرار کرنا ایک امر بدعت پر نہایت مذموم ہے۔

قال علیه الصلاة و السلام: کل بدعة ضلالة. (الحدیث) **وقال علیه السلام: من أحدث فی أمرنا هذا ما لیس منه فهو رد.** (الحدیث) فقط واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۳۳-۱۳۴)

خطبہ کے درمیان درود شریف اور رضی اللہ عنہ پڑھنا:

سوال: خطبہ کے دوران حضورا کا نام آنے پر ''درود شریف'' پڑھنا، یا صحابہ کرام کا نام آنے پر ''رضی اللہ عنہ'' کہنا کیسا ہے؟ (محمد محبوب علی، ناگر، کرنول)

---

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة: ۷٦٨/۱، ظفیر

(۲) الدرالمختار، باب الجمعة: ۳۷۱/۱، ظفیر

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے درمیان گفتگو، یہاں تک کہ نماز سے بھی منع فرمایا ہے۔(۱) نماز کی ممانعت اجزاء نماز کو شامل ہے اور اجزاء نماز میں ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھی ہے؛ اس لیے خطبہ کے درمیان زبان سے درود شریف نہیں پڑھنا چاہیے۔ ہاں دل ہی دل میں پڑھے؛ تا کہ درود شریف پڑھنے کا عمل بھی ہوجائے اور خطبہ کے درمیان خاموش رہنے کے حکم پر بھی عمل ہوجائے، چناں چہ علامہ حصکفیؒ فرماتے ہیں:

(فیصلی المستمع سراً) بنفسه وینصت بلسانه عملا بأمری، صلوا، وانصتوا. (۲)

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں احکام پر عمل ہوجائے گا۔

نیز علامہ ابن نجیم مصریؒ فرماتے ہیں:

اختلفوا في الصلاة علیٰ النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم عند سماع اسمه والصواب أنه یصلي في نفسه. (۳)

جب درود شریف کے بارے میں یہ حکم ہے تو ’’رضی اللہ عنہ‘‘ کے بارے میں بدرجۂ اولی یہی حکم ہوگا؛ اس لیے ’’رضی اللہ عنہ‘‘ کا دعائیہ کلمہ دل ہی دل میں کہنے پر اکتفا کیا جائے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۶۵-۶۶)

دوران خطبہ مقتدی کا درود یا وظیفہ پڑھنا، یا سلام کرنا اور جواب دینا کیسا ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۱۶/اکتوبر ۱۹۳۱ء)

سوال: دوران خطبہ میں کوئی شخص درود، یا کوئی وظیفہ، یا تسبیح اپنے دل میں پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ السلام علیکم، یا وعلیکم السلام کہہ سکتا ہے، یا نہیں؟ خطیب جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہے تو خطبہ سننے والا صلی اللہ علیہ وسلم کہہ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

دوران خطبہ میں وظیفہ، تسبیح، درود پڑھنا، سلام کرنا، سلام کا جواب دینا، سب منع ہے۔ صحیح حدیث میں ہے: **من قال یوم الجمعة والخطیب یخطب انصت فقد لغا.** آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سن کر دل میں صلی اللہ علیہ وسلم کہہ لے، زبان سے نہ کہے، نہ زور سے، نہ آہستہ۔ (۴) فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۲۸۲)

---

(۱) ’’عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهما قال سمعت النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم: ’’إذا دخل أحدکم المسجد والإمام یخطب علیٰ المنبر فلا صلاة ولا کلام حتیٰ یفرغ الإمام‘‘. (رواه الطبراني في الکبیر بضعف) (جمع الفوائد: ۱/۴۱۳، رقم الحدیث: ۱۹۱۸، باب وقت الجمعة وندائها وخطبتها وما یتعلق بذلک)

(۲) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل ویجهر الامام: ۱/۵۴۵، دار الفکر بیروت، انیس

(۳) البحر الرائق: ۲/۲۷۱

(۴) إذا ذکر النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم لا یجوز أن یصلوا علیه بالجهر، بل بالقلب علیه الفتویٰ. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی وجوب شروط الصلاة: ۲/۱۵۸، ط: سعید)

خطبۂ جمعہ میں آیت درود کا وصل درود شریف کے ساتھ درست ہے:

سوال: ہمارے یہاں آیتِ درود کے وقت درود (جمعہ کے خطبہ میں) زور سے پڑھتے تھے تو میں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیتِ درود کو درود سے ملا کر پڑھنے لگا، جیسے: **یا أیھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً اللّٰھم صل وسلم،الخ** ، پڑھنا شروع کیا، اب جن کو موقع نہ ملا، وہ لوگ مجھ سے کہنے لگے کہ امام صاحب آپ آیت پر رکتے نہیں ہو۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ مذکورہ آیت کے ساتھ درود کو ملانے میں کوئی قباحت ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

اس طرح آیت کا وصل درود شریف کے ساتھ جائز اور درست ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(محمود الفتاویٰ: ۱/۵۱۵)

خطبہ میں خلیفۂ وقت کا نام لینا لازم نہیں ہے:

سوال: کیا زید کا یہ کہنا شرعاً جائز ہے کہ اگر خطبۂ جمعہ میں خلیفۂ وقت؛ یعنی سلطان المعظم ٹرکی کا نام بصراحت نہ پڑھا جائے تو وہ خطبہ ناقص ہوتا ہے اور اس نقص خطبہ کی وجہ سے نماز جمعہ فاسد ہوتی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

زید کا یہ قول کہ خطبۂ جمعہ میں خلیفۂ وقت کا بصراحت نام نہ لینے سے خطبہ ناقص اور نماز فاسد ہو جاتی ہے، صحیح نہیں ہے۔ خلیفۂ وقت کا خطبۂ جمعہ وعیدین میں نام لینا خطبہ کی ضروریات میں سے نہیں ہے، جس کے ترک سے خطبہ ناقص، یا کالعدم ہو جائے۔ ہاں عرصۂ دراز سے خطبائے مسلمین کا تعامل اس طرح جاری ہے کہ خلیفۂ وقت کا نام لے کر اس کے لیے دعا کرتے ہیں اور نام لینا اور دعا کرنا جائز تھا، پھر تعامل سے اس جواز کو اور زیادہ تقویت ہوگئی؛ اس لیے خطیب کو خلیفہ کا نام صراحۃً لینا اور اس کے لیے دعا کرنا ہی مناسب ہے اور جب کہ ترک ذکر میں کسی فتنہ کا اندیشہ ہو تو ذکر کرنا مؤکد ہو جاتا ہے۔

شامی میں ہے:

وأیضاً فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الآن من شعار السلطنة فمن ترکه یخشی علیه ولذا قال بعض العلماء لو قیل أن الدعاء له واجب لما فی ترکه من الفتنة غالباً لم یبعد، انتھٰی. (۱) **واللّٰه أعلم**

کتبہ محمد کفایت اللہ غفر لہ مدرس مدرسہ امینیہ دہلی (کفایت المفتی: ۳/۲۵۹-۲۶۰)

---

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب الجمعة، مطلب فی قول الخطیب قال اللّٰه تعالیٰ: ۲/۱۴۹

خطبۂ جمعہ میں سعودی بادشاہ کا نام لے کر دعا کرنا، یا ان کو برا بھلا کہنا شرعا کیسا ہے:

سوال: ایک خطیب نے جمعہ کے دوسرے خطبہ میں حجاز مقدس کے بادشاہ سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن السعود کا نام لے کر دعا کی۔ سامعین خطبہ کہتے ہیں کہ مسلمانان ہندان کو بادشاہ تسلیم نہیں کرتے، ان کا نام نہیں پڑھنا چاہیے اور بعض لوگ ان کو برا بھلا کہتے ہیں، ان کے لیے کیا حکم ہے؟

(المستفتی: ۴۹۲، حافظ اسماعیل بادہان، ۱۵ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، ۱۸/جون ۱۹۳۵ء)

الجواب

سلطان ابن سعود حجاز نجد کے حکمراں اور حرمین شریفین کے خادم ومحافظ ضرور ہیں؛ ان کے لیے خطبہ میں دعا کرنا بحیثیت خادم حرمین شریفین ہونے کے جائز ہے، ان کو برا بھلا کہنا گناہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۷/۳)

خطبۂ ثانی میں بادشاہ اسلام کے نام لیتے وقت منبر سے ایک سیڑھی نیچے اترنا کیسا ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۶/اگست ۱۹۲۷ء)

سوال: جمعہ کے خطبۂ ثانی میں جب بادشاہ اسلام کا نام لیا جاتا ہے تو کیا ممبر کی ایک سیڑھی سے اترنا ضروری ہے؟ حیدرآباد دکن کی اکثر بڑی بڑی مساجد، جامع مسجد، مکہ مسجد، چوک کی مسجد وغیرہ میں خطیب صاحب منبر سے ایک سیڑھی نیچے نہیں اترتے؛ مگر بعض مساجد میں ایک سیڑھی نیچے اترنے کا عمل ہوتا ہے؟

الجواب

خطبۂ جمعہ میں بادشاہ اسلام کے لیے دعا کرنا جائز ہے،(۲) اور اس کا نام لینے اور دعا کرنے کے وقت منبر کی سیڑھی سے اترنا ضروری نہیں، ایک فضول بات ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۱/۳)

(۱) أما ما اعتيد فی زماننامن الدعاء للسلاطين العثمانية أيدهم اللّٰه كسلطان البرين والبحرين وخادم الحرمين الشريفين فلا مانع منه. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی قول الخطيب قال اللّٰه تعالٰى: ۱۵۰/۲، ط: سعيد)

(۲) فان السلطان هٰذا الزمان أحوج الى الدعاء ولأمرائه بالصلاح والنصرعلى الأعداء ... فان الدعاء للسلطان على المنابرقد صارالآن من شعائرالسلطنة (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب قوى اللّٰه تعالٰى الخ: ۱۴۹/۲، ط: سعيد)

(۳) قال ابن حجرفی التحفة: "وبحث بعضهم أما اعتيد الآن من النزول فی الخطبة الثانية إلٰى درجة سفلى، ثم العود بدعة قبيحة شنيعة (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی حكم المرقى بين الخطيب: ۱۶۱/۲، ط: سعيد)

وَبَحَثَ أَنَّ مَا أُعْتِيدَ الْآنَ مِنْ النُّزُولِ فِي الْخُطْبَةِ الثَّانِيَةِ إلَى دَرَجَةٍ سُفْلَى، ثُمَّ الْعَوْدُ بِدْعَةٌ قَبِيحَةٌ شَنِيعَةٌ. (تحفة المحتاج فی شرح المنهاج، باب صلاة الجمعة: ۴۵۹/۲، دارإحياء التراث العربی بيروت، انيس)

خطبۂ جمعہ میں مخصوص حاکم کا نام لے کر دعا کرنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۰/نومبر ۱۹۳۱ء)

سوال (۱) مندرجہ ذیل عبارت کو خطبۂ جمعہ میں شامل کر کے پڑھنے کا حکم تمام مساجد بھوپال میں حکومت کی طرف سے جاری کر دیا گیا ہے، اس سے نماز جمعہ میں کوئی نقص تو نہیں آئے گا؟

"اللّٰھم أید الإسلام والمسلمین بالأمیر العادل والرئیس الفاضل الأمیر الحاج محمد حمید اللّٰہ خان لازالت رایات إقبالہ عالیۃ وآیات جلالہ تالیۃ ظل اللّٰہ علی العالمین والعالمین خلد اللّٰہ ملکہ الیٰ یوم الدین".

(۲) جس رئیس کا نام خطبہ میں لیا جائے، اس کا عامل شرع ہونا لازم ہے، یا نہیں؟

(۳) خطبہ میں جو صفات بیان کئے جاویں، وہ اس میں موجود نہ ہوں تو کیا حکم ہے؟

(۴) اور اس حکومت میں قانون شرع بھی جاری نہ ہو؛ بلکہ قانون انگریزی پر عمل درآمد ہوتا ہوا اور صرف چند دفعات قانون موافق شرع ہوں تو کیا حکم ہے؟

(۵) اور اگر رئیس کو خوش کرنے کی نیت سے کسی سرکاری آدمی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہو؟

(۶) جو الفاظ خطبہ میں شامل کئے جائیں، وہ دعائیہ ہونے چاہئیں، یا متکبرانہ؟

الجواب

خطبہ میں بادشاہ وقت کے لیے نصرت وفتح مندی اور ثبات علی الشریعت کی دعا کرنا جائز ہے۔(۱)

(۱) جن فقہا نے منع کیا تھا، ان کا مطلب یہ تھا کہ بادشاہ کی تعریف میں مبالغہ کرنا ناجائز ہے، نفس دعا جب کہ عامۂ مومنین کے لیے خطبہ میں ممنوع نہیں تو اولی الامر کے لیے ممنوع ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، پھر یہ کہ سلف سے متوارث بھی ہے؛ اس لیے جواز میں تردد نہیں ہے۔ ہاں بادشاہ کے ذکر میں ایسے الفاظ نہ کہنے چاہئیں، جو اطرائے ممنوع، یا کذب صریح میں داخل ہو جائیں۔ سوال میں جو عبارت مذکور ہے، وہ عدم جواز میں داخل ہو سکتی ہے، البتہ اگر اس کو اس طرح بدل دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو جائیگی۔

"اللّٰھم انصر أمیرنا أمیر الاسلام والمسلمین الأمیر محمد حمید اللّٰہ خان نصرۃ منک قویۃ

---

(۱) وینـدب ذکر الخلفاء الراشدین والعمین، لا الدعاء للسلطان وجوزہ القھستانی ویکرہ تحریماً وصفہ بما لیس فیہ، الخ. (الدر المختار)

و فی الرد: "بل لا مانع من استحبابہ فیھا کما یدعی لعموم المسلمین، فان فی صلاحہ صلاح العالم ... فان السلطان ھٰذا الزمان أحوج الی الدعاء لہ ولأمرائہ بالصلاح والنصر علی الأعداء ... فان الدعاء للسلطان علی المنابر قد صار الآن من شعائر السلطنۃ (رد المحتار، کتاب الصلاۃ باب الجمعۃ: ۱۴۹/۲، ط: سعید)

ووفقه لإقامة العدل ورفع إعلام الدين المبين وأيد بدوام دولته الإسلام والمسلمين ومتعنا بظله الممدود على العالمين آمين يارب العالمين''.

اس عبارت میں کسی فقہی روایت کی مخالفت نہیں ہے اور کوئی محذور شرعی نہیں ہے اور یہ مقصد کہ رئیس کا نام خطبہ میں آجائے اور اس کے لیے دعا ہو جائے بوجہ اتم حاصل ہو جاتا ہے۔

باقی یہ بات کہ دعا واجب ہے، یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بادشاہ کے لیے خطبہ میں دعا کرنا فی حد ذاتہ واجب تو کیا، مستحب بھی نہیں۔ ہاں اگر بادشاہ کسی مندوب، یا مباح کا حکم کرے تو اطاعت واجب ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ جائز امور میں اولی الامر کی اطاعت واجب ہے اور چوں کہ اولی الامر سے مراد مسلم بادشاہ ہیں؛ اس لیے اس حکم کا اطلاق غیر مسلم امراء پر نہیں ہوگا۔

اس جواب کے بعد سوال کے باقی نمبروں کا جواب بھی سمجھ میں آجائے گا۔ **واللّٰہ اعلم وعلمہ أتم وأحکم**

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۲/۳-۲۸۳)

ثانی خطبہ میں عشرۂ مبشرہ کا ذکر کرنا کیسا ہے:

سوال: ثانی خطبہ میں تمام عشرہ مبشرہ کے نام لینا کسی دلیل سے ثابت ہے یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

''ويندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمين، لا الدعاء للسلطان، وجوزه القهستاني''. (۱)

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ ثانی خطبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل واصحاب وازواج مطہرات وبنات طاہرات خصوصاً حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا وخلفاءِ راشدین وعمین محترمین حضرت حمزہ وحضرت عباس رضی اللہ عنہم اجمعین کے لیے دعا کرنا مستحب ہے، اس حکم میں حضرات عشرہ مبشرہ بھی ہیں؛ یعنی ان کے لیے بھی دعا جائز ومستحب۔ (۲)

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۹۸/۳)

خطبہ میں ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما'' کہنا:

سوال: ثانی خطبہ میں ''عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما'' کہنا کیسا ہے؟

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۹/۲، دار الفکر بیروت، انیس

(۲) وأما ترضي الخطيب في خطبته عن الخلفاء من الصحابة وبقية العشرة وباقي الصحابة وأمهات المؤمنين وعترة النبي صلى الله عليه وسلم رضي الله عنهم أجمعين فهو من باب المندوب لا من باب البدعة وان كان لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ولا الخلفاء بعده ولا لصحابة رضي الله عنهم لكن فعله عمر بن عبد العزيز لأمير كان وقع قبله ... وقال مالك رحمه الله تعالى في حقه: هو من إمام هدى وأنا اقتدى به. (كتاب المدخل، لابن الحاج، فصل في الهبوب من النوم ولبس الثوب، الخ: ۲۷۰/۲، انیس)

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ و باللّٰہ التوفيق

ثانی خطبہ میں جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان کا مسلمان ہونا ثابت نہیں، لہٰذا ''رضی اللہ عنہما'' بصیغۂ تثنیہ نہ کہا جاوے؛ بلکہ ''رضی اللہ عنہ'' کہا جاوے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۹۹)

خطبۂ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا ذکر:

سوال: اگر خطبہ اولیٰ میں خلفائے راشدین کا ذکر ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ خطبۂ اولیٰ میں تسبیح وتہلیل اور تحمید وقرأت قرآن اور درود بر نبی علیہ السلام ہو اور خطبۂ ثانیہ میں خلفائے راشدین اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں چچا و دیگر صحابہ کرام اور مومنین صالحین کا ذکر کیا جائے، جیسا کہ دیارِ مشرق ومغرب کے علماء کا معمول اور طریقہ ہے۔

وقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ما رآہ المسلمون حسناً فھو عند اللّٰہ حسن.

لیکن اگر خلفائے اربعہ کا ذکر پہلے خطبہ میں آجائے تو نمازِ جمعہ میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔

رسائل الارکان میں ہے:

وينبغی أن يدعوا للمسلمين ويبدأ بذكر الخلفاء الراشدين ومدحهم والدعاء لهم لأن الرحمة تنزل بذكر الصالحين ويرجی قبول الدعاء للسلمين ببركة ذكرهم و هو المتوارث من وقت التابعين إلی الآن ولم ينكر ذلک أحد فهو أمر مندوب قريب إلی السنة للاجماع الفعلی علٰی ذلک وهو من شعار الدين فلا يترک، إنتهٰی.

اور رعالمگیریہ میں ہے:

وذكر الخلفاء الراشدين والعمين رضی اللّٰہ تعالٰی عنهم أجمين مستحسن بذلک جری التوارث، كذا فی التجنيس، إنتهٰی. (۲) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحیٔ اردو:۲۴۹)

خطبۂ اولی میں خلفاء راشدین کے نام:

سوال: ہماری مسجد میں ایک عالم صاحب کا تقرر ہوا ہے، وہ جمعہ کے خطبۂ ثانیہ کے بجائے خطبۂ اولی میں خلفائے راشدین کا نام لیتے ہیں اور پوچھنے پر کہتے ہیں کہ ''خطب علمی'' میں ایسا ہی ہے؟ (محمد عمادالدین، شاہ پور، گلبرگہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

اس میں کچھ حرج نہیں، دونوں میں سے کسی بھی خطبہ میں خلفاء راشدین کے نام لیے جاسکتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۵۴)

---

(۱) رسائل الأركان، بيان شرائط الجمعة، ص:۱۱۶، المطبع العلوی لكناؤ، انيس

(۲) الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة:۱/۱۴۷، انيس

خطبہ میں خلفاء راشدین کے نام لینے کا ثبوت:

سوال: آج کل بہت سے علماء خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام لیتے ہیں، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایسا کیا تھا؟ یا اپنی وفات کے بعد ایسا کرنے کو کہا تھا؟ (محمد قمر الدین ودیگر افراد، مشیر آباد)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خلفاء راشدین ث کا نام نہیں لیا جاتا تھا اور اس وقت ظاہر ہے کہ یہ حضرات خلیفہ بنے بھی نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی نہیں فرمایا؛ اسی لیے خطبہ میں خلفاء راشدین کا نام لینا فرض، یا واجب نہیں؛ لیکن بہتر ہے اور ایک زمانہ سے علما اور صالحین کا اس پر عمل رہا ہے، چنانچہ علامہ شرنبلالیؒ کہتے ہیں:

"وذکر الخلفاء الراشدین والعمین مستحسن، بذلک جری التوارث". (۱)

خلفاء راشدین کے نام لینے کا سلسلہ یوں شروع ہوا کہ حضرت عثمان غنیؓ کے بعد ہی سے اہل سنت والجماعت کے علاوہ دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک گروہ روافض کا تھا، جو خلفاء ثلاثہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شان میں بدگوئی کرتا تھا۔ دوسرا گروہ ناجیہ کا تھا، جو سیدنا حضرت علیؓ اور اہل بیت کو برا بھلا کہتا تھا، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ قابل احترام ہیں، صحابی کی بھی محبت دل میں ہونی چاہیے اور اہل بیت بھی ہمارے چشم محبت کا سرمہ ہیں؛ اس لیے خاص طور پر خطبہ میں خلفاء راشدین اور بعض اہل بیت کے تذکرہ کا سلسلہ شروع ہوا؛ تاکہ تمام صحابہ کی عظمت دل میں قائم ہو اور لوگ سوء اعتقاد اور فکری آوارگی سے محفوظ رہیں، جب تک یہ دونوں طبقے باقی رہیں گے، جو صحابہ کی بابت بدگمانی رکھتے ہوں، خلفاء راشدین کا تذکرہ مستحسن رہے گا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۵۴-۵۵)

خطبہ میں خلفاء راشدین کے لیے امیر المؤمنین کا استعمال:

سوال: جمعہ کے خطبہ ثانیہ میں خلفاء راشدین کے اسم گرامی کے ساتھ نہ "امیر المؤمنین" کہا جاتا ہے اور نہ "حضرت"؛ بلکہ عام شخصیتوں کی طرح ان کے نام لیے جاتے ہیں۔ (صدیقی، ملک پیٹ)

الجواب

امیر المؤمنین اس شخص کو کہتے ہیں، جو موجودہ وقت میں مسلمانوں کا امیر ہو اور حضرت کا لفظ عربی زبان میں احترام کے طور پر استعمال نہیں کیا جاتا؛ اس لیے یہ الفاظ خلفاء راشدین کے اسماء گرامی کے ساتھ نہیں بولے جاتے، البتہ "رضی اللہ عنہ" کہا جاتا ہے، جو ان سب سے بڑھ کر احترام کو ظاہر کرتا ہے، بنیادی طور پر اس کا تعلق عربی زبان کی تعبیر اور اسلوب سے ہے، عربوں کے یہاں القاب وآداب کا عجمیوں کی طرح رواج نہیں تھا؛ اس لیے عربی زبان میں بھی اس طرح کا استعمال نہیں ملتا۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۵۵-۵۶)

---

(۱) مراقی الفلاح علی الطحطاوی، باب الجمعة، ص: ۵۱٦، دار الکتب العلمیة، بیروت، انیس

خطبہ میں خلفاء راشدین کی کنیت:

سوال: دوران خطبہ خلفاء راشدین کے نام کے ساتھ ابن خطاب، ابن عفان، ابن ابی طالب کا نام لیا جاتا ہے؛ لیکن خلیفہ اول کے نام کے ساتھ ان کے والد کا نام نہیں لیا جاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ خطاب، عفان اور ابوطالب ایمان لائے، یا نہیں؟ (محمد عرفان، سنگا ریڈی)

الجواب

ایسا نام جو والد، یا اولاد کی طرف منسوب ہو ''کنیت'' کہلاتا ہے، بعض لوگوں کی کنیت والد کی نسبت سے مشہور ہو جاتی ہے اور بعض کی اولاد کی نسبت سے۔ حضرت ابوبکرؓ کی نسبت اپنی اولاد سے زیادہ معروف تھی اور خلفاء ثلاثہ کی اپنے والد سے؛ اسی لیے حضرت ابوبکرؓ کا نام ابوبکر سے لیا جاتا ہے اور بقیہ حضرات کی نسبت ان کے والد کی طرف کی جاتی ہے؛ کیوں کہ وہ اسی نسبت سے مشہور تھے، اس کی کوئی اور وجہ نہیں۔ خطاب، عفان اور ابوطالب کا ایمان لانا ثابت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ:۵۶/۳)

خطبہ میں حاکمِ وقت کے لیے دعا کرنا:

سوال: حاکمِ وقت کے حق میں عدل واحسان کی دعا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ (كذا في القهستاني) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۵۱)

خطبۂ جمعہ میں سلطان، یا نواب ریاست کے لیے دعا کرنا:

سوال: ہندوستان میں سلطان کے لیے خطبہ ثانیہ میں نام لے کر دعا ان لفظوں سے کرنا:

''اللّٰهم أيّد الإسلام والمسلمين بدوام رياسة عبدك و ابن عبدك لجلال كبرياءك وعظمتك الرئيس المكرم والأمير المعظم النواب ابن النواب النواب زيد بن عمر مبارز الدولة نصرت جنك بهادر أدام اللّٰه صولته وشوكته وأعلى اللّٰه درجته ورتبته، اللّٰهم وفقه لطاعتك واسلكه على مسالك واجعله ممن يلزم نبيك محمد صلى اللّٰه عليه وسلم و عظم حرمته وأعز كلمته و انصر حزبه ودعوته''.

اب سوال یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسا لفظ ہے، جو کہ مانع جواز ہو۔ مزید گذارش ایں کہ دعاء مذکور ایسے بادشاہ کے لیے جو کہ متبع شریعت ودیندار نہ ہو اور فسق وفجور میں مبتلا ہو تو اس کا پڑھنا کیا حکم شریعت رکھتا ہے؟ اور اگر فاسق معلن ہو تو کیا حکم شریعت ہے؟ اور اگر ظالم ہے تو کیا حکم شریعت ہے؟ اور ''انصر حزبه و دعوته'' ایسے بادشاہ کے لیے جس کی فوج بمقابلہ کافر لڑنے کے لیے تیار ومقرر ہو۔ اب دعاء نصرت جماعت کا تعلق کس جزو سے ہوگا؟ اور اگر دعا مذکور کے ساتھ

حدیث شریف ”السلطان ظل الله في الأرض، الخ“ زائد کی جاوے تو کیا کوئی منع شرعی زائد لازم آجائے گا اور اگر یہ دعا عبارت منقولہ شرعاً مانع جواز ہو تو اس کا حکم تلاوت خطبہ ثانیہ میں حکم سماع کیا ہے؟ اور اگر تلاوت وسماع دونوں عدم جواز ہو تو کیا خطبہ ثانیہ کا سماع ترک کردے اور کہیں دور جا کر بیٹھے کہ جہاں آواز اس کے کان میں نہ پڑے، یا کیا صورت کی جاوے؟ اور بصورت عدم جواز عبارت منقولہ کو خطبہ ثانیہ سے نکالنے کی کوشش نہ کرنے میں ماخوذ اخروی ہوں گے؟

الجواب

قال في الدر المختار: ويندب ذكر الخلفاء الراشدين و العمين لا الدعاء للسلطان وجوزه القهستاني ويكره تحريماً وصفه بما ليس فيه، إنتهٰى.

وقال الشامي باستحباب الدعاء للسلطان والعادل وأثبت له عمل أبي موسٰى ثم قال بعدم جواز ذكر الظلمة بما ليس فيهم ووصفهم بالعدل وقال نقلاً عن البزازية فلذا كان أئمة خوارزم يتباعدوا عن المحراب يوم العيد أولجمعة. (شامی، باب الجمعة: ۱/ ۸٤۹)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مسلمان بادشاہ کے لیے خطبہ میں دعا کرنا جائز ہے؛ لیکن ان کی مدح وثنا میں مبالغہ کرنا جائز نہیں اور اگر بادشاہ ظالم ہو، ان کی مدح کا سننا بھی مناسب نہیں؛ بلکہ چاہیے کہ دور جا بیٹھے؛ تاکہ آواز کان میں نہ آئے جو الفاظ سوال میں مذکور ہیں ان میں کوئی لفظ فی نفسہ ناجائز نہیں۔ ہاں اگر حاکم ظالم، یا فاسق معلن ہے تو اس کے لیے ایسے الفاظ کہنا اور بالاختیار سننا جائز نہ ہوگا۔ نیز اگر اس کا لشکر کفار کی حمایت ناجائز کرتا ہو تو اس کے لشکر کے لیے دعا فتح کرنا جائز نہیں۔ **والله تعالٰی أعلم** (امداد المفتین: ۲/ ۳۳۴-۳۳۵)

خطبہ جمعہ میں بادشاہ وقت یا کسی امیر وصدر کا نام لینا درست نہیں:

سوال: ۲۲/ اگست ۱۹۴۷ء کو جمعہ کے خطبہ کے ساتھ ہی ساتھ ولایت پاکستان میں قائداعظم صاحب کے نام کا بھی خطبہ پڑھا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس قسم کا خطبہ جائز ہے، یا نہیں؟

اگر جائز ہے تو کیوں کر اور کس شرعی حیثیت سے جب کہ قائداعظم صاحب پابند شرع بھی نہیں اور دوسرے یہ کہ وہ شیعہ جماعت میں سے ہے۔

دیگر اسلامی اقالیم مثلاً عرب، مصر مشرق اردن اور ترکستان وغیرہ میں جمعہ کی نماز میں بادشاہ کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا تو پھر دیار پاکستان میں جہاں کہ کوئی نیک امیر، یا بادشاہ نہیں ہے، وہاں اس طرح کی خطبہ خوانی کیسے مباح ہوسکتی ہے، نیز پاکستان اسلامی حکومت بھی تو نہیں اور وہاں اسلامی قوانین نافذ ہونے کی توقع بھی نہیں۔ براہ کرم مذکور الصدر سوالات کا شافی جواب مدلل بدلائل شرعیہ بہت جلد مرحمت فرمائیں؟

الجواب

قال في البحر الرائق: وأما الدعاء للسلطان في الخطبة فلا يستحب لما روى أن عطاء وسئل من

ذلک فقال أنه محدث وإنما كانت الخطبة تذكيراً وفي الخلاصة وغيرها الدلو من الإمام أفضل من التباعد على الصحيح ومنهم من اختار التباعد حتى لا يسمع مدح الظلمة في الخطبة. (البحر الرائق: ۲/ ۱۶۰)

عبارت مرقومہ سے معلوم ہوا کہ جس جگہ صحیح طور پر اسلامی سلطنت ہو اور سلطان بھی متشرع ہو، وہاں بھی خطبہ میں سلطان کا نام لے کر دعا وغیرہ کرنا مستحب نہیں اور جب کہ سلطنت ہی حقیقی معنی میں اسلامی نہ ہو، یا سلطان متشرع نہ ہو تو ایسا کرنا درست نہیں، اس سے اجتناب چاہیے۔ فاللہ تعالیٰ اعلم

(اضافہ) دیوبند، ۲۴ شوال ۱۳۶۱ھ (امداد المفتین: ۲/ ۳۳۵)

خطبۂ جمعہ میں خلفاء راشدین کا ذکر:

سوال: خطبۂ جمعہ میں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ذکر خیر کس سنہ ہجری اور تاریخ میں شامل ہوا ہے؟

الجواب

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا خطبہ میں تذکرہ مستحسن ہے۔

''مراقی'' میں ہے: **وذكر الخلفاء الراشدين والعمين مستحسن بذالك جرى التوارث.** (۱)

ضروری ہی تصور کیا جائے، حضرات خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام علیہم اجمعین کے تذکرے کی ابتدا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (المتوفى: إحدى ومأة. (الإكمال، ص: ۶۱۰) نے کی تھی۔ علامہ ابن الحاج تذکرہ خلفاء فی الخطبۃ کے متعلق فرماتے ہیں:

"وأما ترضى الخطيب في خطبته عن الخلفاء من الصحابة وبقية العشرة وباقي الصحابة وأمهات المؤمنين وعترة النبي صلى الله عليه وسلم رضي الله عنهم أجمعين فهو من باب المندوب لا من باب البدعة وان كان لم يفعله النبي صلى الله عليه وسلم ولا الخلفاء بعده ولا الصحابة رضي الله عنهم لكن فعله عمر بن عبد العزيز الأمير كان وقع قبله ... وقال مالك رحمه الله تعالى في حقه: هو من إمام هدى وأنا اقتدى به". (۲) فقط واللہ اعلم

محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۴/ ۶/ ۱۴۰۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/ ۷۶)

جمعہ کے خطبہ میں منکرین ختم نبوت کی تردید کرنا:

سوال: اس موجودہ پرفتن دور میں عام طور پر مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کی اہمیت جتلانے اور صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کی خاطر کیا، اس وقت خطبا اپنے خطبات میں جمعہ کے روز فقط عربی زبان میں مندرجہ ذیل الفاظ بڑھا سکتے ہیں؛ تا کہ مذہب اہل سنت والجماعت کی پوری ترجمانی ہو سکے، جو درحقیقت اسلام اور دین حق ہے۔

---

(۱) مراقي الفلاح على حاشية الطحطاوي، باب صلاة الجمعة، ص: ۵۱۶، دار الكتب العلمية بيروت، انیس

(۲) كتاب المدخل، لابن الحاج، فصل في الهبوب من النوم ولبس الثوب، الخ: ۲/ ۲۷۰، انیس

خطبہ معروفہ کے اولیٰ خطبہ میں ''ونشهد إن من ادعى النبوة بعد سيدنا صلى الله عليه وسلم سواءٌ كان تشريعًا أوغيرتشريعي كمسيلمة الكذاب وغلام أحمد القاديانی كذاب دجال كافرمرتد خارج عن الإسلام لانبی بعد سيدنا صلى الله عليه وسلم تسليمًا كثيراً كثيراً'' اوردوسرے خطبہ میں بھی مندرجہ ذیل الفاظ قابل اضافہ ہیں ''اللّٰهم اشدد وطأتک علی المرزئين ومن يتولهم من المنافقين والكافرين أعدائک الدين اللهم إنا نجعلک فی نحورهم ونعوذبک من شرورهم''.

الجواب

خطبۂ جمعہ کے اندر الفاظ مندرجہ بالا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا تذکرہ ہو اور دیگر مدعیان نبوت کی تردید ہو پڑھنا جائز ہے؛ بلکہ جس ملک، یا علاقہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے خلاف کوششیں ہورہی ہوں، وہاں اس قسم کے الفاظ ضرور پڑھنے چاہئیں اور مسلمانوں کو خصوصاً حکام اسلام کو ان الفاظ پر اعتراض نہ کرنا چاہیے، ورنہ ان کے ایمان کے سخت ضعف کا خطرہ ہے، جمعوں، خطبوں اور دعاؤں میں اللہ سے موجودہ دور کے فتنوں سے پناہ مانگنا عین عبادت ہے اور عبادات سے روکنا کسی مسلمان کے لیے لائق نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ، خادم الافتاء خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ:۳/۹۲)

''اللّٰهم اغفر للعباس وولده'' کی تحقیق:

سوال: جمعہ کے دوسرے خطبے میں ''اللّٰهم اغفر للعباس وولده مغفرة ظاهرة وباطنة'' پڑھا جاتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ظاہری وباطنی گناہ کیا کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) اس لیے ان کے لیے دعاءِ مغفرت کی جاتی ہے، جب کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿رضى الله عنهم﴾ تو پھر حضرت عباسؓ کے ظاہری وباطنی گناہ کا اقرار کیوں کیا جارہا ہے۔

(۱) سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عباسؓ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل نہیں؟ (نعوذ باللہ)

(۲) اس پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی صحابی کا نام لے کر دعا نہیں کی جاتی؛ بلکہ رضی اللہ الخ پڑھا جاتا ہے، صرف حضرت عباس کے لیے یہ دعا کیوں مخصوص ہے۔ خطبہ میں جب حضرت عباسؓ کے ظاہر وباطنی گناہ کا اقرا کیا جاتا ہے تو رافضیوں کا کہنا یہ درست ہے کہ حضرت عباس گناہ گار تھے اور گناہ کرتے رہے؛ اس لیے قیامت کے روز اندھے اٹھائے جائیں گے۔ (نعوذ باللہ)

الجواب

حضرت عباسؓ کی بابت بالا الفاظ کے ساتھ دعائیہ کلمات وحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔

وملاحظہ فرمادیں، مشکوٰۃ شریف:۲/۵۷۰:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: قال رسو ل الله صلى الله عليه وسلم للعباس :إذا كان عداة الإثنين فأتني أنت وولد ک حتیٰ أدعولكم بدعوة ينفعک الله بها وولدک فغد أوغدونا معه وسالبسنا كسائه ثم قال:اللّٰهم اغفرللعباس رضي الله عنه وولده مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادرذنبا،إلخ.(۱)

جس کسی نے اس حدیث سے استنباط کیا ہے کہ حضرت عباسؓ ظاہر و باطنی گناہ میں مبتلا تھے، یا وہ صحابہ میں شامل نہیں تھے۔ یہ اس قائل کے سوءِ فہم کا نتیجہ ہے۔ حقیقت سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ صحیح بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد اسحاق غفراللہ لہ، الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۹۶/۳)

جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لیے عدل وانصاف کی دعا کرنا:

سوال: کیا جمعہ کے خطبہ میں حاکم وقت کے لیے عدل اور رعایا کے ساتھ حسن سلوک کی توفیق کی دعا کرنا درست ہے؟

الجواب

درست ہے؛ مگر تعریف والقاب میں مبالغہ نہ کریں، دعا تک ہی محدود رکھیں۔

وجاز الدعاء للسلطان بالعدل والإحسان،آه.(حاشية الطحطاوى، ص: ۲۸۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۱۲/۳)

خطبۂ جمعہ میں صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام کیوں:

سوال یہ ہے کہ علامہ حبیب الرحمٰن کاندھلوی کے ایک کتابچہ بنام شب برأت کیا ہے؟ ص:۶۶ سے ایک اقتباس نقل کررہا ہوں:

''۳۲۲ھ میں بنی بویہ رافضی بغداد پر قابض ہوگئے اور ان میں سے معزالدولہ نے ۳۵۱ھ میں مساجد کے دروازوں اور محرابوں پر خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ پر لعنت لکھوائی، جس سے عوام اور حکومت میں چپقلش پیدا ہوئی۔ آخر کار یہ لعنت بغیر نام کے تحریر کی گئی اور سنیوں کو اس فیصلہ پر مجبور کیا گیا کہ خطبۂ جمعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک صاحبزادی کا تذکرہ ہو، عشرہ مبشرہ کے نام رضی اللہ عنہم کے نام خطبہ سے خارج کئے جائیں۔ اس وقت سنی خلافت راشدہ میں صرف تین خلفاء کے قائل تھے، انہیں مجبور کیا گیا کہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ مانا جائے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام خطبہ سے خارج کیا جائے''۔

معزالدولہ کے فیصلوں پر (حیرت اور افسوس کا مقام ہے) ہمارے ائمہ مساجد اپنے خطبوں میں عمل پیرا ہیں۔ اسی معزالدولہ نے عشرہ محرم میں ماتم جاری کرایا، اسی نے شب غدیر منانے کا حکم دیا اور اسی کے حکم سے مشہد حسینؓ دوبارہ تعمیر ہوا۔

(۱) مشكوة المصابيح، أبواب المناقب، باب مناقب أهل البيت: ۵۷۰/۲، قديمی، انيس

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، پھر کیا وجہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک یعنی سب سے چھوٹی صاحبزادی کا نام لیا جاتا ہے اور بڑی تین صاحبزادیوں کا نام قصداً نہیں لیا جاتا، بڑی تین صاحبزادیوں کی شادی بنی امیہ میں ہوئی اور ان سے اولاد بھی تھی۔ میرا خیال ہے کہ اس حقیقت سے آپ بھی واقف ہوں گے، چناں چہ اس غفلت اور کوتاہی کی وجہ سے ہمارے سنی عوام بھی یہی سمجھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک ہی بیٹی تھی، جیسا کہ رافضیوں کا عقیدہ ہے۔ نمازِ جمعہ میں آپ حاضرین سے معلوم کرنے کی کوشش کریں، اکثریت کا یہی گمان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی تھی۔

(۲) کیا سیدۃ النساء بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، یا ام المؤمنین سیدۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا؟

(۳) محترام! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے علمائے کرام کی اس لغزش، کوتاہی اور غفلت کی طرف کبھی توجہ مبذول کیوں نہیں ہوئی؛ تاکہ اس کوتاہی کا ازالہ ہوسکتا۔ تقریباً گیارہ صدیاں بیت گئی ہیں؛ لیکن ہمارے خطیب وہی پرانی لکیر پیٹ رہے ہیں۔

قیامت کے روز آپ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دیں گے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ بیٹھے کہ کیا حماقت تھی کہ برسرِ منبر تم لوگ میری ایک ہی بیٹی کا اعلان کرتے رہے، باقی میری بڑی تین بیٹیاں اور ان کی اولاد کہاں گئی؟ ذرا اس کا جواب سوچ کر رکھیں۔ والسلام

عبدالرشید، اے: ۴۸۲، بلاک ایچ شمالی ناظم آباد، کراچی

الجواب ــــــــــــــــــ باسمه تعالیٰ

چوں کہ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مقام دلائل کی بنا پر دیگر تین صاحبزادیوں سے اونچا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو "**سیدۃ نساء أهل الجنة**" (۱) کا خطاب دیا ہے؛ اس لیے خطبا اپنے خطبات میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کا نام صراحۃً نہ لینا ان کے بناتِ نبی نہ ہونے کی دلیل ہرگز نہیں۔ دیکھئے بالاتفاق حضرت ابراہیمؓ، قاسمؓ اور طاہرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے؛ مگر ان کے نام بھی خطبہ میں نہیں لیے جاتے، حالاں کہ بہت مسلمان اس سے باخبر ہوں گے۔

پس کسی چیز کے ذکر کرنہ کرنے سے اس کا نہ ہونا، یا تسلیم نہ کرنا لازم نہیں آتا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تمام کے تمام خدا کے برگزیدہ بندے، مشکوٰۃ نبوت سے براہ راست صحبت یافتہ اور ہمارے لیے باعث نمونہ ہیں؛ لیکن فرداً فرداً تمام صحابہ کے نام نہیں لیے جاتے اور نہ ہی اتنے قلیل وقت میں یہ ممکن ہے؛ اس لیے بعض صحابہؓ کے نام لیے جاتے ہیں اور باقی کا ذکر خیر اجمالاً کیا جاتا ہے۔ جن صحابہ کا نام لیا جاتا ہے، اس کی وجہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان کو فضائل میں دیگر صحابہ پر برتری حاصل ہے۔ یہی حال دخترانِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔

---

(۱) (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفتن، باب مناقب أهل بیت: ۵۷۱/۲

رہا شیعوں کا بغض، عناد، تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی، صلبی اور نسبی بیٹیوں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل سے خارج کرنا تو شیعہ اس سے بڑھ کر غلط اور باطل نظریات کے معتقد ہیں۔

درحقیقت شیعہ تو سوائے چند کے کسی صحابی کے صحابی ہونے کو نہیں مانتے، تفصیل کا موقع نہیں، شیعہ کی معتبر کتب میں اس کی خوب صراحت ہے، شیعہ لوگ صرف دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اہل بیت کی محبت کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، حالاں کہ اہل بیت سے بھی ان کو کوئی سچی عقیدت ومحبت نہیں۔ ہمارے سادہ لوح اور ناواقف مسلمانوں پر ان کے بہت سے عقائد کی حقیقت آشکارہ نہیں، جب کہ ان تمام خرافات اور واہیات سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے؛ لیکن کیا خطبۂ جمعہ کے قلیل وقت میں یہ سب کچھ ممکن ہے؟ دوران خطبہ اگر عقیدہ امامت، تحریف قرآن وغیرہ عقائد کی تردید نہ کی جائے تو کیا اس سے ان غلط نظریات کا صحیح وصواب ہونا لازم آتا ہے؟

امر واقعہ یہ ہے کہ کئی خطبا جمعہ وعیدین میں بنات اربعہ کا نام لیتے ہیں، خطبات کی معروف ومتداول کتابوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ باقی دختران نبی کا ذکر بھی ملتا ہے، جو خطبا تمام بنات نبی کے نام نہیں لیتے (جیسا کہ سائل کا شکوہ ہے) ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بنات کے نام لینا چاہیے؛ تا کہ شیعوں کی اس غلط روش اور باطل نظریہ کی تردید ہو۔

شاید ایک تاریخی عامل ان خطبا کے موجودہ طرزِ خطابت کا سبب بن گیا ہو، جیسا کہ بعض فرقے مثلاً خارجی اور ناصبی وغیرہ کے خیالات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خلاف تھے اور خاتون جنت کو عقیدت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، ان کی غلط سوچ اور فکر کے ازالہ کے لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نام بھرپور انداز میں لیا جانا شروع ہوا۔ اب چوں کہ حالات تبدیل ہو چکے ہیں؛ اس لیے سائل کا مشورہ درست ہے کہ تمام بنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا جائے؛ لیکن ذکر کردہ تفصیل کے مطابق چوں کہ نام لینا کوئی واجب اور فرض نہیں؛ اس لیے کسی پر طعن وتشنیع اور ملامت کرنا بھی درست نہیں۔

اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ سنی تین خلفا کی خلافت کے قائل تھے اور انہیں مجبوراً حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ ماننا پڑا؛ کیونکہ یہ خارجیوں کا عقیدہ ہے، مسلمانوں کا نہیں۔

کتبہ: شعیب عالم، الجواب صحیح: محمد عبدالمجید دین پوری، بینات، ربیع الاول ۱۴۲۶ھ (فتاویٰ بینات: ۲/۲۹۲-۲۹۵)

''ارحم اُمتی باُمتی ابوبکر'' الخ والی حدیث ترمذی میں ہے:

سوال: اکثر خطیب حضرات خطبۂ جمعہ میں ایک حدیث شریف پڑھتے ہیں: **''قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أرحم أمتی بأمتی ابو بکر وأشدهم فی أمر الله عمر وأصدقهم حیاء عثمان وأقضاهم علی''.** دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسی حدیث میں اسی سند کے ساتھ ''وأقضاهم علی'' کے الفاظ آئے ہیں؟ اور کیا اس حدیث کو اسی طرح خطبۂ جمعہ میں پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب

یہ حدیث ترمذی میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو "حسن صحیح" کہا ہے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۵۲/۴)

خطبہ جمعہ میں کفار کو بددعا کرنا کیسا ہے:

سوال: خطبہ جمعہ میں مسلمانوں کے لیے دعائیہ کلمات کہنا اور کفار کے لیے بددعا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

خطبہ ثانیہ میں مسلمانوں کے لیے دعائیہ کلمات کہنا مستحب ہے۔

قال فی التجنیس: والثانیة کالأولیٰ إلا أنه یدعو للمسلمین مکان الوعظ، اھ. (ردالمحتار: ۷۵۹/۱)

فی نفسہ کفار و مشرکین پر لعنت کرنا جائز ہے، چناں چہ بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے؛ لیکن جزء خطبہ ہونے کی حیثیت سے اس کا استحباب منقول نہیں، لہٰذا عام حالات میں ترک انسب ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۳۹۶/۲/۱۵ھ، (خیر الفتاویٰ: ۴۷/۳)

تحقیق کراہۃ الخطبۃ یوم الجمعۃ بغیر العربیۃ:

سوال: ہر چند کہ خطبۂ جمعہ میں مضامین تذکیر کا ہونا متوارث ہے، جیسا حمد وتشہد وصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وترضی عن الخلفاء واہل البیت واستغفار للمومنین والمومنات کا اس میں ہونا متوارث ہے؛ مگر مقصود محض تذکیر نہیں؛ بلکہ خطبۂ جمعہ میں شان تعبد غالب ہے، جس کی ایک دلیل حضرت عمرو بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

"إنما جعلت الخطبة موضع الالرکعتین من فاتته الخطبة صلی أربعا". (إعلاء السنن: ۳۷/۸، وذکرت هناک معنی فوت الخطبة فلیراجع)(۲)

دوسری یہ کہ باتفاق علماء آیت ﴿**اذا قری القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلکم ترحمون**﴾ (۳) کا نزول ترک قرأت خلف الامام وانصات فی خطبۃ الجمعۃ کے متعلق ہوا ہے، جس سے خطبۂ جمعہ کا مثل صلوۃ ہونا ظاہر ہے۔

---

(۱) عن أنس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: أرحم أمتی بأمتی ابو بکر، وأشدهم فی أمر الله عمر، وأصدقهم حیاءً عثمان وأفرضهم زید بن ثابت وأقرأهم أبی بن کعب وأعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل ولکل أمة أمین وأمین هٰذه الأمة أبو عبیدة بن الجراح. (رواه احمد والترمذی، وقال هٰذا حدیث حسن صحیح وروی عن معمر عن قتادة مرسلا وفیه: وأقضاهم علی. (مشکوٰة: ٥٦٦، باب مناقب العشرة رضی الله عنهم، الفصل الثانی)

(۲) قال علامة ظفر أحمد عثمانی تحته: من لم یدرک الخطبة لا حقیقة ولا حکماً، وأما من جاء إلیٰ صلاة الجمعة بعد تمام الخطبة وأدرک الصلوٰة فانه مدرک للخطبة حکماً. (اعلاء السنن، أبواب الجمعة، باب خطبة الجمعة وما یتعلق بها: ٦٥/٨، ادارة القرآن کراچی، انیس)

(۳) سورة الأعراف: ٢٠٤، انیس

اگر خطبہ جمعہ سے مقصود تذکیر محض ہوتی تو بحالت خطبہ کسی کو بات کرنے سے روکنا اور انصت کہنا ممنوع نہ ہوتا؛ کیوں کہ یہ بھی تذکیر ہی کی تکمیل تھی؛ مگر بخاری ومسلم وغیرہما نے حدیث صحیح میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے،(۱) امام طحاویؒ نے اس حدیث کو متواتر کہا ہے۔(۲)

اور نماز میں غیر عربی میں ذکر ودعا مکروہ ہے ممنوع ہے۔

درمختار میں ہے:

”(ودعاء) بالعربية وحرم بغيرها ،نهر“.(۳)

یعنی درود شریف کے بعد نماز میں جو دعا کی جائے، وہ عربی میں کی جاوے، غیر عربی میں دعا (نماز کے اندر) حرام ہے۔ علامہ شامی نے لکھا ہے کہ منقول مذہب میں کراہت ہے، پھر کراہت میں تفصیل کی ہے؛ مگر تحقیق یہ ہے کہ نماز کے اندر تو غیر عربی میں دعا مکروہ تحریمی ہے اور نماز کے علاوہ مکروہ تنزیہی بمعنی خلاف اولی ہے اور جن لوگوں نے امام ابوحنیفہ کے قول جواز قرات بالفارسیہ سے جواز خطبہ بالعجمیہ پر استدلال کیا ہے، ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ امام صاحب اس قول سے رجوع فرما چکے ہیں اور قول موجوع عنہ بحکم منسوخ ہوتا ہے، جس سے استدلال باطل ہے۔ (ملاحظہ ہو، شامی: ۱/۵۴۳ واعلاء السنن: ۴/۱۳۷)(۴)

بہر حال خطبہ جمعہ عربی زبان میں ہونا چاہیے، مقامی زبان میں ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ رہا یہ کہ جب سامعین نہیں سمجھتے تو فائدہ کیا ہوا؟ اس کا جواب دینے کی ہم کو ضرورت نہیں، اگر سمجھنا ضروری ہے تو چاہیے کہ جب تک نماز کے اذکار وادعیہ کا مطلب معلوم نہ ہو، اس وقت تک نماز بھی لغو ہو؛ کیوں کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خطبۂ جمعہ مثل نماز کے ہے۔ دوسرے یہ سوال وہاں نہیں کیا جاتا، جب کوئی ویسرائے انگریزی زبان میں شاہی پیغام سناتا ہے اور سننے والوں میں ہزاروں اور لاکھوں آدمی انگریزی سے ناواقف ہوتے ہیں؛ مگر وہاں اہل دنیا کی عقل خود جواب دے دیتی ہے کہ شاہی پیغام شاہی زبان ہی ہونا چاہیے، رعایا کی زبان میں نہ ہونا چاہیے، یہی جواب یہاں کیوں نہیں دیا جاتا۔ شریعت مقدسہ نے نماز اذان اور خطبہ جمعہ کو عربی میں اس واسطے رکھا ہے؛ تا کہ سب مسلمانوں کو قرآن کریم سے مناسبت فی

(۱) عن أبی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبک يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت.(صحيح البخاری،باب الانصات يوم الجمعة: ۱/۱۲۷_۱۲۸،قديمی،انيس)

(۲) ولقد تواترت الروايات عن رسول الله صلى الله عليه وسلم بأن من قال لصاحبه أنصت والامام يخطب فقد لغا.(شرح معانی الآثار،باب الرجل يدخل المسجد يوم الجمعة: ۱/۲۲۵،مكتبة رحمانية كراتشی)

(۳) الدر المختار علٰی هامش رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل واذا أراد الشروع فی الصلاة كبر: ۱/۵۲۰، دار الفكر بيروت،انيس

(۴) (ان الامام رجع إلٰی قولهما بعدم جواز الصلاة بالقراءة بالفارسية الا عند العجز عن العربية.(رد المحتار، باب صفة الصلاة،مطلب فی الدعاء بغير العربية: ۱/۲۵۱،دار الفكر بيروت،انيس)

الجملہ حاصل رہے، اجنبیت محضہ نہ ہو جائے، اگر خدا نخواستہ یہ شعار اسلام بھی مقامی زبانوں میں ہونے لگے تو مسلمانوں کو قرآن وحدیث سے بہت بعد ہو جائے گا، جس کا دین کے لیے خطرناک ہونا ظاہر ہے۔ پس اس رواج کو بند کرنا چاہیے جو بعض شہروں میں ہونے لگا ہے کہ خطبہ جمعہ اردو میں دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳ / رمضان ۱۳۵۸ھ (امداد الاحکام: ۴۱۹/۲) ☆

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ میں قرآن شریف اور احادیث کی عبارت پڑھ لے، اس کا ترجمۂ زبان ہندی میں سمجھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک سے اب تک امت میں یہی تعامل وتوارث رہا کہ خطبہ میں اور کوئی چیز لاحق نہیں کرتے؛ اس لیے فقط خطبۂ عربی پر اکتفا کرنا چاہیے، ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں۔ ہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ درپیش شدہ میں کر دے جائز ہے۔

☆ خطبہ بزبان غیر عربی، یا ترجمہ غیر عربی میں دینا کیسا ہے:

سوال: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم، السلام علیکم ورحمة اللّٰہ وبرکاتہ ما ترشدونہ أیہا الکرام الراسخون فی العلوم الدینیة فی قراء ة الخطبة باللسان العجمی علیٰ قوم لایعلم العربی منہم إلا البعض فہل جائزة، أم لا؟ (ایسے حاضرین کے سامنے جن میں کچھ ہی عربی جانتے ہوں، عجمی زبان میں خطبہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟)

الجواب

مکروہة والدوام علی المکروہ یزیدہ کراہة والاکتفاء علی العجمی أشد فی الکراہة من اختلافہ بالعربی. (مکروہ ہے اور مکروہ پر دوام کراہت کو بڑھا دیتا ہے اور صرف عجمی زبان پر اکتفا کرنے کی کراہت عجمی اور عربی ملا کر پڑھنے کی کراہت سے شدید ہے۔)

سوال: فإن لم تجز فہل ہی کراہة أم غیرہا وماذا حکم الترحمة بالعجمی مع قراء ة العربی فی ہذہ الصورة؟ (پھر اگر جائز نہیں ہے تو مکروہ ہے، یا کیسا ہے؟ اور اندریں صورت عربی میں خطبہ پڑھ کر عجمی زبان میں ترجمہ کرنے کا کیا حکم ہے؟)

الجواب

إن کان أحیاناً لضرورة وقتیة بدون جعلہا جزء من الخطبة فلابأس. (کسی ہنگائی ضرورت کی وجہ سے کبھی کبھار (ترجمہ) خطبہ کا جزو بنائے بغیر گنجائش ہے۔) (تتمہ خامسہ: ۳۵۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۴۴/۱)

در اثنائے خطبہ ترجمہ وغیرہ کردن:

سوال: جمعہ کے خطبوں کے درمیان میں، یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ (تفصیل بعد والے سوال وجواب میں دیکھیں اور اس سلسلہ میں سوال: ۵۶۵، اور ۵۸۴ بھی ملاحظہ فرمادیں۔ سعید) ہکذا یستفاد من العالمگیریة. واللہ اعلم

۶ / رمضان ۱۳۱۹ھ (امداد: ۹۶/۱) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۴۵/۱)

يكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا أن يكون أمراً بمعروف، كذا في الفتح القدير. (۱)
ويروى رجوعه في أصل المسئلة إلى قولهما وعليه الاعتماد والخطبة والتشهد على هذا الاختلاف. (الهداية)(۲)

أقول: فلما ثبت الرجوع عنه في القراءة بالفارسية ثبت في الخطبة بها. فقط والله أعلم
(**امداد: ۱۰۳/۱**)(امداد الفتاویٰ جدید: ۶۴۵/۱-۶۴۶) ☆

شعار خواندن بزبان غیر عربی در خطبہ جمعہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل مفصلہ ذیل میں کہ خطبۂ جمعہ مشتمل براشعار اردو فارسی وغیرہ کے پڑھنا کیسا ہے، جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر ہے تو بلا کراہت جائز ہے، یا با کراہت؟ اور درصورت جواز کے کہ بلا کراہت ہو، اولیٰ کیا ہے اور کس طرح خطبہ کی عادت کرنی چاہیے، یعنی اردو وغیرہ کے اشعار والا خطبہ پڑھا کرے، یا فقط عربی کے الفاظ اور عبارات پر اقتصار لازم ہے کہ علی وجہ المسنون ادا ہووے اور طریقہ سلف صالحین اور عمل علمائے عاملین کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

(ازمولوی ارشاد حسین صاحب)

واللہ سبحانہ الموفق للصواب: اشعار فارسی وغیرہ خطبہ پڑھنا جائز ہیں، اس واسطے کہ جب خطبہ بقدر تشہد مسنون کے زبان عربی میں پڑھا اور کچھ اشعار فارسی، یا اردو وغیرہ میں تو خطبہ بقدر مسنون زبان عربی میں ادا ہو گیا اور اشعار فارسی وغیرہ واسطے تفہیم عوام کے اور پند ونصیحت کے کچھ منافی خطبہ کے نہیں۔ پس جواز اشعار فارسی وغیرہ میں کچھ تأمل نہیں اور اگر بالفرض خطبہ کسی زبان میں سوائے عربی کے پڑھا، جب بھی عند الامام ابی حنیفہ جائز ہوا اور اسی پر فتویٰ ہے۔

---

(۱) الفتاوٰی الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، انیس

(۲) الهداية، باب الجمعة: ۴۹/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت، انیس

☆ سوال: ما قولكم رحمكم الله ربكم اندریں مسئلہ کہ جمعہ کے خطبوں کے درمیان، یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

جواب سوال: جائز ہے، هكذا يستفاد من الهندية والله أعلم (فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول، مطبوعہ قومی پریس ۱۳۴۵ھ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اس وقت فتاویٰ اشرفیہ میرے پاس نہیں؛ اس لیے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا؛ لیکن غالب یہ ہے کہ میرا ہی (دیکھئے سوال نمبر: ۵۷۰ و ۵۶۱، سعید احمد) جواب ہے، مگر ابتدائی زمانہ کا ہوگا؛ اس لیے مجمل ہے، میری بعد کی تحریرات میں اس کی تفصیل مذکور اور بذریعہ طباعت مشہور ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسا کرنا گاہ گاہ کسی ضرورت سے قلیل مقدار سے مضائقہ نہیں، باقی اس کی عادت کر لینا، یا بلا ضرورت ایسا کرنا یا زیادہ حصہ کا ترجمہ، یا طویل وعظ کہنا اثنائے خطبہ میں خلاف سنت ہے۔

۲۴ رجمادی الثانی ۱۳۴۹ھ (النور، ص: ۶۱، ذی قعدہ ۴۹ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۴۶/۱)

قال في الدرالمختار: (وكفت تحميده أوتهليلة أوتسبيحة للخطبة المفروضة مع الكراهة وقالا: لابد من ذكر طويل وأقله قدرالتشهد الواجب، انتهٰى. (۱)

وقال أيضا: (وصح شروعه) ... (بتسبيح وتهليل) ... (وسائر لم التعظيم) ... (كما صح لو شرع بغيرعربية) أى لسان كان وشروطاً عجزه وعلىٰ هٰذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة، انتهٰى.

وقال في ردالمحتار وشرطاً عجزه أى عن التكبير بالعربية أوالمعتمد قوله بل سيأتى ما يفيد الاتفاق علىٰ أن العجزغير شرط، انتهٰى. (۲) اوران اشعار فارسی وغیرہ پڑھنے میں کراہت نہیں؛ (۳) لیکن سلف صالحین اور علمائے معتمدین سے منقول خطبہ بتمامہ زبان عربی میں ہے اور یہی اولیٰ ہے سبب موافقت سنت کے اور اسی کی عادت کرنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم

العبد محمد ارشاد حسین (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۴۶/۱، ۶۴۸)

(جواب دوم از حضرت مولانا مدظلہم برجواب مولوی ارشاد حسین صاحب)

اقول مستعینا باللہ سبحانہ وتعالیٰ دونوں (۴) جواب (۵) صحیح ہیں، واقعی خطبہ میں اشعار وغیرہ پڑھنا غیر مستحسن ہے اور مکروہ کے دو معنی ہیں: ایک بوجہ دلیل مستقل کے، دوسرے بوجہ مخالفت سنت کے۔ پس اگر اشعار مذکورہ تغنی کے ساتھ پڑھے جاویں تو مکروہ بالمعنی الاول ہے، ورنہ بالمعنی الثانی۔

يؤيده ما في آكام النفائس: وسئلت أيضاً عما اعتاده أكثرخطباء زماننا من قراء ة الخطبة بالعربية وتضمينها بعض الأشعارالفارسية أوالهندية هل يجوزذلك؟ فأجبت بأن قراء ة

(۱) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۱٤۸/۲، دار الفكر، بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب صفة الصلاة، فصل واذا أراد والشروع في الصلاة كبر: ٤۸۳/۱۔٤۸٤، دار الفكربيروت، انيس

(۳) اگر کراہت تحریمی کی نفی مقصود ہے تو صحیح ہے اور اگر کراہت تنزیہی کی نفی مقصود ہے تو صحیح نہیں اور جب اس پر اصرار ہوگا تو کراہت میں شدت ہو جائے گی اور اوپر جو استدلال میں کہا گیا ہے کہ بقدر مسنون زبان میں ادا ہو گیا، الخ۔ یہ اس لیے صحیح نہیں کہ خطبہ اگر قصیر ہو تو وہ تمام خطبہ ہے اور اگر طویل ہو تو وہ بھی علم خطبہ ہے، جیسا کہ قرأت مفروضہ میں تصریح ہے کہ اگر قدر فرض سے زائد قرأت ہو تو وہ مجموعہ فرض ہوگی اور امام صاحب کا رجوع جیسا صلوٰۃ میں ہے، اس کے حکم میں خطبہ کا ہونا بھی کتب فقہ میں مصرح ہے اور عبارت درمختار میں جو عجز کو غیر شرط کہا ہے، جس صحت؛ یعنی ادائے فرض کے لیے ہے، نہ کہ جواز کراہت کے لیے۔ اشرف علی عفی عنہ

(۴) سائل نے دو سوال کئے تھے، ایک خطبہ میں غیر عربی اشعار پڑھنے کے بارے میں اور دوسرا مولود خوانی میں قیام کے سلسلہ میں۔ مولوی ارشاد حسین صاحب نے دونوں کا جواب لکھا ہے، حضرت قدس سرہ دونوں کی تصحیح کر رہے ہیں، ترتیب میں ایک یہاں ہے اور دوسرا جلد پنجم (طبع زائد عبارت تھی، وہ جلد پنجم میں مذکور جواب کے ابتدا کی تھی، مرتب کے تسامح سے وہ یہاں لکھی گئی تھی، ہم نے اسے یہاں سے حذف کر دیا ہے اور وہاں لکھی ہے۔ سعید احمد

(۵) جواب اول کی تصحیح اس کے اس جزء مقصود کے اعتبار سے ہے؛ ''لیکن سلف صالحین (الی قولہ) عادت کرنا چاہیے''۔

الأشعار فيها إن كان بالغناء الممنوع عنه في الشريعة فلا ريب في كراهتها وإن كانت بالعربية لما في نصاب الاحتساب هل يجوز للمذكر أن يقرأ على المنبر دوبيتى كما اعتاده مذكرو زماننا؟ فالجواب أنه ورد في الحديث من أشراط الساعة أن توضع الأخيار وترفع الأشرار وأن تقرأ المثناة علىٰ رؤوس الناس والمثناة هي التي تسمى بالفارسية دوبيتى من صحاح الجوهرى والفقه في منعه أنه غناء وأنه حرام في غير المنبر فماظنك في موضع يعد للوعظ و النصيحة قال العبد أصلحه اللّٰه وقد ظفرت علىٰ هٰذا الحديث بعد ما كنت أجلس للعامة في المنابر بتوفيق اللّٰه أكثر من ثلاثين سنة فحمد اللّٰه علىٰ أني وإن كنت لم أعلم بحرمة هٰذا لفعل و لكني لم أذكر مثناة يعني دوبيتى قط في منبر أجلست فيه،انتهىٰ كلامه وإن لم يكن بالغناء فالكراهة لكونه مخالفاً للسنة داخلاً في أصناف البدعة وكذا قراء ة بعض الخطبة بالعربية و بعضها بالفارسية لا تخلو عن الكراهة للتقريرات السابقة فليحفظ هٰذا كله فإن الناس عنه غافلون يرتكبون أمراً فظيعاً ويحسبون أنهم يحسنون.(۱)فقط

كتبه: أشرف على عفى عنه

من أجاب فقد أجاد وأصاب فيما أفاد:حرره محمد عبدالقادرعفى عنه رب العباد بجاه الرسول وآله الأمجاد

الجواب صحيح:شيرعلى عفى عنه

قد أصاب من أجاب:محمد صديق ديوبندى

(امداد،ص:۲۳)(امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۴۸-۶۴۹)

حکم خواندن خطبہ بزبان غیر خطبہ معہ جواب دلیل مجوزین:

سوال: حضرت والا،السلام علیکم ورحمۃ اللہ، یہاں خطبہ غیر زبان عربی کے بارے میں شبہ پیدا ہوا ہے،بہشتی گوہر میں ہے کہ دونوں خطبوں کا عربی زبان میں ہونا اور کسی زبان میں خطبہ پڑھنا،یا اس کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا،جیسا کہ ہمارے زمانہ میں عوام کا دستور ہے،خلاف سنت مؤکدہ اور مکروہ تحریمی ہے،اھ۔اس وقت تک جن کتابوں میں دیکھا گیا، یہ الفاظ بتصریح نہ ملے،لہذا رجوع الی المؤلف کے سوا چارہ نہ دیکھ کر یہ عریضہ ارسال ہے۔ امید کہ اصل منقول عنہ کی عبارت سے دستگیری فرمائی جائے؛ تا کہ رفع نزاع ہو؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مواظبت خطبہ بالعربیہ پر ظاہر ہے اور اس کی عربیت کی مقصودیت حضرت صحابہؓ کے

(۱) مجموعة رسائل للكنوى،آكام النفائس،ص:٤٨، ادارة القرآن دار العلوم الاسلامية،پاكستان،انيس

مما لک عجم میں باوجود بعض صحابہؓ کے عارف بالفارسیہ ہونے اور باوجود حاجت سامعین کے غیر عربی میں نہ پڑھنے سے ثابت ہے، جب یہ عربیت مقصود بالمواظبت ہوئی تو اس قید کی رعایت سنت مؤکدہ ہوگئی اور سنت مؤکدہ کے ترک کو فقہا نے موجب اثم (۱) اور بعض جزئیات میں موجب فسق قرار دیا ہے، جو کراہۃ تحریمہ پر دلالت کے لیے کافی ہیں اور اس کی بعض جزئیات کو خود اسی عنوان مکروہ تحریمی کا محکوم علیہ بنانا ہے۔ وہ عبارات یہ ہیں:

في الدرالمختار: (الأذان) وهو (أى السنة) ... (المؤكدة) كالواجبة في لحوق الإثم.

وفي ردالمحتار: يعني وإن كان مقولا بالتشكيك، نهر. (۲)

وفي ردالمحتار: والصحيح أنه يأثم (بترك سنن الصلوات الخمس) ذكره في فتح القدير وتصريحهم بالإثم لمن ترك الجماعة مع أنها سنة مؤكدة على الصحيح. (۱۰۸/۱)

وفيه أيضاً: وصرحوا بفسق تاركها (أى الجماعة مع كونها سنة مؤكدة على الصحيح كمامر) وتعزيره وأنه يأثم ... مع أن صلاته منفرداً مكروهة تحريماً أوقريبة من التحريم. (۳)

مصنف سے جو اس مضمون کے اصل کاتب ہیں تحقیق کرلیا جاوے۔ امید ہے کہ اس سے زیادہ کافی وشافی جواب ملے۔

۲/ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ (تتمہ خامسہ: ۱۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۵۴/۱-۶۵۵)

سوال: **فإن لم تجز أيضاً فما المراد في هٰذه الصورة بالقول بأنها نصيحة ووعظ في كل أسبوع بينوا بالدليل الشافي الكافي علٰى مذهب الحنفية؟ (۴)**

الجواب

هٰذا بيان لحقيقة الخطبة ولايلزم منها اختيارلسان المخاطب وليت شعرى ماذا يفعل الخطيب لوحضرالخطبة جمع مختلف الألسنة علٰى أنه منقوض بقوله تعالٰى في شأن القرآن: ﴿وأنه لتذكرة للمتقين﴾ وقوله تعالٰى: ﴿أن في ذلك لذكرٰى﴾ ونحوهما من الآيات التي لاتحصٰى فهل يحكم بجوازقراء ة في الصلاة باللسان العجمي بناء علٰى أنه نصيحة ووعظ ولووقفه المسئلة أن الخطبة أمرتعبدى كالقراء ة فيجب فيها اتباع المقنول ولولاذلك لنقل

---

(۱)　وإن كان دون إثم ترك الواجب.

(۲)　الدرالمختار مع رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الأذان: ٣٨٤/١، بيروت، انيس

(۳)　رد المحتار، باب صفة الصلاة، مطلب كل صلا ة أديت مع كراهة التحريم تجب أعادتها: ٤٥٧/١، دارالفكر بيروت، انيس

اگر اس جواب سے اطمینان نہ ہو تو علم الفقہ کے کہ بہشتی گوہر اسی کا اختصار ہے، جس میں سرسری نظر سے نشان بنانے سے کام لیا گیا ہے بوجہ اعتماد کے تعمق نظر کی نوبت نہیں آئی۔

(۴)　ترجمہ سوال: پس اگر جائز نہیں ہے تو پھر خطبہ کو جو ہفتہ واری وعظ و پند کہا گیا ہے، اس کا مطلب کیا ہے؟

عن الصحابة قرأتها بالفارسية لما فتح فارس وأقيم فيها الجمعة وكونها غير منقول ظاهر فأذن الأمر باهر علىٰ كل ما هو. والله أعلم(۱)

لثالث عشر من ربيع الأول ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ، ص:۳۵۸) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۵۵-۶۵۶)

سوال: اگر خطبۂ جمعہ وعیدین میں حمد لغت عربی زبان میں پڑھ کر بقیہ تمام خطبہ مقدیوں کے سمجھنے وفائدہ اٹھانے کی غرض سے اردو زبان میں پڑھا جائے تو کیا شرعاً جناب کے نزدیک جائز ہے، خطبہ کا اصلی مقصد کیا ہے؟ بعض لوگ اردو زبان کو داخل کرنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، یہ کہاں تک جناب کے نزدیک صحیح ہے؟ براہ مہربانی نہایت ہی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو تحریر فرمائیے گا، جناب کی اس تکلیف فرمائی کا بہت ہی ممنون احسان ہوں گا۔

الجواب

قرآن مجید اور خطبہ کا دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے، چناں چہ خطبہ کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے، یہی لفظ ذکر قرآن مجید کے لیے فرمایا: ﴿إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون﴾؛ بلکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ذکریٰ بمعنی تذکیر بھی وارد ہوا: ﴿ان هو الا ذكرىٰ للعالمين﴾ پس اگر لفظ ذکر اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی، یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے؛ بلکہ لفظ ذکریٰ اس پر زیادہ دال ہے اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبہ سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت خطبہ کہا جاوے، مثلاً خطبہ سے قبل، یا نماز کے بعد پھر ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے اور روم وفارس اس وقت فتح ہو چکا تھا اور حضرات صحابہ میں ان زبانوں کے جاننے والے بھی موجود تھے، پھر کیا وجہ کہ اس وقت ایسا نہیں کیا گیا، پھر سامعین میں آٹھ دس زبانوں والے ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگئی کہ وہ سب زبان کا ماہر ہو، اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی۔

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۳ھ (تتمہ خامسہ:۳۶۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۵۷)

---

(۱) ترجمہ جواب: یہ خطبہ کی حقیقت کا بیان ہے؛ لیکن اس کی وجہ سے مخاطبین کی زبان کا اختیار کرنا لازم نہیں ہے۔ بھلا بتلائے تو سہی کہ جب حاضرین جمعہ مختلف زبانیں بولنے والے ہوں تو اس وقت بیچارہ خطیب کیا سبیل اختیار کرے گا؟ علاوہ بریں یہ دلیل اس لیے بھی غلط ہے کہ قرآن پاک کے متعلق ارشاد ربانی ہے: ﴿وانه لتذكرة للمتقين﴾ (اور بلاشبہ یہ قرآن متقیوں کے لیے نصیحت ہے) اور ارشاد ہے: ﴿ان في ذلك لذكرىٰ﴾ (اس میں اس شخص کے لیے بڑی عبرت ہے) وغیرہ وغیرہ بے شمار آیات ہیں تو کیا پھر جب قرآن وعظ ونصیحت ہے؛ اس لیے نماز میں عجمی زبانوں میں قرأت کرنے کی اجازت دے دی جائے گی؟

مسئلہ کی (حقیقی) وجہ یہ ہے کہ خطبہ قرأت کی طرح تعبدی امر ہے، لہذا اس میں نقل کی اتباع لازم ہے، ورنہ صحابہ سے جب انہوں نے فارس فتح کیا اور وہاں جمعہ قائم کیا، اس وقت وہاں فارسی میں خطبہ دینا ثابت ہوتا؛ لیکن کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے۔ پس اس وقت معاملہ ہر ماہر کے لیے ظاہر ہے۔ واللہ اعلم (نوٹ اس سوال وجواب کا ابتدائی حصہ: ۵۶۵ پر گزرا ہے۔)

تمہید سوال وجواب آئندہ:

فرمان شریعت ایک عالم کا رسالہ ہے، جس میں خطبہ کے عربی میں ہونے کی ضرورت اور غیرعربی میں ہونے کی کراہت روایات فقہیہ سے ثابت کی گئی ہے، اس پر احقر کی بھی تقریظ تھی، ایک مقام سے احقر کے پاس ایک خط آیا، جس میں دوسوال تھے، ایک میں حوالہ روایات کے متعلق خلط کا اثبات اور دوسری میں غیرعربی سے کراہت کی نفی کی گئی ہے، احقر نے اس خط کا جواب لکھا، یہ سب ذیل میں منقول ہے:

(سوال اول)　　اس کا خلاصہ تمہید میں لکھا جاچکا ہے اور چوں کہ جواب میں بھی اس سے محض اجمالی تعرض ہے؛ اس لیے اس سوال کو بعینہ نقل نہیں کیا گیا۔

(سوال ثانی)　　صاحبین نے عاجز عن العربیۃ کو معذور اور عاجز قرار دیا ہے اور اس لیے غیرعربی دانوں کو غیرعربی میں خطبہ پڑھنا جائز ہوگا، یا نہیں؟ کیوں کہ تحریمہ کے متعلق قاضی خاں نے لکھا ہے کہ اگر عربی نہیں جانتا ہے تو فارسی میں نماز کو شروع کرے گا اور نہ غیرعربی میں شروع نہیں کرسکتا ہے، بالکل یہی اختلاف بقول درمختار خطبہ میں بھی ہے؛ اس لیے عربی نہ جاننے والا کیا صاحبین کے نزدیک غیرعربی میں خطبہ نہیں پڑھ سکتے اور اگر یہ کراہت جائز ہے تو مکروہ تنزیہی مراد ہے، یا مکروہ تحریمی؟ کیا وہ مکروہ تنزیہی بحالت موجودہ نہ سمجھ میں آنے کے عذر سے معاف نہیں ہوسکتا اور زمانہ کی ضرورت ہم کو شرعی ضروریات کے لیے اردو میں خطبہ کو جائز قرار نہیں دیتی۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں آداب القرأۃ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ پیش فرمایا ہے کہ جو عبادت بے سمجھے ہو، اس میں برکت نہیں ہوتی اور جو تلاوت بلا تأمل ہو، وہ تلاوت نہیں؛ اس لیے اگر کوئی شخص خطبہ شرعیہ کے حدود میں رہ کر اردو میں خطبہ پڑھتا ہے تو وہ مثاب ہوگا، یا نہیں؟ نیت اس کی یہ ہے کہ عبادت بے سمجھے نہ ہونا چاہیے، خصوصاً خطبہ جو تذکیر کے لیے بھی ہو، جس میں سامعین کو سنانا مقصود ہو؟

الجواب

تنبیہات سے ممنون ہوا۔ (جزاکم اللہ تعالیٰ) غالباً اکثر اہل علم کا تصدیق رسائل کے باب میں یہی معمول ہے کہ نفس مسئلہ کا توافق پیش نظر رہتا ہے اور روایات کو بناپر اعتماد صاحب رسالہ ماخذ پر منطبق نہیں کیا جاتا، چناں چہ اس وقت آپ کی تحریر کی روایات میں بھی اس اعتماد کی بنا پر تطبیق کا اہتمام نہیں کیا، اگر یہ کوتاہی ہے تو میں اپنی کوتاہی کا مقر ہوں؛ بلکہ اس کی اشاعت کی اجازت دیتا ہوں، البتہ نفس مسئلہ میں اب بھی میرا یہی خیال ہے اگر اس میں مجھ کو اپنی غلطی معلوم ہوجاوے گی، حسب معمول رجوع کرلوں گا۔ یہ تو سوال اول کا جواب ہے، باقی سوال ثانی کے متعلق یہ عرض ہے کہ کلام غیر عاجز میں ہے، اس کے لیے جواز؛ یعنی صحت بلا کراہت نہیں اور عاجز کے معنی ہیں پڑھنے سے عاجز نہ کہ سمجھنے سے، **کما سیأتی**. رہا یہ امر کہ کون سی کراہت ہے، سو تنزیہی بھی عوارض سے تحریمی ہوسکتی ہے۔ مسئلہ

متکلم فیہا میں بڑا عارض اس وقت میں یہ ہے کہ سنت پر اس مکروہ کو ترجیح دی جانے لگی؛ اس لیے مشروع کے سبب کراہت تحریمہ کا حکم بعید نہیں اور یہ عجز اور عدم عجز عن القرأت ہے کہ نہ کہ عن الفہم، چناں چہ کسی سے بھی یہ احتمال اخیر منقول نہیں اور قیاس ایک کا دوسری پر ہمارا منصب نہیں اور امام غزالیؒ سے جو قول نقل کیا گیا ہے، یہاں سمجھنے سے مراد توجہ ہے، چناں چہ اس قول کی عبارت اس عبادت کو بھی شامل ہے، جس میں کوئی قرأت نہیں، ورنہ اگر ترجمہ مراد ہو تو کیا تلاوت میں بھی ترجمہ پڑھنا اصل قرآن کے پڑھنے سے افضل ہوگا۔ رہا حکمت تذکیر سے استدلال یہ تو قرآن میں بھی جاری ہے؛ بلکہ قرآن مجید میں خطبہ کا لقب تو ذکر آیا ہے اور قرآن کا ذکریٰ تو کیا یہ حکم اس حکم میں بھی جاری ہوگا؟

۱۴/ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۸-۶۵۹)

اس کے بعد سائل بالا سے حسب ذیل مکاتبت ہوئی:

سوال: حضور والا نے تحریر فرمایا ہے کہ عجز وعدم عجز عن القرأۃ مراد ہے، نہ کہ عن الفہم صرف اتنی بات میں مجھے شبہ باقی رہ گیا ہے؛ اس لیے مؤدبانہ طور پر چند جملے عرض کرنے کی جرأت کرتا ہوں، تحقیق الخطبہ میں امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ (شافعی المذہب) کی حسب ذیل عبارت نقل فرمائی گئی ہے:

”وهل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية وجهان الصحيح اشتراط فان لم يكن فيهم من يحسن العربية خطب بغيرها ويجب عليهم التعلم والاعصوا ولاجمعة لهم“. (منقول فی شرع الأحيا للسيد المرتضٰی الزبيدی، ج:۳)

الجواب

اس عبارت کے معنی اول عرض کرتا ہوں، اس سے آپ کو اپنے استدلال کا حال معلوم ہو جائے گا کہ صحیح یہی ہے کہ عربیۃ شرط ہے؛ لیکن اگر ان حاضرین جمعہ میں کوئی ایسا شخص نہ ہو، جو عربی میں پڑھ سکے تو فی الحال غیر عربیۃ میں پڑھ لے؛ لیکن آئندہ کے لیے ان لوگوں پر واجب (علی الکفایہ) ہوگا کہ عربی سکھیں؛ تاکہ عربی میں خطبہ ہو سکے، ورنہ سب عاصی ہوں گے اور ان کا جمعہ بھی صحیح نہ ہوگا، جیسا کہ بعض فقہائے حنفیہ نے بعینہ اسی طرح تجوید کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ جب سیکھنا چھوڑ دے گا، نماز صحیح نہ ہوگی اور عربی نہ سمجھنا مراد ہو تو کیا اس فتوے کو بھی مانا جاوے گا کہ عربی نہ سمجھنے والوں پر عربی کا سیکھنا واجب ہے، ورنہ ان کا جمعہ نہ ہوگا۔ اگر یہ فتویٰ مانا جاتا ہے تو اس سے آپ کے خلاف مدعا ثابت ہے۔

۲/ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۵۹-۶۶۰)

تتمۂ سوال بالا:

رہا کلام مجید کے متعلق کہ اس کو ذکری کہا گیا ہے اور خطبہ کو ذکر، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ قرآن مجید کو بھی ذکر کہا گیا ہے، جیسا کہ ﴿وأنزلنا اليك الذكر لتبين للناس﴾ معلوم ہوا کہ ذکر کے لیے تبیین کی ضرورت ہے، اسی

طرح اگر خطبہ کو ذکر کہا گیا ہے تو اس کے لیے بھی تبیین کی ضرورت ہے۔ بہر صورت ذکریٰ اور ذکر میں ارتفاع نہیں ہے؛ بلکہ اجتماع ہے ورثۃ الانبیاء پر، جس طرح قرآن کی تبیین عاید ہے، اسی طرح خطبہ کی بھی اور تبیین مفہوم لغت ہی میں ممکن ہے ﴿ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا﴾ فرمایا گیا، ذکرنا سے مراد أنزلنا إليك الذكر کے مطابق کلام مجید ہے؛ اسی لیے فاسئلوا أهل الذكر ای عالم القرآن فرمایا ہے۔ پس جب خطبہ بھی ملقب بہ ذکر اللہ ہے تو اس کو بھی مبین للناس ہونا ضروری ہے، اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ خطیب ذکر (قرآن) ہی سے نصائح کرے، ورنہ خطبہ ذکر نہ ہوگا۔

الجواب

میرا یہ مطلب نہ تھا کہ قرآن کو ذکر نہیں کہا گیا؛ بلکہ یہ مطلب تھا کہ ذکریٰ بھی کہا گیا ہے اور خطبہ کو کہیں ذکریٰ نہیں کیا گیا۔ پس قرآن میں جب دونوں صفتیں ہیں تو ان دونوں کا حق ادا کرنا ضروری ہے تو پھر ترجمہ سمجھ کر کیوں نہیں پڑھا جاتا۔

تتمۂ سوال بالا: جناب والا نے مکتوب گرامی میں ارشاد فرمایا ہے کہ اس مکروہ کو سنت پر ترجیح دی جاتی ہے؛ اس لیے اس عارض سے مکروہ تحریمہ بعید نہیں؛ مگر حضور والا جب اس نیت سے اس کو مادری زبان میں پڑھا جاوے کہ اس طرح بہت سی مردہ سنتوں کا احیا کیا جاوے تو پھر مکروہ کیوں ہوگا، بہت سے لوگ ایسے ہیں، جو نماز روزہ کی ضرورت سے بے خبر ہیں، وہ صرف جمعہ میں آتے ہیں، اگر خطبہ میں ان کی زبان میں سمجھا دیا جاوے تو کیا اثر کی امید نہیں ہے کہ خدا کچھ لوگوں کو اس طریقہ سے ہدایت نصیب کرے۔

الجواب

امور تعبدیہ میں مصالح سے تغیر نہیں ہوتا۔

۲ / ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۶۰-۶۶۱) ☆

☆ **تتمۂ سوال بالا:** اور پھر کیا خطبہ میں یہی ایک سنت ہے، یہ بھی سنت ہی ہے کہ بلا کتاب خطبہ دیا جاوے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کتابی خطبہ نہیں دیا، صحابہ کرام نے ایسا کیا سنت کا ترک دھڑلے سے ہو رہا ہے اور کچھ خیال بھی نہیں ہوتا؛ حالاں کہ خطبہ میں مخاطبین کی طرف رخ اسی لیے ضروری ہے کہ مخاطبین کو بہ احسن پیرایہ نصیحت کی جاوے گی؛ مگر جب کتاب پر آنکھ لگی ہوگئی تو وہ ہرگز توجہ الی المخاطبین نصیب نہ ہوگی، جو مقصود ہے اور جو کیفیت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی تھی وہ یہ ہے کہ مسلم شریف کے الفاظ یہ ہیں: عن جابر بن الله قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا خطب احمرت عيناه وعلا صوته واشتد غضبه حتىٰ كأنه منذر جيش يقول: صبحكم ومساكم، الخ. (صحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل في خطبة الجمعة: ۲۸٤/۱، قديمي، انيس) بھلا اس طریقہ سے کون خطبہ دیتا ہے، سب اس کو ترک کر رہے ہیں؛ مگر کوئی اس کو مکروہ تحریمی نہیں کہتا۔

الجواب

یہ سنن مستحبہ ہیں اور عربیت مؤکدہ، فلا يقاس أحدهما على الآخر.

۲ / ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامسہ: ۶۵۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/ ۶۶۱)

==

سوال: دوسری بات یہ ہے کہ اسی (۱) رسالہ مذکور کے ص: ۹۸ پر آپ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ خطبہ جمعہ کا عربی ہی

== سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جمعہ کے خطبہ عربی زبان کے سوا کسی اور زبان میں پڑھنا، یا عربی زبان کے ساتھ کسی اور زبان کے اشعار وغیرہ ملا دینا جس طرح بعض لوگوں کا اس زمانہ میں دستور ہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟ مجوزین یہ حجت پیش کرتے ہیں کہ چوں کہ خطبہ میں وعظ و پند مسنون ہے اور عوام کے عربی نہ جاننے کے باعث عربی زبان میں خطبہ پڑھنے سے یہ وعظ ونصیحت کی غرض متروک ہوئی جاتی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ وعظ و پند کا مضمون ہندوستان میں تو اردو زبان میں ہونا چاہیے، اس کا کیا جواب ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

خلاف سنت متوارثہ ہے؛ اس لیے ممنوع ہے اور حجت کا جواب ظاہر ہے کہ اسی طرح قرأت قرآن مجید میں بھی وعظ پند مقصود ہے، چناں چہ جابجا اس میں **ذکریٰ وتذکرۃ وھُدی للناس وموعظۃ** وغیرہ الفاظ کا وارد ہونا اس کی واضح دلیل ہے۔ پس چاہیے کہ نماز میں بھی قرآن کا ترجمہ پڑھا جاوے۔

۳۰/جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ: ۱۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۱-۶۶۲)

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خطبہ جمعہ کے وجوب کے ساتھ کوئی خاص زبان بھی واجب ہے، یا نہیں؟ اگر کوئی خاص زبان واجب نہ ہو تو اپنی مادری زبان سے فائدہ اٹھانا انسب ہے، یا کسی غیر زبان کو جس کے نہ سمجھنے سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے اور مقصد خطبہ فوت ہونے کے باوجود ترجیح دینا بہتر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

کیا واجب سے کم کوئی درجہ مؤکد نہیں ہوسکتا؟

۴/رجب ۱۳۵۳ھ

نوٹ: اس جواب میں اس طرف اشارہ ہے کہ سنت مؤکدہ بھی مؤکد ہے اور بوجہ مواظبت نبویہ علی الخطبۃ العربیۃ وہ سنت مؤکدہ ہے۔ پس عدم وجوب مضر تاکید نہیں؛ بلکہ بعض فقہاء کے قول پر ایسی مواظبت جس میں احیانا بھی ترک نہ ہوا ہو، وجوب کی دلیل ہے۔ اس صورت میں وجوب کا حکم بھی کیا جا سکتا ہے، **کما قال صاحب الھدایۃ فی دلیل وجوب صلاۃ العیدین.** پس اس کا وجوب وسنت مؤکدہ مختلف فیہ ہوئی، جس میں تأکد مشترک اور متفق علیہ ہے۔

۵/رجب ۱۳۵۳ھ (النور، ص: ۹، رجب ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۲)

سوال: میں نے دریافت کیا تھا کہ ہمارے یہاں کے پیش امام یہ کہہ کر خطبہ کا ترجمہ ہر جمعہ میں کر رہے ہیں کہ آپ نے اس کو ناجائز لکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہے، آپ نے اس پر یہ تجویز فرمایا کہ جواز ترجمہ کو جو میری طرف منسوب کیا گیا ہے، وہ عبارت پوری پیش کرنا چاہیے تو مولوی صاحب امام جامع مسجد نے آپ کے فتوے کی عبارت کی نقل علاحدہ پرچہ پر لکھ کر اس میں شامل کی ہے۔ بغرض ملاحظہ وتحقیق حقیقت حال ارسال خدمت ہے۔ وہو ہذا۔ (فتاویٰ اشرفیہ حصہ اول، مطبوعہ مطبع مجیدی واقع کانپور، ص: ۴۴)

سوال (۱) جمعہ کے خطبوں کے درمیان، یا آخر بطور وعظ خطبہ کا ترجمہ کر دینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

مشتمل بر چند جواب: جواب سوال (۱) جائز ہے۔ **ھکذا یستفاد من الھندیۃ واللہ أعلم**

الجواب من اصل السوال: مراد بلا التزام وبلا اعتیاد ہے اعتماداً علی الاصول اس قید کی تصریح نہیں کی، جس کو عبارت کوتاہی بھی کہا جاسکتا ہے۔

۱۳/شعبان ۱۳۲۹ھ (ترجیح خامس: ۱۱۶) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۳)

(۱) یعنی بہشتی گوہر۔ سعید

زبان میں ہونا ضروری ہے اور کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، حالاں کہ مولانا محمد علی شاہ مونگیری (سابق ناظم ندوہ) کے رسالۃ **القول المحکم فی خطاب المعجم** میں آپ کے تائیدی دستخط خطبہ جمعہ کے اردو زبان میں ہونے کے جواز کے فتوے پر منقول ومندرج ہیں، ان دونوں میں سے کون سا قول صحیح ہے؟

الجواب

اس تائیدی مضمون کی عبارت لکھئے تو دیکھوں، اس کے معارض ہیں، یا گیا؟ باقی بہشتی گوہر جو لکھا ہے، اس کو صحیح سمجھتا ہو۔

۱۹ر شوال ۱۳۴۳ھ (ترجیح خامس: ۱۵۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۳)

شامی کی ایک عبارت سے اردو میں جواز خطبہ پر استدلال اور اس کا جواب:

آپ نے اپنے فتوے میں جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کو مکروہ تحریمی لکھا ہے، اس دلیل سے کہ صحابہ کرام نے روم وفارس میں صرف عربی میں خطبہ دیا، حالاں کہ وہ لوگ عربی نہیں جانتے تھے۔

احقر نے آپ کے فتوے کی بنا پر پیش امام صاحب کو عرض کیا کہ آپ اردو تقریر درمیان میں نہ کیا کریں۔ خطیب صاحب مدرسہ امینیہ دہلی کے فارغ ہیں۔ انہوں نے کتب میں مسئلہ کو تلاش کیا۔ بہت کوشش کی اور فرمایا کہ ردالمحتار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار فی فقہ مذہب الامام الاعظم ابی حنیفہ النعمان عن العلامۃ سید محمد امین المعروف با بن عابدین کے الجزء الاول کے حسبِ ذیل اقتباسات سے جمعہ کے دونوں خطبوں کے درمیان اردو تقریر کا جواز ہی نہیں ملتا؛ بلکہ تاکید مترشح ہوتی ہے۔ مجھے آپ کے فتوے سے پورا اتفاق ہے۔ آپ ایسی عبارات نقل فرما دیں، جن سے اردو خطبہ کا مکروہ تحریمی ہونا معلوم ہوتا ہو۔

(ص: ۵۹۷) لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه فی باب صفة الصلاة من أنها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافًا لهما حيث شرطاها إلا عند العجز كالخلاف فی الشروع فی الصلاة. (۱)

(قوله: ويبدأ) أی قبل الخطبة الأولٰى بالتعوذ سراً ثم بحمدالله تعالٰى و الثناء عليه والشهادتين والصلاة على النبی عليه السلام والعظة والتذكير والقراءة قال فی التجنيس والثانية كالأولٰى إلا أنه يدعوا للمسلمين مكان الوعظ. (۲)

وفی خطبة العيدين حيث قال: ويستفاد من كلامهم أن الخطيب إذا رأى حاجة إلٰى معرفة بعض الأحكام فإنه يعلمهم إياها فی خطبة الجمعة خصوصًا فی زماننا لكثرة الجهل وقلة العلم فينبغی أن يعلمهم فيها أحكام الصلاة كمالايخفی. (۳)

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱۴۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فی قول الخطيب قال الله تعالٰى: ۱۴۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) رد المحتار، باب العيدين، مطلب أمر الخليفة لا ينبغی بعد موته: ۱۷۵/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الجواب

افسوس کہ فاضل موصوف نے اتنی تکلیف گوارا نہیں فرمائی کہ علامہ ابن عابدین ص: ۵۹۷، میں جس باب صفة الصلوٰة کا حوالہ دے رہے ہیں، اسے کھول کر دیکھ لیتے۔ اس میں صراحۃً موجود ہے:

وصح شروعه أيضاً مع الكراهة التحريمية بتسبيح و تهليل (إلى قوله) كما صح لو شرع بغير عربية.

اس صحت کے ساتھ بھی کراہت تحریمی پائی جاتی ہے؛ یعنی اگر کوئی شخص نماز کو شروع کرتے وقت اللہ اکبر کی بجائے ''خدائے بزرگ است'' کہہ دے تو نماز میں شروع ہونا تو صحیح ہو جائے گا؛ لیکن مع الکراہۃ التحریمیۃ اور آگے فرماتے ہیں: ''**شرطا عجزه**''. صاحبین نے فارسی میں تکبیر کی صحت کے لیے ''عجز عن العربیۃ'' کی شرط لگائی ہے؛ یعنی بغیر عجز عن العربیۃ کے شروع بالفارسی صحیح نہ ہوگا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ''**وعلى هذا الخلاف: الخطبة**''، یعنی خطبہ میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام صاحب کے نزدیک خطبہ فارسی میں صحیح ہو جائے گا، بغیر عجز بھی؛ مگر مع الکراہۃ التحریمیۃ اور صاحبین کے نزدیک غیر عربی میں صحیح ہی نہ ہوگا؛ الا عند العجز۔ خلاصہ یہ کہ اس عبارت کو جب سابق تحقیق کے ساتھ ملایا جائے تو امام صاحب کے نزدیک کراہت تحریم اور صاحبین کے نزدیک عدم جواز ثابت ہوتا ہے؛ لیکن صاحبین کا رجوع الی مذہب الامام ثابت ہے، لہٰذا جواز خطبہ مع الکراہۃ التحریمیۃ عند العجز متفق علیہ ہوگا۔

دوسری اور تیسری عبارت میں کہیں بھی غیر عربی میں خطبہ پڑھنے کی اجازت نہیں، صرف تذکیر اور تعلیم احکام کا ذکر ہے تو کیا یہ تذکیر اور تعلیم عربی میں نہیں ہو سکتی ؟ اگر آپ کہیں کہ لوگ عربی نہیں سمجھتے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ عربی سیکھیں، نہ یہ کہ علماء خلافِ حکم شرع غیر عربی میں خطبہ پڑھیں، پھر تو نماز بھی اردو میں ہونی چاہیے۔ قرأت قرآن بھی اردو میں ہونی چاہیے۔ فقط والسلام

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ۔ الجواب صحیح: خیر محمد عفا اللہ عنہ، ۸/ربیع الثانی ۱۳۷۵ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۴۴)

جمعہ کے دوسرے خطبہ میں اردو، یا پنجابی میں مسائل بتلانا:

سوال: ہماری مسجد کی خطیب جمعہ کے دوسرے خطبہ میں دوران خطبہ پنجابی، یا اردو میں طہارت و وضو وغیرہ سے متعلق مسئلے بیان کرنے لگے جاتے ہیں۔ اس سے خطبہ میں کچھ کراہت تو نہیں آتی ہے؟

الجواب

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر اب تک زمانہ میں یہی تعامل و توارث رہا ہے کہ خطبہ عربی میں کسی دوسری چیز کو خلط نہیں کیا گیا، لہٰذا بوقت خطبہ صرف خطبہ ہی پر اکتفا کرنا چاہیے اور مسئلے پہلے بیان کر لیں، البتہ اگر عین خطبہ کے وقت کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے تو مسئلہ بتلانے میں حرج نہیں۔

ویکره للخطیب أن یتکلم فی حال الخطبة إلاأن یکون أمر ابمعروف،آه.(۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ عبدالستار عفی اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ غفر اللہ لہ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۶۸)

التقریظ علی رسالة الأعجوبة فی عربیة خطبة العروبة:

بعد الحمد والصلوٰۃ، میں نے یہ رسالہ مؤلفہ جامع الکمالات العلمیہ والعملیۃ مولانا محمد شفیع صاحب مدرس ومفتی مدرسہ دارالعلوم دیو بند دام فیضہ نہایت شوق ورغبت سے دیکھا، بے حد پسند کیا، بلا تکلف کہہ سکتا ہوں کہ اس موضوع میں بے نظیر ہے۔ (۲) اللہ تعالیٰ اس کو نافع اور شبہات کا دافع فرمادیا ہے، بطور تذنیب میں بھی بعض فوائد مناسبہ اس کے ساتھ ملحق کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) بڑی ناعقلی غیر عربی میں خطبہ جائز رکھنے والوں کی یہ ہے کہ یہ تذکیر ہے اور تذکیر مخاطبین کی زبان میں ہونا چاہیے، ورنہ عبث ہے۔ اس کا ایک تحقیقی جواب ہے اور ایک الزامی۔ تحقیقی یہ ہے کہ اس کا تذکیر ہی ہونا مسلم نہیں خود قرآن مجید میں اس کو ذکر فرمایا گیا ہے، قال اللّٰه تعالی ﴿فاسعوا إلی ذکر اللّٰه﴾ (الآیۃ) خصوص مذہب حنفی کی اس تصریح پر ’’وکفی تسبیحة أو تحمیدة‘‘ اور ’’تسبیح وتحمید‘‘ کا تذکیر نہ ہونا ظاہر ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ صرف ذکر ہے، تذکیر نہیں؛ إلا تبعا (مگر کسی کے ساتھ)۔

اورالزامی یہ ہے کہ قرآن مجید بنص قرآنی تذکیر ہے، قال تعالی ﴿إن هو إلا ذکر یٰ للعالمین﴾ تو چاہیے اس کو بھی نماز میں حاضرین کی زبان میں پڑھا کریں۔ پس جس طرح اس کا عربی زبان میں پڑھنا امر تعبدی ہے، اسی طرح خطبہ کا عربی زبان میں پڑھنا۔

(۲) اور بڑی ناعقلی دعویٰ مذکور کی یہ ہے کہ امام صاحب نے نماز میں قرأت کو فارسی میں جائز فرمایا ہے۔ اس کا ایک جواب نقلی ہے، ایک عقلی۔ نقلی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب نے اس قول سے رجوع فرمالیا ہے۔ پس اس سے استدلال کرنا ایسا ہے، جیسا آیت منسوخہ، یا حدیث منسوخ سے استدلال کرنا اور عقلی یہ ہے کہ امام صاحب کے اس قول مرجوح عنہ کی بناء یہ نہ تھی کہ قرآن تذکیر ہے؛ اس لیے غیر عربی میں پڑھنا جائز ہے، اگر یہ بناء ہوتی تو جزئیہ کفایت تسبیح، یا تحمید کا اس سے تعارض ہوتا وھو باطل، پس اس سے استدلال کرنا ’’تاویل القول بما لایرضٰی به القائل‘‘ کی قبیل سے۔

(۳) رسالہ میں عیدین کے خطبہ عربی کے بعد اس کے ترجمہ وغیرہا کی اجازت دی ہے، اس میں بھی ہیئت اوفق بالسنیت یہ ہے کہ خطبہ سے فارغ ہوکر منبر سے نیچے اتر کر بیان کردے۔ اس کی دلیل اپنے ایک رسالہ سے بلفظہا نقل کرتا ہوں، وھو ھٰذا:

---

(۱) الفتاویٰ الهندیة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱۴۲، انیس

(۲) یہ رسالہ علاحدہ بھی طبع ہو چکا ہے اور الخطب المأ ثورہ (مصنفہ حضرت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ ہیں) بھی شامل ہے، جو بہت ہی مفید اور بصیرت افروز ہے۔ سعید احمد

تقرير الإمام أنه روى مسلم عن جابر فى قصة يوم الفطر: "ثم خطب النبى صلى الله عليه وسلم الناس فلما فرغ نزل فأتى النساء ثم انطلق هو وبلال إلٰى بيته". فقوله: فرغ ونزل وانطلق إلٰى بيته نص فى كون هٰذا لتذكير بعدالخطبة وإنه لم يكن على المنبر وإنه لم يعد إلى المنبر ولما كان هٰذا الكلام غير الخطبة لخلوة عن الخطاب العام الذى هو من خواص الخطبة ثبت به أن غير الخطبة لاينبغى أن يكون فى أثناء الخطبة ولا علٰى هيئة الخطبة ولا شك أن التذكير بالهندية ليس من الخطبة المسنونة فى شىء؛ لأن من خواصها المقصودة كونها بالعربية لعدم نقل خلافها عن صاحب الوحى أو السلف فلما لم يكن هٰذا التذكير بالهندية خطبة مسنونة كان الأوفق بالسنة كونها بعد الفراغ عن الخطبة وتحت المنبر وهو المرام، آه.

شوال المکرّم ۱۳۵۰ھ (النور، ص: ۸، ربیع الثانی ۱۳۵۱ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۶۴-۶۶۵)

غیر عربی زبان میں خطبہ کے متعلق بعض فقہا کی عبارات کا مطلب:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارے میں کہ عبارتوں مندرجہ ذیل سے فقہاء کرام کی کیا غرضی ہیں؟ اور کیا مطلب ہے؟ علامہ ملہم من اللہ حسن شرنبلالی مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں تحریر فرماتے ہیں:

فينبغى للخطيب التنبيه عليها فى خطبة الجمعة التى يليها العيد، آه.(۱)

علامہ فقیہ العصر ابن نجیم البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں زیر قول صاحب کنز" ويعلم الأضحية. الخ" تحریر فرماتے ہیں:

فينبغى للخطيب أن يعلمهم أحكامه فى الجمعة التى قبل عيد الأضحٰى كما أنه ينبغى له أن يعلمهم أحكام صدقة الفطر فى الجمعة التى قبل عيد الفطر ليتعلموها ويخرجوها قبل الخروج إلى المصلى ولم أره منقولاً والعلم أمانة فى عنق العلماء ويستفاد من كلامهم أن الخطيب إذا رأى بهم حاجة إلٰى معرفة بعض الأحكام فإنه يعلمهم إياها فى خطبة الجمعة خصوصا فى زماننا من كثرة الجهلة وقلة العلم فينبغى أن يعلمهم أحكام الصلاة كما لايخفى، آه.(۲)

اسی طرح درمختار وشامی مطبوعہ مصر: ۱/۸۴۷، ۸۷۵ میں ہے، علامہ ابن عابدین نے ماتن کے کلام کا تتمہ البحر الرائق سے نقل کیا ہے۔ یہ تعلیم خطبہ جمعہ کس طرح کی جاوے؟ اس تعلیم میں سامعین کو فائدہ پہنچانا ہے، یا صرف خطیب کا ہی سمجھنا مقصود ہے اور بقول ابن نجیم وابن عابدین نماز وغیرہ کے احکام کی تعلیم کس طور ہو؟ ہمارے ائمہ کے فرمان تو صاف ہیں؛ مگر آپ جیسے ہمارے پیشواؤں سے حل عقد کرانا اندھیرے میں چراغ کو سلائی لگا دیتا ہے، بلا سلائی لگائے چراغ سے غیر ممکن ہے۔ بینوا توجروا؟

---

(۱) مراقى الفلاح، باب العيدين، ص: ۵۳۸، دار الكتب العلمية، بيروت، انيس

(۲) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين: ۲/۲۸۵، انيس

الجواب

خطیب کو چاہیے کہ خطبہ عربیہ مختصر پڑھ کر ضروری احکام مناسب وقت میں اپنی زبان میں بیان کردیا کرے، باقی تمام خطبہ کا عربی میں نہ ہونا خلاف سنت ہے۔ حضرات صحابہؓ نے بلاد عجم میں بھی عربی ہی میں خطبہ پڑھا کرتے تھے؛ لیکن اس وقت اسلامی حکومت تھی تمام قضایا اور فیصلے عربی زبان میں لکھے جاتے تھے؛ اس لیے اہل عجم عموماً عربی زبان سیکھنے کی کوشش کرتے تھے، اس وقت بھی مسلمانوں کو عربی زبان سیکھنا چاہیے؛ تاکہ دین کی حفاظت رہے۔ خطبہ عربی کو عوام کی سستی کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اس کا مضائقہ نہیں کہ بعد خطبہ عربیہ کے اردو وغیرہ میں مسائل ضروریہ بیان کردیئے جاویں۔

(امداد الاحکام: ۳۴۵/۱-۳۴۶)

دونوں خطبہ کا عربی زبان میں ہونا:

سوال: مسلمانان ہند کی مادری زبان عموماً اردو ہے اور وہ زبان عربی سے بالکل ناواقف ہیں، نیز اکثر مسلمان احکام ضروریہ سے بھی بے بہرہ ہیں، خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے تو وہ اس سے کچھ بھی مستفید نہیں ہوسکتے؛ اس لیے ان کو خواہش ہے کہ عربی خطبہ پڑھنے کے بعد اس کا ترجمہ اردو زبان میں پڑھا جائے، یہ جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: سید ابوالحسن قادری مددگار صدارت العالیہ سرکار عالی)

الجواب

خطبہ کا مسنون اور متوارث طریقہ یہی ہے کہ خالص عربی نثر میں ہو۔ قرن اول میں بلاد عجم فتح ہوئے اور ان میں تبلیغ وتفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی اور صحابۂ کرام میں عجمی زبان جاننے والے بھی موجود تھے۔ اس کے باوجود کہیں ثابت نہیں کہ عجمی زبان میں خطبہ پڑھا گیا ہو، تفہیم کی ضرورت سے انکار نہیں؛ لیکن طریقۂ ماثورہ کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ اس کی اچھی صورت یہ ہے کہ خطیب مادری زبان میں خطبہ شروع کرنے سے پہلے تقریر کردے اور ضروریات دینیہ بیان کردے، پھر خطبہ کی اذان ہو اور دونوں خطبے عربی زبان میں پڑھے۔(۱) خطبوں میں اختصار کو مدنظر رکھے، مثلاً مادری زبان میں ۳۰ رمنٹ تقریر کرے اور دونوں عربی خطبے پانچ سات منٹ میں ختم کردے۔ اس طرح تبلیغ وتفہیم کی ضرورت بھی پوری ہوجائے گی اور خطبہ کی ہیئت مسنونہ ماثورہ بھی محفوظ رہے گی۔

کتبہ محمد کفایت اللہ عفا عنہ مولاہ، ۲ر جمادی الاخریٰ ۱۳۵۰ھ (کفایت المفتی: ۲۶۰/۳، ۲۶۱)

جمعہ وعیدین کا خطبہ غیر عربی میں مکروہ ہے:

سوال: جمعہ کا خطبہ اردو فارسی نظم میں پڑھنا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۱۷، حاجی عبدالبشیر خیاط، قصبہ دارنگر ضلع بجنور، ۲۸ر رجب ۱۳۵۲ھ، ۱۸ر نومبر ۱۹۳۳ء)

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريماً، الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعيد)

الجواب

جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں نظم اردو فارسی پڑھنی مکروہ ہے؛ کیوں کہ قرون اولیٰ میں باوجود ضرورت شدیدہ کے عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھے جانے کا ثبوت نہیں ہے اور نثر کے سوا نظم کا وجود نہیں۔ پس طریقہ مسنونہ متوارثہ یہی ہے کہ خطبہ خالص عربی نثر میں پڑھا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۲/۳)

جمعہ سے قبل کی سنتوں کو زوال کے بعد مسجد میں آ کر بیٹھنے سے قبل پڑھنا بہتر ہے:

سوال: یہاں کی جامع مسجد میں اکثر اصحاب اس طور نماز جمعہ ادا فرماتے ہیں کہ جمعہ مسجد میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں، جب ایک بجتا ہے تو اقامت خطبہ سے پہلے ایک تکبیر کہی جاتی ہے، جب تکبیر پکاری جاتی ہے تو ادائیگی سنت کے لیے اٹھتے ہیں اور سنت ادا کر لینے کے بعد خطبہ ہوتا ہے، تکبیر خطبہ کے ساتھ مصلی و امام تکبیر کے الفاظ کو مثل اذان کی تکبیر کے دہرا کر دعا مانگتے ہیں، بعدہ خطبہ شروع ہوتا ہے، جب امام خطبہ اُولیٰ عربی کے اندر پڑھ چکتے ہیں تو اس کا ترجمہ اردو اشعار میں کر کے خطبۂ اولیٰ ختم کرتے ہیں، جس سے خطبہ طویل ہو جاتا ہے، بعد اس کے خطبۂ ثانیہ میں جب الفاظ دعائیہ بحق سلطان المسلمین کے مقام پر آتے ہیں تو منبر کے دوسرے زینے پر نیچے آ جاتے ہیں اور الفاظ دعائیہ ختم ہونے پر پھر سابق مقام پر اوپر جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں آپ سے نمبروار ذیل کی صورتوں پر طالب فتویٰ ہوں کہ ان صورتوں میں از روئے عقائد حنفیہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا کیا طریقہ تھا۔ مفصل مع حوالجات جواب سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(۱) سنت قبل جمعہ کو تکبیر کے لیے مؤخر کر دینا (یعنی تکبیر صلوٰۃ پر سنت پڑھنا) کیسا ہے؟

اذان خطبہ اور دعا وغیرہ کے الفاظ کو دہرانا کیسا ہے:

(۲) صلوٰۃ خطبہ کے الفاظ کو مثل الفاظ اذان دہرانا اور دعا مانگنا چاہیے، یا نہیں؟

خطبہ اولی میں عربی پڑھنے کے بعد اردو اشعار پڑھنا کیسا ہے:

(۳) خطبہ کے اندر خطبۂ اولیٰ عربی زبان میں پڑھ چکنے کے بعد ترجمہ اردو اشعار میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

خطبۂ ثانیہ میں سلطان کے لیے دعا کرتے وقت ایک زینہ نیچے اترنا اور پھر اوپر چلا جانا کیسا ہے؟

(۴) خطبۂ ثانیہ میں بمقام دعا بحق سلطان المسلمین ایک زینہ نیچے آ جانا اور پھر اوپر چلا جانا کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۳۰، محمد اسماعیل مقام گوندیا، سی پی، ۴/ شعبان ۱۳۵۲ھ)

---

(۱) فإنه لا شک فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريما، الخ. (عمدة الرعاية علی هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعد)

الجواب

(۱) سنتوں کو تکبیر کے لیے موخر کرنا نہیں چاہیے، بعد زوال مسجد میں آنے والے آتے ہی ہیں، سنتیں پڑھ لیں؛ بلکہ بیٹھنے سے پہلے سنتوں کو شروع کر دینا چاہیے، یہی مسنون ہے۔(۱)

(۲) اذان خطبہ کو دہرانا امام اعظمؒ کے نزدیک نہیں چاہیے۔(۲) اذان اول کی اجابت مسنون ہے، نہ کہ اذان خطبہ کی؛ لیکن امام محمدؒ کے نزدیک اذان خطبہ کا جواب بھی دینا جائز ہے، اگر اس کے موافق دہرائیں تو آہستہ دل میں دہرائیں۔(۳)

(۳) اردو ترجمہ نثر، یا نظم میں کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے۔(۴)

(۴) بوقت دعائے سلطان المسلمین ایک زینہ نیچے اترنا اور پھر چڑھنا بے دلیل ہے اور مکروہ ہے۔(۵)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۶۲-۲۶۳)

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ:

سوال: جمعہ کی نماز کے لیے خطبۂ مسنونہ کیا اردو میں پڑھ سکتے ہیں؟ یا عربی میں پڑھنا ضروری ہے؟ اگر کوئی عالم دین خطبۂ اولی کو اردو میں اور خطبۂ ثانیہ کو عربی میں دے تو کیا حکم ہے؟ (محمد توفیق، معین آباد)

الجواب

خطبہ عربی میں دینا چاہیے، یہی متوارث طریقہ رہا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بہت سے عجمی علاقے فتح ہوئے؛ لیکن وہاں بھی مقامی زبانوں میں خطبہ دینے کا کوئی ذکر نہیں ملتا؛ اس لیے بہتر ہے کہ خطبہ سے پہلے اردو میں

---

(۱) عن أبی قتادة رضی اللہ عنہ أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم:"اذا جاء أحدكم المسجد فليصل سجدتين من قبل أى يجلس". (أبو داؤد، باب ما جاء فی الصلاة عند دخول المسجد: ۷٤/۱، ط: مکتبه امدادية، ملتان)

(۲) "(إذا خرج الامام) ... (فلاصلاة ولا كلام). (الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٥٨/۳، ط: سعيد)

(وفى ردالمحتار: "ينبغى أن لا يجيب بلسان اتفاقاً بين يدى الخطيب، الخ. (رد المحتار، باب الأذان: ۳۹۹/۱، ط: سعيد)

(۳) شامی میں ہے: (و كل ماحرم فى الصلاة حرم فيها) أى فى الخطبة ... فيحرم أكل وشرب و كلام ولو تسبيحا أو رد سلام أو أمراً بمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت ... والصواب أنه يصلى على النبى صلى الله عليه وسلم عند سماع اسمه فى نفسه ... وقالا: لابأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها وإذاجلس عند الثانى والخلاف فى كلام يتعلق بالآخرة أما غيره فمكروه اجماعاً ... وأما ما يفعله المؤذنون حال الخطبة من الترضى ونحوه فمكروه اتفاقاً، الخ. (الدرالمختارعلىٰ رد المحتار، باب الجمعة: ۱٥۹/۲-۱٦۰)

(۴) فإنه لاشک فى أن الخطبة بغيرالعربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريما، الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقايه، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعيد)

(۵) قال ابن حجر فى التحفة: "وبحث بعضهم أن ما اعتيد الآن من النزول فى الخطبة الثانية الىٰ درجة سفلى ثم العود بدعة قبيحة شنيعة. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى حكم المرتين يدى الخطيب: ۱٦۱/۲، ط: سعيد)

ضروری دینی باتیں بیان کی جائیں، پھر عربی میں خطبہ دے دیا جائے؛ تاہم اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر عربی زبان میں بھی خطبہ دیا جاسکتا ہے اور ان کے دونوں ممتاز شاگرد امام ابویوسفؒ امام محمد کے نزدیک جو شخص عربی زبان پر قادر ہو، اس کے لیے عربی میں ہی خطبہ دینا ضروری ہے۔ ہاں! جو عربی زبان پر قادر نہ ہو، وہ غیر عربی میں بھی خطبہ دے سکتا ہے۔

”لم يقيد الخطبة بكونها العربية اكتفاءً بما قدمه في باب صفة الصلاة من أنها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافا لهما“. (۱)

ہندوستان میں اکثر اہل علم عربی زبان میں ہی خطبہ کو واجب قرار دیتے رہے ہیں، البتہ مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ (۲) اور مولانا محمد علی مونگیریؒ (۳) وغیرہ کا رجحان اس کے برخلاف تھا اور اسی کے مطابق رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی فقہ اکیڈمی کا فیصلہ بھی ہے۔ (۴) اس لیے اس حقیر کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خطبہ تو عربی زبان ہی میں ہو؛ تاکہ اس کے درست ہونے میں کوئی اختلاف نہ رہے؛ لیکن اگر کسی مسجد میں پہلے سے اردو زبان میں خطبہ مروج ہو، جس میں عربی میں حمد و صلاۃ کے کلمات بھی پڑھے جاتے ہیں اور اس میں تبدیلی لانے کی صورت میں اختلاف و انتشار کا اندیشہ ہو، تو وہاں اس کو گوارہ کر لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۳۹-۴۰)

---

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب فی نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة: ۱٤٧/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) مجموعة الفتاوى على هامش خلاصة الفتاوى: ۱٤۱/۱، الفصل الخامس والعشرون، بحث النوع الثانی

(۳) مولانا مونگیریؒ کا اس موضوع پر ”القول المحكم فی خطابة العجم“ نامی مفصل رسالہ ہے۔

(۴) دیکھئے: جدید فقہی مسائل: ۱/۱۶۵

☆ **عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھنے کا حکم:**

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

مکرمی جناب مولوی محمد احسن صاحب زید عنایتہم، بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمایند۔ نامہ گرامی پہنچا، حقیقت الامر یہ ہے کہ خطبہ بزبان غیر عربی پڑھنا کتب فقہ سے مکروہ معلوم ہوتا ہے اور کراہت بھی تحریمہ معلوم ہوتی ہے، اس باب میں تحریرات بھی ہوچکی ہیں اور قرونِ ثلاثہ میں حالاں کہ صحابہ و تابعین علیہم الرضوان ممالک عجم میں تشریف لے گئے، چناں چہ خود ابن عباسؓ فارسی زبان والوں کے حاکم رہے، مگر گاہے فارسی میں خطبہ پڑھنا ثابت نہیں ہوا، لہٰذا کسی عالم ماضی نے یہ کام نہیں کیا اور اب بھی اسی وجہ سے کوئی نہیں کرتا، البتہ عید کا خطبہ کہ خود مسنون ہے، اگر اس میں بعد ادائے قدر خطبہ کے مضامین ضرور یہ بیان کر دیویں تو نہایت الامر ترک اولیٰ ہو جاوے گا۔ بہرحال بوجہ عدم ثبوت قرون ثلاثہ کے اور تصریح کراہت کے کتب معتبرہ حنفیہ سے، اس پر عمل در آمد نہیں ہوتا اور اصل خطبہ کی ذکر ہے اور ذکر بضمن تذکرہ و وعظ مسنون ہے۔ (اور اصل خطبہ کی ذکر ہے: یہ ان لوگوں کے استدلال کا جواب ہے، جو غیر عربی میں خطبہ دینے پر اصرار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا خطبہ پند و موعظت ہے اور جب لوگ عربی نہیں جانتے تو عربی میں خطبہ دینے سے کیا فائدہ؟ جواب یہ ہے کہ خطبہ درحقیقت ذکر اللہ ہے، سورہ جمعہ میں ہے: ﴿**فاسعوا إلى ذكر الله**﴾ اور ذکر بضمن تذکرہ و وعظ مسنون ہے، اس میں ایک دوسرے خلجان کو رفع کیا ہے کہ خطبہ جمعہ کا مقصد وعظ و نصیحت بھی ہے اور وہی خطبہ کا ظاہری پہلو ہے اور ذکر کا تحقق اس کے ضمن میں ہوتا ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے کہ خطبہ کا بظاہر وعظ ہو اور ضمناً ذکر ہو۔ (پالن پوری) فقط

(مجموعہ کلاں، ص: ۱۴۳) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ: ۱۸۵)

غیر عربی میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: خطبہ جمعہ، یا عیدین میں اردو و فارسی یعنی غیر عربی نظم، یا نثر بطور وعظ کے پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟ اور اگر درست ہے تو فرض ہے، یا واجب، یا سنت، یا مستحب اور خالص عربی میں پڑھنا باوجود یکہ لوگ سمجھتے بھی نہ ہوں، بہتر ہے، مخلط عربی اور غیر عربی سے خصوصاً جب کہ لوگ خالص عربی پڑھنے پر اعتراض کریں اور خالص عربی پڑھنے والوں کو غیر مقلدی کا الزام لگائیں اور اس کو غیر عربی پڑھنے پر مجبور کرتے ہوں اور نا جائز ہے تو کیا حرام، یا مکروہ تحریمی، یا تنزیہی؟ مع حوالہ کتب فقہ تحریر فرمائیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

سامعین خواہ ماہرین زبان عربی ہوں، یا نہ ہوں، اردو فارسی، یا کسی زبان کی نظم میں خطبہ پڑھنا مکروہ ہے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ امی وابی سے و نیز آپ کے صحابہ سے غیر عربی میں خطبہ پڑھنا منقول نہیں، حالاں کہ اعاجم جو خطبہ کی عربی زبان سمجھنے سے قاصر تھے، زمانۂ صحابہ میں بکثرت داخل دائرہ اسلام ہو گئے تھے؛ لیکن کسی صحابی سے منقول نہیں کہ انہوں نے عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ پڑھا ہو۔ خطیب پر یہ لازم نہیں کہ سامعین کو سمجھانے کے لیے غیر عربی میں خطبہ پڑھے یہ تو خود سامعین کی کمزوری ہے کہ عربی زبان سے ناواقف ہیں۔

فی آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس: الکراهة إنما هی لمخالفة السنة لأن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و أصحابه قد خطبوا دائماً بالعربیة ولم ینقل عن أحد منهم أنهم خطبوا خطبة ولو خطبة غیر الجمعة بغیر العربیة انتهٰی ... والخطبة بالفارسیة التی أحد ثوها واعتقدوها حسنها لیس الباعث الیها الاعدم فهم العجم اللغة العربیة وهٰذا الباعث قد کان موجوداً فی عصر خیر البریة وان کانت فیه اشتباه فلا اشتباه فی عصر الصحابة والتابعین ومن تبعهم من الأئمة المجتهدین حیث فتحت الأمصار الشاسعة والدیار الواسعة وأسلم أکثر الحبش والروم والعجم وغیرهم من الأعاجم وحضروا مجالس الجمع والأعیاد وغیرها من شعائر الاسلام وقد کان أکثرهم لایعرفون اللغة العربیة ومع ذلک لم یخطب لهم أحد منهم بغیر العربیة ولما ثبت وجود الباعث فی تلک الأزمنة وفقدان المانع التکاسل ونحوه معلوم بالقواعد المبرهنة لم یبق إلا الکراهة التی هی أوفی درجات الضلا لة، انتهٰی. (۱) (کفایت المفتی: ۳/۲۵۸-۲۵۹)

خطبۂ جمعہ اردو میں پڑھنے کا حکم:

سوال: کسی شہر میں اکثر مساجد میں جمعہ کا خطبۂ اولیٰ اردو میں ہوتا ہے، ایسے شہر میں کوئی قدیم مسجد آباد کرنے والے خطبۂ اولیٰ اردو میں جاری کئے ہوں؛ مگر اس شہر کے اکثر مسلمان خطبہ اردو میں سننے کے عادی نہ ہوں تو افضل اور

(۱) آکام النفائس فی أداء الأذکار بلسان الفارس، ص: ٤٦-٤٧، ادارة القرآن کراچی، انیس

اولی حالات کے اعتبار سے کیا ہے؟ دیگر مساجد کے منتظمین اور مسلم آبادی میں حد درجہ حالات بد اور شدت آچکی ہے۔ منتظمین کے رویہ نے بھی آبادی میں ایک عجیب ہیجان پیدا کر دیا ہے، ڈر ہے کہ کوئی نزاع نہ پیدا ہو جائے اور ہاتھا پائی کی نوبت آجائے، لہٰذا ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نمازِ جمعہ کے لیے دونوں خطبے شرط ہیں، جیسا کہ عام کتابوں میں فقہ کی لکھا ہوا ہے۔(۱) اسی وجہ سے اس میں عبادت کی بھی شان ہے، اس کی طرف اشارہ: ''**إذا خرج الإمام فلا صلاة ولا كلام**'' سے بھی ملتا ہے۔(۲)

نیز خطبہ بھی مثل صلوٰۃ کے امرِ تعبدی ہے، اس کو عالمگیری نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے: ''**الخطبة كالصلاة**''، اسی وجہ سے اس میں بھی قیاس کو دخل نہ ہوگا؛ بلکہ جس طرح نماز امرِ تعبدی ہے اور جس طرح جس کیفیت وقیود وشرائط کے ساتھ دربار رسالت سے منقول ہے، اسی طرح ادا کرنا اور پڑھنا ضروری ہے، قیاس کر کے کہ خطبہ کے معنی مضامین وعظ اور احکام کے ہیں اور مخاطب کو نفع پورا جب ہی پہونچے گا، جب اس کو مخاطب کی زبان میں پڑھا جائے، غلط ہوگا۔

جس طرح نماز کی قرأت ودعاؤں میں یہ ساری مصلحتیں ہوتی ہیں؛ مگر غیر عربی میں نماز پڑھنا درست نہیں، اسی طرح خطبہ کا بھی حکم ہوگا۔

اوران ہی وجوہ واسباب کے تحت صحابہ کرام بھی جب بسلسلۂ تبلیغ وجہاد عرب سے باہر نکلے اور فارس وروم میں پہنچے تو انہوں نے کبھی خطبہ جمعہ غیر عربی میں نہیں دیا (مخاطب کی زبان میں)؛ بلکہ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کوئی جزئیہ نہیں ملتا کہ ان حضرات نے خطبہ جمعہ غیر عربی میں پڑھا ہو، حالاں کہ ان میں اوران کی جماعت میں بہت سے لوگ ایسے تھے، جو غیر عربی اور مخاطب کی زبان جانتے تھے، نیز ان کا مقصدِ اولین تبلیغ اور اشاعتِ دین تھا اور اس لیے عرب سے باہر نکلے تھے اور اس وقت اشاعتِ مذہب اور احکامِ مذہب کا طریقہ بھی اس وعظ ونصیحت میں قریب قریب محدود تھا اور آج کل کی طرح اس کے ذرائع ووسائل کثیر نہیں تھے اور وہ ہم سے زیادہ مستعد وشوقین اس معاملہ میں تھے، ان سب باتوں کے باوجود خطبۂ جمعہ کو مثل نماز کے بالکل اسی طریقہ میں محدود رکھا، جس کو دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا تھا۔

تو معلوم ہوا کہ خطبۂ جمعہ کو اسی طرح عربی میں محفوظ رکھنا شرعی مطلوب ومقصود ہے، اس سے خروج کرنا منشاء رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور **عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال النبي صلى الله عليه وسلم: من أحدث في أمرنا هٰذا ما ليس منه فهو رد**''(۳) کا ایک فرد ہوا۔

---

(۱) (ويسن خطبتان) خفيفتان. (الدر المختار على رد المحتار، باب صلاة الجمعة: ۱۴۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (وكل ماحرم في الصلاة حرم فيها) أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب، وكلام ولو تسبيحاً أورد السلام أو أمر بالمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت. (الدر المختار على رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، دار الفكر، انيس)

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا على صلح جور فهو مردود: ۳۷۱/۱، قديمي، انيس

اوران ہی وجوہ سے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جن کا پہلا قول غیر عربی میں جواز کا تھا، اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا۔

اوران ہی وجوہ سے مفتی بہ قول خطبۂ جمعہ کے غیر عربی میں ہونے کے کراہتِ تحریمی کا ہے، جیسا کہ شرح موطأ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث قدس سرہ العزیز نے بھی فرمایا ہے۔(۱)

اب جن لوگوں کو اس پر اصرار ہوان کو نرمی ومحبت سے اصل مسئلہ احناف کا اور اصل منشاء حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرامؓ وتابعین عظام کا سمجھایا جائے اور اگر ضرورت داعی ہوتو اس طرح جمع کرلیا جائے کہ ہر خطبہ جمعہ شروع ہونے کے متعینہ وقت کے قبل اذانِ اول کے بعد کوئی صاحب (امام، یا غیر امام) خطبہ کا مضمون اور ضروری وعظ بیان کردے اور خطبہ کے متعینہ وقت سے دس آٹھ منٹ قبل اپنا بیان قطعاً بند کردے؛ تاکہ لوگ اطمینان سے سنت مؤکدہ وقت کی پڑھ لیں اور خطبہ ونماز وقت سے ادا ہو اور گڑ بڑی نہ ہو یا پھر تمام نماز (فرض وسنت) سے فراغت کے بعد وعظ کا سلسلہ قائم کرلیا جائے؛ مگر خطبہ جمعہ کو بعینہٖ ویسا ہی رکھا جائے، جس طرح صحابہ کرام سے منقول ہے، اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۳۳۸/۱-۳۴۰)

خطبہ جمعہ میں غیر عربی میں مسائل کی تعلیم درست ہے:

سوال: درمیان خطبہ جمعہ بزبان بنگلہ، یا اردو وعظ وتعلیم امور دین درست است، یا نہ؟

---

(۱) ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وخلفائهٖ رضی اللّٰه عنهم و هلم جراً فوجدنا وجود أشياء منها الحمد والشهادتان والصلاة على النبی صلی اللّٰه علیه وسلم (إلی قوله) وأما كونها عربية فلاستمرار أهل المسلمين فی المشارق والمغارب به مع أن فی كثيرمن الأقاليم كان المخاطبون أعجميين. وقال النووی فی كتاب الأذكار رحمه اللّٰه تعالیٰ: ويشترط كونهاأی خطبة الجمعة وغير ها بالعربية، وهل يشترط كون الخطبة كلها بالعربية وجها أن الصحيح اشتراطه فان لم يكن منهم من يحسن العربية خطب بغيرها ويجب عليهم التعلم والاعصراً ولا حجة لهم. (شرح احياء العلوم للزبيدی: ۳/۲۲۶)

روی مسلم عن جابر فی قصة يوم الفطر ثم خطب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فلما فرغ نزل فأتی النساء، وروی البخاری عن ابن عباس بعد وعظ النساء ثم انطلق هو وبلال إلی بيته. فقوله فرغ فذكرهن ونزل وانطلق إلی بيته إلی قوله ولاشک أن التذكير بالهندية ليس من الخطبة المسنونة فی شئی لان من خواصها المقصورة كونها بالعربية لعدم نقل خلافها عن صاحب الوحی أو السلف. (منقول من جواهر الفقه، المجلد الأول)

اور درمختار میں شروع فی الصلوٰۃ کے بیان میں ہے:

”علیٰ هذا الخلاف الخطبة وجميع أذكار الصلاة“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل واذا أراد الشروع فی الصلاة كبر: ۱/۴۸۴، دارالفكر بيروت، انيس)

الجواب

درمیان خطبہ عربیہ بزبان دیگر قدرے تعلیم مسائل راست؟

الدلیل قال فی الدر: ویکرہ تکلمه فیها أی فی الخطبة إلا لأمر بمعروف؛لأنه منها،آہ.(۱)

یکم ربیع الاول ۱۳۴۵ھ (امداد الاحکام:۲/۳۶۵)

نثر یا نظم میں ترجمہ خطبہ سنانے کے بعد عربی میں خطبہ پڑھنا:

سوال: جمعہ کے پہلے خطبہ میں ترجمہ نثر ہو، یا نظم؟ پہلے پڑھ کر بعدہ عربی میں خطبہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

خطبہ میں عربی کے ساتھ اگر کسی وقت کسی خاص ضرورت سے نصیحت کے طور پر اردو میں بھی کچھ بیان کردیا جائے تو جائز ہے؛ لیکن اردو، یا فارسی، یا عربی نظم پڑھنا مکروہ ہے؛ کیوں کہ سلف سے خطبہ میں نظم کا پڑھنا منقول نہیں، پس یہ بدعت ہے۔ اسی طرح سارا خطبہ اردو میں ہونا؛ یعنی عربی بالکل نہ ہو، یہ بھی بدعت ہے۔ واللہ اعلم

۱۲/ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ

قال العلامۃ عبدالحی فی فتاواہ: لکن بجہت آنکہ مخالف سنت متوارثہ است (خطبہ بنظم خواندان) خالی از کراہت تنزیہی نیست وصاحب نصاب الاحتساب بحرمۃ اورفتہ۔(۱/۱۴۱،مع الخلاصۃ) وقال شیخنا فی امداد الفتاوی: فقط خطبہ عربی پر اکتفاء کرنا چاہیے، ترجمہ وغیرہ کرنا بہتر نہیں ہے، وہاں اگر کوئی نصیحت مناسب وقت کسی واقعہ میں کردی جائے تو جائز ہے۔ **یکرہ للخطیب أن یتکلم فی حال الخطبة إلا أن یکون أمراً بمعروف، کذا فی الفتح.** (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱٤٥)(۲)

ویروی رجوعه فی أصل المسئلة الی قولهما وعلیه الاعتماد والخطبة والتشهد علی هذا الاختلاف. (الهدایة)(۳)

قال الشیخ فلما ثبت الرجوع عنه فی القراءة ثبت فی الخطبة بالفارسیة. (الفتاویٰ الهندیة: ۱/۱۰۳) فقط (امداد الاحکام:۲/۳۶۵-۳۶۶)

جمعہ کے خطبہ میں وعظ، یا خطبہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: جمعہ کے خطبہ میں اردو زبان میں وعظ کرنا، یا اردو میں خطبہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۶۸۹،مولانا مولوی سید سراج احمد، مدرس مدرسہ اسلامیہ جامع ڈابھیل ضلع سورت،۲۴/رمضان ۱۳۵۴ھ،۲۱/دسمبر ۱۹۳۵ء)

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار،باب الجمعة :۲/۱٤۹،دار الفکر بیروت،انیس

(۲) الفتاویٰ الهندیة، کتاب الصلاة،الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱٤۷،دارالفکر بیروت،انیس

(۳) الهدایة،باب الجمعة: ۱/٤۹،دارإحیاء التراث العربی بیروت،انیس

الجواب

خطبہ جمعہ وعیدین میں خالص عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون ومتوارث ہے،اس کے سوا کسی اورزبان میں خطبہ پڑھنا، یا عربی نظم میں پڑھنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے؛ گوخطبہ تو ادا ہوجائے گا؛لیکن خلاف متوارث ہونے کی وجہ سے کراہت ہوگی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی :۳/۲۶۸)

خطبۂ جمعہ وعیدین خالص عربی میں ہو:

سوال: خطبہ جمعہ وعیدین کس زبان میں ہونے چاہئیں؟

(۲) شریعت مطہرہ میں خطبہ کی حقیقت کیا ہے؟

(۳) لوگوں کا اشتیاق اگر ہو تو کیا خطبہ کا ترجمہ خطیب کو سنا دینا چاہیے، یا نہیں؟ اگر ترجمہ سنایا جائے تو کب؟ خطبہ کے بعد ہی منبر پر، یا فراغ جمعہ کے بعد؟

(۴) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جمعہ کے فرضوں کے بعد فوراً ہی مسجد سے چلے جانا چاہیے اور کسی ضرورت شرعی (مثلاً ادائیگی سنن ونوافل سماع وعظ تسبیح وذکر وغیرہ) کی وجہ سے بھی مسجد میں ٹھہرے رہنا جائز نہیں اور کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ﴿فإذا قضيت الصلاة فانتشروا﴾ (۲) سے یہ حکم ثابت اور منصوص ہے، کیا اس انتشار سے یہی مراد ہے؟ مسائل مذکورہ میں شوافع اور احناف کے نزدیک اگر کوئی گنجائش اور توسع ہو تو ظاہر کردی جائے۔ یہ اختلاف وہاں ہے، جہاں حنفی اور شافعی دونوں قسم کے حضرات ہیں۔

(المستفتی: ۷۴۴،عبدالحمید کوکنی ڈابھیل ضلع سورت، ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ،۱۰فروری ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱) خطبہ جمعہ وعیدین کا طریقہ مسنونہ متوارثہ یہی ہے کہ وہ عربی زبان میں ہو۔قرون اولیٰ میں باوجود ضرورت شدیدہ کے کہ اس وقت تعلیم احکام اور تبلیغ اسلام کی بہت زیادہ ضرورت تھی،خطبہ کی عربیت کو ترک نہیں کیا گیا۔(۳)

(۲) خطبہ کی حیثیت وعظ وتذکیر اور ذکر اللہ سے مرکب ہے۔(۴)

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريماً،الخ.(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱/۲۰۰،ط،سعيد)

(۲) سورة الجمعة: ۱۰،انيس

(۳) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريماً،الخ.(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱/۲۰۰،ط،سعيد)

(۴) الشرط الرابع الخطبة،وعليه الجمهور وركنها مطلق ذكر الله تعالىٰ بنيتها الخ وسنتها كونها خطبتين==

(۳) اگر خطیب اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں پندرہ بیس منٹ پہلے کچھ ضروری باتیں بیان کردے، اس کے بعد اذان کہلوائے اور بقدر ادائیگی فرض مختصر طور پر عربی میں خطبہ پڑھ لے (اور خطبتین کے لیے پانچ سات منٹ کافی ہوں گے) تو یہ صورت بہتر ہوگی۔

(۴) انتشار فی الارض کا حکم محض اباحت کے لیے ہے، نہ کہ وجوب کے لیے اور اگر کوئی مسجد میں نوافل وسنن پڑھے، یا مسجد سے نہ نکلے شام تک بیٹھا رہے تو وہ کسی قسم کا گنہ گار نہیں ہوگا، جیسے کہ مسجد سے نکلنے والے اگلے حکم ﴿وابتغوا من فضل الله﴾ کے ترک سے گناہ گار نہیں ہوں گے، اس کے علاوہ ﴿قضيت الصلاة﴾ کا مفہوم فراغ من السنن والنوافل تک وسیع ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۹/۳)

خطبۂ جمعہ میں عربی کا بطور وعظ ترجمہ کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور اس سے ادائیگی جمعہ کا حکم:

سوال: خطبۂ جمعہ کا مع عربی کے ترجمہ کرنا، یا صرف اردو میں بطور وعظ و لکچر پڑھنا امام شافعیؒ و امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے، یا نہیں؟ اگر اردو، یا کسی غیر عربی زبان کو خطبہ میں شامل کیا جائے تو جمعہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۹۷۰، مولوی محمد علی (جوہانس برگ افریقہ)، ۱۱ / ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، ۲ / جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب

امام شافعیؒ کے نزدیک خطبہ کا عربی زبان میں ہونا شرط ہے، بغیر عربی زبان کے خطبہ صحیح نہیں اور جب خطبہ صحیح نہیں ہوا تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا؛ مگر خطبہ کے عربی ہونے سے مراد یہ ہے کہ خطبہ میں جتنی چیزیں فرض ہیں، وہ سب عربی زبان میں ہوں (دونوں خطبوں میں حمد و صلوٰۃ اور وصیت بالتقوی کا ہونا اور کسی ایک خطبہ میں قرآن مجید کی کم از کم ایک آیت کی تلاوت کرنا اور دوسرے خطبہ میں مسلمانوں کے لیے دعا کرنا فرض ہے) ان کے علاوہ باقی خطبہ غیر عربی میں ہو تو سقوط فرضیت خطبہ کے منافی نہیں۔ **ويشترط كونها كلها عربية. قوله كلها أى الخطبة أى كل أركانها فى الخطبتين ولا يضر غير العربية فى غير الأركان.** (شرح منهاج الطالبين مع الحاشية للعلامة القليوبى) (۱) اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عربیت شرط نہیں ہے؛ یعنی غیر عربی زبان میں بھی خطبہ ادا ہو جائے گا؛ لیکن غیر عربی زبان میں خطبہ پڑھنا مکروہ بالاتفاق ہے؛ کیوں کہ قرون اولیٰ مشہود لہا بالخیر میں اس کا تعامل نہ تھا۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۰/۳)

== بجلسة بينهما تشمل كل منهما على الحمد والتشهد والصلاة على النبى صلى الله عليهم وسلم. (الحلبى الكبير، فصل فى صلاة الجمعة، ص: ۵۵۵، ط: سهيل اكادمى لاهور)

(۱) باب الجمعة: ۲۷۸/۱، ط: دار احياء الكتب العربية، مصر

(۲) فإنه لا شك فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروها تحريماً، الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط، سعيد)

خطبۂ جمعہ عربی زبان میں ہونی چاہیے:

سوال: جمعہ کا خطبہ عجمی زبان میں مثلا اردو، یا فارسی وغیرہ میں جائز ہے، یا نہیں؟ اور اگر عربی زبان میں ہو تو ترجمہ کرنا اردو وغیرہ میں کیسا ہے؟

(المستفتی: ۱۰۸۴، گل بادشاہ (پشاور) ۱۰/ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، ۳۰/ جولائی ۱۹۳۶ء)

الجواب

خطبۂ جمعہ خاص عربی زبان میں پڑھنا چاہیے اور منبر پر یعنی خطبہ پڑھنے کے وقت ترجمہ نہ کریں، یہ طریقہ مرضیہ اسلاف رحمہم اللہ وسنت سنیہ اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم و اسوۂ حسنہ حضرت سید المرسلین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اس سے خلاف کرنا مذموم ومکروہ ہے، ملخصا۔ حررہ مولوی عبد اللہ الطّوری عفی عنہ

ہوالموفق! بے شک سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ خطبہ خالص عربی نثر میں ہو، اس کے خلاف کرنا مکروہ ہے، اگر چہ خطبہ ادا ہو جائے گا؛ مگر خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کراہت آئے گی۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۷۰-۲۷۱)

اذان اول کے بعد مادری زبان میں خطبہ دینا کوئی مضائقہ نہیں ہے:

سوال: جمعہ کے روز جس وقت پہلی اذان جمعہ مسجد میں ہو جائے، اس وقت کسی واعظ کو وعظ کہنا، یا کہ خطیب جامع مسجد کو وعظ کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ اس وقت مسلمانوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے اور وہ مسجد میں داخل ہو کر نماز سنت ادا کرتے ہیں۔ وہ وعظ ہونے کی حالت میں نماز سنت ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۰۸۶، جناب قاضی عبد العزیز صاحب (انبالہ چھاؤنی) ۱۲/ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ، یکم اگست ۱۹۳۶ء)

الجواب

اذان اول ہو جانے اور سنتیں ادا کرنے کے لیے وقت چھوڑ کر اذان خطبہ سے قبل اگر کچھ ضروری باتیں مسلمانوں کو مقامی زبان میں سنادی جائیں تو مضائقہ نہیں۔ لوگوں کو خیال رکھنا چاہیے، سنتیں پڑھ کر فارغ ہو جایا کریں، یا علاحدہ جگہ میں سنتیں ادا کرلیا کریں۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۷۱)

---

(۱) ولایشترط کونها بالعربیة فلو خطب بالفارسیة أوبغیرها جاز، کذا قالوا، والمراد بالجواز هوالجواز فی حق الصلاة بمعنی أنه یکفی لأداء الشرطیة، وتصح بها الصلاة، لا الجواز بمعنی الاباحة المطلقة فانه لا شک فی أن الخطبة بغیرالعربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والصحابة فیکون مکروهاً تحریماً، الخ. (عمدة الرعایة علیٰ هامش شرح الوقایة، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعید)

(۲) أن تمیما الداری استأذن عمر فی القصص سنین فأبیٰ أن یا ذن له، فاستاذنه فی یوم واحد فلما أکثر علیه ==

اذان خطبہ کسی جگہ بھی دے سکتا ہے، نز دمنبر لازم نہیں:

سوال: بروز جمعہ خطیب کے سامنے جواذان کہی جاتی ہے وہ منبر کے سامنے قریب میں کھڑے ہوکر جیسا کہ عام دستور ہے دینی چاہئے یا مسجد کے باہر صحن میں منبر سے دور تمام نمازیوں کے پیچھے کھڑے ہوکر دینی چاہئے۔

(المستفتی: ۱۱۶۵، عبدالرحمٰن ومحمد حسین صاحبان (ساورہ) ۱۳؍جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ، یکم ستمبر ۱۹۳۶ء)

الجواب

لازم نہیں کہ اذان خطبہ منبر کے پاس کہی جائے؛ بلکہ منبر سے دور امام کے سامنے دو چار صفوں کے بعد، یا تمام صفوں کے بعد بھی کہنی جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۱/۳) ☆

== قال له ما تقول قال أقرأ عليهم القرآن وامرهم بالخير وأنها عن الشرقال عمرذلک الذبح ثم قال عظ قبل أن أخرج فى الجمعة فكان يفعل ذلک يوماً واحدا فى الجمعة.(الموضوعات الكبير،مقدمة: ۲۰، نور محمد، أصح المطابع، كراتشى)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت تمیم داری کو وعظ کہنے کی اجازت دی تھی۔

(۱) صف اول کی قید تو کہیں نہیں ملتی، البتہ کتب فقہ کے الفاظِ امام المنبر، عندالمنبر اور بین یدی المنبر وغیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اذن منبر کے سامنے اور قریب ہونی چاہیے۔وإذا جلس الإمام على المنبر إذن ثانياً بين يديه.(شرح الوقاية،باب الجمعة (جامع الرموز، فصل فى صلاة الجمعة: ۱/۶۶۸،ط: كريمية قزان)

☆ خطبۂ جمعہ غیر عربی میں پڑھنا مکروہ ہے:

سوال (۱) جمعہ کا خطبہ کون سی زبان میں پڑھنا جائز ہے، اگر اردو، یا کسی اور زبان میں جمعہ کا خطبہ پڑھا جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

(۲) جمعہ کے خطبہ کو الحمدللہ اور درود شریف سے شروع کرے:أما بعد فيأيها الناس کے بعد سارا مضمون اگر خطیب اردو، یا کسی اور زبان میں بیان کردے تو اس کے لیے فقہاء کرام کا کیا فتویٰ ہے؟

(المستفتی: ۱۴۴۷، امام عبدالصمد (جنوبی افریقہ) ۹؍ربیع الاول ۱۳۵۶ھ، ۲۰؍مئی ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) خطبۂ جمعہ وعیدین عربی زبان میں مسنون ومتوارث ہے، عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ کل، یا جزو پڑھنے سے خطبہ ادا تو ہوجاوے گا، مگر مکروہ ہے۔(فإنه لا شک فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً، الخ.(عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية،باب الجمعة: ۱/۲۰۰،ط: سعيد)

(۲) نمبر:۱، کا جواب اس کا بھی جواب ہے۔(حوالہ بالا)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۲/۳)

شاہ اسماعیل کا خطبہ کیسا ہے، عربی، یا اردو؟ اشعار خطبہ میں جائز ہے، یا نہیں:

سوال: حضرت شاہ اسماعیل صاحب کا خطبہ جمعہ کیسا ہے، اشعار خطبہ میں پڑھے جائیں، یا نہیں؟ عربی اردو اشعار میں کیا کچھ فرق ہے؟ (المستفتی: عزیز احمد مدرس مکتب عبداللہ پور (ضلع میرٹھ)

الجواب

حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب کا خطبہ جمعہ بہتر ہے، اشعار خطبہ میں پڑھنا مکروہ ہے، خواہ اردو ہوں، یا فارسی، یا عربی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۲/۳)

جمعہ کے دونوں خطبہ عربی میں پڑھنا:

سوال: ایک فریق جمعہ کے عربی خطبہ کے مفہوم کو اردو میں سننے اور سمجھنے پر مصر ہے۔ دوسرا فریق ایسا کرنے کو بدعت اور مکروہ تحریمی قرار دیتا ہے اور اپنی تائید میں متقدمین کے مسلک کو پیش کرتا ہے۔ اختلاف کو مٹانے کا کوئی احسن طریقہ تحریر فرمائیں؟

(المستفتی: ۲۴۶، حافظ عبدالشکور صاحب، ۴/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ، ۲۰/مارچ ۱۹۳۴ء)

الجواب

اس اختلاف کو مٹانے کا بہترین طریقہ ہے کہ خطیب منبر پر جا کر پہلے اردو میں وعظ و نصیحت جو کچھ کرنا ہو کر دے، پھر خطبہ کی اذان کہلوائے اور دونوں خطبے خالص عربی میں نہایت مختصر طور پڑھ دے کہ دونوں خطبوں میں پانچ منٹ صرف ہوں، اس طرح دونوں فریق مطمئن ہو جائیں گے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۴/۳) ☆

☆ **خطبہ خالص عربی میں ہو، مقامی زبان میں وعظ اذان خطبہ سے قبل ہو:**

سوال: پنجاب میں رواج ہے کہ جمعہ کو بعد اذان ثانی کچھ خطبہ عربی میں پڑھ کر اردو میں نثراً و نظماً وعظ کہتے ہیں۔ بعض جگہ کئی کئی گھنٹے تک وعظ کے بعد خطبہ پورا کرتے ہیں، کہیں کہیں دوران وعظ میں چندہ بھی جمع ہوتا ہے، نماز جمعہ میں اکثر تین بج جاتے ہیں، کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟ نیز قبل از نماز پنجگانہ، یا قبل از اذان خطبہ مسائل و احکام دین بیان کرنا (تاکہ لوگ بیکار نہ بیٹھیں) جائز ہے، یا نہیں؟ یہ عاجز سہارنپور کا باشندہ ہے اور مظاہر علوم سے تحصیل عربی کیے ہوئے ہے۔ اس کا طرز عمل یہ ہے کہ پہلی اذان کے بعد جب تک خطبہ کا وقت ہو اور لوگ جمع ہوں کچھ ضروری مسائل سنا دیتا ہے۔ اس پر اہل حدیث لوگ خصوصا مولوی عبداللہ امرتسری اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کہیں ثابت نہیں، نہ حضور نے، نہ صحابہ نے، نہ اس کے بعد تابعی نے کیا، یہ بدعت ہے اس سے بچنا چاہئے، گویا خطبوں کے درمیان وعظ حضور سے ثابت ہے۔

(المستفتی: ۲۶۱، حافظ محمد اسحٰق انصاری، روپڑ ضلع انبالہ، ۷/محرم ۱۳۵۳ھ، ۲۲/اپریل ۱۹۳۴ء)

الجواب

خطبہ جمعہ خالص عربی نثر میں ثابت ہے، عربی کے سوا کسی دوسری زبان میں خطبہ ثابت نہیں، (**فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية علٰى هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد)**

اگرچہ صحابہ بلکہ خلفا کے زمانے میں ہی فارس وغیرہ فتح ہو گئے تھے اور لوگوں کے جدید الاسلام ہونے کی وجہ سے ان کی زبان میں تفہیم کی ضرورت آج سے بہت زیادہ تھی اور صحابہ اور مسلمانوں میں فارسی زبان جاننے والے بھی کثرت سے موجود تھے، باوجود اس کے عربی کے سوا کسی اور زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا؛ اس لیے خطبہ کا طریقہ ماثورہ متواترہ مسنونہ یہی ہے کہ وہ خالص عربی میں ہو اور تطویل خطبہ کی بھی مکروہ ہے کہ وہ لوگوں کے لیے پریشان کن ہے۔ اب رہا افہام و تفہیم کا مسئلہ تو اس کی بہتر صورت یہی ہے کہ خطبہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں لوگوں کو وقتی ضروریات اور ضروری مسائل سے آگاہ کر دیا جائے؛ لیکن تطویل نہ کی جائے۔ تھوڑا سا وقت جو قابل برداشت ہو، اس میں صرف کیا جائے، اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور خطبہ مسنونہ طریقہ پر خالص عربی میں ادا کیا جائے، دونوں خطبے صرف پانچ منٹ میں ادا ہو سکتے ہیں، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۶۴/۳-۲۶۵) ==

اردو میں خطبۂ جمعہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال (۱) ہمارے ملک گجرات میں رواج ہے کہ زبان اردو میں خطیب خطبۂ جمعہ پڑھتا ہے۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

ترکی ٹوپی پہن کر نماز جمعہ پڑھانے کا حکم:

(۲) پیش امام نماز جمعہ ترکی ٹوپی پہن کر بغیر صافہ نماز جماعت پڑھاتا ہے۔ یہ جائز ہے، یا نہیں؟

== **اذان خطبہ سے قبل مقامی زبان میں وعظ کہنا جائز ہے:**

(المستفتی: ۳۱۵، محمد رفیق امام جامع مسجد (گیا) ۴/ربیع الاول ۱۳۵۳ھ، ۱۷/جون ۱۹۳۴ء)

الجواب

خطبہ جمعہ کی اذان سے پہلے مقامی زبان میں وعظ ونصیحت کرنا جائز ہے، خطبہ خالص عربی میں مسنون ومتوارث ہے، اس کو غیر عربی سے مخلوط نہ کرنا چاہیے، اگر کیا جائے گا تو مسنون متوارث کے خلاف ہوگا۔ (**فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً** الخ (**عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد**)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۶۵)

عربی نثر میں خطبۂ جمعہ پڑھنا مسنون ہے:

(المستفتی: ۴۱۱، سید محبوب حسن (نرائن گڈھ) ۲۶/ جمادی الثانی ۱۳۵۳ھ، ۶/ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

الجواب

جمعہ کے خطبہ میں اردو فارسی نظم، یا نثر خلاف سنت ہے۔ (حوالہ بالا) عربی نثر میں خطبہ پڑھنا مسنون ہے، خطبہ سے پہلے اپنی زبان میں وعظ ونصیحت کر سکتا ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۶۵-۲۶۶)

(المستفتی: ۵۲۷، مرزا یوسف بیگ، ۷/ ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، ۹/ جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

جمعہ کی نماز میں مسلمانوں کے جمع عظیم کے اجتماع اور اظہار شوکت اسلامیہ کو بڑا دخل ہے۔ اجتماع عظیم کے سامنے خطبہ دینے کا مقصد ان کی دینی اجتماعی ضرورتوں کا رفع کرنا اور ان کے متعلق احکام اسلامیہ کی تبلیغ کرنا۔ ایک جم غفیر کا اجتماعی حیثیت سے رب العالمین کی بارگاہ معلیٰ میں سربسجود ہونا ہے، ایک خطبہ ہمیشہ کے لیے معین کر لینا اور ہر جمعہ کو وہی پڑھ دینا اگرچہ خطبہ کی فرضیت کو پورا کر دیتا ہے؛ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مقصد خطبہ سے دور ہے۔ بایں ہمہ خطبہ میں نظم واشعار پڑھنا غیر ضروری باتیں کرنا، عربی نثر کے سوا اور کسی طرح خطبہ پڑھنا بھی سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔ (**فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.** (**عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد**) بہتر صورت یہ ہے کہ اذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تمام ضروری باتیں بیان کر دی جائیں جن میں مسائل بھی ہوں اور دوسری اجتماعی اور سیاسی ضروری باتیں بھی ہوں۔ اس کے بعد خطبہ کی اذان ہو اور زیادہ سے زیادہ پانچ منٹ میں دونوں خطبے خالص عربی زبان میں ادا کر لیے جائیں۔ اس میں ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور خطبہ کی وضع مسنون بھی قائم رہے گی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/ ۲۶۶)

==

خطیب کا تعوذ وتسمیہ بلند آواز سے پڑھنا:

(۳) خطیب اعوذ باللہ اور بسم اللہ بہ آواز بلند پڑھتا ہے؟

بوقت خطبہ عصا لینا کیسا ہے:

(۴) خطیب کا بوقت خطبہ عصا پکڑنا یہ جائز ہے، یا نہیں؟

خطبہ ثانیہ میں ذکر سلاطین کے سیڑھی سے اترنا اور پھر چڑھنا:

(۵) خطیب کا خطبۂ ثانیہ میں ذکر سلاطین کے وقت سیڑھی سے اترنا جائز ہے، یا نہیں؟ پھر واپس چڑھنا۔

﴿إن اللّٰه و ملائكته﴾ الخ پڑھتے وقت بلند آواز سے درود شریف پڑھنا:

(۶) خطیب کا خطبۂ ثانیہ میں آیت ﴿إن اللّٰه و ملائكته﴾ کا پڑھنا اور مصلیان کا خطبہ میں جہر سے درود شریف پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

دوران خطبہ سنت پڑھنا کیسا ہے:

(۷) دو رکعت نماز (دوران) خطبہ ہے، یا نہیں؟

مردوں کا خالص سونے کا بٹن یا انگوٹھی پہننا شرعا کیسا ہے:

(۸) مردوں کو سونے کے بٹن اور سونے کی خالص انگوٹھی پہننا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۱۲۵، سید محمد رشید ترمذی صاحب (مہی کانٹھا) ۱۴؍شوال ۱۳۵۶ھ، ۱۸؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

== خطبۂ جمعہ عبادت، یا نصیحت اور مقامی زبان میں کیسا:

سوال (۱) خطبۂ جمعہ وعیدین عبادت ہے، یا نصیحت؟

(۲) خطبہ سامعین کی زبان میں پڑھا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۰۷۷، فرزند علی صاحب (برما) ۲۴؍رمضان ۱۳۵۶ھ، ۲۹؍نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) عبادت بھی ہے اور نصیحت بھی ہے۔ (ويبدأ أي قبل الخطبة الأولىٰ بالتعوذ سراً ثم بحمد الله والثناء عليه والشهادتين الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم والعظة والتذكير والقراء ة. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب في قول الخطيب قال الله تعالىٰ، الخ: ۱۴۹/۲، ط سعید)

(۲) عربی عبارت میں سنت متواترہ قدیمہ کے موافق پڑھنا بہتر ہے؛ لیکن اگر مقامی زبان میں پڑھا جائے گا تو خطبہ ادا ہوجائے گا؛ مگر سنت کے خلاف ہوگا۔ (فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعيد)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۴/۳)

الجواب

(۱) اردو میں خطبہ پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، خطبہ ادا ہو جاتا ہے۔(۱)

(۲) ٹوپی اور ترکی ٹوپی پہن کر نماز پڑھانے سے نماز ہو جاتی ہے؛ مگر اولیٰ یہ ہے کہ صافہ باندھ کر نماز جمعہ پڑھائے۔(۲)

(۳) خطبہ کو الحمد للہ سے جہرا شروع کرنا چاہیے، اعوذ باللہ اور بسم اللہ خطبہ سے پہلے جہراً نہیں پڑھنا چاہیے۔(۳)

(۴) عصا ہاتھ میں لے کر خطبہ پڑھنا جائز تو ہے مگر لازم نہیں ہے۔(۴)

(۵) خطبہ میں ذکر سلاطین کے وقت سیڑھی سے اترنا اور پھر چڑھنا جائز نہیں۔(۵)

(۶) خطبہ میں جہرا درود شریف پڑھنا سامعین کو جائز نہیں، جب خطیب آیت ان اللہ وملائکتہ پڑھے تو سامعین دل میں درود شریف پڑھ لیں۔(۶)

(۷) خطبہ کے درمیان میں سنتوں کا پڑھنا بھی جائز نہیں ہے۔(۷)

(۸) مردوں کے لیے سونے کی انگوٹھی حرام ہے۔(۸)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۴/۳-۲۷۵)

---

(۱) ولا يشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز، كذا قالوا: والمراد بالجواز هو الجواز فى حق الصلاة بمعنى أنه يكفى لأداء الشرطية وتصح بها الصلاة لا الجواز بمعنى الاباحة المطلقة فإنه لا شک فى أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبى صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً. (عمدة الرعاية، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعيد)

(۲) وقد ذكروا أن المستحب أن يصلى الرجل فى قميص وإزار وعمامة ولا يكره الاكتفاء بالقلنسوة. (عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۱۵۹/۱، ط: سعيد)

(۳) ويبدا أى قبل الخطبة الأولىٰ بالتعوذ سراً ثم بحمد الله والثناء عليه والشهادتين والصلاة على النبى صلى الله عليه وسلم والعظة والتذكير والقراءة. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب قول الخطيب قال الله تعالىٰ الخ: ۱۴۹/۲، ط: سعيد)

(۴) وفى الخلاصة: "ويكره أن يتكى علىٰ قوس أو عص". (الدر المختار) وفى الشامية: "فى رواية أبى داؤد أنه صلى الله عليه وسلم قام أى فى الخطبة متوكئاً علىٰ عصا أو قوس ونقل القهستانى عن عبد المحيط أن أخذ العصا سنة كالقيام. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۳/۲، ط: سعيد)

(۵) أن ما اعتيد من النزول فى الخطبة الثانية الى درجه سفلىٰ، ثم العود بدعه قبيحة شنيعة. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى حكم المرقى بين يدى الخطيب: ۱۶۱/۲، ط: سعيد)

(۶) وكذلک إذا ذكر النبى صلى الله عليه وسلم لا يجوز أن يصلوا عليه بالجهر، سبل بالقلب وعليه الفتوىٰ. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى شروط وجوب الجمعة: ۱۵۹/۲، ط، سعيد)

(۷) (إذا خرج الامام) ... (فلا صلاة ولا كلام الىٰ تمامها). (الدر المختار، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، ط: سعيد)

(۸) والتختم بالذهب على الرجال حرام، لما روينا عن على الخ (الهداية، كتاب الكراهية فصل فى اللبس: ۴۵۹/۴، مكتبة رحمانية كراچى، انيس) اور خالص سونے کی بٹن بھی مکروہ ہیں؛ لیکن درمختار کی عبارت سے بلا کراہت جواز معلوم ہوتا ہے۔ وفى التتارخانية عن السير الكبير: "لا بأس بازار الديباج والذهب". (كتاب الحظر والاباحة، فصل فى اللمس: ۳۵۵/۶، ط: سعيد/ وامداد الفتاوی: ۱۲۹/۴، ط: دارالعلوم، کراچی)

خطبۂ جمعہ میں عربی اشعار پڑھنا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: اشعار کا خطبہ جو جمعہ میں پڑھا جاتا ہے:"إلٰهی أنت یامولی الموالی ، مصورنا بتقدیر الکمال" پڑھنا جائز ہوگا، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۲۶۴، محمد عبدالوہاب (رام پور) ۲۴/ربیع الاول ۱۳۵۷ھ، ۲۵/۱۹۳۸ء)

الجواب

خطبۂ جمعہ میں عربی کے اشعار پڑھنا خلاف اولیٰ ہے، نثر عربی میں خطبہ ہو تو بہتر ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۶/۳)

عربی میں خطبہ مسنون ہے:

سوال: یہاں کی جامع مسجد میں یہاں کی دوسری مسجدوں کے مطابق یہ دستور چلا آتا ہے کہ بروز جمعہ اذان اول کے بعد اتنا وقفہ کیا جاتا ہے کہ چار سنتیں بہ اطمینان پڑھ لی جائیں؛ یعنی تقریباً نو دس منٹ کے بعد خطبہ بزبان عربی شروع ہوتا ہے، جامع مسجد مذکور کے امام صاحب کی بابت مقتدیوں کو خطبہ کی طوالت کی شکایت پہلے سے تھی اور اس سے ان کو گرانی تھی۔ مزید برآں انہوں نے کئی جمعہ سے یہ نیا طریقہ اختیار کیا کہ چار سنتوں کے بعد وقت مقررہ پر خطبہ شروع کرنے کے بجائے پہلے اردو زبان میں مضمون خطبہ کے علاوہ دوسری تقریریں شامل کر کے بیان کرنا شروع کیا، جس میں مقتدیوں نے یہ محسوس کیا کہ ان تقریروں میں مسلمانوں پر چوٹ اور طنزیہ جملے وغیرہ اور ذاتی جذبات نفسانیہ کا بھی شمول ہے، ان تقریروں کے بعد اذان ثانی ہو کر ممدوح نے خطبۂ عربی پڑھا، متولیان مسجد وغیرہ کو پہلے ایک دفعہ کچھ خیال نہ ہوا؛ لیکن بعد میں انہوں نے دیکھا کہ مقتدیوں میں اس کا چرچا ہو رہا ہے اور ان کو قوی اندیشہ ہوا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ آئندہ رفتہ رفتہ خطبۂ عربی کے بجائے خطبۂ اردو جاری کر دیں، اس کے علاوہ چوں کہ نمازیوں کی بہت سی تعداد بہت پہلے سے آجاتی ہے اور بعد فراغت از جمعہ کھانا کھاتی ہے؛ اس لیے بنا بر تاخیر وطوالت ان کو اور بھی زیادہ گرانی ہونے لگی، طوالت خطبہ کی بابت متولیوں نے امام صاحب موصوف کو پہلے ہی توجہ دلائی تھی کہ خطبہ جو لمبا پڑھتے ہیں، اس کو مسنون طریقہ کے مطابق مختصر فرما دیں اور خطبہ اور تقریروں میں اپنے جذبات سے کام لیتے ہوئے کسی مسلمان پر حملہ اور طنز نہ کریں اور اب یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اور مذکورہ وجوہ پر نظر رکھتے ہوئے ہدایت کی کہ آئندہ اذان اول کے بعد قدیمی دستور پر عمل کرتے ہوئے محض خطبۂ عربی پر قناعت کریں کہ یہ نیا طریقہ مسجد مذکور کے نمازیوں میں تفرقہ اور جھگڑے کا باعث بن جائے گا؛ اس لیے کہ گرانی مذکور کے علاوہ غیر زبان عربی میں خطبہ

---

(۱) فإنه لا شک في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً، الخ. (عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲۰۰/۱، ط: سعيد)

کے قائلین کی تعداد بھی یہاں بہت کم اور برائے نام ہے۔متولیوں کی طرف سے امام صاحب کواس کی بھی اطلاع دی گئی کہ اگرنمازیوں کے سامنے کچھ بیان فرمانا چاہتے ہیں تو شب جمعہ کو بعدنماز عشا کے،جس میں بھی صدہا نمازیوں کی تعداد ہوتی ہے،صحیح صحیح خطبہ کا مطلب سادگی کے ساتھ بیان فرمادیا کریں اورمتولیوں نے یہ بھی آپس میں قرار دے لیا تھا کہ اگرامام صاحب کی خواہش ہوگی توان کو بعدفراغ نماز جمعہ بیان کرنے کا موقع دے دیا جائے گا،اس صورت میں بہت پہلے سے آنے والے اور بھوک سے گھبرا جانے والے جوچاہیں گے، جاسکیں گے۔ان پر کوئی جبرنہیں پڑے گا۔ بہرحال ان کی اختیار کردہ صورت کے کہ اس میں سب کو بخیال ادائے جمعہ خواہ مخواہ مجبوراًرکنا پڑتا ہے۔پس ارشاد ہوکہ صورت مسئولہ میں متولیان مسجد کا امام موصوف کوعمل مذکور سے روک دیناشرعاًدرست ہے یانہیں؟

(المستفتی:۲۴۴۳،عبدالرزاق صاحب،۳۰/ذیقعدہ۱۳۵۷ھ،۲۲/جنوری۱۹۳۹ء)

الجواب

میں اس سے قبل متعددسوالات کے جوابات میں لکھ چکاہوں کہ خطبہ جمعہ وعیدین کا خالص عربی زبان اورنثر میں ہونا طریقۂ مسنونہ متوارثہ ہے،اس سنت قدیمہ متوارثہ کومحفوظ اورجاری رکھنا چاہیے،مع ہذا جولوگ کہ مقامی زبان میں خطبہ کو ضروری اورمفید سمجھ کراس کے اجرا کی حمایت کرتے ہیں۔ان کی یہ دلیل بھی نظرانداز کرنے کے قابل نہیں کہ نمازیوں کی بڑی تعدادعربی زبان سے ناواقف ہوتی ہے؛ بلکہ خطیبوں کی اکثریت میں بھی عربیت سے ناواقف خطیب ہوتے ہیں اورخطبوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ایک مضمون کے چھپے ہوئے خطبے ہوتے ہیں اورخطیب ان کو ہمیشہ سنادیتاہے،نہ خودسمجھتاہے کہ اس نے کیا کہا،نہ سامعین سمجھتے ہیں کہ ہمیں کیاسنایا گیا۔اس صورت میں خطبہ کی جہت تذکیر بالکل معطل ہوکررہ گئی ہے۔(۱)

میں اس کے متعلق کئی مرتبہ یہ لکھ چکا ہوں کہ اگرخطیب مقامی زبان میں اذان خطبہ سے پہلے لوگوں کووقتی ضرورات اسلامیہ سنادیا کرے، پھراذان خطبہ کہلواکرعربی زبان میں خطبہ بقدرادائیگی فرضیت خطبہ پڑھ دیا کرے تو مضائقہ نہیں؛ تاکہ ضرورت تذکیربھی پوری ہوجائے اورخطبہ کی ہیئت مسنونہ متوارثہ بھی پوری طرح محفوظ ہے،بقدرضرورت عربی خطبہ میں زیادہ سے زیادہ پانچ چھ منٹ (خطبتین کے لیے) کافی ہوں گے؛مگراذان خطبہ سے پہلے مقامی زبان میں تذکیر کے لیے دوباتیں لازم ہیں:اول یہ کہ لوگ اس وقت اس مقام پر سنتیں نہ پڑھتے ہوں؛ بلکہ کوئی علاحدہ جگہ سنتیں پڑھنے کے لیے ہو۔دوسرے یہ کہ لوگ اس تقریرکورغبت سے سنیں؛ کیوں کہ یہ محض ایک متطوعانہ فعل ہے،یہ فرض خطبہ نہیں ہے کہ کوئی راضی ہو، یانہ ہووہ پڑھا جائے گا۔نیز اس تقریر میں صرف وہی باتیں بیان کی جائیں،جن کا مذہبی لحاظ سے بیان کرنا ضروری ہو،تقریرمیں طعن وتشنیع وغیرہ ہرگزنہ ہونی چاہیے کہ اس سے آپس میں اختلاف اوربغض وعناد پیدا ہوگا۔

محمدکفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۷۶/۳-۲۷۸)

---

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.(عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية،باب الجمعة: ۲۴۲/۱،ط:سعيد)

خطبۂ جمعہ اردو میں، یا عربی اردو دونوں میں دینا:

سوال(۱) جمعہ وعیدین کے خطبے صرف اردو میں یا عربی خطبہ کا کامل ترجمہ یا بعض عربی میں اور بعض اردو میں پڑھنا جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو باکراہت یا بلا کراہت۔

خطبۂ جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

(۲) نیز کیا شرعی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے ان خطبوں میں آلۂ مکبر الصوت؛ یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی:۲۵۶۱ جمیل الرحمٰن دہلی، ۷رذی الحجہ ۱۳۵۸ھ، ۱۷رجنوری ۱۹۴۰ء)

الجواب

خطبہ جمعہ وعیدین میں سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ عربی زبان میں ہو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عجمی ممالک فتح ہوگئے تھے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بنا پر اس وقت بہت زیادہ ضرورت تھی کہ ان کی زبانوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کی جائے، باوجود اسکے صحابہ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین نے جمعہ وعیدین کے خطبات کو خالص عربی زبان میں رکھا اور کسی عجمی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا۔لہذا خطبہ خالص عربی زبان میں پڑھنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے اور اس کے خلاف اردو یا کسی دوسری مقامی زبان میں خطبہ پڑھنا یا عربی اور عجمی زبان کو مخلوط کر دینا سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔(۱)

(۲) لاؤڈ اسپیکر کا خطبۂ جمعہ وعیدین میں استعمال کرنا فی نفسہ مباح ہے؛ کیوں کہ یہ صرف ترفیع الصوت؛ یعنی آواز کو بلند کرنے کا آلہ ہے۔(۲)

لیکن اگر اس آلہ کے استعمال کو اسکا ذریعہ بنالیا جائے کہ خطبہ کی عربی زبان بدل کر کسی عجمی زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو پھر اس آلہ کا استعمال بھی اس تسبیب کی وجہ سے خلاف سنت کی مد میں داخل ہو جائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۷۸/۳) ☆

---

(۱) فإنه لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والصحابة فیکون مکروهاً تحریماً.(عمدة الرعایة علیٰ هامش شرح الوقایة،باب الجمعة: ۲۰۰/۱،ط:سعید)

(۲) ومن المستحب أن یرفع الخطیب صوته.(الفتاویٰ الهندیة،الباب العاشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱،ط:ماجدیة)

☆ **خطبہ سے پہلے یا بعد میں خطبہ کا ترجمہ کرنا:**

سوال: جمعہ کے پہلے خطبہ کا ترجمہ منبر پر بیٹھ کر، یا کھڑے ہو کر پڑھے اور بعدہ اصلی عبارت خطبہ پڑھے تو یہ کیسا ہے؟ نیز جمعہ کا خطبہ پہلا پڑھے اور بعدہ ترجمہ منبر پر کھڑے کھڑے پڑھے تو یہ کیسا ہے؟

(المستفتی:۲۶۷۷، جناب محمد خاں صاحب (افریقہ) ۲۵رجمادی الثانی ۱۳۶۰ھ، ۲۱رجولائی ۱۹۴۱ء) ==

خطبہ غیر عربی زبان میں مکروہ ہے:

سوال: ایک پیش امام صاحب جمعہ کے روز خطبہ نہ پڑھ کر منبر پر کھڑے ہوکر وعظ کرتے ہیں اور مثنوی پڑھتے ہیں، بعض مقتدیوں نے امام صاحب سے کئی دفعہ گزارش کی کہ خطبہ پڑھا کریں، مگر وہ نہیں مانتے؟

(المستفتی: نظیر الدین امیر الدین (املیز ہ ضلع مشرقی خاندیس)

الجواب

شاید امام صاحب جمعہ کا خطبہ ہی اردو میں پڑھتے ہیں، عربی میں نہیں پڑھتے تو یہ بات مکروہ ہے، خطبہ عربی زبان میں پڑھنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے، ہاں خطبہ کی اذان سے پہلے اردو میں کچھ وعظ کردیں، یا مسائل واحکام بیان کردیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے پھر خطبہ کی اذان ہو اور عربی زبان میں خطبہ پڑھا جائے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۰/۳)

==

الجواب

اگر خطیب اذان خطبہ سے پہلے ممبر پر کھڑے ہوکر، یا بیٹھ کر مقامی زبان میں وعظ وتذکیر، یا خطبہ کا ترجمہ سنادے، پھر خطبہ کی اذان کہی جائے اور خطیب دونوں خطبے عربی نثر میں پڑھے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں؛ مگر یہ معاملہ خطبۂ عربی کے بعد نہ کیا جائے، اذان خطبہ سے پہلے کرلیا جائے اور اذان خطبہ کے بعد عربی خالص کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ پڑھنا، یا ترجمہ کرنا سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے، خطبہ ادا ہوجاتا ہے؛ مگر کراہت کے ساتھ۔ (**فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.** (**عمدة الرعاية علیٰ هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد**)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۹/۳)

سوال مثل بالا:

ماقولكم في ترجمة خطبة الجمعة والحال أن الحاضرين جاهلون بالعربية؟ (ترجمہ: جمعہ کے خطبہ کا ترجمہ کرنے کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے، جب کہ حاضرین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں؟)

(المستفتی: ۲۵۶۲، حاجی گل محمد منگلوری ایس کے، ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ، ۲۸/ جنوری ۱۹۴۰ء)

الجواب

الخطبة في العربية هي المسنونة المتوارثة وترجمتها في لسان آخر مخالفة للسنة المتوارثة ومع هذا تنوب الترجمة باى لسان كان مناب الخطبة المفروضة وتصح الصلوٰة مع الكراهة. (**ولايشترط كونها بالعربية فلو خطب بالفارسية أو بغيرها جاز، كذا قالوا، والمراد بالجواز هو الجواز في حق الصلاة بمعنى أنه يكفي لأداء الشرطية، وتصح بها الصلاة، لا الجواز بمعنى الاباحة المطلقة فانه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.** (**عمدة الرعاية علیٰ هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد**) (ترجمہ: عربی زبان میں ہی خطبہ دینا سنت متوارثہ ہے اور کسی دوسری زبان میں اس کا ترجمہ کرنا طریقۂ متوارثہ کے خلاف ہے، اس کے باوجود ترجمہ سے خطبہ کی فرضیت ادا ہوجائے گی، اور نماز کراہت کے ساتھ صحیح ہوجائے گی۔)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، الجواب صحیح، حبیب المرسلین، نائب مفتی مدرسہ امینیہ۔ (کفایت المفتی: ۲۷۹/۳)

(۱) **المرجع السابق، عمدة الرعاية علیٰ هامش شرح الوقاية، باب الجمعة: ۱/ ۲۰۰، ط: سعيد**

خطبہ خالص عربی نثر میں پڑھا جائے:

سوال: زید ایک مسجد میں امام ہے۔وہ خطبۂ جمعہ پڑھتے وقت خطبۂ اولیٰ میں چند جگہ عربی عبارت کا ترجمہ اردو زبان میں مشرح ومفصل بطور وعظ کر دیتا ہے۔آیا یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

خطبہ کا مسنون ومتوارث طریقہ تو یہی ہے کہ وہ خالص عربی نثر میں ہو،اگر خطبہ عربی میں پڑھا جائے؛مگر درمیان اس کا اردو ترجمہ کر دیا جائے تو یہ خلاف اولیٰ ہوگا؛لیکن خطبہ ادا ہو جائے گا۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۸۱/۳) ☆

غیر عربی میں جمعہ کا خطبہ:

سوال (۱) اگر خطیب خطبہ میں ضروری باتیں اردو میں سمجھائے تو جائز ہے، یا نہیں؟

اس شخص کی امامت کا حکم جو ایک آنکھ سے محروم ہو:

(۲) زید ایک آنکھ سے معذور ہے؛مگر علم رکھتا ہے؛یعنی قرآن صحیح پڑھتا ہے اور عالم لوگوں سے تجوید بھی زیادہ جانتا ہے،اردو فارسی بھی جانتا ہے۔ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

(۱) عربی میں خطبہ پڑھنا بلا اختلاف سنت متوارثہ ہے،اب رہا یہ کہ عربی کے ساتھ اردو میں یا کسی دوسری زبان میں خطبہ کے اندر پند ونصیحت کرنا شرعا کیسا ہے؟اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے،بعض اس کو مکروہ مانتے ہیں اور بعض اس کو بلا کراہت جائز فرماتے ہیں؛(۲)اس لیے احتیاط یہی ہے کہ خطبہ میں اردو میں تقریر نہ کی جائے،اس

(۱) المرجع السابق،عمدة الرعاية علىٰ هامش شرح الوقاية،باب الجمعة : ۲۰۰/۱،ط:سعيد

☆ **عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں خطبہ کیسا ہے:**

غیر عربی میں خطبہ مکروہ لکھتے ہیں، کتب فقہ میں خطبہ کا اصل مقصد ذکر اللہ ہے اور ضمن میں پند میں سنت ہے۔

(مجموعہ کلاں،ص:۱۴۳)(باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۶)

(۲) (كما) صح (لو شرع بغير عربية) أى لسان كان ... وشرطاً عجزه وعلىٰ هٰذا الخلاف الخطبة وجميع أذكاره الصلاة.(الدرالمختارعلىٰ رد المحتار،باب صفة الصلاة،فصل واذا أراد فى الصلاة كبر: ۴۸۳/۱_۴۸۴، دار الفكر بيروت،انيس)

لم يقيد الخطبة بكونها بالعربية اكتفاء بما قدمه فى باب صفة الصلاة من أنها غير شرط ولو مع القدرة على العربية عنده خلافا لهما حيث شرطاها إلا عند العجز كالخلاف فى الشروع فى الصلاة (رد المحتار،باب الجمعة، مطلب فى نية آخر ظهر بعد صلاة الجمعة:۱۴۷/۲،دار الفكر بيروت،انيس)

لوخطب بالفارسية جازعند أبى حنيفةؒ علىٰ كل حال وروى بشرعن أبى يوسفؒ أنه إذا خطب بالفارسية وهو بحسن العربية لايجزيه إلا أن يكون ذكرالله فى ذلك بالعربية فى حرف أوأكثر.(محيط السرخسى،فى الفصل الخامس والعشرين، بحث النوع الثانى)

کے علاوہ اردو میں خطبہ کی اجازت دینے سے ایک دوسری خرابی پیدا ہوتی ہے، جو باتفاق تمام علماء بحکم حدیث نبوی خلاف سنت ہے اور وہ یہ ہے کہ نماز جمعہ کو خطبہ سے طویل ہونا چاہیے اور خطبہ نماز کے اعتبار سے قصیر، جتنے میں نماز پڑھنی چاہیے، خطبہ اس سے کم وقت میں ہونا چاہیے۔(۱)

مگر جب اردو میں خطبہ کی اجازت ہوگی تو تقریر میں عموماً لوگ نماز کے اعتبار سے زائد وقت صرف کریں گے اور یہ باتفاق خلاف سنت ہوگا۔

(۲) اگر زید قرأت کلام مجید اس طرح کرتا ہے، جس طرح عموماً ہندوستانی پڑھے لکھے لوگ کیا کرتے ہیں اور نماز و امامت کے ضروری مسائل سے واقف ہے تو پھر اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ودرست ہے، بشرطیکہ کراہت کی دوسری کوئی وجہ موجود نہ ہو۔ زید کا کانا ہونا اس کی امامت کے لیے مضر نہیں ہے، اس وجہ سے اعتراض غلط ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۵/۱۰/۱۳۴۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۶۳/۱-۶۴)

غیر عربی میں خطبۂ جمعہ کا حکم:

(۱) خطبۂ جمعہ غیر عربی زبان میں جائز ہے، یا نہیں؟ جواب مدلل عنایت ہو؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) متعدد فتاویٰ مطبوعہ ونیز مولانا عبدالحئ فرنگی محلی مرحوم کے فتاویٰ میں یہ بحث مفصل درج ہے۔ جماعت کثیر اہل علم کی یہ کہتی ہے کہ یہ فعل مکروہ ہے اور بعض نے صراحت کی ہے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ

(۱) (ويسن خطبتان) خفيفتان وتكره زيادتهما علىٰ قدرسورة من طوال المفصل.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة:۱٤٨/۲،دار الفكربيروت،انيس)

عبارة القهستاني وزيادة التطويل مكروهة.(رد المحتار،باب الجمعة،قبيل مطلب في قول الخطيب قال الله الخ: ۱٤٨/۲، دار الفكر بيروت،انيس)

وعن جابر بن سمرة قال: "كانت للنبي صلى الله عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرء القرآن ويذكر الناس.(الصحيح لمسلم،كتاب الجمعة،فصل يخطب الخطبتين قائماً ويجلس بينهما الخ: ۲۸۳/۱،قديمي)

وعن جابربن سمرةؓ قال: كنت أصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم الصلوات فكانت صلاته قصدًا وخطبته قصدًا(الصحيح لمسلم،كتاب الجمعة،فصل في الخطبة والصلوة قصدا: ۲۸٤/۱،قديمي)

وعن عمار رضي الله عنه قال:"سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول:" إن طول صلاة الرجل وقصر خطبته مئنة من فقهه، فأطيلوا الصلاة وأقصروا الخطبة وإن من البيان سحرًا".(الصحيح لمسلم،كتاب الجمعة،فصل في ايجاز الخطبة: ۲۸٦/۱،قديمي،انيس)

(۲) کوئی وجہ مانع جواز امامت موجود نہیں اور نہ کوئی وجہ کراہت۔[مجاہد]

کچھ عربی اور کچھ اردو میں خطبہ ہو تو کراہت رفع ہو جائے گی۔ میں تمام دلائل پر غور کر کے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ خطبہ عربی ہی میں ہونا چاہیے، اس کے لیے عوام کو خود عربی پڑھنا چاہیے اور عوام کو سمجھانے کے لیے اور مواقع بھی ہیں، جیسا کہ بعد نماز جمعہ وعظ وغیرہ کا رواج ہے، جن وجوہ کی بنا پر لوگ خطبہ کو اردو میں پسند کرتے ہیں، انہیں وجوہ کی بنا پر ترکوں نے نماز میں قرآن مجید کو بزبان ترکی پڑھنا چاہا اور روک دیئے گئے، شاید اگر یہی لیل ونہار رہے تو ہندوستان میں بھی کم از کم نماز جہری میں ضرور امام سے اردو میں قرآن پڑھنے کی خواہش ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۷/۱/۱۳۴۵ھ۔

(۲)　ہم لوگ اردو خواں ہیں اور جمعہ میں خطبہ عربی میں پڑھا جاتا ہے، جو ہم لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا ہے، خواجہ حسن نظامی دہلوی نے جو خطبہ اردو میں تصنیف کیا ہے، جس میں حمد ونعت وآیات قرآنی عربی میں ہیں اور نصیحت وغیرہ اردو میں ہے، اس کو جمعہ میں پڑھا جائے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۲) خطبہ غیر عربی میں پڑھنے کے متعلق علما کا اختلاف ہے، بعض جائز کہتے ہیں، بعض حرام، بعض مکروہ؛ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اردو میں خطبۂ جمعہ نہ پڑھا جائے، ہم لوگ اردو میں خطبہ نہیں پڑھتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۱۱/۲/۱۳۴۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۶۴، ۶۵)

خطبہ میں اشعار کا پڑھنا:

سوال:　خطبۂ عیدین، یا جمعہ میں اشعار فارسیہ، یا عربیہ، یا اردو پڑھنے اور مقصود پڑھنے سے ترغیب وترہیب ہوتا ہے اور اشعار میں بھی مضمون ترغیب وترہیب کا ہوتا ہے۔ جائز ہیں، یا نہیں؟ مکروہ ہے تو تنزیہی، یا تحریمی؟ اور بعد ثبوت امتناع پڑھنے والا اشعار کا گناہ گار رہتا ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

خطبۂ جمعہ وعیدین میں اشعار پڑھنا خلاف سنت کے ہے، لہٰذا مکروہ ہوگا کہ قرون مشہود لہا بالخیر میں ثبوت اس کا نہیں اور یہ رفتہ رفتہ منجر بافراط ہو جاتا ہے، پس مکروہ ہوا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، ۱۳۳۱ھ۔

الجواب صحیح: محمد منفعت علی عفی عنہ دیوبندی، الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: احمد عفی عنہ اسمہ احمد خلف مولانا محمد قاسم صاحبؒ، الاجوبۃ کلہا صحیحۃ: محمد حسن عفی اللہ عنہ دیوبندی۔ اصاب المجیب سلمہ: بندہ محمود عفی عنہ، محمود گرواں الٰہی عاقبت، الاجوبۃ الاربعۃ صحیحۃ: عبداللہ خاں مدرس اول مدرسہ عالیہ دیوبند۔

جواب صحیح ہے: احمد حسن عفی عنہ دیوبندی۔

جواب اس بنا پر صحیح ہے کہ باوصف مقتضی کے خطبۂ عیدین اور جمعہ میں اشعار کا قرون ثلاثہ سے عدم منقول ہونا دلیل بدعت مکروہ کی ہے، کما حررہ ملا سعد رومی فی کتابہ مجالس الابرار فقط۔ محمد قاسم علی خلف مولانا محمد عالم علی، ۱۲۶۶ھ۔

صاحب کے تعاقبات دیکھے، سو بہت شکر کرتا ہوں کہ تصحیح مولوی صاحب نے کی اور دلیل صحت وہی ہے، جو بندہ نے لکھی؛ مگر عبارت بدل کرادا کیا ہے، سو کچھ مضاتقہ نہیں، شکر ہے کہ جواب تو صحیح رہا۔ فقط والسلام (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۲-۳۵۳)

خطبہ میں عربی عبارت کا ترجمہ کرنا:

سوال: ایک شخص کبھی کبھی جمعہ کے خطبہ میں اس نیت سے کہ لوگوں کا اس وقت اجماع ہے، بعد نماز چلے جاویں گے۔ بعض آیت اور حدیث کا ترجمہ حسب احکام وقت کر دیتا ہے۔ جائز ہے، یا نہیں؟ بینوا وتو جروا۔

وإن الله لا يضيع أجر المحسنين

الجواب

خطبۂ جمعہ میں سوائے عربی زبان کے دوسری زبان میں کچھ پڑھنا مکروہ لکھا ہے؛ مگر خطبہ کا فرض ادا ہو جاتا ہے، کذا فی کتب الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۳)

غیر عربی عبارت میں خطبہ پڑھنا:

سوال: خطبۂ جمعہ یا عیدین میں ابیات اردو، یا فارسی، یا ابیات عربی ہوں۔ پڑھنا ابیات کا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ابیات اردو و فارسی؛ بلکہ عربی، خطبۂ جمعہ، یا عیدین میں پڑھنا مکروہ ہے؛ اس لیے کہ شعر پڑھنا خطبہ میں مخالف سنت ہے اور جو فعل اور عبادت کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، اس کو کرنا درست نہیں۔ فقط

مولانا بشیر الدین صاحب قنوجی

خطبۂ جمعہ وعیدین کا زبان ہندی میں اور فارسی میں مکروہ ہے۔ فقط

محمد عالم علی عفی عنہ محدث مرادآبادی شاگرد مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

محمد بشیر وندیر آمدہ ۱۲۹۷ھ، محمد عالم علی ۱۲۸۳ھ۔ (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۳)

خطبۂ جمعہ مادری زبان میں کیوں ناجائز ہے:

سوال: عیدین اور جمعہ کا خطبہ مخاطبین سامعین کی صرف مادری زبان میں دیا جانا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو کیوں؟ کہا جائے گا کہ عیدین اور خطبہ کا جمعہ عربی زبان کے سوا دوسری غیر عربی زبان میں دیا جانا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے؛ اس لیے ناجائز ہے؛ لیکن سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یہ تھی کہ ایسے خطبے کے دوران جو کچھ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے نکلے، اس کو سامعین سنیں اور سمجھیں اور اس میں جو کچھ اوامر ونواہی ہوں، اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں اور جو کچھ پند ونصائح ہوں، اس سے سبق آموز ہوکر عبرت حاصل کریں۔ فی زمانناودیارنا وہ صورت جس میں سامعین میں سے ننانوے؛ بلکہ سو فیصدی عربی خطبے کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ سکتے ہوں، وہ ان اوامر ونواہی سے جو عربی خطبے میں بیان کئے جاویں کیوں کر کسی قسم کا فائدہ حاصل کر سکتے ہیں اور ایسا خطبہ کس طرح سنتِ نبوی کے مطابق قرار دیا جا سکتا ہے۔ عیدین وجمعہ کے خطبے کو صرف عربی کے ساتھ مقید ومحدود رکھنے سے جو مواقع شارع اسلام نے اوامر ونواہی شرعیہ کی اشاعت کے کافۃ المسلمین کے پیدا فرمائے ہیں، ان کا سد باب ہوتا ہے، یا نہیں؟ اور خطیب کا خطبہ ایسی صورت میں خالی از روح ہوکر ایک فعل عبث ہوتا ہے، یا نہیں؟ جب کہ اس کے مفہوم کو سامعین میں کوئی، یا اکثر نہیں سمجھتے۔ اگر خطبہ صرف غیر عربی زبان میں نہ ہو؛ بلکہ عربی خطبہ دینے کے ساتھ اس کے مفہوم اور اوامر نواہی اور پند ونصائح اور تعلیم اسلامی کو زندہ رکھنے کے لیے اور بغرض نشر علوم دینیہ جو خطبے کی روح ہے اور اس کا مقصد اعلیٰ ہے، سامعین کی زبان میں حسب موقع ضرورت کے وقت بیان کر دیا جائے تو عربی بھی ساتھ ہونے کے باوجود جس سے مسنونیت عربیت بھی ادا ہو جاتی ہے، شرعاً کیا مضائقہ ہے؟ اور یہ طریقہ بدعتِ حسنہ ہے اور ترقی اسلام اور اصلاح مسلمین کا ایک ذریعہ ہونے میں شارع کا یہی مقصود بھی ہے، کون سی دلیل محکم اور حجت شرعی مانع ہے اور ”**عن جرير بن عبد الله ... فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من سن في الاسلام سنة حسنة فعمل بها بعده كتب له مثل أجر من عمل بها ولا ينقص من أجورهم شيئ ومن سن في الإسلام سنة سيئة فعمل بها بعده كتب عليه مثل وزر من عمل ولا ينقص من أوزارهم شئ**“. (۱) میں داخل ہونے میں کون سی شرعی قباحت ہارج ہے؟ نماز اور اس کی زبان پر خطبہ اور اس کی زبان کو قیاس کرنا کہاں تک صحیح اور درست ہے اور قیاس مع الفارق ہے کہ نہیں؟ اس واسطے کہ نماز اور شئ ہے اور خطبہ چیزے دیگر، دونوں کی نوعیت اور اغراض ومقاصد میں جو فرق ہے، وہ اظہر من الشمس ہے، أبین من الاحس ہے۔

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــــ وبالله التوفيق

خطبہ جمعہ وعیدین کا عربی میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے اور اس کو غیر عربی میں پڑھنا، یا عربی کے ساتھ اردو، فارسی وغیرہ زبان میں نظماً، یا نثراً ترجمہ اور تفہیم کرنا مکروہ ہے اور عوام کی تفہیم کے واسطے وعظ مقرر ہے۔

خطبے کو طریقۂ ماثورہ سے بدلنا احداث فی الدین ہے؛ لیکن اگر خطبہ غیر عربی میں پڑھا گیا، یا عربی کے ساتھ کسی اور زبان میں مخلوط کر کے پڑھا گیا تو مع الکراہت ادا ہو جائے گا۔

اور وجہ کراہت ظاہر ہے کہ اس میں دواماً سنتِ ماثورہ کا ترک کرنا اور مواظبت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضی اللہ

(۱) الصحيح لمسلم، كتاب العلم، باب من سن سنة حسنة: ۳٤١/٢، قديمي

عنہم اجمعین کے تعامل کا خلاف ہے، لہٰذا اس کے خلاف سنت و بدعت ہونے میں کیا شک ہے اور خلاف سنت مؤکدہ کا ترک اور بدعت کے ارتکاب کا مکروہ تحریمی ہونا اصول فقہ میں مقرر ہے۔قرآن مجید اور خطبے دونوں کا اصلی مقصد ایک ہی ہے، چناں چہ خطبے کو قرآن مجید میں ذکر اللہ فرمایا ہے:

﴿یاأیها الذین آمنوا إذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا إلٰی ذکر اللّٰه﴾(۱)

(ترجمہ: اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف چل پڑا کرو۔)

عامۂ مفسرین نے اس آیت کے تحت تصریح فرمائی ہے کہ ذکر سے آیت میں خطبہ مراد ہے۔

”وقدصرح عامة المفسرين بأن المراد من الذكر الخطبة ويأيده مارواه الشيخان عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال:من اغتسل يوم الجمعة غسل الجنابة ثم راح فكأنما قرب بدنة ومن راح فی الساعة الثانية فكأنما قرب بقرة ومن راح فی الساعة الثالثة فكأنما قرب كبشا أقرن ومن راح فی الساعة الثانية فكأنما قرب دجاجة ومن راح فی الساعة الخامسة فكأنما قرب بيضة فإذا خرج الامام حضرت الملائكة يستمعون الذكر.(۲)

اور یہی لفظ قرآن مجید کے لیے بھی وارد ہوا ہے:

﴿إنانحن نزلنا الذكر وأنا له حافظون﴾(الآية)(۳)

(ترجمہ: ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم اس کے محافظ (اور نگہبان) ہیں۔)

بلکہ قرآن مجید کے لیے لفظ ”ذکریٰ“، بمعنیٰ تذکیر بھی وارد ہوا ہے:

﴿إن هو إلا ذكریٰ للعٰلمين﴾(۴)

(ترجمہ: یہ (قرآن) تو صرف تمام جہاں والوں کے واسطے ایک نصیحت ہے۔)

پس اگر لفظ اس پر دال ہے کہ اس سے لوگوں کو ان کی زبان میں نصیحت کی جاوے تو چاہیے کہ قرآن مجید کی جگہ بھی اس کا ترجمہ، یا اس کے ساتھ نماز میں حاضرین کی زبان میں ترجمہ پڑھا جاوے؛ بلکہ ”ذکریٰ“ اس پر دال ہے اور اگر قرآن مجید سے تفہیم ناس کو خارج نماز کے ساتھ مخصوص کیا جاوے اور نماز میں محض تلاوت کا حکم کیا جاوے تو خطبے سے تفہیم ناس کو بھی خارج ہیئت کہا جاوے، مثلاً خطبے سے قبل، یا نماز کے بعد، پھر ضرورت تفہیم کو حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہم سے زیادہ جانتے تھے کہ بلاد عجم روم و فارس ان کے زمانے میں فتح ہو چکے تھے، یہاں تک کہ شہر کابل حضرت عثمان

(۱) سورة الجمعة:۹،انيس

(۲) صحيح لمسلم،فصل فی التكبير الی الجمعة باعتبار الساعات:۱/۲۸۰-۲۸۱،قديمی،انيس

(۳) سورة الحجر:۹

(۴) سورة الأنعام:۹۰

رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فتح ہوگیا، جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ کتب حدیث میں اس کی روایت موجود ہے،(۱) اور ظاہر ہے کہ ان بلاد میں ہزارہا ایسے نفوس موجود تھے، جو عجمی زبانوں کے ماہر تھے، جیسے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ عجمی و حبشی و رومی و عبرانی و فارسی زبان جانتے تھے،(۲) اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو فارس کے اہل زبان تھے۔(۳)

بایں ہمہ ضرورت و حاجت صحابہ رضی اللہ عنہ کا تبدیل زبان خطبے کا اہتمام نہ کرنا دلیل مستحکم اس امر پر ہے کہ خطبہ عربی میں پڑھنا سنتِ مؤکدہ ہے اور غیر عربی میں بدعت و مکروہ خلاف سنت ہے۔

مقصود اصلی خطبہ جمعہ وغیرہ سے نفس ذکر الٰہی ہے، نہ تعلیم احکام دینیہ، اسی وجہ سے قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿إذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا إلی ذکر اللّٰه﴾ (الآیة) (۴)

اور ہدایہ اور درمختار؛ بلکہ تمام کتب فقہ میں بحث خطبے میں "کفت تحمیدة أو تهلیلة أو تسبیحة" موجود ہے۔(۵) جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اعظمؒ کے نزدیک اگر خطبے میں صرف "سبحان اللّٰه" یا "الحمد للّٰه" یا "لا إله إلا اللّٰه" وغیرہ پر کفایت کیا تو کافی ہوگا؛ لیکن کراہت لازم ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک "لابد من ذکر طویل" اس کی تفصیل درمختار، شامی، ہدایہ، فتح القدیر، البحر الرائق، بدائع وغیرہ میں مشرح ہے۔(۶)

---

(۱) حضرت ابولبید سے روایت ہے کہ ہم عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کابل میں تھے۔ (أبو داؤد، کتاب الجهاد، باب النهی عن النهبی إذا کان فی الطعام قلة فی أرض العدو، ص: ۳۶۹)

عہدِ عثمانی میں حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے ۳۲ھ میں سجستان اور کابل پر چڑھائی کی تھی، اس طرح کابل عہد عثمانی میں فتح ہو چکا تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دونوں علاقے باغی ہوگئے تھے؛ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دوبارہ دونوں کو فتح کرلیا گیا۔ (دیکھئے! سیر الصحابہ: ۱۴۶/۴، حصہ ہفتم، تذکرہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ)

(۲) "تهذیب الکمال" میں عبرانی، سریانی، و زبان یہود کے سیکھنے کا ذکر ہے۔ عبارت یہ ہے:

"یا زید تعلم لی کتاب یهود، فإنی واللّٰه ما آمن یهود علیٰ کتابی، قال: فتعلمته فما مضیٰ نصف شهر حتیٰ حذقته فکنت أکتب لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إذا کتب إلیهم وإذا کتبوا إلیه قرأت له".

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: "إنها تأتینی کتب لا أحب أن یقرأها کل أحد فهل تستطیع أن تعلم کتاب العبرانیة، أو قال: السریانیة؟ فقلت: نعم، فقال: فتعلمتها فی سبع عشرة لیلة". (تهذیب الکمال، باب الزاء من اسمه زید: ۲۸/۱، انیس)

"سیر الصحابہ" میں لکھا ہے کہ: "انہوں نے مدینہ میں ان زبانوں کے جاننے والوں سے سیکھا تھا"۔ ("کتاب التنبیہ والاسراف"، ص: ۲۸۳ بحوالہ "سیر الصحابہ": ۳۵۵/۳)

(۳) حضرت بلال رضی اللہ عنہ حبشہ کے اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ روم کے باشندے تھے۔

(۴) سورة الجمعة: ۹، انیس

(۵) الدر المختار، باب الجمعة: ۲۰/۳

(۶) وقالا: لابد من ذکر طویل، وأقله قدر التشهد الواجب. (در) وفی الشامی: "(وأقله) فی العنایة وهو مقدار ثلث اٰیات عند الکرخی، وقیل مقدار التشهد من قوله "التحیات للّٰه" إلیٰ قوله "عبده و رسوله". (ردالمحتار، باب الجمعة، قبیل مطلب: فی قول الخطیب قال اللّٰه إلخ: ۱۴۸/۲، دار الفکر بیروت، انیس)

پس اگر مقصود اصلی خطبے میں تعلیم احکام دینیہ وتبین احکام شرعیہ ہوتا تو صرف ادنیٰ ذکر، یا مجرد ذکر طویل سے کیوں کر خطبہ ادا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ صرف ﴿إلٰی ذکر اللّٰہ﴾ لفظ پر کیوں کفایت کرتا، اسی وجہ سے فقہائے کرامؒ خطبے میں تعلیم احکام دینیہ کو مندوب لکھتے ہیں، نہ کہ شرط خطبہ۔(۱)

خلاصہ یہ ہے کہ مقصود اصلی جہاں تعلیم احکام ہوں، وہاں معلم کو متعلمین وسامعین کی زبان میں تعلیم وتفہیم کرنا درست ہوگا اور خطبے کا اصلی مقصود ذکر ہے اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاءِ راشدین وحضراتِ صحابہ وتابعین ومحدثین وائمۂ مجتہدین اورسلف صالحین سے عربی ہی میں ثابت ومنقول ہے اور باوجود ضرورت واحتیاج کے کسی سے اس کی تغییر منقول نہیں۔ پس خطبہ عربی کے سوا اس کسی اور زبان میں پڑھنا بالضرور بدعت وخلافِ سنت مؤکدہ ومکروہ ہوگا۔(۲)

پھر اگر سامعین میں مختلف ممالک کے باشندے موجود ہوں تو کیا خطیب کے لیے یہ شرط ہوگی کہ وہ سب زبانوں کا ماہر ہو، اگر نہیں تو دوسری زبانوں والوں کی کیا رعایت ہوئی۔

”علٰی ھٰذا قد ثبت من الأحادیث الصحیحة والسیرة النبویة حضور العجمین عنده صلی اللّٰه علیه وسلم وکانوا فی أول أمرھم لا یعرفون العربیة فإن کان تفھیم الخطبة من ضروریات الخطبة فقد مست الحاجة إلٰی ترجمتھا بلسانھم ولم یفعله النبی صلی اللّٰه علیه وسلم مع القدرة علیه بإقامة الترجمان من جماعة الصحابة رضی اللّٰه عنھم أجمعین فعلم أن مواظبة علیه السلام علٰی اللغة العربیة فی الخطبة لیس لمحض کونه عربیًا وعلٰی سبیل جریان العادة بل کان ذلک مقصودًا منه علیه الصلاة والسلام ،فالحاصل إن جعل الخطبة بالعربیة سنة مؤکدة،وقال محدث الھند حضرة الشاہ ولی اللّٰه رحمة اللّٰه علیه فی شرح الموطأ:ولما لاحظنا خطب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم وخلفائه وھلم جرا فتنقحنا وجود أشیاء منھا الحمد والشھادتین والصلاة علی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والأمر بالتقوٰی وتلاوة آیة والدعاء للمسلین و المسلمات وکون الخطبة عربیة (إلٰی قوله)وأما کونھا عربیة فلاستمرار عمل المسلمین فی المشارق والمغارب مع أن کثیر من الأقالیم کان المخاطبون أعجمیین“.(۳)

وقال النووی الشافعی رحمة اللّٰه علیه فی الأذکار فی کتاب حمد اللّٰه تعالٰی:ویشترط کونھا یعنی خطبة الجمعة وغیرھا بالعربیة،انتھٰی.(۴)

---

(۱) أن الخطیب إذا رأی حاجة إلٰی معرفة بعض الأحکام فإنه یعلمھم إیاھا فی خطبة الجمعة،خصوصًا وفی زماننا لکثرة الجھل وقلة العلم.(ردالمحتار،باب العیدین:۱۷۵/۲،دار الفکر بیروت،انیس)

(۲) فإنه لا شک فی أن الخطبة بغیر العربیة خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللّٰه علیه وسلم والصحابة رضی اللّٰه عنھم فیکون مکروھًا تحریمًا.(عمدة الرعایة علٰی ھامش شرح الوقایة،باب الجمعة،ص:۲۴۲)

(۳) مصفٰی شرح الموطأ:۱۵٤/۱

(۴) شرح إحیاء العلوم للزبیدی: ۳۲٦/۳

فالحاصل أن اللغة العربية فی الخطبة سنة مؤكدة عندنا وترک العربية رأسًا وجعلها بالعجمية أوترجمتها بغيرالعربية مكروهًا تحريمًا وتاركها آثم ولا سيماالمدمن عليه وبدعة حق لا ريب فيه،فقه المسئلة أن الخطبة أمر تعبدی لا مساغ فيها للقياس كالقراءة فيجب فيها اتباع المأثوروالمنقول ولولا ذلک لنقل عن الصحابة رضی اللّٰه عنهم أجمعين قراءتها بالفارسية لما فتح فارس وأقيم فيها الجمعة وكونها غيرمنقول ظاهرفاذن الأمرباهرعلٰی كل ماهرمتبع السنه وطريق السلفواللّٰه تعالٰی أعلم وعلمه أتم وأحكم(مرغوب الفتاویٰ:۳/۸۴-۹۰)

غیر عربی میں خطبہ دینا:

سوال: عربی کے علاوہ کسی دوسری زبان میں خطبہ دینااور خطبہ میں اشعار پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟ اور ایسے خطبہ سے نماز جمعہ میں تو کوئی نقصان نہیں آئے گا؟

الجواب

عربی کے علاوہ ہر ایک زبان میں خطبہ دینا خواہ فارسی ہو، یا غیر فارسی، بغیر عذر و عجز کے امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہے، البتہ خلاف افضل ہےاور صاحبین کےنزدیک جائز نہیں اور درمختار میں ہے:

وشرطاعجزه،إنتهىٰ.

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سفر السعادت میں فرماتے ہیں:

افضل آنست که خطبه بزبان عربی باشد و نزد امام ابو حنیفهؒ بغیر عربی نیز جائزاست بهر زبانے که باشد و بعضے گفته اند ازغیرعربی جز بفارسی روانباشد،إنتهی۔

عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

والخطبةيوم الجمعة والتشهدأی قراءة التحيات فی العقدات على هذا الإختلاف يعنى يجوز عندأبی حنيفة خلافا لهما،إنتهىٰ.

اور منظوم خطبہ اگر کذب ومبالغہ اور سرود وغنا سے خالی ہوتو مضائقہ نہیں۔ کیوں کہ اشعار فی نفسہ قبیح نہیں، بلکہ حسن وقبح کامدار ان کے مضامین پر ہے۔

دارقطنی حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هو كلام فحسنه حسن و قبيحه قبيح ،إنتهىٰ.(۱)

(۱) عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت:ذكرعند رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الشعر فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم هو كلام فحسنه حسن وقبيحه قبيحٌ.(سنن الدار قطنی،كتاب الوصايا،باب خبرالواحد يوجب العمل:٤/١٥٥،انیس)

مگر چوں کہ منظوم سنت جاریہ کے خلاف ہے؛اس لیے کراہت تنزیہی سے خالی نہیں ؛ بلکہ صاحب نصاب الاحتساب نے تو حرام ہی کہہ دیا۔

هل للمذكر أن يقرأ على المنبر كما اعتاده مذكروزماننا،أم لا؟الجواب:فى الحديث من أشراط الساعة أن يوضع الأخيار ويرفع الأشراروأن تقرأالمثناة هى التى سميت بالفارسية دوبيتى من الصحاح،إنتهٰى. (۱)

بہر حال اگر مذکورہ شرائط کے مطابق منظوم خطبہ پڑھ لیا جائے تو نماز میں کوئی نقصان نہ آئے گا۔

(نوٹ متعلقہ سوال:۲۶۲) غیر عربی میں خطبہ دینے کے بارے میں امام ابوحنیفہ کا قولِ اول یہ تھا کہ عذر کی وجہ سے صرف فارسی میں جائز ہے؛مگر صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور یہی قول مفتیٰ بہ ہے اور امام صاحب کا رجوع بھی اسی قول کی طرف ثابت ہے۔صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

و يروى رجوعه فى أصل المسئلةإلىٰ قولهماو عليه الإعتماد والخطبة والتشهدعلىٰ هٰذا لإختلاف،إنتهٰى. (۲)

اور درمختار میں ہے:**وعليه الفتوٰى،إنتهٰى.**

لہٰذا بغیر عذر شرعی غیر عربی میں خطبہ دینا جائز نہیں۔واللہ اعلم

محمد خورشید عالم (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو:۲۴۸-۲۴۹) ☆

---

(۱)　نصاب الإحتساب:۱/۳۹۵،انیس

(۲)　الهداية،كتاب الصلاة،باب صفة الصلاة:۱/۱۰۰،مكتبة رحمانية لاهور،انيس

☆　**خطبہ اردو میں پڑھنا:**

سوال:　دو رسائل مطبوعہ ''زبدۃ التحقیقات''،''عمدہ التحقیقات'' برائے ملاحظہ ارسال ہیں۔ان پر تقریظ لکھ کر واپس فرمادیجئے؟

(یہ رسائل اس مسئلہ کی تحقیق میں ہیں کہ خطبہ جمعہ اردو وغیرہ میں پڑھنا بدعت وناجائز ہے۔)

الجواب

(یہ رسالے چوں کہ عربی زبان میں تھے؛اس لیے جواب عربی میں لکھا گیا اور اس جگہ ترجمہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس مسئلہ پر احقر کا مستقل رسالہ اردو بنام الاعجوبہ شائع ہو چکا ہے،اردو خواں حضرات اس کو دیکھ سکتے ہیں) **وبعد :فقد طالعت الرسالتين الموسومتين ''زبدة التحقيقات وعمدةالتحقيقات''فى كراهة الخطبة بغيرالعربية للفاضل الأجل مولاناالمحقق محمد تميم ابن محمد المدراسى،فوجدتهماأنفع شئ فى الباب وأجمع ماأدى إليه نظرى من الرسائل فى هذا الباب فلـلّه درالمصنف حيث أشاد منارالهدى فأضاء فجزاه اللّٰه عناوعن سائرالمسلمين خير الجزاء،هذا ولكن الاستدلال على الوجوب بمحيض مواظبة النبى صلى اللّٰه عليه وسلم على الخطبة بالعربية محل نظر فإن الصحيح الذى عليه اطباق جمهرة الفقهاء هوأن المواظبة المحضة من النبى صلى اللّٰه عليه وسلم على فعل وإن كان بلا ترك أحياناً ليس بدليل الوجوب بل السنية المؤكدة مالم يردعلى تركه إنكارأو وعيد مستقلاً وإلافلاوجه للقول بسنية المضمضة والإستنشاق عند الحنفية فإن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم واظب علىٰ فعلهما بلا ترك،كما صرح به الفقهاء والمحدثون والدليل علىٰ ما قلنا تصريحات الفقهاء والأصوليين نذكرهنا نبذة منها.**　==

== قال الشامي: قال في البحر: والذي ظهر للعبد الضعيف أن السنة ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم لٰكن إن كانت لامع الترك فهي دليل السنة المؤكدة وإن كانت مع الترك أحياناً فهي دليل غير المؤكدة وإن اقترنت بالإنكار علٰى من لم يفعله فهي دليل الوجوب فافهم.(رد المحتار، كتاب الطهارة،قبيل مطلب المختار أن الأصل في الأشياء الاباحة: ١٠٥/١،انيس)

وقال الشامي: فماكان فعله أولى من تركه مع منع الترك إن ثبت بدليل قطعي ففرض أوبظني فواجب و بلا منع الترك إن كان مماواظب عليه الرسول صلى اللّٰه عليه وسلم أوالخلفاء الراشدون من بعده فسنة وإلا فمندوب.(رد المحتار، كتاب الطهارة،قبيل مطلب في السنة و تعريفها: ١٠٢/١،دارالفكربيروت،انيس)مثله في البدائع في ذكر سنة التسميه عند الوضو.(بدائع الصنائع: ٢٠/١)وفي هذا ليسير كفاية لحصول الغاية.

فالأحوط في هٰذا الباب أن يقال: الخطبةبالعربيةسنة مؤكدةمواظبة النبي عليه الصلاةوالسلام، لا يقال إن المواظبة تكون دليل السنة إذا لم يكن ثمه دليل الخصوص وكفى كونه عليه الصلوٰة و السلام عربياً وكون لغته عربية دليل الخصوص فإنا نقول: إن الخلفاء الراشدين و من سواهم من أصحابه عليه الصلوٰة و السلام بلغوا مشارق الارض و مغاربهاوافتتحواالعرب والعجم ولم يثبت من أحد منهم أنه خطب بغيرالعربية مع القدرة عليه لماثبت من كثير من الصحابة معرفتهم بلغة العجم و قدرتهم على الخطبة بها،كزيد بن ثابت رضي اللّٰه تعالىٰ عنه كان يعلم اللسان العجمي والحبشي و الرومي و كسلمان الفارسي كان يعلم الفارسية و مع ذلك لم يأمرهم النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بالخطبة بلسان العجم مع مس الحاجة إليه ومعرفتهم به في شئ من الأحاديث على أنه قد ثبت من الأحاديث الصحيحة والسيرة النبوية حضوره العجميين عنده صلى الله عليه وسلم وحدانا وزرافات و فرادىٰ وجمانات و كانوا في أول أمرهم لايعرفون العربية فإن كان تفهيم الخطبة الحاضرين من ضروريات الخطبة فقد مست الحاجة إلى ترجمتها بلسانهم و لم يفعله النبي صلى اللّٰه عليه وسلم مع القدرة عليه بإقامة الترجمان من جماعةالصحابة فعلم أن مواظبته عليه السلام على اللغة العربية في الخطبة ليس لمحض كونه عربياً وعلٰى سبيل جريان العادة كما ظنه بعض الفضلاء بل كان ذلك مقصوداً منه عليه الصلوٰةوالسلام و الحاصل أن جعل الخطبة بالعربية سنة مؤكدة و قال محدث الهندحضرةالشاه سولي اللّٰه في شرح الموطأولمالاحظنا خطب النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وخلفائه رضي اللّٰه عنهم و هلم جراً فنقحنا وجود أشياء فيها الحمد والشهادتين والصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم و الأمربالتقوىٰ و تلاوة آية والدعاء للمسلمين والمسلمات وكون الخطبة عربية (إلى قوله)أما كونهاعربية فلإستمرارعمل المسلمين في المشارق والمغارب به مع أن في كثير من الأقاليم كان المخاطبون أعجمين و قال النووي الشافعيؒ في الأذكار في كتاب حمد اللّٰه تعالىٰ:ويشترط كونها يعني خطبة الجمعة وغيرها بالعربية.إنتهى.

الحاصل أن اللغة العربية في الخطبة سنة مؤكدة عندناولكن ترك العربية وجعلها بالعجمية مكروهاً تحريماً و تاركها آثم ولا سيما المدمن عليه ولا يردعلينامانص عليه في رد المحتار من أن ترك الواجب مكروهاً تحريماً و ترك السنة تنزيهاً وأيضاً صرح به الحلبي في شرح المنية حيث قال: والمراد بهامالزمه ترك السنة و هو كراهة تنزيهة أوترك واجب وهوكراهة تحريم كما ذكره المصنفؒ في رسالته هذه زبدة التحقيقات و ذلك لأن الحكم بتنزيهة الكراهة في ترك السنة إنما هو إذا لم يخالطه غيره من إحداث بدعة أوإدمان على تركهاوإلّافالفقهاء مصرحون بكونه آثماًضالاً ،قال الشامي في أوائل سنن الوضوء:وهي السنن الموكدة القريبة من الواجب التي يضلل تاركها لأن تركها إستخفاف بالدين.(٩٦/١)ثم قال في المضمضة والإستنشاق:فلو تركهماأثم على الصحيح،سراج. ==

== و قال فی الحلية لعله محمول على ماإذا جعل الترک عادة له من غيرعذ ر كما قالوا مثله فی التثليث. (رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب فی منافع السواک، انيس)

وقال فی البدائع: لأن من لم يرسنةرسول الله صلى الله عليه وسلم سنةفقدابتد ع فيلحقه الوعيد. (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، فی مبحث التثليث فی الغسل: ۲۲/۲، دار الحديث بيروت، انيس)

قلت و المراد بالوعيد قوله عليه السلام فی حديث الإعرابی من زادعلى هذا أونقص فقد تعدى وظلم و من هذه الجملة وضح أن تارک العربية فی الخطبة آثم مبتدع فإنه لا يراه سنة فالحاصل أن اختصاص اللغة العربية فی الخطبة وإن كان فی الأصل من السنن إلاأنه لحق بتركه أمور أخرمن ابتداع بدعة و أثم الإدمان على ترک السنة وترک البدعة واجب فجاء الوجوب من هذا القبيل إلابمحض المواظبة عليه و بالجملة فالحكم بوجوب العربية واثم تاركها فی خطبة الجمعة وإن ترجمتهابغير العربية بدعة حق لاريب فيه.

۶ ربیع الاولیٰ ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۲/۳۲۸-۳۳۰)

خطبہ جمعہ کا اردو ترجمہ کرنا:

سوال: جمعہ کے خطبہ کے ساتھ ہی ساتھ اردو نظم، یا نثر میں اس کا مطلب بیان کیا جاتا ہے۔ آیا اس طرح پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

جمعہ کے خطبہ کے ساتھ اردو میں ترجمہ خواہ نثر سے ہو، یا نظم سے بدعت اور ناجائز ہے۔ قرون مشہود لہا بالخیر میں باوجود ضرورت اور قدرت، اس کی کوئی نظیر نہیں۔ مفصل تحقیق اس مسئلہ کی احقر کے ایک رسالہ (اس رسالہ کا نام الاعجوبۃ فی عربیۃ خطبۃ العروبۃ ہے، دارالاشاعت متصل مولوی مسافر خانہ بندر روڈ کراچی سے مل سکتا ہے۔) مستقل میں ہے، اگر تفصیل منظور ہو تو اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد المفتین: ۲:۳۳۰)

خطبہ جمعہ کے متعلق ایک تحقیق:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین۔ اس بارے میں کہ جمعہ میں خطبہ کا طویل ہونا اور نماز کا قصیر ہونا شرعاً کیسا ہے؟ بعض مساجد میں امام صاحب خطبہ جمعہ تقریباً پندرہ منٹ میں ختم فرماتے ہیں اور نماز جمعہ تقریباً چار منٹ میں۔ پس ارشاد فرمائیں کہ امام صاحب کا یہ طرز عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

فی الهندية: (وأما سننها فخمسة عشر) الرابع عشر تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل و يكره التطويل. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس، عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱، انيس)

عبارت مذکورہ سے واضح ہوا کہ خطبہ جمعہ کو طویل پڑھنا مکروہ ہے اور حد یہ ہے کہ طوال مفصل کی ایک سورت کہ برابر ہو، اس سے زیادہ ہوگا تو وہ طویل اور مکروہ سمجھا جائے گا؛ کیوں کہ یہ خلاف سنت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ جو عام کتب حدیث میں منقول ہے یہ تھی کہ خطبہ مختصر اور نماز اس کی نسبت سے طویل پڑھاتے تھے، جو امام اس کے خلاف کرتے ہیں، وہ خلاف سنت کرتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر محمد شفیع عفا اللہ عنہ، مدرس دارالعلوم دیوبند ۳ شعبان ۱۳۵۶ھ۔

الجواب: صحیح بندہ اصغر حسین عفا اللہ عنہ۔ الجواب: صحیح شمس الحق عفا اللہ عنہ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ الجواب: صحیح محمد اعزاز علی عفی اللہ عنہ مدرس دارالعلوم۔ الجواب: صحیح مسعود احمد عفا اللہ عنہ نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔ (امداد المفتین: ۲/۳۳۰-۳۳۱)

خطبہ کے دوران اردو میں تقریر:

سوال: دونوں خطبوں کے درمیان عربی کے علاوہ اردو، یا کسی دوسری زبان میں وعظ ونصیحت کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اوراس طرح خطبہ دینے میں کوئی کراہت تو نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

غیرعربی میں خطبۂ جمعہ کے بارے میں علماء کی دورائیں ہیں۔بعض علماء اسے ناجائز و نادرست کہتے ہیں، بعض دیگر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔ دونوں کے پاس دلائل ہیں اور دونوں رایوں کے پیچھے مختلف حکم ومصالح شرعی ہیں۔ اس مسئلہ کو بہرحال امت کے مابین اختلاف اور نفاق وشقاق کی بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔اگر حمد ونعت کے الفاظ عربی میں کہہ کر مختصر وعظ وتذکیر اردو میں کہنے کا رواج ہو (یعنی عربی واردو مخلوط خطبہ)، یا خالص عربی میں خطبہ کا رواج کسی مسجد میں ہو تو اسی طرح عمل ہونے دیا جائے۔اس طرح کے معاملہ کو باعثِ فساد امت کے درمیان نہیں بنایا جائے۔ ہاں خطبہ میں شعروشاعری اور غیرضروری وطویل تقریر سے ضروراحتیاط کی جانی چاہیے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

مجاہدالاسلام القاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۴۹۶/۲-۴۹۷)

خطباتِ جمعہ عربی میں کیوں دیئے جاتے ہیں:

سوال: جمعہ کے خطبات پرانے ہی کیوں سنائے جاتے ہیں؟ جب کہ عہدِ رسالت میں حالاتِ حاضرہ پر خطبات دیئے جاتے تھے، اُردو میں ترجمہ کیوں نہیں بتایا جاتا؛ تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ خطبہ میں کیا پڑھا گیا؟

الجواب ــــــــــــــــ

خطبہ میں ذکرالٰہی ہوتا ہے اور وہ اسلام کی سرکاری زبان عربی ہی میں ضروری ہے۔(۱) خطیب کے لیے کسی خاص خطبہ کی پابندی نہیں، عربی خطبہ سے پہلے حالات حاضرہ پر تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۳۳/۴)

رمضان کے آخری جمعہ کا خطبہ:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں کہ در خطبۂ عید وآخر جمعہ ماہ رمضان لفظ الوداع والفراق والسلام خواندن موافق سنت نبوی است یا بدعت سیۂ ناجائز بر تقدیر عدم جواز بر مجوزین ومعتقدین آنکہ بجان ودل درابقاء ایں رسم قدیم کوشند حسب شریعت غرا وملت بیضاء چہ حکم نافذ گردو منسوب بفسق خواہند شد یانہ؟ (۲)

(۱) فإنه لا شك في أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبي صلى الله عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريما. (عمدة الرعاية على شرح الوقاية، باب الجمعة: ۲۴۲/۱، میر محمد کتب خانة)

تفصیل کے لیے دیکھئے: جواہر الفقہ :۳۵۲/۱، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، طبعہ مکتبہ دارالعلوم کراچی

(۲) ترجمۂ سوال: عیدالفطر کے خطبہ میں اور رمضان شریف کے آخری جمعہ کے خطبہ میں ''الوداع والفراق والسلام'' پڑھنا ==

الجواب

حاصل خطبۃ الوداع اظہار تاسف است بر انقضائے رمضان و ایں چنیں تاسف از حضرت نبویہ یا از سلف صالحین در خیر القرون جائے منقول نشدہ البتہ تنویہ بجئی رمضان و تنبیہ بر فضل آں در احادیث آمدہ است کہ در آخر جمعہ شعبان در خطبہ فرمودند پس اورا گزاشتہ برائے آخر ۔۔۔۔ جمعہ رمضان خطبۂ خاص مقرر نمودن ظاہر است کہ تغییر مشروع وقلب موضوع است بلکہ اگر نیک نگرند بجائے تاسف گونہ سرور وفرح بر ختم آں مطلوب فی نماید چنانچہ در حدیث منصوص است للصائم فرحتان فرحۃ عند الافطار وفرحۃ عند لقاء ربہ وظاہر کہ اگر تاسف وقت انقضاء رمضان مشروع بود در حصۂ ازاں تاسف وقت انقضاء اجزائیش کہ صوم ہر روز است نیز مشروع بودے ہر گاہ وقت انقضائی اجزائیش کہ افطار صغیر است فرح وسرور محمود شد لامحالہ وقت انقضائی مجموعہ کہ افطار کبیر است نیز فرح وسرور مقصود شد پس اظہار تأسف مزاحمت است بدیں مامور بہ، ونیز وعدہ وبشارت مغفرت کہ متعلق بقدوم عید در نصوص وارد شدہ مشعر است بعدم استحسان تاسف بمقدمہ اش کہ انقضائے رمضان است لان مقدمۃ الشئی فی حکم ذلک الشئی واگر ازیں دلائل قطع کردہ قائل بااباحت اوشوند غایت مافی الباب اباحت مطلق آں مسلم خواہد شد مگر ہر گاہ دراں منکرات علمیہ وعملیہ از التزام واعتقاد لزوم آں در عامل وعوام منضم شدہ لامحالہ مثل دیگر بدعات کہ بعضے ازاں فی نفسہ مباح باشد لیکن بانضمام ایں چنیں مفاسد واجب الانکار می شود ایں ہم قبیح وشنیع خواہد بود وچوں قبح بعضے بدعات غامض می باشد مصلحین ومنکرین را لازم است کہ در ہمچو ایں بدعات بر عامل وملتزم عنف وتشدد نہ کنند کہ اکثر منجر بزیادۃ اصرار وقوع مضمون اذا قیل لہ اتق اللہ اخذتہ العزۃ بالاثم می شود؛ بلکہ برفق ولطف ایشاں را براہ آرند۔ واللہ الموفق واللہ اعلم (۱)

۲۸/رمضان ۱۳۳۳ھ (حوادث ثالث: ۱۵۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۵-۶۸۷)

== سنت کے مطابق ہے، یا ناجائز؟ اور بدعت سیئہ ہے، عدم جواز کی صورت میں جائز ماننے والوں پر جو دل وجان سے اس قدیم رسم کے باقی رکھنے میں کوشاں ہیں، شریعت غرا کا کیا حکم نافذ ہوگا؟ فاسق ہوں گے، یا نہ؟

(۱) ترجمہ جواب: خطبۃ الوداع کا حاصل ''رمضان کے پورا ہوجانے پر تأسف کا اظہار کرنا'' ہے اور اس طرح کا تأسف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صالحین سے خیر القرون میں کسی جگہ منقول نہیں ہوا ہے، البتہ رمضان شریف کی آمد کا اہتمام اور اس کے فضائل پر تنبیہ حدیث میں وارد ہوئی ہے کہ شعبان کے آخری جمعہ کے خطبہ میں (تنبیہ) فرمائی گئی، لہذا اسے چھوڑ کر اخیر رمضان کے لیے خاص خطبہ مقرر کرنا، ظاہر ہے کہ مشروع میں تغیر کرنا اور معاملہ کو الٹا کر دینا ہے؛ بلکہ غور کریں تأسف کے بجائے ایک گونہ سرور ومسرت، رمضان کے ختم ہونے پر مطلوب معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ ''للصائم'' روزہ رکھنے والے کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں، ایک افطار کے وقت اور دوسری اللہ سے ملاقات کے وقت)اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر رمضان کے پورا ہوجانے پر تأسف کرنا مشروع ہوتا تو اس تأسف کا کچھ نہ کچھ ضرور رمضان کے اجزاء (ہر دن کے روزے) کے پورا ہونے پر بھی مشروع ہوتا؛ لیکن جب اجزاء رمضان (ہر ہر دن) کے پورا ہونے پر جو افطار صغیر ہے، ہمیشہ خوشی اور سرور مشروع ہو تو لامحالہ مجموعہ کے تمام ہونے پر بھی جو کہ افطار کبیر ہے خوشی ومسرت مقصود ہوگی، پس افسوس ظاہر کرنا اس مامور بہ کے ساتھ مزاحم ہوا۔ اسی طرح عید کے آنے پر جس مغفرت کی بشارت اور وعدہ نصوص میں وارد ہوا ہے وہ بھی اسی طرف مشیر ہے کہ اس کے مقدمہ رمضان شریف کے پورے ہونے پر تأسف مستحسن نہیں ہے۔ لأن مقدمة الشيء في حكم ذلك الشيء (کسی شئی کا مقدمہ اسی شئی کے حکم میں ہوتا ہے۔) ==

خطبہ میں الوداع پڑھنا:

خطبہ میں الوداع پڑھنا بدعت ہے۔

(مجموعہ کلاں، ص:۲۲۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ:۱۸۶)

جمعۃ الوداع کے خطبہ میں الوداع الوداع پڑھنا:

سوال: الوداع آخر جمعۂ رمضان کے خطبہ میں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

آخر جمعہ رمضان میں الوداع پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ اس لیے اس کا التزام ناجائز ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۲/۸/۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲۳۹/۲)

حکم خواندن خطبہ قاعداً:

سوال: خطبہ جمعہ وعیدین بیٹھ کر جائز ہے، یا نہیں؟ اگر خطیب ضعف کے سبب مجبور ہو تو کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: (ویسن خطبتان) ... (وطهارة وستر) عورة (قائما).(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قیام خطبہ کا سنت مؤکدہ ہے اور اگر واجب بھی ہوتا تب بھی عذر میں ساقط ہو جاتا کقیام الصلوٰۃ اور عیدین کا خطبہ مثل خطبہ جمعہ کے احکام میں ہے پس عذر میں خطبہ عیدین بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے۔

(امداد:۶۵/۱) (امداد الفتاویٰ جدید:۶۳۱/۱)

اگر اثنائے خطبہ جمعہ وعیدین یاد آوے کہ صلوٰۃ فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے:

سوال: اگر خطبۂ عیدین، یا جمعہ میں امام کو خیال آیا کہ نماز فجر نہیں پڑھی تو کیا کرے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار باب الجمعة: ولو خطب جنبا ثم اغتسل وصلٰى جاز ... و(إذا خرج الامام)

== اور اگر ان دلائل سے قطع نظر کر کے خطبہ الوداع کی اباحت میں دلیل جوز ائد سے زائد اس کی اباحت مطلقہ ماننا ہوگی؛ لیکن جب اس میں منکرات علمیہ اور علمیہ (شامل اور عوام میں اس کے لزوم کا ارتقا والتزام مل جائیں گے تو لامحالہ وہ مثل دیگر بدعات کے (کہ بعضے ان میں سے فی نفسہ مباح ہیں؛ لیکن اس طرح کے مفاسد مل جانے کی وجہ سے واجب الانکار ہو گئے ہیں) یہ بھی قبیح وشنیع ہو جائے گا اور چوں کہ بعضے بدعات کی برائی غامض وخفی ہوتی ہے؛ اس لیے مصلحین ومنکرین پر لازم ہے کہ اس قسم کی بدعات میں عمل کرنے والوں اور التزام کرنے والوں پر تشدد اور سختی نہ کریں؛ کیوں کہ یہ عام طور پر اصرار کو بڑھا دیتا ہے اور ﴿وإذا قيل له اتق الله أخذته العزة بالاثم﴾ (سورة البقرة: ۲۰۶) کا مضمون واقع ہو جاتا ہے؛ اس لیے نرمی اور مہربانی سے ان لوگوں کو راہ راست پر لانا چاہیے۔ واللہ الموفق

(۱) الدرالمختار علٰى هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۸/۲-۱۵۰، دار الفکر بیروت، انیس

... (فلاصلاة ولا كلام الى تمامها) ... (خلاقضاء فائته لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية) فإنها لا تكره سراج وغيره لضرورة صحة الجمعة وإلا لا. (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ کہ خطبہ درست ہوجائے گا؛ لیکن نماز جمعہ نہ پڑھاوے، اگر صاحب (صاحب ترتیب کی تعریف باب ادراک الفریضہ وقضاء الفوائت کے پہلے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرماویں) ترتیب ہو؛ بلکہ دوسرے سے پڑھاوے اور خطبہ عیدین میں یاد آوے تو کچھ حرج نہیں؛ کیوں کہ ترتیب خود فرائض وعیدین کی نماز میں بھی واجب نہیں اور خطبہ میں تو کہیں بھی واجب نہیں ہوتی۔

في الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: "الترتيب بين الفروض الخمسة والوتر أداء وقضاء لازم".

وفي ردالمحتار: ودخل فيه الجمعة فان الترتيب بينها وبين سائر الصلوات لازم فلوتذكر أنه لم يصل الفجر يصليها ولو كان الامام يخطب اسمٰعيل عن شرح الطحاوی، آه. (۲) واللہ تعالیٰ اعلم

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۶۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۳-۶۳۴)

بوقت خطبہ اذان سے پہلے یہ کلمات کہنے کیسے ہیں:

سوال: وقت خطبہ کے اذان سے پہلے واستو ورحکم اللہ کہنا کیسا ہے؟

الجواب

وقت خطبہ جو اذان خطیب کے سامنے ہو، اس کے شروع میں اس لفظ کے کہنے کی ضرورت نہیں، البتہ اگر امام بوقت تکبیر تحریمہ ایسا کہے تو مضائقہ نہیں۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۷۸)

خطبہ شروع ہونے کے بعد سنتیں پڑھی جائیں، یا نہیں:

سوال: خطبہ شروع ہونے کے بعد پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

خطبہ شروع ہونے کے بعد سنتیں نہ پڑھیں، نہ اول خطبہ کے وقت، نہ دوسرے خطبہ کے وقت، كما جاء في الروايات: إذاخرج الإمام فلاصلاة ولا كلام. (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم: ۵/۱۷۵، ۱۷۶)

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۰-۱۵۸، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۵، دارالفكر بيروت، انيس

(۳) دیکھئے: رد المحتار، باب الجمعة: ۱/۷۶۷

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اذا دخل أحدكم المسجد والامام يخطب على المنبر فلا صلوٰة ولا كلام حتىٰ يفرغ الامام. رواه الطبراني في الكبير. (مجمع الزوائد، كتاب الصلاة، باب فيمن يدخل المسجد والامام يخطب: ۲/۴۰۷، انيس

حکم خطبہ دادن زن در جمعہ:

سوال: جمعہ میں خطبہ اگر عورت مردوں کے بیچ میں مسجد میں عام مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر پڑھے تو یہ کیسا ہے، عورت گنہگار ہوگی، یا نہیں؟ اور خطبہ دوبارہ پڑھا جاوے یا کہ وہی خطبہ کافی ہے اور نماز میں کچھ نقص ہوا یا نہیں کیونکہ نماز جمعہ عورت نے نہیں پڑھائی۔ مرد نے پڑھایا، یہ معاملہ ایسا ہوا یہاں پر؛ کیوں کہ اس دن جمعہ کے روز کوئی شخص خطبہ کا پڑھانے والا نہ تھا، مجبوری درجہ عورت کو خطبہ پڑھانا پڑا، یہ معاملہ غیر مقلد کے ہاں ہوا ہے۔

الجواب

فی الهندية: وأما الخطيب فيشترط فيه أن يتأهل للامامة فی الجمعة، كذا فی الزاهدی (وفيها قبل هٰذه العبارة) ومنها الخطبة قبلها حتیٰ لو صلوا بلاخطبة أو خطب قبل الوقت لم يجز ... فالفرض شيئان الوقت ... والثانی ذكر اللّٰه تعالٰی كذا فی البحر الرائق وكفت تحميدة أوتحليلة أوتسبيحة، كذا فی المتون. (۱٤٩/۱)(۱)

ان روایات سے ثابت ہوا کہ عورت کا خطبہ صحیح نہیں ہوا اور خطبہ شرائط صحت جمعہ سے ہے تو جمعہ بھی صحیح نہیں ہوا، ان سب لوگوں کو ظہر کی نماز قضا پڑھنی چاہیے، اگر کوئی خطبہ پڑھنے والا نہ تھا، جس نے نماز پڑھائی ہے، وہی کچھ ذکر اللہ، یا کچھ قرآن پڑھ دیتا، حتی کہ سبحان اللہ، الحمد اللہ، اللہ اکبر ہی کہہ لیتا تو فرض خطبہ کا ادا ہو جاتا ہے، جس سے فرض نماز ادا ہو جاتی۔

۲۱ ررمضان المبارک ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ: ۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۰۹)

درمیان مسجد خطبہ پڑھنا:

سوال: اب کے جامع مسجد میں امام صاحب نے یہ جدت کی کہ بجائے منبر کے باہر کے درجہ میں خطبۂ جمعۃ الوداع پڑھا اور عذر یہ کیا کہ تاکہ لوگ سن سکیں، اگر یہ دلیل خطبہ کے لیے ہے تو نماز کے لیے بھی کہ بجائے آگے کھڑے ہونے کے امام بیچ میں کھڑا ہو۔ بہر حال یہ کہاں تک جائز ہے، اس کے متعلق اطلاع فرمائی جاوے تو مناسب ہوگا؟

الجواب

فی الهندية: (ومنها الخطبة قبلها ... وأما سننها فخمسة عشر (أحدها) الطهارة ... (وثانيها) القيام ... (وثالثها) استقبال القوم بوجهه (ورابعها) التعوذ فی نفسه قبل الخطبة (وخامسها) أن يسمع القوم الخطبة ... (وسادسها) البدائة بحمد اللّٰه (وسابعها) الثناء عليه بما هو أهله (ثامنها) الشهادتان (وتاسعها) الصلاة علی النبی صلی اللّٰه عليه وسلم (وعاشرها) العظة والتذكير (والحادی العشر) قراءة القرآن ... ومقدار ما يقرأ فيها من القرآن ثلاث آيات قصاراً أو

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱٤٦-۱٤٧، انیس

آية طويلة (الثاني عشر) إعادة التحميد والثناء على الله تعالىٰ والصلاة على النبى عليه الصلاة والسلام فى الخطبة الثانية. (والثالث عشر) زيادة الدعاء للمسلمين والمسلمات (والرابع عشر) تخفيف الخطبتين يقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل (والخامس عشر) الجلوس بين الخطبتين، ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلاث آيات. (۱)

اس میں تصریح ہے کہ تمام قوم کا خطیب کے سامنے ہونا سنت ہے۔ پس بعض کا پشت پر ہونا بدعت اور ظاہر ہے کہ ایسا اتفاقاً نہیں کیا گیا؛ بلکہ اس کو سنت استقبال پر ترجیح دی گئی اور اس کے مقابلہ میں مستحسن سمجھا گیا تو بدعت عملیہ کے ساتھ بدعت اعتقادیہ مقیم ہو کر کراہت وشناعت میں اشد واقبح ہو گیا۔ خطیب پر واجب ہے کہ اس بدعت کی ترک کے ساتھ اپنی غلطی کا اعلان بھی کرے؛ تاکہ آئندہ اس کا بالکلیہ انسداد ہو جاوے۔

۱۱؍شوال ۱۳۴۲ھ (تتمہ خامسہ: ۳۱۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۰۹-۷۱۰)

نماز جمعہ کی یہ ترتیب صحیح ہے، یا نہیں:

سوال: نماز جمعہ دار الحرب میں جائز سمجھنے پر بندہ اس طرح پڑھتا ہے، اول خطبہ سے چار رکعت سنت بعد خطبہ باجماعت دو رکعت فرض پھر چار رکعت سنت؛ لیکن اگر مسجد میں ایسے وقت داخل ہوں کہ خطبہ شروع ہے تو خطبہ سنا جاتا ہے اور پھر دو فرض اس کے بعد پہلی والی چار رکعت سنت اور بعد فرض کے چار رکعت سنت ادا کرتا ہوں بس۔ جائز ہے؟ اسی طرح ہے، اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب

اسی طرح پڑھنا چاہیے، یہ ٹھیک ہے اور اگر جمعہ کے بعد چھ سنت بھی پڑھ لیا کرے تو بہتر ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۴/۱۵۸-۱۵۹)

تحقیق جواز سلام امام قبل صعود علی المنبر وبعد صعود بوقت خطبہ:

سوال: زید ایک مسجد کا خطیب اور امام ہے اکثر اوقات وہی نماز پڑھاتا ہے اور بعض اوقات دوسروں سے پڑھواتا ہے، جب یہ خطبہ پڑھنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھتا ہے تو بعض لوگ اٹھ اٹھ کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس سے مصافحہ کرتے ہیں اور یہ سلام کا جواب دیتا ہوا اور مصافحہ کرتا ہوا منبر پر جا بیٹھتا ہے، آیا طرفین کا سلام ومصافحہ ایسے وقت میں ممنوع وحرام ہے، یا نہیں؟ ''إذا خرج الامام فلا صلوٰۃ ولا کلام'' سے اس کی ممانعت وحرمت نکلتی ہے، یا نہیں؟ ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وکلام کی ممانعت ہے تو سلام ومصافحہ کی بدرجۂ اولیٰ ہوگی، یہ اس صورت میں ہے، جب خود زید نماز پڑھانے کو چلتا ہے اور جب وہ دوسروں سے پڑھواتا ہے، اس وقت بھی لوگ زید سے سلام

(۱) الفتاویٰ الهندية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۶-۱۴۷، انیس

ومصافحہ کرکر اپنی جگہوں پر آ بیٹھتے ہیں، نہ البتہ جب خطبہ شروع ہوجاتا ہے تو لوگ ایسا نہیں کرتے؛ تاہم اتنا ہوتا ہے کہ اگر زید اثنائے خطبہ میں کسی کی طرف دیکھتا ہے تو دوسرا شخص ہاتھ کے اشارہ سے سلام کرلیتا ہے، کیا یہ اشارہ سے سلام کرلینا بھی ممنوع ہوگا؟ ہر صورت کا جواب ارشاد فرمائے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

إذا خرج الإمام میں ایک قول یہ ہے کہ خروج سے مراد "**صعود علی المنبر**" ہے، چناں چہ عینی نے حاشیہ ہدایہ میں نقل کیا ہے اور یہی راجح معلوم ہوتا ہے پس اس سے پہلے سلام ومصافحہ ہر دو جائز ہیں اور اشارہ چوں کہ کلام نہیں، لہٰذا وقت خطبہ کے حرمت میں مثل کلام کے تو نہیں ہے؛ مگر چوں کہ مشابہ کلام کے ہے؛ اس لیے کراہت سے خالی نہیں، بالخصوص جب کہ خود سلام کرنا بھی اشارہ سے مطلقا ممنوع ہے۔ حدیث میں ہے: "**ومن مس الحصٰی فی الخطبة فقد لغا**". (رواہ مسلم) (۱) جب مس الحصی سے ممانعت ہے؛ کیوں کہ اس میں مشغولی ہے، غیر خطبہ کی طرف تو اشارۂ سلام میں تو اس سے زیادہ مشغول ہے اور حدیث میں ہے: "**عن عمر بن شعیب عن أبیه عن جده أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: لیس منا من تشبه بغیرنا، لا تشبهوا بالیهود ولا بالنصاریٰ فإن تسلیم الیهود الإشارة بالأبع وتسلیم النصاریٰ الإشارة بالأکف**". (رواہ الترمذی) (۲) اس سے سلام بالید کی ممانعت مفہوم ہوتی ہے۔ فقط واللہ اعلم

ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۰۷-۶۰۸)

سوال: دیباچہ خطب ماثورہ نمبر: ۵ منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے، اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم، ص: ۱۳۳، مطبوعہ مراد آباد میں لکھا ہے کہ جب امام اپنی جگہ سے بغرض خطبہ اٹھے، تب سے مقتدیوں پر سکوت واجب ہوجاتا ہے۔ پس جب خطیب سلام کرے گا تو لامحالہ سامعین کو جواب دینا پڑے گا، پھر سکوت کی قید جاتی رہے گی، لہٰذا اس کی صراحت فرمادی جائے کہ یہ فعل خاص آپ ہی کے لیے مخصوص تھا، یا اب بھی عام خطبہ کو اس کی پابندی کرنی چاہیے اور مقتدیوں پر جو حسب صراحت سکوت کا حکم ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــ

واقعی اس تحریر میں اجمال ہے، اس کے بعد احیاء السنن میں اس مسئلہ کی اس طرح تحقیق کی گئی:

---

(۱) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من توضأ فأحسن الوضوء ثم أتیٰ الجمعة فاستمع وأنصت غفر له ما بینه وبین الجمعة وزیادة ثلاثة أیام ومن مس الحصیٰ فقد لغا. (الصحیح لمسلم، کتاب الجمعة، باب فضل من استمع وأنصت فی الخطبة: ۱/۲۸۳، قدیمی، انیس)

(۲) جامع الترمذی، أبواب الاستئذان والأدب عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، باب فی کراهیة اشارة الید فی السلام: ۲/۹۹، قدیمی، انیس

وفی البحر: فاستفید منه (أی من قول البدائع) أنه لایسلم إذا صعد المنبر وردی أنه یسلم کما فی السراج الوهاج. (۱)

وهو المختار عندی للحدیث وإن کان المشهور فی المذهب هو القول الأول، کما فی الدر المختار وغیره والمتمسک فیه العمومات وعلیه یأول ما ورد من السلام من حمله علیٰ ماقبل تحریم الکلام فی الصلاة وفی الخطبة قلت وإذ لیس السلام واجباً واحتمل الکراهة بالنسخ علی الأولیٰ لعل ترکه لاعتقاد تجویزه. والله أعلم

اس سے معلوم ہوا کہ احتیاط یہی ہے کہ امام سلام نہ کرے، پس اپنی تحریر کے اجمال سے جو موہم اجازت سلام بلا اختلاف ہے، رجوع کرتا ہوں، گو مجوز وجوب سکوت سے اس کو مخصوص کر سکتا ہے۔

۴/صفر ۱۳۳۵ھ (ترجیح خامس:۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۲۰۸/۱-۲۰۹)

سوال: خطب الماثورہ میں نمبر (۵) میں صفحہ اول پر تحریر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور پھر سلام کرتے اور بیٹھ جاتے، اس سلام کی سنت پر عمل دیکھا نہیں جاتا کیا اس سنت کو زندہ کیا جاوے، یا اس پر عمل نہ کرنے میں کوئی مصلحت ہے؟ بالاعلمی کے باعث یہ استفسار ہے؟

الجواب

حنفیہ نے اس کو اس لیے نہیں لیا کہ عوام اس کو لوازم خطبہ سے سمجھنے لگیں گے، جو کہ بدعت ہے، جیسا حنفیہ نے بہت افعال کو اسی اصل پر منع کیا ہے اور امام شافعیؒ نے نقل کی بنا پر جائز فرمایا ہے، چناں چہ اس مسئلہ میں بھی ہی اختلاف ہے۔

کما فی الدر المختار: ومن السنة جلوسه فی مخدعه عن یمین المنبر ولبس السواد وترک السلام من خروجه الیٰ دخوله فی الصلوٰة وقال الشافعی اذا استویٰ علی المنبر سلم، مجتبیٰ. (۲)

اور بعض علمائے حنفیہ سے جو سلام کا استحباب یہ اباحت منقول ہے، اس کو غریب کہا گیا ہے، **کما فی ردالمحتار تحت قولہ: ترک السلام.**

پس امام شافعی بناء بر جزئی منقول سلام کا حکم کرتے ہیں، حنفیہ بناء بر کلیات منقولہ اس کے ترک کو سنت کہتے ہیں۔ نیز غور کرنے سے منع کی ایک نقل جزئی بھی ذہن میں آ گئی، وہ حدیث ہے:

"إذا خرج الإمام فلاصلاة ولا کلام".

اور یقیناً سلام بھی یا ملحق بالصلوٰۃ ہے، یا ملحق بالکلام اور ظاہر ہے کہ جب امام سلام کرے گا تو حاضرین جواب دیں گے، جو کہ سلام ہے اور یہ بعد خروج ہوگا، جو بناء بر حدیث مذکور ممنوع ہے اور قاعدہ ہے:

---

(۱) البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة: ۲۷۲/۲، دار الکتب العلمیة بیروت، انیس

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۰/۲، دار الفکر، بیروت، انیس

"إذا تعارض المبيح والمحرم ترجح المحرم".

پس سلام جو منقول ہے، وہ اس قاعدہ سے منسوخ ہوگا۔ پس حنفیہ کا مذہب روایۃ ودرایۃ قوی ہوا۔ واللہ اعلم

۱۸/رجب المرجب ۱۳۵۳ھ (النور، رجب ۱۳۵۴ھ) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۰۹/۱)

امام کا لوگوں کے بیچ میں کھڑے ہوکر خطبہ دینے کا حکم:

سوال: بڑی عیدگاہ میں چوں کہ امام کی آواز سارے مقتدیوں کو نہیں پہونچ سکتی؛ اس لیے بعض جگہ آٹھ آٹھ دس صفوں کے بعد تھوڑے تھوڑے فاصلے سے بآواز بلند تکبیر کہنے کے واسطے پختہ، یا لکڑی کے اونچے اونچے مکبرے بنادیئے جاتے ہیں۔ پس اگر امام اپنی امامت کے پاس والی جگہ؛ یعنی ممبر کو چھوڑ کر حاضرین کی زیادہ تعداد کو خطبہ سنائی دینے کے خیال سے عیدین کا خطبہ وسط حاضرین میں کسی درمیانی اونچے مکبرہ پر کھڑے ہوکر پڑھے تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہوگا، یا ناجائز؟ اور جائز ہوگا تو بکراہت، یا بے کراہت؟

الجواب

امام کا وسط قوم میں کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر ایسا کیا تو خطبہ صحیح ہوجائے گا، گو خلاف سنت ہونے کی وجہ سے کراہت ہوگی۔

قال في مراقي الفلاح: ويسن استقبال القوم بوجهه كما استقبل الصحابة النبي صلى الله عليه وسلم، آه. قال الطحطاوي: فإن ولاهم ظهره كره، قال شمس الأئمة: من كان أمام الإمام استقبل بوجهه ومن كان عن يمين الإمام أويساره انحرف إلى الإمام، آه. (۱)

قلت: ولا يخفى أن في قيامه على المكبرة يلزم تولية الظهر إلى بعض السامعين فيكره.

۲/ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۳۵۹/۲)

جمعہ کی دونوں اذانوں کے درمیان کھانا پینا اور خطبہ کے بعد نیت باندھنے سے قبل باتیں کرنے کا حکم:

سوال: جمعہ کی اول اذان سے لے کر خطبہ اذان تک اور ایسے ہی خطبہ کی اذان سے نماز ختم تک کھانا پینا کیسا ہے؟ کیوں کہ اکثر لوگ مسجد میں آکر خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی اور پیچھے بھی پانی پیتے رہتے ہیں، خطبہ ختم ہونے کے بعد نیت باندھنے تک بول چال کرنی مثلاً نمازیوں کو پیچھے سے آگے بلانا، یا صف سیدھی کرنے کے لیے بول چال کرنا کیسا ہے،؟

الجواب

دونوں اذانوں کے درمیان کھانا جائز ہے، بشرطیکہ جمعہ فوت ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اگر فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو کھانا جائز نہیں۔

---

(۱) مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الصلاة، ص: ٥١٦، دار الكتب العلمية بيروت، انیس

في الدرالمختار: سمع النداء وهو يأكل تركه إن خاف فوت جمعة أومكتوبة لا جماعة. (۱)

اورخطبہ کے وقت کھانا پینا، کلام کرنا حرام ہے، کما في الدر أيضاً: (وكل ماحرم في الصلاة حرم فيها) أي في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام، الخ. (۲)

اورخطبہ واقامت کے درمیان بھی امام صاحب کے نزدیک کسی قسم کا کلام جائز نہیں، البتہ صاحبین کے قول پر فقط دنیوی کلام ناجائز ہے اورتسویۂ صفوف کے لیے کلام کی گنجائش ہے، كما في الدرالمختار:

وقالا: لابأس بالكلام قبل الخطبة وبعدها وإذا جلس عند الثاني والخلاف في كلام يتعلق بلاآخرة أما غيره فيكره إجماعاً. (۳)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ، الجواب صحیح: ظفر احمد عفا عنہ (امدادالاحکام: ۳۷۳/۲-۳۷۴)

اس شخص کے ثواب کے بارے میں جواذان کے بعد مسجد سے باہر رہے اور بوقت خطبہ مسجد میں آئے:

سوال: جمعہ کے دن بعداذان کے باہر بیٹھ رہنا اور جب خطبہ شروع ہوجاوے، تب آنا کیسا ہے؟ اور کتنے ثواب کا مستحق ہوگا؟

الجواب__________________

باہر بیٹھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا مسجد کی فنا سے بھی باہر، یا مسجد کی حد سے باہر اور فناء مسجد کے اندر، جزئیہ صریح تو نہیں ملا، البتہ فقہا نے فناء مسجد کو بحکم مسجد فرمایا ہے، اس کا مقتضا یہ ہے کہ جو شخص فناء مسجد میں بہ نیت صلوٰۃ جمعہ سویرے داخل ہوجائے گا، وہ بھی سویرے آنے والوں میں شمار ہوگا، گو مسجد میں دیر سے آئے اور فناء مسجد وہ احاطہ ہے، جو مسجد کے متعلق ہے اور داخل باب مسجد ہے، جیسے حوض وحجرات وغیرہ۔

قلت: وفي الحديث الصحيح تقعد الملائكة علىٰ أبواب المسجد فيكتبون الأول فالأول. (الحديث) وهٰذا يفيد أن من دخل من باب المسجد في السابقين يكتب في السابقين وإن لم يدخل في المسجد بل بقي جالساً في الإحاطة المتعلقة به والله تعالىٰ أعلم

اور اگر مسجد کے احاطہ سے بھی باہر رہا؛ یعنی دروازہ مسجد میں بھی داخل نہیں ہوا، وہ دیر سے آنے والوں میں شمار ہوگا۔ پس جو شخص عین خطبہ کے وقت آئے گا، اس کو حدیث کے موافق تصدق بیضہ کا ثواب ملے گا اور جو خطبہ شروع ہونے کے بعد آئے گا، وہ جمعہ میں سویرے آنے والوں کے اندر لکھا ہی نہیں جائے گا، لما في الحديث: فإذا خرج الإمام طووا الصحف وجاءوا يستمعون الذكر والله أعلم

۳۰/محرم ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام: ۳۶۳/۲-۳۶۴)

(۱) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۶۳/۲، دار الفكر، بيروت، انيس
(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، دار الفكر، بيروت، انيس
(۳) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۹/۲-۱۶۰، دارالفكر، بيروت، انيس

المنبر إذا بنى فى المحراب هل يجوز الخطبه عليه أم لا:

السوال: ذكر فى الجلد الخامس من الهندية المصرى فى صفحة :۳۵۵: داخل المحراب له حكم المسجد فلو بنى المنبر فى المحراب ويخطب عليه يوم الجمعة هل يجوز ذلك، أم لا؟ بينوا توجروا.

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

نعم! يجوز، فإن المنبر للخطبة وهى كالصلاة فليس فى بناء ه شغل البقعة بغير الصلاة وقد وضع منبر المسجد النبوى فى المسجد بعد ما بنى المسجد بتمامه وقد كان موضعه قبل موضع الصلاة وصار مشغولا بالمنبر بعد وضعه فيه ولكنه جاز لكون الخطبة من الصلاة. قال الشامي: (قوله: المنبر) بكسر الميم من النبر وهو الارتفاع ومن السنة أن يخطب عليه اقتداء به صلى اللّٰه عليه وسلم، بحر، وأن يكون علىٰ يسار المحراب، قهستاني، آه. (۱)

قلت: ويسار المحراب أعم من أن يكون داخله أو خارجه فافهم، واللّٰه تعالىٰ

۲۹ /شوال ۱۳۴٦ھ (امداد الاحکام: ۲/ ۳۸۷)

اعلان، یا خطبہ سے قبل سلام:

سوال: تبلیغی اجتماع ہو، یا اور کوئی جلسہ وغیرہ میں جب اعلان کیا جائے تو اعلان سے قبل سلام کرے، پھر اعلان کرے، یا امام جمعہ خطبہ سے قبل لوگوں کو سلام کر کے خطبہ شروع کرے تو یہ قبل الاعلان سلام کرنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اعلان کرنے کے لیے، یا خطبہ جمعہ وغیرہ شروع کرنے کے لیے سلام مشروع نہیں ہوا ہے، سلام تو شروع ملاقات کے لیے مشروع ہوا ہے۔ پس جب اعلان کرنے کے لیے اٹھے، یا خطبہ وغیرہ دینے کے لیے اٹھے اور کوئی سا آدمی اکیلا، یا ایسے ہی چند سامنے پڑ جائیں تو ان کو سلام کر دینا پھر اعلان، یا خطبہ وغیرہ شروع کرنا جائز رہے گا۔ باقی اعلان کرنے، یا خطبہ دینے کے واسطے سلام کا حکم شرعی سمجھ کر سلام کرنا ثابت نہیں؛ بلکہ منع ہے۔ (۲)

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور، ۲۳/ ۸/ ۱۴۰۱ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/ ۳۳۷-۳۳۸)

خطبہ جمعہ کے بعد امام کا مصلی پر بیٹھنا:

سوال: اس قصبہ کی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز تخمیناً ۸۰-۹۰/ سالوں سے ادا کی جارہی ہے، جمعہ کی نماز میں بعد ختم

---

(۱) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى حكم المرقى بين يدى الخطيب: ۲/ ۱٦۱، دار الفكر بيروت، انيس

(۲) وترک السلام من خروجه إلىٰ دخوله فى الصلاة، وقال الشافعي: إذا استوى على المنبر سلم". (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۲/ ۱۵۰، دار الفكر بيروت، انيس)

خطبہ پیش امام صاحبان منبر سے اتر کر نماز پڑھانے کے لیے جائے نماز پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر تکبیر شروع ہوتی تھی۔اب چند مہینوں سے ایک نوعمر پیش امام مقرر کئے گئے ہیں، یہ امام صاحب جمعہ کی نماز میں بعد ختم خطبہ منبر سے اتر کر جائے نماز پر بجائے کھڑے ہونے کے بیٹھ جاتے ہیں، پھر تکبیر شروع ہوتی ہے، جب تکبیر میں حی علی الصلوۃ کہا جاتا ہے تو امام صاحب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں،اس پر مقتدیوں کا اعتراض ہے؛ بلکہ اندیشہ فساد اور فریق بندی کا ہے دریافت ہے کہ قدیم امام کا طریقہ صحیح اور صواب ہے، یا کہ جدید امام صاحب کا؛ یعنی جمعہ کی نماز میں بعد ختم خطبہ منبر سے اتر کر جائے نماز پر کھڑا ہوجانا، یا بیٹھ جانا اور پھر کھڑا ہونا نمازیوں کی اکثریت تکبیر سنتے ہی کھڑی ہوجاتی ہے، جب کہ امام صاحب بیٹھے ہی رہتے ہیں، جب تک حی علی الصلوۃ نہ کہی جائے اٹھتے نہیں ہیں۔عندالشرع کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

پہلے امام صاحبان کا طریقہ صحیح اور متوارث ہے، نئے امام صاحب جو چند مہینوں سے امامت کرتے ہیں، اگر جمعہ کے علاوہ اور نمازوں میں پہلے سے اگر بیٹھ چکے ہوں اور بوقت اقامت حی علی الصلوۃ تک بیٹھے رہیں تو گنجائش ہے کہ بعض فقہا نے حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر جو کھڑے ہونے کو لکھا ہے،اس کی یہی صورت ہے؛ لیکن بالقصد ایسا طریقہ بنانا اور اختیار کرنا جو موجب فتنہ ہو، ہرگز جائز نہیں ہے، جب کہ ابتدا سے کھڑے ہونے کی تصریح بھی ہے اور متوارث بھی ہے اور خطبہ جمعہ کے بعد منبر سے اتر کر مصلی پر جا کر پہلے بیٹھ لینے کا طریقہ تو فقہ حنفی میں کہیں ثابت نہیں اور اس کو ضروری سمجھنا یا ایسا (نہ) کرنے والوں پر نکیر کرنا، یا ان کو برا سمجھنا قطعاً ناجائز ہے۔(۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۶/۷/۱۳۸۵ھ۔(منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۴۰-۳۴۱)

جمعہ میں دوسرا خطبہ بھول جائے:

سوال: ایک مسجد میں خطیب صاحب جمعہ کے دن خطبۂ اولی کے فوراً بعد نماز کے لیے کھڑے ہوگئے،خطبۂ ثانی پڑھنا بھول گئے تو کیا خطبۂ ثانی کے بغیر نمازِ جمعہ درست ہوگی؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

دوسرا خطبہ مسنون ہے، اگر ایک خطبہ بھی دے دے تو نماز جمعہ ہوجائے گی؛ بلکہ اگر صرف حمد وتسبیح کا کلمۂ یا" **لا إله إلا الله** " خطبہ کی نیت سے پڑھ لے تو اس سے بھی خطبہ ادا ہوجاتا ہے اور نماز درست ہوجاتی ہے، البتہ قصداً ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

---

(۱) (فإذا أتم) أی الإمام الخطبة (قوله:أقيمت) بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وتنتهی الإمامة بقيام الخطيب مقام الصلاة ... وفی الرد ويكره الفصل بأمر الدنيا.(الدر المختار مع رد المحتار،باب الجمعة،مطلب فی حكم المرقی بين يدی الخطيب: ۱۶۱/۲،دارالفكر بيروت،انيس)

”ومنها الخطبة قبلها... وكفت تحميدة أو تهليلة أو تسبيحة كذا في المتون، هٰذا إذا كان على قصد الخطبة“. (۱)

لہٰذا جوصورت آپ نے لکھی ہے، اس میں نماز جمعہ ادا ہوگئی۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۵)

خطبۂ جمعہ سے متعلق چند مسائل:

سوال (الف) خطبۂ جمعہ کا اردو خطبہ پڑھتے وقت کیا سنتیں پڑھنا درست ہے؟

(ب) اذان کے ساتھ تمام لوگ مسجد نہیں جاتے؛ بلکہ بازار میں رہتے ہیں اور اردو خطبہ کے درمیان مسجد میں پہونچتے ہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

(ج) بہت سے لوگ جمعہ کی دو رکعت فرض پڑھ کر مسجد سے باہر نکل جاتے ہیں اور کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں، یہ عمل کس حد تک درست ہے؟

(د) خطبۂ جمعہ کا اردو ترجمہ سنایا جائے، یا نہیں؟　　(قادر خان، دھرم آباد)

الجواب

(الف) اصل وہ دونوں خطبے ہیں، جو عربی زبان میں دئے جاتے ہیں، اس سے پہلے اگر خطیب اردو زبان میں اپنے اس خطبہ کا خلاصہ لوگوں کو سنائے اور بتائے تو یہ خطبہ کے حکم میں نہیں، اس دوران سنت ادا کی جاسکتی ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ اتنے پہلے آئیں کہ اردو تقریر شروع ہونے سے پہلے سنت ادا کرلیں، یا مسجد میں ایسا نظام بنایا جائے کہ اردو تقریر اور عربی خطبہ کے درمیان سنت پڑھنے کے لیے وقفہ دیا جائے؛ کیوں کہ یہ اردو تقریریں دعوت وتذکیر کا بہت مؤثر ذریعہ ہیں اور ان سے لوگوں کو بہت سارا دینی نفع حاصل ہوتا ہے۔

(ب) اذان اول کے ساتھ ہی مسجد آجانا چاہیے اور کاروبار کو ترک کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”جب جمعہ کی اذان دی جائے تو خطبہ کی طرف دوڑ پڑو“۔ (۲)

اور فقہا نے لکھا ہے کہ ’ويجب السعي وترك البيع بالأذان الأول“. (۳) (اس سے اذان اول مراد ہے)۔

(ج) جمعہ کے بعد سنت کا ادا کرنا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، (۴) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱٤٦

(۲) سورة الجمعة: ۹

(۳) الفتاوی الهندية، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱/۱٤۹

(۴) عن سالم عن أبيه عن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم أنه كان يصلی بعد الجمعة ركعتين.

وعن أبی هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم: من كان منكم مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً. (الجامع للترمذی، باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱/۱۱۷، قديمی، انيس)

نے لوگوں کو بھی اس جانب متوجہ فرمایا ہے،(۱) البتہ رسول اللہ کا معمول مبارک جمعہ کے بعد گھر میں سنت ادا کرنے کا تھا؛(۲) اس لیے اگر کوئی شخص مسجد سے جا کر گھر، یا دوکان میں نماز پڑھنے کا اہتمام کرتا ہو تو اس کے لیے یہ درست ہے کہ مسجد سے جا کر سنت ادا کر لے؛ لیکن جن لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ اپنے گھر یا کاروبار کی جگہ پہنچ کر سنت ادا نہیں کر پائیں گے تو ان کو مسجد ہی میں سنت ادا کر کے جانا چاہیے۔

(د) خطبہ تو عربی زبان میں ہونا چاہیے؛ لیکن خطبہ سے پہلے اردو زبان میں تقریر و بیان نہ صرف جائز؛ بلکہ مناسب ہے؛ تا کہ مسلمانوں کی اصلاح ہو سکے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۴۵-۴۷)

خطبہ میں بیٹھنے کی ہیئت اور دعا:

سوال: اکثر لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے کہ جمعہ کے خطبہ اولی کے وقت دونوں ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور خطبۂ ثانیہ کے وقت دونوں ہاتھوں کو زانوں پر رکھ لیتے ہیں اور خطبہ کے آخری کلمات کی ادائیگی پر دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔کیا یہ درست ہے؟ (ریاض احمد، وجے نگر کالونی)

الجواب

خطبۂ جمعہ کے درمیان سامعین کو حسب سہولت بیٹھنے کی گنجائش ہے؛ کیوں کہ تمام کیفیات میں نماز کے حکم میں نہیں ہے۔

”إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا أو متربعا أو كما تيسر“ .(۳)

اسی طرح بیٹھئے۔

”ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة“.(۴)

اس لیے خطبہ اولی و ثانیہ میں الگ الگ ہیئتوں کو متعین کر لینا نہ حدیث سے ثابت ہے اور نہ سلفِ صالحین سے۔

خطبہ کے درمیان جو دعا آتی ہے، اس پر سامعین کا ہاتھ اٹھانا اور آمین کہنا مناسب نہیں؛ کیوں کہ خطبہ کے درمیان ہر طرح کے ذکر سے منع کیا گیا ہے،(۵) خطیب کی دعا یوں بھی تمام حاضرین کی طرف سے ہوتی ہے۔

(کتاب الفتاویٰ:۳/۵۰-۵۱)

---

(۱) الجامع للترمذی، عن أبي هريرة رضى الله عنه،رقم الحديث:۵۲۳،باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

(۲) الجامع للترمذی،عن عبد الله بن عمر رضى الله عنه ،رقم الحديث:۵۲۲،باب ما جاء في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

(۳) الفتاوى الهندية، كتاب الصلاة،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸،انيس

(۴) الفتاوى الهندية،كتاب الصلاة،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱/۱۴۸،انيس

(۵) عن أبى هريرة رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال:اذا قلت لصاحبك يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت.(صحيح البخارى،كتاب الجمعة،باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب: ۱/۱۲۷-۱۲۸،قديمى،انيس)

خطبۂ ثانی کے وقت سنت نماز پڑھنا:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۹/جنوری ۱۹۲۷ء)

سوال: خطبۂ ثانی کے وقت نماز سنت پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟ بعض لوگ جائز کہتے ہیں، بعض ناجائز۔ کون سی بات صحیح ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

حنفی مذہب میں خطبہ کے وقت نماز پڑھنی مکروہ ہے۔ اس میں پہلے خطبہ اور دوسرے خطبہ کا حکم ایک ہے؛ یعنی جس وقت سے خطبہ شروع ہو؛ بلکہ امام خطبہ کے لیے منبر پر جانے کے لیے اٹھے، اس وقت سے نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے۔ ہاں جن لوگوں نے کہ امام کے اٹھنے سے پہلے سنت، یا نفل، یا کسی نماز کی نیت باندھ رکھی ہے، وہ اپنی نماز پوری کرلیں اور کوئی شخص امام کے اٹھنے کے بعد سنت، یا نفل کی نیت نہ باندھے، یہ حنفی مذہب میں حکم ہے، غیر مقلد خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۰/۳)

بغیر عمامہ خطبہ دینا اور نماز جمعہ پڑھانا کیسا ہے:

سوال(۱) کیا خطبۂ جمعہ بغیر صافہ کے پڑھنا چاہیے؟

(۲) خطبہ بغیر عمامہ کے اور نماز جمعہ عمامہ باندھ کر پڑھائے تو جائز ہے؟

(۳) منبر پر خطبہ، یا وعظ کے لیے بغیر صافہ کے کھڑا ہونا جائز ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وعظ، یا خطبۂ جمعہ یا نماز جمعہ پڑھانے کے لیے عمامہ باندھ لینا مسنون ہے، اگر نہ باندھے تو گناہ نہیں ہے اور نماز صحیح ہو جائے گی۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۷/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۳۸/۲-۲۳۹)

---

(۱) (إذا خرج الامام) ... (فلا صلاة ولا كلام الى تمامها) ... (ولو خرج وهو في السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل يتم في الأصح. (الدر المختار)

قال الشامي: (قوله: فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد. (رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، ط: سعيد)

(۲) (والمستحب أن يصلي) الرجل في (ثلثة أثواب: ازار وقميص وعمامة) ولو صلّى في ثوب واحد متوشحًا به جميع بدنه كما يفعله القصار في المقصرة جاز من غير كراهة مع تيسر وجود الزائد. (غنية المستملي، كتاب الصلاة، كراهية الصلاة، ص: ۳۴۹)

دوران خطبہ نماز پڑھنا:

سوال: جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد کوئی نماز پڑھنا چاہیے، یا نہیں؟ حنفی مذہب میں کیا حکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم قال: إذا قلت لصاحبک يوم الجمعة أنصت والامام يخطب فقد لغوت.(۱)

وفی الطحاوی: عن أبی ثعلبة بن أبی مالک القرظی قال:أن جلوس الإمام علی المنبريقطع الصلاة والكلام يقطع الإمام وقال: إنهم كانوا يتحدثون حين يجلس عمر بن الخطاب علی المنبر حتٰی يسكت المؤذن فإذا قام عمرعلی المنبر لم يتكلم أحد حتٰی يقضی خطبتيه كلتيهما ثم إذا أنزل عمرعن المنبر وقضی خطبتيه تكلموا.(۲)

قال صاحب أثار السنن:إسناده صحيح.

وفی عمدة الرعاية: (قوله:حرم الصلاة) ولو كان سنةً أونفلاً كتحية المسجد يدل عليه قول الزهری خروجه يقطع الصلاة وكلامه يقطع الكلام،أخرجه مالک فی المؤطا وأخرج ابن أبی شيبة فی مصنفه عن علی وابن عباس وابن عمرأنهم كانوا يكرهون الصلاة والكلام يوم الجمعة بعد خروج الامام وأخرج عن عروة قال: إذا قعد الإمام علی المنبر فلا صلاة. (۳)وأخرج اسحاق بن راهويه فی مسنده عن السائب كنا نصلی فی زمن عمر يوم الجمعة فإذا خرج عمرو جلس علی المنبرقطعنا الصلاة.(الحديث) انتهی.

وفی الدرالمختار:(إذا خرج الإمام) من الحجرة إن كان والا فقيامه للصعود شرح المجمع، (فلا صلاة ولا كلام إلٰی تمامها)وإن كان فيها ذكرالظلمة فی الأصح (خلا قضاء فائتة لم يسقط الترتيب بينها وبين الوقتية) فإنها لا تكره،سراج وغيره،لضرورة صحة الجمعة،وإلا لا، ولوخرج وهوفی السنة أو بعد قيامه لثالثة النفل يتم فی الأصح ويخفف القراء ة،انتهٰی.(۴)

پس ایسا ہی احادیث وآثار مرقومہ بالا سے احناف خطبہ کے وقت نماز اور کلام کو منع کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک خطبہ شروع ہونے کے بعد سے بجز نماز فائتہ کے کسی نفل، یا سنت کو نہیں پڑھنا چاہیے؛ یعنی جس شخص کی نماز پانچ وقت، یا اس سے کم کی قضا ہوگئی ہے، وہ اس وقت قضا نماز کو ادا کرسکتا ہے، تاکہ اس قضا نماز اور جمعہ کے درمیان ترتیب

(۱) صحيح البخاری، كتاب الجمعة،باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب: ۱۲۷/۱-۱۲۸،قديمی،انيس

(۲) شرح معانی الآثار،باب الرجل يدخل المسجد والامام يخطب: ۲۲۷/۱،مكتبة رحمانية لاهور،انيس

(۳) المصنف لابن أبی شيبة: ۴۵۸/۱

(۴) الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار ،كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱۵۸/۲-۱۵۹،دار الفكر بيروت،انيس

باقی رہے؛ لیکن جس کی نماز چھ وقت، یا اس سے زیادہ قضا ہوگئی ہو، اس کو قضا مافات اس وقت ادا نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ایسے شخص کے لیے قضا فائتہ اور وقت معینہ میں ترتیب نہیں ہے بخلاف اس شخص کے کہ جس کی نماز پانچ وقت، یا اس سے کم کی قضا ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ ایسی صورت میں ترتیب ضروری ہے۔

قال عبد اللّٰه بن مسعود: إن المشركين شغلوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن أربع صلوات يوم الخندق حتىٰ ذهب من الليل ما شاء اللّٰه، فأمر بلالاً فأذّن،ثم أقام فصلّى الظهر،ثم أقام فصلّى العصر،ثم أقام فصلّى المغرب ثم أقام فصلّى العشاء. (جامع الترمذی)(۱)

شرح وقایہ میں ہے:

ان كان البعض فائتًا والبعض وقتيًا لابد من رعاية الترتيب فيقضى الفائتة قبل أداء الوقتية،انتهىٰ۔(۲)

مولانا عبدالحیٔ حاشیہ ہدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

يكره الصلاة مطلقاً إلا قضاء الصبح لصاحب الترتيب من حين صعود الامام على المنبر إلىٰ تمام الصلاة،فما يفعله العوام من أداء سنة الجمعة فى الخطبة الثانيه،أو بين الخطبتين أو بين الخطبة والصلاة يجب على الخطباء نهيهم عنه،انتهىٰ كلامه. (۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی

الجواب صحیح: محمد بدرالدین پھلواروی، محمد نظام الدین پھلواروی

المجیب مصیب: محمد قمرالدین پھلواروی

الجواب حق بلا ارتياب ومطابق للسنة والكتاب وأما جواز تحية المسجد فى أثناء الخطبة من غير سكوت الخطيب كما رآه بعض أهل الحديث وبعض أكابر الهند من الحنفية فرده الأحاديث المرفوعة والأثار،وليس لهم دليل مستند معدل عليه القبول والانكار فلا يعتبر لقولهم فى الرد والانكار وعليك التمسك بما أجاب المجيب وعليه الاعتماد والاعتبار.

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۴۰-۲۴۲)

دورانِ خطبہ سنت پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا خطبۂ جمعہ کے دوران سنت پڑھنا درست ہے؟

---

(۱) جامع الترمذی،باب ما جاء فى الرجل تفوته الصلوات بأيتهن يبدأ: ۱/۴۳ ،رقم الحديث: ۱۷۹

(۲) شرح الوقاية، كتاب الصلاة،باب قضاء الفوائت: ۱/۲۱۶ ،میرمحمد کتب خانه، کراتشی

(۳) حاشية الهداية، كتاب الصلاة،باب الجمعة: ۱/۱۵۲ ،ثاقب بکڈپو ،دیوبند،انیس

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

امام جب خطبہ کے لیے نکلے تو اس وقت سے نماز، کلام وغیرہ سب ممنوع ہے، خطبہ کے درمیان بھی سنت نہیں پڑھنی چاہیے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۹/۴/۱۳۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۴)

حدث لاحق ہوجائے تو خطیب کیا کرے:

سوال: خطیب کو خطبۂ ثانیہ میں حدث ہوجائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

وضو کرے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۶/۳/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۵)

نابالغ خطبہ دے اور بالغ نماز جمعہ پڑھائے تو کیا حکم ہے:

سوال: بارہ سال کی عمر کا لڑکا خطبۂ جمعہ پڑھتا ہے اور نماز دوسرا شخص پڑھاتا ہے تو یہ جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جس طرح امام کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے، اسی طرح خطیب کا بھی عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۵/۳/۱۳۷۶ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۴۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی کیفیت:

سوال: مسجدوں میں منبر کی تین ہی سیڑھیاں کیوں بناتے ہیں اور خطیب کون سی سیڑھی پر کھڑا ہو۔ اگر اول یا آخر سیڑھی پر کھڑا ہو تو کچھ حرج ہے۔ کہیں اس کا ذکر ہے؟

---

(۱) (إذا خرج الامام) ... (فلا صلاة ولا كلام الى تمامها) (الدر المختار)

(قوله: فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد، بحر، قال محشيه الرملي: أى فلا صلاة جائزة. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۵۸، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) ومنها الطهارة فى حالة الخطبة فهى سنة عندنا وليست بشرط، حتىٰ أن الامام اذا خطب وهو جنب أو محدث فانه يعتبر شرطًا لجواز الجمعة (بدائع الصنائع، باب الخطبة ووقتها: ۱/۲۶۳، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) بارہ سال کی عمر کا لڑکا خطبہ جمعہ دے اور دوسرا بالغ شخص نماز جمعہ پڑھادے تو شرعاً جائز و درست ہے، اور نماز جمعہ صحیح ہوگی۔ [مجاہد]

"(فان فعل بأن خطب صبى باذن السلطان وصلّى بالغ جاز) هو المختار". (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۶۶۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کی تین ہی سیڑھیاں تھیں؛ اس لیے اب بھی ایسا بنانا مسنون ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیسری سیڑھی پر کھڑے ہوتے تھے، پھر صدیق اکبرؓ اپنے زمانہ خلافت میں بوجہ ادب کے؛ اس لیے نیچے دوسری پر کھڑے ہوتے تھے، پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ادب کی وجہ سے سب سے نیچے کی سیڑھی اختیار کی؛ لیکن حضرت عثمانؓ کے بعد پھر یہی دستور ہوگیا کہ اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہوکر خطبہ دیتے تھے اور یہی اولیٰ ہے اور اگر کوئی نیچے ہی کی سیڑھی پر کھڑا ہوجائے تو بھی کسی قسم کی کراہت نہیں؛ کیوں کہ وہی خلفائے راشدین کا عمل ہے۔ (امداد المفتین: ۳۲۲/۲)

خطبہ کے وقت سلام، کلام، نماز، تسبیح قیام، تعظیم وغیرہ کا حکم:

سوال: آیت کریمہ: ﴿وَاِذَاقُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَاَنْصِتُوا﴾ (۱) خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یا نہیں؟ خطیب جس وقت خطبہ پڑھ رہا ہو، آنے والا سنتیں پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟ قرآن مجید کی تلاوت کرسکتا ہے؟ درود شریف تسبیح پڑھ سکتا ہے؟ اگر حاکم وقت آوے، اس کے لیے تعظیمی قیام کیا جاسکتا ہے؟ سلام کرسکتا ہے اور جواب سلام دے سکتا ہے؟ حاکم کو پنکھا کرسکتا ہے؟ کوئی گڑبڑ مچا رہا ہو، اس سکو روکا جاسکتا ہے؟

الجواب

آیت کے شان نزول میں کچھ اختلاف ہے؛ لیکن یہ قاعدہ سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوص مورد کا نہیں، لہٰذا جب آیت شریفہ کے الفاظ عام ہیں تو جب قرآن سنانے کے لے پڑھا جاوے، اس کا سننا اسی آیت کی رو سے واجب ہوگا، خواہ نماز میں ہو، یا خطبہ میں، یا خارج میں۔ علاوہ ازیں خطبہ میں صلوٰۃ وکلام کی ممانعت جداگانہ بھی احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے اور درمختار میں ہے:

”(كل ما حرم في الصلاة حرم فيها) أى في الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولوتسبيحا أورد سلام أوأمراً بمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت“، الخ. (۲)

درمختار کی عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خطبہ کے وقت نماز پڑھنا اور تلاوت قرآن اور درود، تسبیح اور سلام اور جواب سلام سب ناجائز ہیں۔ نیز کسی کے لیے قیام تعظیمی کرنا اس میں بھی چوں کہ خطبہ سننے میں خلل آتا ہے، ناجائز ہے۔

”لما في رد المحتار: ظاهره أنه يكره الإشتغال بمايفوت السماع وإن لم يكن كلاماً“. (۳)

(امداد المفتین: ۳۲۳/۲)

---

(۱) سورة الأعراف: ٢٠٤، انيس

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ١٥٩/٢، دار الفكر بيروت، انيس

(۳) رد المحتار، باب الجمعة، قبيل مطلب في حكم المرقى بين يدى الخطيب: ١٥٩/١، دار الفكر بيروت، انيس

خطبہ کے درمیان سامعین کی بیٹھک:

سوال: جس طرح تشہد کی حالت میں بیٹھتے ہیں، کیا جمعہ کے خطبہ میں اسی طرح بیٹھنا چاہیے؟ یا کسی بھی طرح بیٹھ سکتے ہیں؟ (محمد اعجاز احمد، اریہ گڈا)

الجواب

خطبہ چوں کہ بعینہ نماز نہیں؛ اس لیے نماز ہی کی ہیئت پر بیٹھنا ضروری نہیں، جیسی سہولت ہو اور اس کی بیٹھک سے دوسروں کو تکلیف نہ پہونچے، بیٹھ سکتے ہیں، آلتی پالتی بیٹھے، یا گوٹ مار کر، یا جیسے سہولت ہو، البتہ قعدہ کی سی بیٹھک بہتر ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں اس مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

"إن شاء جلس محتبيا أو متربعاً أو كما تيسر... ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة". (۱)

(کتاب الفتاویٰ: ۳/۷۰)

دو خطبہ کے درمیان بیٹھک:

سوال: جمعہ کے خطبۂ اولی اور خطبۂ ثانی کے درمیان بیٹھنے کا کیا حکم ہے؟ (جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا مسنون ہے، (۲) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے آج تک یہ طریقہ چلا آ رہا ہے۔ یہ بیٹھک تین آیات کے بقدر ہونا چاہیے۔ علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں:

وسن (الجلوس بين الخطبتين) جلسة خفيفة وظاهر الرواية مقدار ثلاث آيات. (۳) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۵۹)

منبر پر دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی حکمت:

سوال: جمعہ کے خطبہ میں پہلے اور دوسرے خطبہ کے درمیان کیوں بیٹھتے ہیں؟ اور خطبہ منبر پر کھڑے ہو کر کیوں دیا جاتا ہے؟ حالاں کہ تقریر نیچے کی جاتی ہے۔ (محمد غلام دستگیر، شمس آباد)

---

(۱) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱٤۸، انيس

(۲) حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک دو خطبوں کے درمیان بیٹھنے کا تھا۔

عن عبد الله قال: "كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب خطبتين يقعد بينهما". (صحيح البخاري، كتاب الجمعة، رقم الحديث: ۹۲۸، باب القعدة بين الخطبتين يوم الجمعة: ۱/۱۲۷، انيس)

نیز دیکھئے: حدیث نمبر: ۹۲۰، باب الخطبة قائمًا، نیز ملاحظہ ہو: عن ابن عمر قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب يوم الجمعة قائماً ثم يجلس ثم يقوم. (الصحيح لمسلم، كتاب الجمعة، فصل يخطب الخطبتين قائماً ويجلس بينهما، الخ: ۱/۲۸۳، قديمي، انيس)

(۳) مراقي الفلاح علىٰ حشية الطحطاوي، ص: ۵۱٦، دار الكتب العلمية بيروت، انيس

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

عبادتوں کی روح یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک کی نقل کی جائے۔ آپ دو خطبہ دیتے تھے اور منبر پر کھڑے ہو کر دیتے ہیں؛ اسی لیے اسی طرح خطبہ دینا مسنون ہے۔ بہ ظاہر بیٹھنے کی حکمت یہ ہے کہ دو الگ الگ خطبے محسوس ہوں اور منبر پر کھڑے ہونے کا مقصود یہ ہے کہ دور دور تک سامعین خطیب کو دیکھ سکیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۶۰/۳)

اوقات خطبہ میں سنن:

سوال: جمعہ کے خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

خطبہ کے وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں ہے، جس وقت سے امام منبر پر جاوے اور خطبہ شروع کرے، اس وقت سے نماز وغیرہ سب ممنوع ہو جاتی ہے، **لقوله عليه السلام: إذا خرج الإمام فلاصلاة ولا كلام.** (۱) فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۴۸/۵)

چند خطبوں کو بار بار پڑھنا کیسا ہے:

سوال: ایک شخص پانچ، چھ خطبے کا حافظ ہے اور اکثر یہی خطبے پڑھا کرتا ہے، انہیں خطبوں کو مکرر اور بار بار پڑھنے میں کوئی کراہت ہے، یا نہیں؟ بر تقدیر عدم کراہت خطیب کو طعن وتشنیع کرنے والے پر شرعاً کیا حکم ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ و بالله التوفيق

کراہت نہیں، چند مخصوص خطبوں کا پڑھنے والا امام کسی امر منکر کا مرتکب نہیں؛ اس لیے طعن وتشنیع کرنے والے گنہگار رہوں گے۔ تعزیر شرعی کے لیے حکومتِ اسلامی شرط ہے۔ موجودہ حالت میں طعن وتشنیع سے زبان روک لینا اور صاحب حق سے معذرت کے بعد توبہ کر لینا کافی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مرغوب الفتاویٰ: ۹۳/۳-۹۴)

خطیب منبر پر کس طرح کھڑا ہو:

سوال: خطیب منبر پر سیدھا کھڑا ہو کر خطبہ دے، یا جسم کو حرکت دے؟ شرعاً کس طرح پڑھنا چاہیے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ــــــــــــ و بالله التوفيق

امام کے لیے سنت یہ ہے کہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ پڑھے اور خطبہ پڑھنے کی حالت میں فطری طور پر بدن کو حرکت ہوتی ہی ہے جو لازمی اور ضروری ہے۔ ہاں بلا ضرورت خواہ مخواہ بدن کو حرکت دینا غیر مستحسن ہے اور ضروری

---

(۱) وإذا خرج الامام ... فلاصلاة ولا كلام إلى تمامها. (الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۸/۲، دار الفكر بيروت، ظفير)

حرکت کو جو بولنے والے کی جسم میں ہوتی ہے، اس پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔ اثنائے خطبہ میں امام کا کبھی دائیں طرف، کبھی بائیں طرف مڑنا اور متوجہ ہونا اس کو علامہ نوویؒ کی منہاج سے اور اس کی شرح سے ابن حجرؒ کے قول سے علامہ شامی نے (۱/۸۴۸) میں بدعت لکھا ہے۔(۱) واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۹۴)

خطبہ کی حالت میں امام کا امر بالمعروف کرنا:

سوال: امام جمعہ کے خطبہ کے لیے منبر پر جا کر بیٹھے اور مؤذن نے اذان دی، قبل خطبہ شروع کرنے کے امام نے مقتدیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ بڑے لوگ آگے کی صف میں آجاویں اور بچے پیچھے چلے جاویں، اس پر زید نے کہا کہ دوبارہ اذان کہی جاوے، ورنہ جمعہ کا خطبہ اور نماز مکروہ ہوگی، امام نے بدون تکرار اذان خطبہ پڑھا اور نماز پڑھائی۔ آیا نماز مکروہ ہوئی، یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

صورتِ مسئولہ میں امام کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے سے کسی قسم کی کراہت لازم نہیں آئی اور نہ کوئی فعل بالا جنبی واقع ہوا، لہٰذا خطبہ ونماز میں کوئی کراہت لازم نہیں آئی، امام کو امر بالمعروف کا حق ہے۔ بہتر یہ تھا کہ تسویۃ الصفوف کے وقت میں کہا جاتا؛ لیکن خطبہ کے وقت کہنے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ درمختار کی عبارت اس باب میں مصرح ہے:

"ويكره تكلمه فيها إلا لأمر بمعروف؛ لأنه منها". (۲)

یعنی امر بالمعروف کے لیے اثنائے خطبہ میں کلام کرنا مکروہ نہیں، لہٰذا کچھ حرج نہیں ہوا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۹۵-۹۶)

اذانِ خطبہ کے وقت منبر پر بیٹھنا:

سوال: اذان خطبہ کے دوران خطیب منبر پر بیٹھتا ہے، اگر خطیب اس جلسہ کو ختم کردے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــ

اذان کے وقت منبر پر بیٹھنا مسنون ہے۔

ابوداؤد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

---

(۱) تنبيه: ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عند الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم في الخطبة الثانية لم أر من ذكره، والظاهر أنه بدعة ينبغي تركه لئلا يتوهم أنه سنة، ثم رأيت في منهاج النووي قال: ولا يلتفت يمينًا وشمالاً في شئ منها، قال ابن حجر في شرحه: لأن ذلك بدعة ويؤخذ ذلك عندنا من قول البدائع: ومن السنة ان يستقبل الناس بوجهه ويستدير القبلة؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخطب هكذا. (ردالمحتار، باب الجمعة، مطلب: في قول الخطيب قال الله تعالى أعوذ بالله الخ: ۱۴۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) الدر المختار على هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۵۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس

عن ابن عمر قال: كان النبي صلى الله عليه وسلم يخطب خطبتين كان يجلس إذا صعد المنبر حتىٰ يفرغ، إنتهىٰ. (۱)

اور سنت مؤکدہ کو چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔ (درمختار) (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۶)

دو خطبوں کے درمیان میں بیٹھنا سنت ہے:

سوال: امام نے بھول سے جمعہ کے دونوں خطبے ایک ہی ساتھ پڑھ دئے، پہلے خطبہ کے بعد فصل نہیں کیا اور بیٹھا نہیں تو نماز ہوئی، یا نہیں؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

دو خطبوں کے درمیان میں فصل کرنے کے لیے بیٹھنا سنت ہے۔(۲) امام نے بھول کر یہ فعل کرلیا تو سنت کے خلاف ہوا؛ لیکن اس پر ترک سنت کا کوئی مؤاخذہ نہیں۔ دیدہ ودانستہ یہ فعل کرنا برا ہے کہ اس میں سنت کا خلاف لازم آتا ہے اور اس سے خطبہ میں، یا نماز میں کچھ نقصان نہیں آیا، نماز وخطبہ دونوں صحیح ہوگئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۳/۱۰۰)

خطبہ کے وقت امام کا بیٹھنا اور "حی علی الصلاة" پر کھڑا ہونا:

سوال: خطبہ کے بعد امام آکر مصلیٰ پر بیٹھ جاتے ہیں "حی علی الصلاة" پر کھڑے ہوتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب ـــــــــــــــ وبالله التوفيق

امام کا یہ طریقہ خلاف سنت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۳/۱۰۱)

جمعہ کا خطبہ نابالغ پڑھے اور نماز بالغ پڑھائے اس کا حکم:

سوال: ایک امام مسجد جو کہ بچوں کو تعلیم دیتا ہے، جمعہ کا خطبہ نابالغ بچہ سے پڑھوا کر خود نماز پڑھاتا ہے۔ مقتدیوں میں سے اکبر علی نے کہا کہ نابالغ کا خطبہ جائز نہیں، آپ دوبارہ خطبہ پڑھیں، ورنہ نماز نہ ہوگی۔ امام نے کہا ہم ایسا ہی پڑھاویں گے، جائز ہے۔ نماز کے بعد بدھو میاں نے کہا: ہم نے نابالغ کو پڑھتے بہت جگہ دیکھا ہے، چناں چہ ضداً چار جمعہ تک مختلف نابالغوں سے پڑھوایا۔ جب چاروں طرف سے ناجائز ہونے کا غل مچا تو خود پڑھانے لگے، چنانچہ رام پور دہلی وغیرہ سے ناجائز ہونے کا فتویٰ بھی آ گیا۔ اب معلوم کرنا یہ ہے کہ چار جمعہ کی نماز نہ ہوئی تو اس کے ذمہ دار امام صاحب تنہا ہوئے، یا کہ پشت پناہ مددگار بدھو میاں بھی ہوئے۔ دونوں کو توبہ کرنا ہوگا، یا امام صاحب کو؟ چوں کہ دہلی اور رام پور کے فتوے کے سننے کے بعد بدھوں میاں نے انکار کیا کہ ہم فتویٰ منگائیں گے، تب مقابلہ کریں گے؟

---

(۱) أبو داؤد، أبواب الجمعة، باب الجلوس إذا صعد المنبر: ۱۶۳/۱، مكتبة حقانية، انيس

(۲) (ويسن خطبتان) ... (بجلسة بينهما. (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۴۸/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

الجواب

درمختار میں ہے:

”(لاینبغی أن یصلی غیر الخطیب)؛لأنهما کشئی واحد (فإن فعل بأن خطب صبی بإذن السلطان وصلی بالغ جازهو المختار“.

اورشامی میں ہے:

”وفی الظهیریة:لوخطب صبی اختلف المشائخ فیه والخلاف فی صبی یعقل،آہ، والأکثر علی الجواز“.(۱)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ پہلی نمازیں صحیح ہوگئیں،ترجیح اسی کو ہے؛لیکن آئندہ ایسا نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ جوشخص نماز پڑھاوے،وہی خطبہ پڑھے،اگرامام ضداایسا کرے گاتو وہ اوراس کے معاون دونوں گنہگار رہوں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ:مسعوداحمد عفاعنہ

نوٹ: پہلے اس مسئلہ کے جواب میں حکم عدم جواز نماز کا لکھا گیا ہے،جوکہ بعض مشائخ کا مذہب ہے؛لیکن بعد کو اسی قول کوترجیح معلوم ہوئی۔(امدادالمفتین:۳۳۶/۲)

جمعہ کوخطبہ سے پہلے مسجد پہنچنے کا ثواب اورخطبہ سے غیرحاضری سے محرومی:

سوال: کیا جمعہ کا خطبہ سنے بغیر بھی نمازِ جمعہ ہوجاتی ہے؟

الجواب

جمعہ کے لیے خطبہ شروع ہونے سے پہلے آنا چاہیے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جمعہ کی حاضری لکھنے کے لیے خاص فرشتے مقرر ہوتے ہیں،جوشخص پہلی گھڑی میں آئے،اس کے لیےاونٹ کی قربانی کا ثواب لکھا جاتا ہے اور بعد میں آنے والوں کا ثواب گھٹتا رہتا ہے، یہاں تک کہ جب خطبہ شروع ہوتا ہےتو فرشتے اپنے صحیفے لپیٹ کرر کھ دیتے ہیں اورخطبہ سننے میں مشغول ہوجاتے ہیں۔(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جولوگ خطبہ شروع ہونے کے بعدآتے ہیں،ان کی حاضری نہیں لگتی،لہٰذا جس شخص نے خطبہ نہیں سنا،امام کے ساتھ نمازتو اس کی بھی ہوجائے گی؛مگر جمعہ کے دن کی حاضری لگوانے سے وہ محروم رہا۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۲۹/۴-۱۳۰)

---

(۱) رد المحتار،باب الجمعة،مطلب فی حکم المراقی بین یدی الخطیب:۱۶۲/۲،دارالفکر بیروت،انیس

(۲) عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علی باب المسجد یکتبون الاول فالأول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنة ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشا ثم دجاجة ثم بیضة،فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر،متفق علیه. (صحیح البخاری،کتاب الجمعة،باب الاستماع الی الخطبة:۱۲۷/۱،قدیمی،انیس)

خطبۂ جمعہ کے پہلے خطبے میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں تشہد کی طرح بیٹھنا:

سوال: نماز جمعہ کے پہلے خطبے میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے خطبے میں تشہد کی طرح بیٹھنا ضروری ہے؟

الجواب

جی نہیں! خطبے کے دوران کسی خاص ہیئت میں بیٹھنا ضروری نہیں، جس طرح سہولت ہو، بیٹھیں، (۱) خطیب کی طرف متوجہ رہیں۔ (۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۱/۴)

خطبہ جمعہ کے دوران صفیں پھلانگنا:

سوال: جمعہ کی نماز سے پہلے خطبہ ہوتا ہے اور اس کا سننا لازمی ہوتا ہے اور جو لوگ جلدی آتے ہیں، وہ آگے صفوں میں بیٹھ جاتے ہیں، جو لوگ بعد میں آتے ہیں، وہ پیچھے صفوں میں، یا جہاں جگہ ملتی ہے بیٹھ جاتے ہیں، یہ بات بالکل ٹھیک ہے، باوجود اس کے کچھ لوگ پہلی صفوں میں بیٹھنے کا بڑا اشتیاق رکھتے ہیں اور آتے دیر سے ہیں اور آنے والوں کا طریقہ کچھ اس طرح ہوتا ہے، جیسے ان کے لیے آگی کی صفوں میں جگہ خالی ہوتی ہے، حالاں کہ اگلی صفوں میں کوئی جگہ نہیں ہوتی، اس کے باوجود وہ لوگ بیٹھے ہوئے نمازیوں کو ہاتھ کے ذریعہ ہٹاتے ہوئے آگے کی صف تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں قطعی جگہ نہیں ہوتی، لیکن بیٹھے ہوئے نمازیوں کے درمیان ذرا سی جگہ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں، اس جگہ بنانے کے لیے صف کی دونوں جانب کے تقریباً نمازیوں کو تھوڑا تھوڑا کھسکنا پڑتا ہے اور اس طرح سب نمازیوں کا خطبہ سننے سے دھیان اٹھ جاتا ہے، لہٰذا جو لوگ ایسا کرتے ہیں، یہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب

اگر اگلی صفوں میں جگہ ہو تو پھر آگے بڑھنے کی اجازت ہے، ورنہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائیں، جو صورت آپ نے لکھی ہے، اس طرح لوگوں کی گردنوں کو پھلانگ کر آگے بڑھنے سے جمعہ کا ثواب باطل ہو جاتا ہے، اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۲/۴)

---

(۱) إذا شهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبيا او متربعا او كما تيسر، لانه ليس بصلاة عملا وحقيقة، كذا فى المضمرات. (الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة: ۱۴۸/۱، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة)

(۲) (قوله: بل يجب عليه أن يستمع) ظاهره أنه يكره الاشتغال بما يفوت السماع وإن لم يكن كلاماً وبه صرح القهستاني حيث قال: إذا الاستماع فرض، كما فى المحيط أو واجب، كما فى صلاة المسعودية أو سنة وفيه إشعار بأن النوم عند الخطبة مكروه إلا إذا غلب عليه، كما فى الزاهدى. (رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى شروط وجوب الجمعة: ۱۵۹/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) عن عبد الله بن عمر وقال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يحضر الجمعة ثلاثة نفر، فرجل حضرها بلغو فذلك حظه منها، ورجل حضرها يدعو فهو رجل دعاء الله عزوجل إن شاء أعطاه وإن شاء منعه، ورجل حضرها ==

دورانِ خطبہ اُنگلیوں میں اُنگلیاں ڈال کر بیٹھنا منع ہے:

سوال: ایک امام صاحب نے ایک سے زائد بار یہ فرمایا کہ خطبہ کے دوران ہاتھوں کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر بیٹھنا ''حرام'' ہے۔ دین میں اس قسم کی پابندیوں کی کیا بنیاد ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، یہی ممانعت اس پابندی کی بنیاد ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۳۲/۴-۱۳۳)

خطبۂ جمع زبانی پڑھنا مشکل ہو تو دیکھ کر پڑھے:

سوال: خطبۂ جمع میں خطیب اگر اکثر اوقات اٹک اٹک کر، یا بھول کر ایسی غلطی کرلے کہ معانی بدل جائیں تو کیا اسے خطبہ کتاب میں دیکھ کر پڑھنے میں تردد ہونا چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــ

خطبہ اچھی طرح یاد کیا جائے، یا دیکھ کر پڑھا جائے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۳۵/۴)

اگر خطبہ ظہر سے پہلے شروع ہو تو سنت کب پڑھے:

سوال: صلوٰۃ الجمعۃ میں چار رکعت سنت اول خطبہ کے دوران پڑھ سکتے ہیں؟ چوں کہ خطبہ عین اس وقت شروع ہوتا ہے، جب کہ ظہر کا وقت داخل ہوتا ہے؛ بلکہ اکثر دو تین منٹ قبل ہی شروع ہوتا ہے اور بعد میں کوئی وقت دیا نہیں جاتا۔

الجواب ــــــــــــــــــــــ

اگر اذان زوال کے بعد ہوتی ہو تو اذان ہوتے ہی سنت شروع کرلیا کریں، خطبہ شروع ہوتے ہوتے پوری ہوجائیں گی اور اگر وقت سے پہلے ہی اذان وار خطبہ شروع ہوجاتا ہے تو سنتیں جمعہ کے بعد پڑھا کریں۔ (۲)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۳۵/۴)

== بانصات وسکوت ولم يتحط رقبة مسلم ولم يؤذ أحداً فهى كفارة الى الجمعة التى تليها وزيادة ثلا ثة أيام وذلك بأن اللّٰه يقول: من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها. (أبو دائود، أبواب الجمعة، باب الكلام والامام يخطب: ۱۶۵/۱، مكتبة حقانية باكستان، انيس)

(۱) أبو ثمامة الحناط أن كعب بن عجرة أدركه وهو يريد المسجد أدرك أحدهما صاحبه قال: فوجدنى وأنا مشبك بيدى فنها نى عن ذلك وقال: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا توضأ أحدكم فأحسن وضوئه ثم خرج عامداً إلى المسجد فلا يشبكن يديه فانه فى الصلاة. (سنن أبى داؤد، باب ما جاء فى الهدى فى المشى إلى الصلاة: ۸۳/۱)

وفى حاشية سنن أبى داؤد: أن النهى والكراهة إنما هى فى حق المصلى وقاصد الصلاة.'' (رقم الحاشية: ۵، سنن أبى دائود: ۹۰/۱، مكتبة حقانية، باكستان، انيس)

(۲) (إذا خرج الامام) ... (فلا صلاة ولا كلام الىٰ تمامها)، الخ. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۸/۲) ==

جمعہ کے خطبہ کے دوران دو رکعت پڑھنا صرف ایک صحابی کے لیے استثنیٰ تھا:

سوال: جمعہ کا خطبہ شروع ہے، آنے والا دو رکعت پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

یہ مسئلہ ائمہ کے درمیان مختلف ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔(۱) اس سلسلے میں جو حدیث آتی ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ اسی صحابی کے ساتھ خاص تھی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خاطر خطبہ روک دیا تھا۔(۲)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۳۶-۱۳۷)

دورانِ خطبہ تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد ادا کرنا:

سوال: دورانِ خطبہ تحیۃ الوضو، تحیۃ المسجد ادا کر سکتے ہیں؟

الجواب

خطبے کے دوران امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تحیۃ الوضو، یا تحیہ المسجد جائز نہیں۔(۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۳۷-۱۳۸)

== قال أبو جعفر: ومن دخل المسجد يوم الجمعة والامام يخطب جلس ولم يركع، وذالک لقول الله تعالىٰ: واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا. فروى أنها نزلت فى شان الخطبة، ومن جهة السنة ... قال (أى ابن عمر) سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: اذا دخل أحدكم المسجد والامام على المنبر، ثلا صلاة له ولا كلام حتىٰ يفرغ الامام. (شرح مختصر الطحاوى لأبى بكر الجصاص الرازى: ۲/۱۳۰، باب صلاة الجمعة، دار البشائر الاسلامية، بيروت)

(۱) وإذا خرج الامام يوم الجمعة ترک الناس الصلاة والكلام حتىٰ يفرغ من خطبته، قال: وهٰذا عند أبى حنيفة. (الهداية، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۵۱، ثاقب بک دبو ديوبند، انيس) / أيضاً: مختصر الطحاوى ج: ۲ ص: ۱۳۰، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

(۲) عن جابر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو يخطب: إذا جاء أحدكم يوم الجمعة والإمام يخطب فليركع ركعتين وليتجوز فيهما. (رواه مسلم) (مشكوة، ص: ۱۲۳، باب الخطبة والصلاة)

وفى حاشية المشكوة: (قوله فليركع ركعتين) حملها الشافعية على تحية المسجد فإنها واجبة عندهم وكذا عند أحمد وعند الحنفية لما لم تجب فى غيرو قت الخطبة لم تجب فيه بطريق الأولىٰ وهومذهب مالک وسفيان الثورى وعليه جمهور الصحابة والتابعين، كذا قال النووى وتأوله بأن المراد أراد أن يخطب بقرينة الأحاديث الدالة على وجوب حرمة الصلاة فى وقت الخطبة وقد ثبت فى الصحيحين أنه جاء رجل إلى النبى صلى الله عليه وسلم وهويخطب فقال: أصليت يا فلان؟ قال: لا، قال: صل ركعتين وتأولوه بأن ورد هٰذا كان قبل المنع أو كان مخصوصابذاک الرجل الداخل و قيل: كانت هذه القصة قبل أن يشرع فى الخطبة وقيل كانت الخطبة بغير الجمعة. (حاشية مشكوة المصابيح، ص: ۱۲۳، رقم الحاشية: ۱۱، باب الخطبة والصلاة، الفصل الأول)

(۳) (وإذا خرج الامام يوم الجمعة ترک الناس الصلوه والكلام حتى يفرغ من خطبته قال وهٰذا عند أبى حنيفة. (الهداية: كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۵۱، ثاقب بک دبو، ديوبند، انيس)

أيضاء ومن جهة النسة ... قال (ابن عمر) سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول: اذ دخل أحدكم المسجد والامام على المنبر فلا صلاة له ولا كلام حتىٰ يفرغ. (شرح مختصر الطحاوى: ۲/۱۳۰-۱۳۱)

خطبہ جمعہ کو مسنون طریقے کے خلاف پڑھنا:

سوال: جمعہ کا خطبہ صلوۃ وسلام کے بغیر ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟ جواز کی صورت میں ثواب میں فرق آجائے گا، یا نہیں؟ مثلاً: صورت اس کی یہ ہو کہ پہلے خطبہ میں سورۂ الم ترکیف اور ثانی میں سورۂ قریش پڑھی جائے تو خطبہ جمعہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب

خطبہ کا فرض تو ادا ہو جائے گا؛ لیکن سنت کے خلاف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب خطبہ خلافِ سنت ہوگا تو ثواب میں تو فرق آئے گا۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۳۹/۴)

خطبہ جمعہ کے دوران بآواز آمین کہنا صحیح نہیں:

سوال: یہاں خطبہ جمعہ میں دوسرے خطبہ کے دوران جب خطیب صاحب دُعائیہ کلمات پڑھتے ہیں تو تقریباً سب ہی لوگ ہاتھ اٹھا کر بآواز خفیف آمین کہتے جاتے ہیں۔ کیا یہ عمل جائز ہے؟

الجواب

خطبہ کے دوران زبان سے آمین کہنا صحیح نہیں، دل میں کہیں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۰/۴)

خطبے میں خطیب کا ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا:

سوال: جمعہ کا خطبہ کہتے وقت کیا خطیب ایسے ہاتھ باندھ سکتا ہے، جیسے نماز میں کھڑا ہو؟ سنا ہے یہ ادب صرف اللہ کے دربار (نماز) کا ہے۔

الجواب

خطبے میں ہاتھ سیدھے چھوڑ کر کھڑا ہونا چاہیے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۲/۴)

خطبہ اور نماز میں لوگوں کی رعایت رکھنی چاہیے:

سوال: جیسا کہ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے کہ بعض علماء نمازوں میں اور خاص کر جمعہ کی نماز میں لمبی قرأت پڑھتے ہیں اور نماز کے بعد لمبی دعائیں مانگتے ہیں، کیا یہ غلط طریقہ نہیں ہے؟ کیوں کہ جماعت میں ایسے لوگ کھڑے ہوتے ہیں کہ جن میں سے کسی کو ضروری کام ہوتا ہے، یا کسی کا وضو تکلیف سے ہو، قرآن وسنت کی روشنی میں وضاحت فرمائیں؟

---

(۱) وإذا شرع فی الدعاء لا یجوز للقوم رفع الیدین ولا تأمین باللسان جهرا فان فعلوا ذلک أثموا. (رد المحتار: ۱۵۸/۲، باب الجمعة، مطلب فی شروط وجوب الجمعة، دار الفکر بیروت، انیس)

الجواب

خطبہ اور نماز اتنی لمبی نہیں ہونی چاہیے کہ لوگ اُکتا جائیں، (۱) اور بعد کی دعا میں لوگ مختار ہیں کہ اس میں شریک ہوں یا نہ ہوں ؛ اس لیے اگر کسی کو کوئی ضرورت ہو تو جا سکتا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۴/۴)

خطبہ سنتے وقت کیسے بیٹھا جائے:

سوال: جب امام خطبہ ادا کرتا ہے تو سامعین کے بیٹھنے کی شکل کیا ہونی چاہیے؟ بینوا توا جروا۔

(محمد اقبال عفا اللہ عنہ: گلشن آباد، گوجرانوالہ)

الجواب

جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتے ہیں، البتہ مستحب یہ ہے کہ بحالت تشہد دوزانو بیٹھا جائے ؛ مگر پہلے خطبہ میں ہاتھ باندھنا اور دوسرے میں گھٹنوں پر رکھنا محض عامیانہ فعل ہے، شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں، ایسا نہ کیا جائے۔

إذاشهد الرجل عند الخطبة إن شاء جلس محتبياً أومتر بعًا أو كما تيسر ؛ لأنه ليس بصلاة عملاً وحقيقة، كذافي المضمرات، ويستحب أن يقعد فيها كما يقعد في الصلاة، كما في معراج الدراية. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ ج: ۳۶/۳)

دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے کی مقدار:

سوال: جمعہ، یا عیدین کے دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے، یا واجب؟ اور کتنی دیر بیٹھا جائے؟

(المستفتی محمد حسین، منڈی وار برٹن، شیخو پورہ)

الجواب

دونوں خطبہ کے درمیان ایک دفعہ اس طرح اطمینان سے بیٹھنا کہ ہر عضو اپنی جگہ پر آ جائے سنت ہے۔ عالمگیری میں سنن خطبہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(والخامس عشر) الجلوس بين الخطبتين هكذا في البحر الرائق ومقدار الجلوس بينهما مقدار ثلا ث آيات في ظاهر الرواية هكذا في السراج الوهاج ناقلاً عن الفتاوىٰ قا ل شمس الأئمة السرخسي في تقدير الجلسة بين الخطبتين أنه إذا تمكن في موضع جلوسه واستقر كل

---

(۱) تخفيف الخطبتين بقدرسورة من طوال المفصل ويكره التطويل ... الخ. (الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشرفي صلاة الجمعة: ۱۴۷/۱)

(۲) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱۴۸/۱، انيس

عـضـو مـنـه فى مو ضعه قام من غير لبث و مكث كذا فى التتارخانية والمختار ماقاله شمس الأئمة السرخسى كذافى الغياثة .آه (۱/۱٤٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۵/۹/۲۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۶۶)

خطبہ شروع ہو جائے تو سنتیں نہ پڑھی جائیں:

سوال: مسجد میں اگر ایسے وقت پہنچیں کہ خطبہ شروع ہو تو سنتیں پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

اس وقت سنتیں پڑھنا درست نہیں، خطبہ سنا جائے۔

درمختار میں ہے:

(إذا خرج الإمام) من الحجرة إن كان وإلا فقيا مة للصعود (فلاصلاة و لا كلام إلى تمامها)،آه.

وفى الرد: (قوله: فلا صلاة) شمل السنة وتحية المسجد، بحر،آه. (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، مفتی خیر المدارس ملتان، ۱۴۰۱/۱۲/۲۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۶۹)

زبانی خطبہ بہتر ہے، یا دیکھ کر:

سوال: بعض خطیب حضرات جمعہ وعیدین کا خطبہ زبانی پڑھتے ہیں اور بعض کتاب دیکھ کر۔ ان میں سے کون سا بہتر ہے؟

الجواب

دونوں طرح خطبہ پڑھنا درست ہے۔ شریعت میں کسی خاص طریقے کا نہ حکم دیا گیا ہے، نہ کسی خاص طریقے کو ترجیح دی گئی ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۱/۷/۱۳ھ۔ الجواب صحیح بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۸۶)

دوران خطبہ پنکھا کرنا:

سوال: دوران خطبہ گرمی کی وجہ سے پنکھا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسی حالت میں پنکھا کرنا جائز نہیں ہے، یہ استماع خطبہ کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۸۵)

---

(۱) الدر المختار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/۱٥٨، دار الفكر بيروت، انيس

خطبۂ جمعہ کے شروع میں دودفعہ الحمدللہ کہنا:

سوال: جمعہ وعیدین کے خطبہ میں جوطریقہ ہے کہ پہلے صرف الحمدللہ کہتے ہیں، پھر دوبارہ الحمدللہ علی الذات کہہ کر شروع کردیتے ہیں۔اسی طرح یہ طریقہ حدیث سے ثابت ہے؟اور خطبہ کواس طرح شروع کرنا سنت ہے، یا مستحب؟

الجواب

یہ مخصوص طریقہ کسی صحیح حدیث میں واردنہیں۔فقط واللہ اعلم

محمد اسحاق عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، ۹۲/۱۳/۷ھ۔(خیر الفتاویٰ:۹۱/۳)

دوران خطبہ کوئی فوت شدہ نماز یاد آ گئی تو کیسے کرے:

سوال: جمعہ کے روز جب خطیب خطبہ کے لیے منبر پرآ گیا،اس وقت سامعین میں کسی کو یاد آیا کہ اس کے ذمہ فوت شدہ نماز ہے۔کیااس وقت فوت شدہ نماز پڑھنے کی گنجائش ہے، جب کہ یہ آدمی صاحب ترتیب بھی ہو؟

الجواب

شخص مذکور پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے، پھر جمعہ مل جائے تو جمعہ پڑھ لے، ورنہ ظہر ادا کرے۔

(وإذاخرج الإمام فلا صلاة ولا كلام.(مراقی)

(قوله:فلا صلاة)سواء كانت قضاء فائتة أوصلاة جنازة أوسجدة تلاوة أومنذورة أونفلاً إلاإذا تذكرفائتة ولووتراوهوصاحب ترتيب فلايكره الشروع فيها حينئذٍ .بل يجب لضرورة صحة الجمعة،آه.(حاشية الطحطاوی،باب الجمعة،ص:۵۱۸)فقط واللّٰه أعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاویٰ:۹۴/۳)

خطیب کووضو کی حاجت پیش آ جائے تو کیا کرے:

سوال: بندہ جمعہ کا خطبہ دے رہا تھا کہ خطبہ کے بعد خروج ریح کا احساس ہوا، بنابراحتیاط وضو کرلیا گیا، کیا وہ سابقہ خطبہ کافی ہے، یا نماز سے قبل دوبارہ خطبہ دینا چاہیے تھا؟

الجواب

وہی خطبہ کافی ہے۔اس فصل کی وجہ سے خطبہ کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

فإذاأتم أقيمت ويكره الفصل بأمرالدنيا،آه.(الدرالمختار)(قوله:بأمرالدنيا)أمابنهي عن منكروأو أمر بمعروف فلا وكذا بوضوء أوغسل لوظهر أنه محدث أوجنب كما مربخلاف أكل أوشرب حتیٰ لوطال الفصل استأنف الخطبة كمامرفافهم.(۱)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ(خیر الفتاویٰ:۹۷/۳)

---

(۱)　الدر المختار مع رد المحتار،كتاب الصلاة،باب الجمعة:۱۶۱/۲-۱۶۲،دار الفكر بيروت،انيس

کیا خطبہ اونچا پڑھنا ضروری ہے:

سوال: خطبہ میں آواز کس قدر بلند ہونی چاہیے؟

الجواب

مستحب یہ ہے کہ معتاد آواز کی نسبت اونچی آواز سے خطبہ دیا جائے۔

ومن المتستحب أن يرفع الخطيب صوته وأن يكون الجهر فى الثانية دون الأولى، آه. (الفتاوىٰ الهندية)(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۱۲/۴/۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۹۹/۳)

خطبہ دیتے وقت دائیں بائیں حاضرین کی طرف نظر کرنا کیسا ہے:

سوال: بعض خطباء کی عادت ہوتی ہے کہ دائیں بائیں حاضرین کی طرف متوجہ ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس طرف رخ کرلیا، کبھی اس طرف، کیا یہ درست ہے؟ یا سیدھا ہی روخ رکھنا چاہیے؟

الجواب

سنت یہی ہے کہ سامنے کی طرف متوجہ رہیں، ادھر ادھر متوجہ نہ ہوں۔

ما يفعله بعض الخطباء من تحويل الوجه جهة اليمين وجهة اليسار عند الصلاة على النبى عليه الصلاة والسلام فى الخطبة الثانية لم أر من ذكره والظاهر أنه بدعة ينبغى تركه لئلا يتوهم أنه سنة، ثم رأيت فى منهاج النووى قال: ولايلتفت يمنياً وشمالاً فى شىء منها، قال ابن حجر فى شرحه: أن ذلك بدعة، آه. (ردالمحتار)(۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۰ھ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۰/۳)

خطبہ جمعہ سے قبل حاضرین کو السلام علیکم کہنا:

سوال: بعض خطبا کا معمول ہے کہ منبر پر چڑھتے وقت سامعین کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ کیا یہ شرعاً درست ہے؟

الجواب

خطبہ کے لیے منبر پر چڑھتے وقت السلام علیکم کہنا صحیح سند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ سے منقول نہیں؛ اس لیے یہ مکروہ ہے۔

الخطيب إذا صعد المنبر لا يسلم على القوم عندنا وبه قال مالك؛ لأنه قد سلم عند دخوله

(۱) الفتاوىٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ۱٤٧/۱، انيس

(۲) رد المحتار، باب الجمعة، مطلب فى قول الخطيب قال الله تعالىٰ الخ أعوذ بالله الخ: ١٤٩/٢، انيس

فلا معنى لتسليمه ثانياً وقال الشافعي وأحمد يسلم عليهم لما روى أنه عليه السلام كان اذا صعد المنبر يوم الجمعة استقبل الناس بوجهه ثم قال: السلام عليكم،رواه البيهقى، وقال: ليس بالقوى، وقال عبد الحق فى الأحكام الكبرٰى: هومرسل وأسنده أبو أحمد من حديث ابن لهيعة وهومعروف فى الضعفاء لا يحتج به،انتهٰى. (الحلبى الكبير)(۱) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۱۰۱/۳)

ٹیپ سے نشر شدہ خطبہ کا حکم:

سوال: خطبہ کے لیے کوئی آدمی نہیں مل رہا، اگر ٹیپ ریکارڈ کے ذریعے سے خطبہ پڑھوایا گیا۔ کیا خطبہ ادا ہوگا، یہ نہیں؟

الجواب

چوں کہ ٹیپ آواز کی نقل ہوتی ہے، جیسے کہ صدائے بازگشت، لہٰذا اس پر پڑھا ہوا خطبہ معتبر نہ ہوگا۔ فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۰۵/۳)

بوقت خطبہ سر پر عمامہ باندھنا:

سوال: جب جمعہ کا خطبہ ہو رہا ہو تو اس دوران سر پر عمامہ باندھنا کیسا ہے؟

الجواب

استماع خطبہ کے دوران درست نہیں۔

ويحرم فى الخطبة مايحرم فى الصلاة حتٰى لاينبغى أن يأكل ويشرب والإمام فى الخطبة. (الفتاویٰ الهندية)(۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۱۲/۳)

کیا خطبہ کے لیے منبر ضروری ہے:

سوال: کیا خطبہ دینے کے لیے منبر کا ہونا ضروری ہے، یا بغیر منبر کے بھی خطبہ دیا جا سکتا ہے؟

الجواب

سنت یہی ہے کہ خطبہ منبر پر دیا جائے۔

ومن السنة أن يكون الخطيب علٰى منبر اقتداء برسو ل اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم،آه. (الفتاویٰ الهندية) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۱۴/۳)

(۱) الحلبى الكبير،فصل فى صلاة الجمعة،ص: ٥٦٢،انیس

(۲-۳) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١٤٧/١،انیس

خطبہ کے لیے قیام فرض ہے، یا سنت:

سوال: اگر کوئی خطیب بیٹھ کر خطبہ پڑھ لے کیا شرعاً خطبہ ادا ہو گیا، یا نہیں؟ بینوا توا جروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ

سنت یہی ہے کہ کھڑے ہو کر دیا جائے، گو بیٹھ کر پڑھنے سے بھی ادا ہو جائے گا۔

(وأماسننها فخسمة عشر) ... وثانيها ... القيام ولو خطب قاعداً أومضطجعاً جاز، آه. (الفتاویٰ الهندية)(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۱/۱۲/۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۴/۳)

بوقت خطبہ سامعین قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں، یا خطیب کی طرف متوجہ ہوں:

سوال: جب امام خطبہ دے رہے ہوں تو سامعین باادب قبلہ رخ ہو کر بیٹھیں، یا خطیب کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

جو امام کے سامنے ہوں اور جو دائیں اور بائیں قریب بیٹھے ہوں، ان کے لیے مستحب یہ ہے کہ امام کی طرف رخ کر کے ہمہ تن گوش بن کر بیٹھیں۔

يستحب للرجل أن يستقبل الخطيب بوجهه هٰذا إذاكان أمام الإمام فإن كان عن يمين الإمام أوعن يساره قريبًا من الإمام ينحرف إلى الإمام متسعدا للسماع. (الفتاویٰ الهندية)(۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۵/۳)

خطبہ کے بعد اقامت سے پہلے صفیں سیدھی کرنے کے بارے میں کہنا:

سوال: بعض مساجد میں معمول ہے کہ جب امام خطبہ دے چکتا ہے تو اقامت سے پہلے کچھ لوگ بلند آواز سے پکار پکار کہتے ہیں: صفیں سیدھی کرلیں، بچوں کو پیچھے نکال دیں۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

درست ہے۔

(ويصف) أى يصفهم الإمام بأن يأمرهم بذلک قال الشمنى وينبغى أن يأمرهم بأن يتراصوا ويسد والخلل ويسووا منا كبهم. (الدرالمختار)(۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۵/۳)

---

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱٤۷/۱، انیس

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱٤۸/۱، انیس

(۳) الدرالمختار على هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الامامة: ٥٦۸/۱، دار الفكر بيروت، انیس

خطبہ کی جگہ قرآن مجید کا رکوع پڑھنا:

سوال: چند ساتھی ایک گاؤں میں گئے، جن میں کوئی با قاعدہ عالم نہیں تھا کہ خطبہ پڑھ سکتا؛ مگر چند رکوع قرآن شریف کے یاد تھے، ایک رکوع اگر پڑھ دیا جائے۔ جمعہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں؟

الجواب

قرآن حکیم کا بہ نیت خطبہ پڑھنے سے خطبہ تو ادا ہو جائے گا، مگر خطبہ میں جو چیزیں سنت ہیں وہ رہ جائیں گی۔

الخطبة تشتمل علىٰ فرض وسنة ... (وأماسننها فخمسة عشر) ... (وسادسها) البداء ة بحمد الله (وسابعها) الثناء عليه بما هو أهله و(ثامنها)الشهادتان (وتاسعها)الصلاة على النبى عليه السلام (وعاشرها) العظة والذكير(والحادى عشر)قراء ة القرآن. (الفتاویٰ الهندية)(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۱۶/۳)

☆ ☆ ☆

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة: ۱۴۶/۱ـ۱۴۷، انیس

جمعہ سے متعلق متفرق احکام

یوم جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ وسورۂ دہر مسنون ہے:

سوال: جمعہ کے فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر پڑھنا مسنون ہے۔ زید مسنون ہونے کی وجہ سے بیس جمعہ کی فجر میں دونوں سورت پڑھتا ہے اور اکیسویں جمعہ کے فجر میں اور سورہ پڑھتا ہے، اس خیال سے کہ عوام ان کا پڑھنا فرض خیال نہ کریں تو یہ اولویت کے خلاف ہے، یا نہیں؟

الجواب

احادیث میں بے شک ایسا آیا ہے؛ لیکن حنفیہ اس کو بعض اوقات پر حمل کرتے ہیں اور مواظبت اس کے ساتھ پسند نہیں کرتے؛ کیوں کہ وہ تعیین سورت کو کسی بھی نماز کے لیے منع فرماتے ہیں، لہٰذا کبھی کبھی ایسا کرلیوے تو کچھ حرج نہیں ہے، دوام اس پر نہ کرے۔

درمختار میں ہے: **(ویکره التعیین) کالسجدة و﴿هل أتیٰ﴾لفجر کل جمعة بل یندب قراء تهما أحیاناً**. (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۲۱۷)

جمعہ کی فجر میں قرأت:

سوال: جمعہ کی فجر میں سورۂ جمعہ اور منافقون سنت ہے، ان کے علاوہ کوئی اور سورہ پڑھنا خلاف سنت تو نہیں ہے؟

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ جمعہ اور منافقون پڑھنا اکثر ثابت ہے، نہ ہمیشہ، اگر کوئی کبھی ان کے علاوہ پڑھے تو سنت کے خلاف نہیں؛ بلکہ اس سے عوام کا مغالطہ سے بچنا زیادہ قریب ہے اور اسی وجہ سے احناف کے یہاں تعیین سورہ نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲/۲۶۰)

---

(۱) الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، فصل فی القراء ة، قبیل باب الامامة: ۱/۵٤٤، ظفیر

(۲) وإذا فرغ من الخطبة أقاموا الصلاة وصلی بالناس رکعتین علی ماهو المتوارث المعروف وفی التحفة وغیرها: یقرأ فیهما قدر ما یقرأ فی الظهر؛ لأنهما بدل منه إن قرأ بـ"سورة الجمعة" و"اِذَا جَاءَکَ الْمُنَافِقُوْنَ" أو بِـ"سَبِّحِ اسْمَ" و"هَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ" تبرکاً بالماثور عنه علیه الصلاة والسلام علی مامرّ فی صفة الصلاة کان حسناً لکن یترک أحیاناً لئلایتوهم العامة وجوبه. (غنیة المستملی، فصل فی صلاة الجمعة، ص: ۵٦۱، ظفیر)

جمعہ کی نماز اور اس دن فجر میں کیا پڑھے:

سوال: جمعہ کی نماز میں کس سورت کی تلاوت کرنا مسنون ہے اور جمعہ کی فجر میں کون سی سورت تلاوت کرنی چاہیے؟
(حافظ محمد منہاج الدین، سکندر آباد)

الجواب

جمعہ کی پہلی رکعت میں ''سورۂ جمعہ'' اور دوسری رکعت میں ''سورۂ منافقون''، یا پہلی رکعت میں ''سبح اسم ربک الاعلیٰ'' اور دوسری میں ''ھل اتاک حدیث الغاشیۃ'' پڑھنا بہتر ہے؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول جمعہ میں ان ہی سورتوں کے پڑھنے کا تھا،(۱) البتہ کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہیے؛ تاکہ عوام میں یہ گمان نہ پیدا ہو جائے کہ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت ضروری ہے۔(۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' پڑھا کرتے تھے۔(۳) لہٰذا جمعہ کی فجر میں ان دو سورتوں کا پڑھنا افضل ہے؛ لیکن انہیں سورتوں کا التزام نہ کرنا چاہیے۔ (کتاب الفتاویٰ:۲/۱۹۹)

جمعہ کے روز فجر کی نماز میں مسنون قرأت پر کراہت کے شبہ کا ازالہ:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین حسبِ ذیل مسئلہ میں کہ ہمارے یہاں ہر جمعہ کو فجر میں ''سورۂ سجدہ'' اور ''سورۂ دہر'' اور جمعہ میں ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''غاشیۃ'' ہمیشہ بلاناغہ تلاوت کی جاتی ہے تو اس طریقہ سے ہمیشہ ایک ہی طرح کی سورتیں نماز میں تلاوت کرتے رہنا کیسا ہے؟ حالاں کہ اس طرح کسی نماز کے لیے سورتیں مقرر کرنا مکروہ لکھا ہے، جیسا کہ امداد الفتاویٰ جلد ۱/۲۵۶ پر لکھا ہے:

سوال: جس طرح فرائض میں سورتیں متعین کرنا مکروہ ہے، نوافل میں بھی مکروہ ہیں، یا نہیں؟

الجواب: فرائض اور نوافل دونوں کا حکم یکساں ہے۔

---

(۱) عن أبی رافع قال: استخلف مروان أباهريرة على المدينة وخرج إلى مكة فصلى لنا أبوهريرة يوم الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فى الركعة الآخرة إذا جاءك المنافقون، قال: فأدركت أباهريرة حين انصرف فقلت له إنك قرأت بسورتين كان على بن أبى طالب يقرأ بهما بالكوفة، فقال أبوهريرة: إنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بهما يوم الجمعة.

عن نعمان بن بشير قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ فى العيدين والجمعة بسبح اسم ربك الأعلى وهل أتاك حديث الغاشية. (صحيح لمسلم، فصل فى قراءة سورة الجمعة: ۱/۲۸۷-۲۸۸، قديمى، انيس)

(۲) البحر الرائق: ۲/۱۵۷

(۳) عن أبى هريرة قال: كان النبى صلى الله عليه وسلم يقرأ فى الفجر يوم الجمعة "الم تنزيل" و "هل أتك على الانسان". (صحيح البخارى، باب ما يقرأ فى صلاة الفجر يوم الجمعة: ۱/۱۲۲، قديمى، انيس)

فی الهندية: ويكره أن يوقت شيئاً من القرآن لشئ من الصلوات. (۱)

اسی طرح احسن الفتاویٰ: ۳/۸۰ میں ''سنت فجر اور وتر میں متعین سورتیں پڑھنا'' کے جواب میں مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ اگر سورۂ غیر ماثورہ بغرضِ سہولت، یا سورۂ ماثورہ بنیت تبرک اختیار کرتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں؛ مگر اس کو لازم نہ سمجھے اور کبھی کبھی اس کو ناغہ کر دینا بہتر ہے؛ البتہ وتر کی امامت میں ان سورتوں پر دوام مکروہ ہے؛ اس لیے کہ اس سے ناواقف کو شبۂ وجوب ہوسکتا ہے؛ اسی لیے فرائض کی امامت میں بھی کسی مخصوص سورت پر دوام مکروہ ہے۔

آگے صفحہ: ۸۱ پر بروزِ جمعہ فجر میں سورۂ سجدہ پڑھنا کے سوال کے جواب میں لکھا ہے: نماز فجر میں جمعہ کے روز پہلی رکعت میں سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر پڑھنا فی نفسہ مستحب ہے؛ لیکن اس پر مداومت مکروہ ہے؛ تا کہ عوام اس کو واجب نہ سمجھنے لگیں۔ آج کل ائمہ مساجد نے اس امر کو بالکل ہی ترک کر رکھا ہے۔ یہ غفلت ہے اور اس کی اصلاح لازم ہے۔

قال في الدر: (ويكره التعيين) كالسجدة و ﴿هل أتىٰ﴾ لفجر كل جمعة بل يندب قراءتهما أحيانا، إلخ. (۲)

ان وجوہات کی بنا پر ہمارے یہاں اس کی اصلاح ضروری ہے، یا نہیں؟ ہمارے یہاں امام ہر وقت بدلتے ہیں، قرأت نہیں بدلتی، اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں میں یہی سورتیں پڑھی جائیں گی، جو ایک طرح کا متعین کرنا ہی ہوا۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً ومسلماً

نماز میں کسی سورت کو متعین کر لینا مکروہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں اس سورت کو اس طرح یقینی واجب سمجھ لے کہ اس کے سوا اور سورت کو ناجائز، یا مکروہ سمجھے، نیز معین کر لینے سے باقی قرآن کا چھوڑنا اور معینہ سورت کے افضل ہونے کا وہم لازم آتا ہے؛ لیکن اگر آسانی کے واسطے کوئی سورت مقرر کر لے، یا جو سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی ہے، اس کو تبرکاً پڑھا کرے، مثلاً: جمعہ کے روز کی نماز فجر میں پہلی رکعت میں الم سجدہ اور دوسری میں سورۂ دہر پڑھا کرے تو اس میں کراہت نہیں؛ لیکن اس میں بھی شرط ہے کہ اس کے سوا کبھی کبھی اور سورت بھی پڑھا کرے؛ تا کہ کوئی ناواقف یہ نہ سمجھ لے کہ اس کے سوا اور کوئی سورت جائز نہیں۔ (عمدۃ الفقہ: ۲/۱۱۸)

علامہ شامیؒ نے ''درمختار'' کی اس عبارت کی شرح میں جو آپ نے احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے نقل کی ہے، تفصیلی بحث فرما کر یہی ثابت کیا ہے۔

وقيد الطحاوي والاسبيجابي الكراهة بما إذا رأى ذلك حتما لايجوز غيره، أما لو قرأه للتيسير عليه أوتبركا بقراءته عليه الصلاة والسلام فلا كراهة؛ لكن بشرط أن يقرأ غيرها أحياناً

(۱) الفتاویٰ الهندية، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۸۷/۱، انيس

لئلا يظن الجاهل أن غيرها لايجوز،الخ. (۱)

خلاصہ یہ ہوا کہ علت کراہت دوامور میں سے ایک ہے:

(۱) اس کو یقینی اور واجب سمجھ کر پڑھنا۔

(۲) کسی جاہل وناواقف کا یہ سمجھ لینے کا اندیشہ کہ اس کے علاوہ اور کوئی سورت جائز نہیں۔

وأقول: حاصل معنى كلام هٰذين الشيخين بيان وجه الكراهة في المداومة وهو أنه إن رأى ذلك حتماً يكره من حيث تغيير المشروع وإلا يكره،من حيث إيهام الجاهل،الخ. (۲)

ہمارے یہاں امام بدلتا ہے اور ہر امام اس بات سے واقف ہے کہ یہ قرأت مسنون وماثور ہے، واجب نہیں ہے؛ اس لیے کراہت کی پہلی علت مفقود ہے؛ نیز چوں کہ امامت کا فریضہ انجام دینے والے وہ طلبہ ہیں، جن کو فرائض امامت کی ادائیگی کے لیے تربیت دی جارہی ہے، اگر ابھی انہوں نے اس کا اہتمام نہ کیا تو آئندہ جہاں فریضہ امامت انجام دیں گے، سال میں ایک مرتبہ بھی وہ یہ قرأت نہیں کریں گے، جیسا کہ عام طور پر مشاہدہ ہے، جیسا کہ علامہ ابن الہمامؒ (شارح ہدایہ) نے تحریر فرمایا ہے:

وفي فتح القدير؛لأن مقتضى الدليل عدم المداومة،لا المداومة على العدم كما يفعله حنفية العصر. (۲) (یعنی دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیشہ نہ پڑھا جائے (بلکہ گاہے نہ پڑھے) نہ کہ ہمیشہ نہ پڑھا جائے، جیسا کہ دورِ حاضر کے احناف کررہے ہیں)۔

کراہت کی دوسری علت ''ایہام جاہل'' بھی یہاں مفقود ہے؛ اس لیے کہ مقتدیان بحمد اللہ تعالیٰ مسائل سے واقف ہیں۔

ہمارے اکابر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ کے متعلق سنا کہ خود بھی اس سنت کا اہتمام فرماتے تھے اور اگر کوئی امام نہ پڑھتا تو تنبیہ فرماتے تھے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کو احقر نے خود دیکھا کہ اس سنت کا اہتمام کراتے تھے، ویسے ہمارے یہاں بھی گاہے بعض امام دوسری قرأت کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

نوٹ: حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ سے متعلق الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر کا اقتباس الگ سے نقل کیا گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام تھا، فجر میں طوال مفصل، عشا میں اوساط، مغرب میں قصار، بارہا ایسا ہوا کہ عشا میں کسی جگہ امام نے اوساط کو ترک کر کے قصار میں سے، یا کہیں اور سے قرأت کی نماز ختم ہوتے ہی فوراً تنبیہ فرماتے، اگر کہیں خلاف سنت قرأت ہوتی، اس سے منقبض ہوا کرتے، کبھی کبھی اس ترک سنت پر اظہار ناراضگی بھی فرمایا کرتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ الم سجدہ اور دوسری رکعت میں سورۂ دہر تلاوت فرمایا کرتے تھے، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۃ اعلی اور دوسری

(۱-۳) رد المحتار،فصل في القراءة،مطلب السنة تكون سنة عين وسنة كفاية: ۵٤٤/۱،دار الفكر بيروت،انيس

رکعت میں سورۂ غاشیہ کا معمول تھا۔ احقر راقم الحروف کو زمانہ طالب علمی کے آٹھ سال اور رفاقت سفر کے ڈھائی سال، دس سال سے زیادہ کی مدت میں ایک مرتبہ بھی یاد نہیں پڑتا کہ بغیر کسی عذر قوی کے جمعہ کی فجر میں سورۂ سجدہ تلاوت نہ فرمائی ہو، اسی طرح جمعہ کی نماز میں پہلی رکعت میں سورۂ اعلیٰ اور دوسری میں غاشیہ ترک فرمائی ہو، سفر میں بھی اگر ممکن ہوتا تو اسی پر عمل فرمایا کرتے تھے۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ۱۵۳) (محمود الفتاویٰ: ۵۱۵/۱، ۵۱۹)

نمازِ جمعہ میں سورۂ ضحیٰ اور الم نشرح:

سوال: ہمارے محلّہ کی جامع مسجد میں امام صاحب ہمیشہ نمازِ جمعہ کی پہلی رکعت میں سورہ ''الضحیٰ'' اور دوسری رکعت میں ''الم نشرح'' کی تلاوت کرتے ہیں، حالاں کہ مذکورہ امام صاحب حافظ وقاری ہونے کے ساتھ ساتھ شہر کے ایک ممتاز عالم دین بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں ''لحن خاص'' عطا کیا ہے، جسے سننے کے لیے شہر کے مختلف مقامات سے لوگ اسی جامع مسجد میں آتے ہیں؛ لیکن امام صاحب مذکورہ بالا چھوٹی چھوٹی دو سورتوں میں رکعت ختم کردیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ایک حافظ قرآن کے لیے نماز میں اس طرح سورتوں کو مخصوص کرنا شرعا درست ہے؟ اگر ہے تو مذکورہ بالا دو سورتوں کی نماز جمعہ میں کیا افضلیت ہے؟　　(محمد عارف ضیاءؔ غیرہ، ورنگل)

الجواب

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جمعہ میں **''سبح اسم ربک الأعلی''** اور **''هل أتاک حديث الغاشية''** پڑھا کرتے تھے''۔(۱) اس لیے بہتر ہے کہ زیادہ تر یہ سورتیں جمعہ میں پڑھی جائیں؛ لیکن کبھی کبھی ان کے بجائے دوسری سورتیں بھی پڑھ لینی چاہیے؛ تا کہ لوگ جمعہ میں انہی سورتوں کی تلاوت واجب نہ سمجھ بیٹھیں، اس مصلحت کی بنا پر فقہاء حنفیہ نے انہی سورتوں کے التزام کو منع کیا ہے، نماز میں قرأت قرآن کے سلسلہ میں فقہا نے یہ بھی لکھا ہے کہ مستحب مقدار سے اتنی زیادہ نہیں پڑھی جائے کہ لوگوں پر بوجھ ہو۔(۲) اس کی بھی رعایت ضروری ہے کہ مثلاً کسی مسجد میں ملازم پیشہ لوگ جمعہ پڑھتے ہوں تو اتنی قرأت کرنی چاہیے کہ دفتر کی طرف سے انہیں جتنی مہلت دی گئی ہے، اس کے اندر ہی نماز ختم ہوجائے۔

رہ گیا مذکورہ امام صاحب کا ہمیشہ نمازِ جمعہ میں ''سورہ ضحیٰ'' اور ''الم نشرح'' پڑھنا تو یہ بہتر نہیں؛ کیوں کہ جمعہ میں خاص ان سورتوں کا اہتمام حدیث سے ثابت نہیں، گاہے گاہے پڑھ لیں تو مضائقہ نہیں، ویسے جمعہ میں کسی قدر طویل قرأت؛ یعنی فجر کی مقدار کے قریب قرآن پڑھنا بہتر ہے۔(۳) (کتاب الفتاویٰ: ۴۳/۳-۴۵)

---

(۱)　سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۱۲۵

(۲)　ولا يزيد على القراءة المستحبة ولا يثقل على القوم ولكن يخفف بعد أن يكون على التمام. (الفتاویٰ الهندية، الباب الرابع في صفة الصلاة في فصل الرابع في القراءة: ۷۸/۱، انیس)

(۳)　أما بيان مقدارها فمقدارها ركعتان عرفنا ذلک بفعل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وأصحابه رضي اللّٰه عنهم ==

جمعہ کی نماز میں لمبی قرأت کرنا:

سوال: جمعہ کی نماز میں بہت سے افراد ایسے بھی آجاتے ہیں، جو کہ بیمار ہوں، یا معذور ہوں، اس کے علاوہ بھی بہت سی مجبوریاں ہوسکتی ہیں۔ جمعہ کے روز یہاں ایک امام صاحب نماز کی امامت کرتے ہیں؛ لیکن خدا معلوم کہ کس مضمون کے پروفیسر ہیں کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ امامت کے کیا آداب ہیں؟ قرأت کے فن سے قطعی ناواقف ہونے کے باوجود لمبی قرأت فرماتے ہیں اور جس انداز سے پڑھتے ہیں، مجھے نہیں معلوم کہ میری نماز ہوتی ہے، یا نہیں؟ کیوں کہ ان کے غلط پڑھنے اور لمبی لمبی سورتیں غلط انداز سے زیر زبر کی غلطیوں کے ساتھ پڑھنے سے میرا ذہن بہت اُلجھتا ہے۔ جمعہ کی نماز میں باہر صحن میں گرمی اور وہ بھی شدید نوعیت کی، لوگ کھڑے ہیں، وہ لمبی سورتیں پڑھنے کی کوشش فرماتے ہیں، ایک دن تو میرے سامنے ایک بڑے صاحب چکرا کر گر گئے۔ کیا ایسے امام صاحب کے سمجھانے کا کوئی طریقہ ہے؟ حدیثِ نبوی کی روشنی میں فرمائیں کہ نمازِ جمعہ کے لیے کیا حکم ہے؟ اور غلط قرآن پڑھنے کا کیا عذاب ہے؟ اور اس کا کون ذمہ دار ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

غلط پڑھنے والے کی امامت جائز نہیں،(۱) اور نماز میں بیماریوں، کمزوروں کی رعایت کرنے کا حکم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے کہ جو شخص امام ہو، وہ نماز ہلکی پڑھائے؛ کیوں کہ ان میں کوئی بیمار ہوگا، کوئی کمزور ہوگا، کوئی حاجت مند ہوگا۔ (۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۴۶/۴)

جمعہ کی نماز میں مسنون قرأت:

سوال: جمعہ کی نماز میں کون کون سی سورت کی قرأت مسنون ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

جمعہ کی دونوں رکعتوں میں وہی قرأت مسنون ہے، جو ظہر کی رکعتوں میں مسنون ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

== ... وعليهم اجماع الأمة وينبغي للامام أن يقرأ في كل ركعة بفاتحة الكتاب وسورة مقدار ما يقرأ في صلاة الظهر. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة، فصل في بيان مقدارها: ۲٦٩/١، دارالكتب العلمية بيروت، انيس)

(۱) إذا أم أمي اميا وقارئا فصلاة الجميع فاسدة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (الفتاویٰ الهندية، الباب الخامس في الامامة في الفصل الثالث في بيان من يصلح إمام لغيره: ٨٤/١، انيس)

(۲) عن أبي مسعود الأنصاري قال: قال رجل: يا رسول الله! لا أكاد أدرك الصلاة مما يطول بنا فلان، فما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم في موعظة أشد غضبا من يومئذ، فقال: أيها الناس إنكم منفرون فمن صلى بالناس فليخفف، فإن فيهم المريض، والضعيف، وذا الحاجة. (صحيح البخاري، باب الغضب في الموعظة والتعليم، رقم الحديث: ۹۰، انيس)

سے سورۂ جمعہ، منافقون، سبح اسم ربک الاعلی اور سورۂ غاشیہ پڑھنا بھی ثابت ہے؛ مگر اس کو مستقل معمول نہ بنائے؛ تا کہ عام لوگ اسے واجب نہ سمجھیں۔

وفي التحفة وغيرها: يقرأ فيهما قدر ما يقرأ في الظهر؛ لأنهما بدل منه وإن قرأ بسورة الجمعة وإذا جاءك المنافقون أو بسبح إسم ربك الأعلى وهل أتك حديث الغاشية، تبركاً بالماثورة عنه عليه الصلاة والسلام على ما مر في صفة الصلاة كان حسناً لكن يتركه أحياناً لئلا يتوهم العامة وجوبه. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۱۰/۴/۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۳/۳)

امام کے لیے نماز جمعہ میں آیت سجدہ پڑھنے کا حکم:

سوال: کیا عام نمازوں کی طرح جمعہ کی نماز میں بھی امام ایسی آیت پڑھ سکتا ہے، جس میں سجدہ تلاوت ہو؟

الجواب ــــــــــــــــ

جمعہ میں نہ پڑھے۔ فقط

ويكره للامام أن يقرأها في مخافتة ونحو جمعة وعيد، آه. (الدر المختار)

(قوله: ويكره للإمام) لأنه إن ترك السجود لها فقد ترك واجبًا وإن سجد يشتبه على المقتدين شرح المنية، آه. (۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۹/۱۲/۱۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۵/۳)

نماز جمعہ سے قبل الصلوٰۃ قبل الجمعہ کہنا خلاف سنت ہے:

سوال: بروز جمعہ قبل از وقت چہار رکعت سنت قبل الجمعہ پڑھنے کے لیے مؤذن کا الصلوٰۃ قبل الجمعۃ وغیرہ کہہ کر صلوٰۃ بولنا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۱۲۸۳، محمد گھوڑو خاں صاحب (ضلع دھارواڑ) ۱۹/شوال ۱۳۵۵ھ، م ۳/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب ــــــــــــــــ

نماز جمعہ سے پہلے الصلوٰۃ قبل الجمعۃ پکارنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانہ میں نہیں تھا اور نہ ائمہ مجتہدین نے اس کا حکم دیا؛ اس لیے یہ رواج سنت کے خلاف ہے، اسے ترک کرنا لازم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۱/۳)

---

(۱) غنية المستملي، فصل في صلاة الجمعة، ص: ٥٦١، انيس

(۲) رد المحتار، قبيل باب صلاة المسافر: ١٢٠/٢، دار الفكر بيروت، انيس

یوم جمعہ بوقت زوال سنن ونوافل کی اجازت ہے:

سوال: جمعہ کے دن زوال ہوتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۳۲۵، حافظ محمد صدیق صاحب (سہار نپور) ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۵۷ھ، ۱۹/جون ۱۹۳۸ء)

الجواب

زوال جمعہ کے روز بھی ہوتا ہے؛ مگر اس دن بعض فقہاء نے زوال کے وقت نوافل وسنن پڑھنے کی اجازت دی ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۱/۳)

قبل از جمعہ سنتیں مؤکدہ ہیں، یا نہیں؟ اور بعد جمعہ چار سنتیں مؤکدہ ہیں، یا دو:

سوال: جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، یا نہیں؟ اور بعد کی سنتوں میں سے چار مؤکدہ ہیں، یا دو، یا سب؟

الجواب

جمعہ کی پہلی سنتیں مؤکدہ ہیں، کذا فی الدر المختار اور بعد کی چار مؤکدہ ہیں، کذا فی الدر المختار۔(۲)

(امداد الفتاویٰ جدید: ۶۷۸/۱۔۶۷۹)

نماز جمعہ اور اس کی سنتیں:

سوال: نماز جمعہ فرض ہے، یا واجب؟ اور جمعہ میں کل کتنی رکعتیں ہیں؟　　(محمد حسنین، مہدی پٹنم)

الجواب

جمعہ کی نماز فرض عین ہے، یہاں تک کہ اس کا انکار باعثِ کفر ہے۔

الجمعة (هی فرض) عین (یکفر جاحد ها). (۳)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جمعہ سے پہلے چار رکعت اور جمعہ کے بعد بھی چار رکعت پڑھا کرتے تھے؛(۴)

---

(۱) (وكره) تحريماً وكل ما لا يجوز مكروه (صلاة) مطلقاً (ولو) قضاء أو واجبة أو نفلاً أو علىٰ جنازة وسجدة تلاوة و سهو) لا شكر (مع شروق) ... (واستواء) إلا يوم الجمعة علىٰ قول الثانى المصحح المعتمد. (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار: ۳۷۰/۱، ط: سعيد)

وروى عن أبى يوسف وهى رواية المشهورة عنه أنه جوز التطوع وقت الزوال يوم الجمعة. (الحلبى الكبير، شرائط الصلاة، الشرط الخامس، ص: ۲۳۷، سهيل اكادمى لاهور)

(۲) (وسن) مؤكدا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة). (الدر المختار، باب الوتر والنوافل: ۹۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۳) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب الجمعة: ۱۳۶/۲، دار الفكر بيروت، انيس

(۴) عن ابن عباس قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعاً وبعدها أربعاً. (المعجم الكبير، أحاديث عبد الله بن مسعود: ۱۲۹/۱۲، انيس)

اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جمعہ سے پہلے اور جمعہ کے بعد چار چار رکعتیں سنت ہیں۔ بعض روایتوں میں جمعہ کے بعد چار کے علاوہ مزید دو رکعتوں کا ذکر ہے؛ اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے دونوں ممتاز تلامذہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ جمعہ کے بعد چھ رکعت سنت کے قائل ہیں اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ عمل ثابت ہے؛ اس لیے بہتر ہے کہ جمعہ کے بعد چھ رکعتیں ادا کی جائیں، گویا فریضۂ جمعہ اور اس سے متعلق پہلے اور بعد کی سنتیں ملا کر ۱۲/ رکعتیں ہو جاتی ہیں۔

(کتاب الفتاویٰ: ۳/ ۳۷-۳۸)

جمعہ کی سنتوں کا حکم:

سوال: جمعہ کی نماز میں جمعہ کے دو فرضوں کے قبل کی سنتیں اور فرضوں کے بعد کی سنتوں اور نوافل میں قبل جمعہ، یا بعد جمعہ کس طرح نیت باندھی جائے گی؟ یا صرف لفظ وقت جمعہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے؟ دیگر یہ کہ قبل کی سنت فوت ہو جائے تو بعد فرض ادا کس طرح کریں؟ اگر کرے تو کیا سب سنتوں کے بعد؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دونوں طرح صحیح ہے، نیت بندھ جائے گی، کوئی شق ضروری نہیں۔ (۱) اگر جمعہ کے قبل والی سنتیں رہ جاویں تو بہتر یہ ہے کہ بعد جمعہ کی سنت پڑھ کر پڑھیں۔ (۲) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور۔ (منتخبات نظام الفتاوی: ۱/ ۳۴۱)

بعد جمعہ سنت کی کتنی رکعت ہیں:

سوال: نماز جمعہ کے بعد کتنی سنت ہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

فقہاء حنفیہ جمعہ کے بعد چار سنت مؤکدہ لکھتے ہیں اور بعض روایات میں چھ رکعت آتی ہیں، لہٰذا احتیاط یہ ہے کہ چھ رکعت پڑھیں ورنہ چار ضرور پڑھیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/ ۱۶۹)

(۱) والنية: إرادة الصلاة للّٰه تعالىٰ على الخلوص. (البحر الرائق، باب شروط الصلاة بحث في النية: ۱/ ۴۸۰، دار الكتب العلمية بيروت، انيس)

(۲) (بخلاف سنة الظهر) وكذا الجمعة، (فانه) ان خاف فوت ركعة (يتركها) ويقتدى (ثم يأتي بها) علىٰ أنها سنة (في وقته) أي الظهر (قبل شفعة) عند محمد وبه يفتي. (الدر المختار علىٰ رد المحتار، باب إدراك الفريضة: ۲/ ۵۸، دار الفكر بيروت، انيس) (نیز تفصیل کے لیے دیکھئے: رد المختار، نفس صفحہ وبعدہ)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعده. (سنن الترمذي، باب منه قبيل باب ماجاء في الأربع قبل العصر: ۱/ ۹۷، رقم الحديث: ۴۲۶، قديمي، انيس)

(۳) وسن قبل الفجر وبعد الظهر والمغرب والعشاء ركعتان، وقبل الظهر والجمعة وبعدها أربع بتسليمة.

في حاشية شرح الوقاية: ذهب أبويوسف الىٰ أن المسنون بعد الجمعة ست ركعات. (شرح الوقاية مع عمدة الرعاية، باب الوتر والنوافل: ۱/ ۲۰۱، مير محمد كتب خانة كراچي، انيس)

خطبۂ جمعہ کے وقت نفل نماز:

سوال: جمعہ کے خطبہ کے وقت سنت، یا نفل پڑھنا صحیح ہے، یا نہیں؟ (محمد عمران، کنگ کوٹھی)

الجواب

تحیۃ المسجد کے سوا اور کوئی سنت، یا نفل خطبہ کے درمیان نہیں پڑھی جاسکتی، اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، البتہ تحیۃ المسجد کے بارے میں اختلاف ہے،(۱) بعض فقہا کے نزدیک خطبہ کے درمیان تحیۃ المسجد پڑھی جاسکتی ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک تحیۃ المسجد بھی مکروہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ کے درمیان کسی بھی کام سے منع فرمادیا جس سے خطبہ سننے میں حرج ہو۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۵۷)

خطبۂ جمعہ کے درمیان سنت جمعہ:

سوال: خطبۂ جمعہ شروع ہونے کے بعد کیا سنت پڑھنا درست ہے اور خطبۂ جمعہ سے پہلے جو بیان کیا جاتا ہے، کیا وہ بھی خطبہ میں شمار ہوگا؟ (خالد عبدالحسیب، ناندیڑ)

الجواب

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ جوں ہی امام خطبہ کے لیے نکلتا اس وقت سے ہی یہ حضرات نماز اور گفتگو کو ناجائز سمجھتے تھے۔

عن علی رضی اللّٰہ عنہ و ابن عباس و ابن عمر رضی اللّٰہ عنہم کانوا یکرھون الصلاۃ و الکلام بعد خروج الإمام. (۳)

اس لیے خطبہ شروع ہونے کے بعد تحیۃ المسجد، یا جمعہ کی سنت نہیں پڑھنی چاہیے۔ایک روایت حضرت سلیک غطفانی

---

(۱) جریٰ الخلاف فیما إذا دخل الرجل والخطیب یخطب،فقد ذھب الحنفیۃ و المالکیۃ إلیٰ أنہ یجلس ولا یصلی ... و ذھب الشافعي وأحمد إلیٰ أنہ یصلی رکعتین خفیفتین ما لم یجلس تحیۃ للمسجد.(الموسوعۃ الفقھیۃ الکویتیۃ: ۲۰۵/۲۷،صلاۃ الجمعۃ،الجھر بالقراء ۃ فی صلاۃ الجمعۃ،انیس)

(۲) أما محظورات الخطبۃ فمنھا:أنہ یکرہ الکلام حالۃ الخطبۃ،وکذا قراء ۃ القرآن،وکذا الصلاۃ،قال الشافعي:اذا دخل الجامع والامام فی الخطبۃ ینبغي أن یصلی رکعتین خفیفتین تحیۃ المسجد،احتج الشافعي بما روی عن جابر بن اللّٰہ رضی اللّٰہ عنہ أنہ قال: دخل سلیک الغطفانی یوم الجمعۃ والنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یخطب،فقال لہ:أصلیت؟قال لا ،قال:فصل رکعتین،أخرجہ البخاری،فقد أمرہ بتحیۃ المسجد حالۃ الخطبۃ،ولنا:قولہ تعالیٰ"فاستمعوا وأنصتوا" و الصلاۃ تفوت الاستماع والانصات فلا یجوز ترک الفرض لاقامۃ السنۃ،والحدیث منسوخ ... أوکان سلیک مخصوصاً بذلک واللّٰہ أعلم.(بدائع الصنائع،فصل فی بیان شرائط الجمعۃ: ۱۹۸/۲-۱۹۹،دارالکتب العلمیۃ بیروت،انیس)

(۳) نصب الرأیۃ بحوالہ مصنف ابن أبی شیبۃ،باب الجمعۃ: ۲۰۲/۲،انیس

رضی اللہ عنہ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خطبہ کے درمیان دو رکعت پڑھنے کا حکم دیا تھا؛(۱) لیکن یہ ایک استثنائی واقعہ ہے؛ کیوں کہ حدیث میں یہ بات بھی آئی ہے کہ جب تک وہ دو رکعت پڑھتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے رکے رہے۔(۲) پس یہ بات درست نہیں کہ خطیب خطبہ دینے میں مشغول ہو اور لوگ نفل پڑھنے میں کہ یہ آداب خطبہ کے خلاف ہے۔

خطبہ سے پہلے اردو زبان میں جو بیان ہوتا ہے، وہ خطبہ کے حکم میں نہیں، بیان کے دوران نماز پڑھی جاسکتی ہے، البتہ چوں کہ ان بیانات کی بڑی افادیت ہے اور اصلاح نفس میں ان بیانات سے بڑا نفع ہوتا ہے؛ اس لیے چاہیے کہ بیانات سے پہلے ہی سنت ادا کرلیں اور اگر بیان و خطبہ کے درمیان سنت کے لیے وقت دیا جائے تو توجہ کے ساتھ سنیں اور وقفہ میں سنت ادا کریں۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۵۸)

بعد جمعہ سنت مؤکدہ کی تعداد:

سوال: جمعہ کی فرض نماز کے بعد چار رکعات سنت مؤکدہ ہے، یا چھ رکعات؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چار رکعت ہے اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک چھ رکعت۔ بہتر ہے کہ چھ رکعت پڑھ لی جائے؛ تاکہ سب کے قول پر عمل ہوجائے۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد نعمت اللہ قاسمی (فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۵۰۸)

جمعہ کے بعد کی سنتیں:

سوال: بہت سے لوگ جمعہ کی فرض پڑھ کر مسجد سے باہر نکل جاتے ہیں اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں تو جمعہ کے بعد کی سنتوں کا کیا حکم ہے؟ (قادر خان نصیر، دھرم آباد)

الجواب ــــــــــــــــ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز کے بعد سنت ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس کی تلقین بھی فرمائی تھی،(۴) اسی پر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی عمل تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن

---

(۱) دیکھئے: سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۱۱۱۶، باب إذا دخل الرجل والإمام يخطب

(۲) ولأصحابنا عنه جوابان: أحدهما أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنصت له حتیٰ فرغ من صلاته. (نصب الرأية بحواله السنن الدارقطنی، باب الجمعة: ۲/۲۰۳)

(۳) (والسنة قبل الجمعة أربع وبعدها أربع) ... (وعند أبی یوسف) ... السنة بعد الجمعة (ست) رکعات وهو مروی عن علی رضی اللّٰه عنه والأفضل أن یصلی أربعاً ثم رکعتین للخروج عن الخلاف. (غنية المستملی، فصل فی النوافل، ص: ۳۸۸-۳۸۹)

(۴) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۵۲۱-۵۲۳، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

عمر رضی اللہ عنہ جمعہ کے بعد پہلے دو رکعت، پھر چار رکعت پڑھا کرتے تھے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صرف چار رکعت پڑھنا ثابت ہے،(۱) لہذا بہتر تو یہ ہے کہ چھ رکعت سنت ادا کی جائے، چناں چہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی یہی رائے ہے اور اگر کسی وجہ سے اتنا موقع نہ ہو تو کم سے کم چار رکعت سنت پڑھ لی جائے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے؛ کیوں کہ یہ سنت ظہر کی نائب ہے، لہٰذا اس کی حیثیت بھی سنت مؤکدہ کی ہے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۶۴) ☆

سنت جمعہ کے درمیان خطبہ شروع ہو جائے:

سوال: اگر کوئی شخص سنتِ مؤکدہ پڑھ رہا ہو اور جمعہ کا خطبہ شروع ہو جائے تو کیا سماعتِ خطبہ کے لیے سنت کو چھوڑ دینا چاہیے؛ کیوں کہ خطبہ واجب ہے اور یہ نماز سنت، یا سنت کو پورا کرنا چاہیے؟ (خان فیروز خان، نظام آبادی)

الجواب ــــــــــــــــــــ

سنت شروع کرنے کے بعد خطبہ شروع ہو تو صحیح یہی ہے کہ سنت کو پورا کرلے اور توڑے نہیں:

''إذا شرع في الأربع قبل الخطبة ثم افتتح الخطبة أو الأربع قبل الظهر ثم أقيمت هل يقطع علىٰ رأس الركعتين) تكلموا فيه والصحيح أنه يتم ولا يقطع''.(۳)

یہ شبہ نہ ہونا چاہیے کہ خطبہ واجب اور یہ نماز سنت ہے؛ کیوں کہ نفل نماز بھی شروع کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے؛ اس لیے اس صورت میں ایک واجب ہی کے لیے دوسرے واجب کو چھوڑ رہا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۴۱)

جمعہ میں فرض وسنت کی نیت:

سوال: نمازِ جمعہ کے فرض وسنت اور نفل وغیرہ سب جمعہ کی نیت سے پڑھیں گے؟ یا سنتیں پڑھتے وقت نمازِ ظہر کی نیت کیا جائے؟ (محمد سلطان، محبوب نگر)

---

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ۵۲۳، باب في الصلاة قبل الجمعة وبعدها

(۲) دیکھئے: الجوهرة النيرة: ۱/۱۱۱

☆ **جمعہ بعد کتنی سنتیں ہیں اور کس ترتیب سے:**

سوال: نماز جمعہ میں فرضوں کے بعد چار سنتیں پڑھے یا چھ اگر چھ پڑھے تو پہلے دو پڑھے یا چار؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

چھ بہتر ہیں چار پہلے اور دو پیچھے ((وسن) مؤكداً (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع بعدها بتسليمة). (الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب النوافل: ۱/ ۶۳۰)/ ذكر في الاصل وأربع قبل الجمعة وأربع بعدها، كذا ذكر الكرخي وذكر الطحاوي عن أبي يوسف أنه قال: يصلي بعدها ستاً ... قال أبو يوسف ينبغي أن يصلي أربعاً ثم ركعتين. (بدائع الصنائع، كتاب الصلاة: ۱/ ۲۸۵، ظفير) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۵۱)

(۳) البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۲/ ۲۷۱

الجواب ــــــــــــــــــــــــ

پہلے تو یہ بات ذہن میں رکھیں کہ نیت اصل میں دل کے پختہ ارادہ کا نام ہے،نیت کے لیے زبان سے اظہار ضروری نہیں،جب آپ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد گئے اور نماز پڑھنے کی غرض سے کھڑے ہوئے اور آپ کی ایسی کیفیت ہے کہ کوئی شخص آپ سے پوچھ لے کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں؟ تو آپ بلا تأمل جواب دے سکیں کہ میں نمازِ جمعہ ادا کر رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نمازِ جمعہ کی نیت آپ کے دل میں موجود ہے،بس اسی قدر کافی ہے۔ بہر حال جمعہ کے لیے جمعہ ہی کی نیت کرنا ضروری ہے۔مشہور حنفی فقیہ علامہ حلبیؒ فرماتے ہیں:

"وكذا ينوى صلاة الجمعة وصلاة العيد أى يشترط فيها التعيين". (۱)

سنتوں کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اس کے درست ہونے کے لیے متعین طور پر اس کی نیت کرنا ضروری نہیں،آپ جمعہ کی سنت کی نیت کرلیں،نفل کی نیت سے پڑھ لیں،یا صرف نماز کی نیت کرلیں،کافی ہے۔علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

"والصحيح المعتمد عدم الاشتراط،وعندنا تصح بنية النفل وبمطلق النية". (۲)

البتہ سنت ظہر کی نیت نہ کرے،یہ بہتر ہے۔نفل نمازوں کے بارے میں اتفاق ہے کہ محض نماز کی نیت کر لینا ہی کافی ہے۔(۳) (کتاب الفتاویٰ:۳/۶۴-۶۵)

جمعہ سے قبل چار رکعت کا حکم:

سوال: جمعہ سے قبل سنت پڑھنا کیسا ہے؟اس سلسلہ میں تفصیلی جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

جمعہ سے قبل چار رکعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔فقہا کرام اس کی سنیت ہونے کی صراحت کرتے ہیں اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ سے پڑھنا بھی ثابت ہے۔درمختار میں ہے:

(وسن) مؤكدًا (أربع قبل الظهر و) أربع قبل (الجمعة و) أربع (بعدها بتسليمة)(۴)

علامہ شامی نے ابن ماجہ کے حوالہ سے عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعات ایک سلام سے پڑھتے تھے۔

"وروى ابن ماجة باسناده عن ابن عباس قال:كان النبى صلى الله عليه وسلم يركع قبل الجمعة أربعًا لا يفصل فى شىء منهن". (۵)

---

(۱) الكبيرى،فصل فى الشرائط،الشرط السادس،ص:۲۴۹،انيس
(۲) الأشباه والنظائرمع الحموى،القاعدة الثانية الأمور بمقاصدها:۱/۱۲۰،ط:كراچى
(۳) الأشباه والنظائرمع الحموى:۱/۱۲۰،ط:كراچى
(۴) الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب النوافل:۲/۱۲،دارالفكر بيروت،انيس
(۵) سنن ابن ماجة،رقم الحديث:۱۱۱۶/ردالمحتار،كتاب الصلاة:۲/۱۳،دار الفكر بيروت،انيس

نیز علامہ شامی نے طحاوی، ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کے حوالہ سے حضرت ابوایوب انصاری کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے، میں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کون سی نماز ہے، جس پر آپ مداومت فرماتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فضیلت بیان فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ گھڑی ہے، جس میں آسمان کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں؛ اس لیے میں یہ پسند کرتا ہوں کہ میرے نیک اعمال اس وقت بارگاہ الٰہی میں لے جائے جائیں۔ ابوایوب نے پوچھا کہ کیا چاروں رکعت میں قرأت ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں، پھر پوچھا کہ ایک سلام سے ہے، یا دو سلام سے؟ تو جواب ملا کہ ایک سلام سے۔ (۱)

اس روایت سے زوال کے بعد چار رکعت پڑھنے کی فضیلت معلوم ہوئی اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مداومت کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوا، اس میں ظہر اور جمعہ کی کوئی تفریق نہیں ہے؛ اس لیے ظہر کی طرح جمعہ سے قبل بھی چار رکعت پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ (۲)

مشکوۃ شریف کے حاشیہ پر محشی نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمعہ سے قبل اور جمعہ کے بعد چار، چار رکعت پڑھنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

"وقد ورد في آحاديث ثابتة أنه عليه السلام كان يصلي قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعًا". (۳)

حدیث رسول **"عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من كان منكم مصليًا بعد الجمعة فليصل أربعًا".** (۴) سے بعض شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمعہ سے قبل سنت پڑھنا ثابت نہیں ہے؛ بلکہ بعض نے تو اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری نے تو ان کی زبردست تردید کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ یہ نماز بدعت کیسے ہوسکتی ہے، جب کہ صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے، جیسا کہ حافظ عراقی نے اس کو پوری طرح تحقیق کے بعد ثابت کیا ہے کہ **"وأخذ من مفهوم هذا الحديث**

---

(۱) عن أبي أيوب كان يصلي النبي صلى الله عليه وسلم بعد الزوال أربع ركعات، فقلت: ما هذه الصلاة التي تداوم عليها؟ فقال هذه ساعة تفتح أبواب السماء فيها، فأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح، فقلت: أ في كلهن قراءة؟ قال نعم، فقلت: بتسليمة واحدة أم بتسليمتين؟ فقال بتسليمة واحدة. (رد المحتار، باب الوتر والنوافل، مطلب في السنن والنوافل: ۱۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

عن عبد الله بن السائب أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي أربعاً بعد أن تزول الشمس قبل الظهر، فقال: إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح. (جامع الترمذي، باب ما جاء في الصلاة عند الزوال: ۱۰۸/۱، رقم الحديث: ٤٧٨، قديمي، انيس)

(۲) ردالمحتار: ٤٥١/٢

(۳) حاشية مشكوة المصابيح، باب السنن وفضلها: ١٠٤/١، رقم الحاشية: ٣، قديمي، انيس

(۴) صحيح لمسلم، فصل في استحباب أربع ركعات أو ركعتين بعد الجمعة: ٢٨٨/١، قديمي، انيس

بعض الشافعية أنه لا سنة للجمعة قبلها وابتدع بعضهم فقال: الصلاة قبلها بدعة كيف وقد جاء باسناد جيد كما قال الحافظ العراقى أنه عليه السلام كان يصلى قبلها أربعًا". (۱)

نیز عبداللہ بن مسعودؓ کا عمل امام ترمذی نے جمعہ سے قبل چار رکعات پڑھنے کا نقل کیا ہے:

"وروى عن عبد الله بن مسعود أنه كان يصلى قبل الجمعة أربعًا وبعدها أربعًا". (۲)

اور ظاہر سی بات ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی رسول خلاف سنت کوئی کام نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ بدعت کے مرتکب ہوں۔ ترمذی کے محشی نے اس روایت پر بہت اچھی بحث کی ہے اور جامع الاصول کے حوالہ سے ثعلبہ بن ابی مالک القرطبی کی روایت نقل کی ہے کہ مسلمان حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں جمعہ کے دن خطبہ سے قبل نماز پڑھا کرتے تھے۔ نیز مسلم شریف کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت پیش کی ہے، جس میں جمعہ کے دن غسل اور جمعہ سے قبل نماز پڑھنے کی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ نیز جمع الجوامع کے حوالہ سے امام سیوطی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ سے قبل لمبی نماز پڑھا کرتے تھے۔ (۳)

ان تمام روایات سے جمعہ سے قبل نماز پڑھنے کی فضیلت اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے نماز پڑھنے کا ثبوت معلوم ہو رہا ہے، لہذا جمعہ سے قبل پڑھنے کو بدعت اور خلاف سنت قرار دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جمعہ سے قبل چار رکعات پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، اس کو بلا عذر ترک نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جنید عالم ندوی قاسمی، ۱۷؍شعبان ۱۴۱۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۴-۵۰۷) ☆

---

(۱)　مرقاة المفاتيح، باب السنن وفضلها: ۱۱۳/۲

(۲)　جامع الترمذی، باب ما جاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱۱۷/۱-۱۱۸، قديمى، انيس

(۳)　اعلم أن فی جامع الأصول عن ثعلبة ابن أبی مالک القرطبی أنه قال كانوا فی زمن عمربن الخطاب رضی الله عنه يصلون يوم الجمعة قبل الخطبة ... وفی الصحيح لمسلم عن أبی هريرة من اغتسل ثم أتی الجمعة فصلّٰی ما قدرله ثم انصت حتّٰی يفرغ من خطبته ثم يصلی معه غفرله ما بينه وبين الجمعة الأخرٰی وفضل ثلاثة أيام أورد السيوطی فی جمع الجوامع من كان مصلياً يوم الجمعة فليصل قبلها أربعاً وبعدها أربعاً. (حاشية الترمذی، أبواب الجمعة، باب ماجاء فی الصلاة قبل الجمعة وبعدها: ۱۱۸/۱، قديمى، انيس)

☆ نمازِ جمعہ کی سنتوں کی نیت کس طرح کریں:

سوال: نماز جمعہ جو کہ ظہر کے لیے قائم مقام ہے، اس میں پہلی چار سنت کی نیت کس طرح پڑھی جائے گی؟ نیت میں وقت کا نام جمعہ کا لیا جائے گا کہ ظہر کا؟ اسی طرح جمعہ کے دو فرض کے بعد جو چار سنت، دو سنت اور دو نفل ہیں، ان کی نیت بھی پڑھتے وقت اس میں وقت کا نام جمعہ کا لینا ہوگا، یا نہیں؟ اس کی بھی صحیح نیت کا طریقہ لکھیں؟

الجواب

جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں، سنتِ جمعہ ہی کہلاتی ہیں، سنتِ جمعہ ہی کی نیت کی جاتی ہے، ویسے سنت مطلق نماز کی نیت سے بھی ادا ہو جاتی ہے، اس میں وقت کا نام لینا بھی ضروری نہیں۔ (وكفٰى مطلق نية الصلاة) وان لم يقل لله) (لنفل وسنة راتبة (وتراويح) على المعتمد اذ تعيينها بوقوعها وقت الشروع۔ (الدر المختار)　==

کیا سننِ جمعہ کے لیے تعین ضروری ہے:

سوال: سننِ جمعہ کے لیے تعینِ جمعہ کو آپ نے ضروری تحریر فرمادیا ہے، حالاں کہ کتبِ فقہ میں تصریح موجود ہے کہ سنن نماز کے لیے مطلق نیت کافی ہے۔ آپ بمع حوالہ وضاحت کیجئے؟

الجواب

تعینِ جمعہ کو میں نے ضروری نہیں لکھا، سائل نے یہ پوچھا تھا کہ جمعہ کی سنتوں میں نیت ظہر کی کی جائے، یا سنتِ جمعہ کی؟ اس کے جواب میں لکھا تھا: ''سنتِ جمعہ کی نیت ہوتی ہے، سنت ظہر کی نہیں''۔ رہا یہ کہ سنت کے صحیح ہونے کے لیے تعینِ نیت شرط ہے، یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ''سنت بغیر تعین کے بھی ادا ہو جاتی ہے، تعین نیت اس کے لیے شرط نہیں''۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۵/۴)

کیا جمعہ کے لیے صرف چار سنت دو فرض ہی کافی ہیں:

سوال: آج کل بالخصوص ایک غلط روایت عام ہوتی جا رہی ہے کہ ایک تو ویسے ہی ہم نام نہاد مسلمان اللہ تعالیٰ کو اپنی روزمرہ زندگی میں بہت کم یاد کرتے ہیں اور نمازیں وغیرہ بھی نہیں پڑھتے اور جمعہ کو اگر نماز جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد آ ہی جاتے ہیں تو ہمیں واپس بھاگنے کی اتنی جلدی ہوتی ہے کہ دو رکعت فرض کی ادائیگی کے بعد آدھی مسجد نمازیوں سے خالی ہو جاتی ہے، جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے، فرض نماز با جماعت اور مسجد میں ادا کرنا افضل ہے، جب کہ سنتیں اور نوافل وغیرہ کی ادائیگی گھر پر زیادہ ثواب کے حصول کا سبب بنتی ہے؛ لیکن عام لوگوں کی اکثریت جو مسئلے کو نہیں سمجھتی، جن میں بالخصوص نوجوان اور بچے شامل ہیں، ان چند صحیح افراد کی تقلید میں جو مسئلے کو سمجھتے ہیں، لاشعوری طور پر صرف دو رکعت کی ادائیگی کے بعد مسجد سے راہِ فرار اختیار کرتے ہیں اور گھر جا کر بقیہ نماز مکمل نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے پورے ہفتے کا قرض اُتار دیا ہے۔ کیا دو رکعت فرض کی ادائیگی سے جمعہ کی نماز ادا ہو جاتی ہے اور بقیہ رکعتیں پڑھنا ضروری نہیں؟ یہ مسئلہ اتنی وسعت اختیار کر چکا ہے کہ وہ بچے، جو آج بچے ہیں، نماز جمعہ کو صرف چار سنت اور دو فرض ہی کے برابر سمجھنے لگے ہیں۔

== وفي الشامية: (قوله: وكفى، الخ) أي بأن يقصد الصلاة بلا قيد نفلٍ أو سنةٍ أو عددٍ (قوله: لنفل) هذا بالاتفاق (قوله: وسنة) ولو سنة فجر ... (قوله: على المعتمد) أي من قولين مصححين. (ردالمحتار، باب شروط الصلاة، مطلب في حضور القلب و الخشوع: ۴۱۷/۱، طبع ایچ ایم سعید کراچی) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۴۵/۴)

(۱) ثم ان كانت الصلاة نفلًا يكفيه مطلق النية، وكذالك اذا كانت سنة في الصحيح. (الهداية، باب شروط الصلاة: ۸۰/۱، ثاقب بک دبو دیوبند، انیس)

والتعيين أفضل وأحوط... والمعتبر في النية عمل القلب؛ لأنها الارادة السابقة للعمل اللاحق فلا عبرة للذكر باللسان. (اللباب في شرح الكتاب: ۷۸/۱، باب شروط الصلاة التي تتقدمها، ط: قديمي / رد المحتار: ۴۱۷/۱، باب شروط الصلاة)

الجواب ـــــــــــــــــــ

پنج گانہ نماز اسلام لانے کے بعد سب سے اہم فرض ہے، اس میں سستی اور کوتاہی کرنا سب سے بڑا گناہِ کبیرہ ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا (جس کا مفہوم ہے) کہ قیامت کے دن سب سے پہلے بندے کی نماز کا حساب ہوگا، نماز میں کامیاب نکلا تو ان شاء اللہ باقی چیزوں میں کامیاب ہوگا اور اگر نماز میں ناکام رہا تو باقی چیزوں میں بدرجۂ والیٰ ناکام ہوگا۔(۱)

اس لیے مسلمان بھائیوں کو فرض نماز میں ہرگز سستی نہیں کرنی چاہیے اور نماز کا مسجد میں باجماعت ادا کرنا ایمان کی علامت ہے اور نماز باجماعت میں کوتاہی اور سستی کرنا نفاق کی علامت ہے؛ اس لیے نماز باجماعت ادا کرنا اہم ترین واجب ہے۔

الجماعة سنة مؤكدة لقوله عليه السلام: الجماعة من سنن الهدىٰ لا يتخلف عنها إلامنافق.(۲)

اور نماز کی سنتیں اور نوافل درحقیقت فرائض کی تکمیل کے لیے ہیں؛ کیوں کہ جس درجے کے سکون واطمینان، خشوع وخصوع اور حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرنی چاہیے، ہم اس کا عشرِ عشیر پورا نہیں کرتے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے فرائض کی تکمیل کے لیے سنتیں اور نفل نماز مقرر کردی تاکہ فرائض کی کمی ان سے پوری ہوجائے؛ اس لیے سنتیں بھی پورے اہتمام سے ادا کرنی چاہیں۔(۳)

جمعہ کی نماز سے پہلے چار سنت مؤکدہ ہیں اور جمعہ کی نماز کے بعد چار سنت مؤکدہ اور دو سنت غیر مؤکدہ ہیں۔(۴) ان میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان بھائیوں کو توفیق عطا فرمائیں اور آخرت کی کامیابی نصیب فرمائیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۲۵/۴-۱۲۷)☆

---

(۱) عن حريث بن قبيصة قال: قدمت المدينة فقلت: اللّٰهم يسر لي جليساً صالحاً، قال: فجلست الىٰ أبي هريرة فقلت: اني سالتُ اللّٰه أن يرزقني جليساً صالحاً، فحدثني بحديث سمعته من رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لعل اللّٰه أن ينفعني به، فقال: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: ان أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة من عمله صلاته، فان صلحت فقد أفلح وأنجح، وان فسدت فقد خاب وخسر، فان انتقص من فريضة شيئاقال الرب تبارك وتعالىٰ: انظروا هل لعبدي من تطوع فيكمل بها ماما انتقص من الفريضة ثم يكون سائرعمله علىٰ ذلك.(سنن الترمذي، باب ماجاء في أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة: ۹٤/۱، قديمي، انيس)

(۲) الهداية، كتاب الصلاة، باب الامامة: ۱۰۱/۱، ثاقب بک دبو ديوبند، انيس

(۳) عن تميم الداري قال: أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة المكتوبة، فان أتمها والا قيل: انظروا هل له من تطوع؟ فاكملت الفريضة من تطوعه، فان لم تكمل الفريضه ولم يكن له تطوع أخذ بطرفيه فيقذف به في النار. (كنز العمال: ۳/۸، من قسم الأفعال، الباب الأول في فضلها ووجوبها، شاملة، انيس)

(۴) والسنة قبل الجمعة أربع وبعدها أربع) أما الأربع بعدها فلما روى مسلم عن أبي هريرة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اذا صليتم بعد الجمعة فصلوا أربعا، وفي رواية للجماعة الا البخاري: اذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها أربعاً والأول يدل على الاستحباب والثاني على الوجب، فقلنا بالسنية مؤكدة جمعا بينهما وأما الأربع قبلها فلما تقدم==

جمعہ کی پہلی چار سنتوں میں قعدہ اولیٰ میں تشہد پر اضافہ کا حکم:

سوال: ایک آدمی جمعہ کی پہلی، یا بعد والی سنتیں پڑھ رہا تھا کہ پہلے تشہد میں درود شریف پڑھ لیتا ہے۔ کیا اس پر سجدۂ سہو ہے، یا نہیں؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

پہلے قعدہ میں تشہد پر اضافہ نہ کرے، ورنہ سجدہ سہو واجب ہوگا۔

ولا یصلی علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی القعدۃ الأولٰی فی الأربع قبل الظہر والجمعۃ وبعدھا ولو صلّٰی ناسیاً فعلیہ السھو وقیل لا،شمنی. (الدر المختار)

(قولہ:وقیل:لا،إلخ)قال فی البحر:ولا یخفی ما فیہ،والظاہر الأول زاد فی المنح ومن ثم عولنا علیہ وحکینا ما فی القنیۃ بقیل،آہ. (ردالمحتار)(۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۱۰/۳/۱۶ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۱۰۳/۳)

جمعہ کی ابتدائی سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں ادا کی نیت سے پڑھیں:

سوال: اگر جمعہ کی ابتدائی چار سنتیں رہ جائیں تو جمعہ کے بعد ان کو ادا کرتے وقت نیت ادا کی کریں، یا قضا کی نیت سے پڑھیں؟

الجواب

ادا کی نیت کی جائے؛ کیوں کہ ظہر کا وقت باقی ہے، صرف ترتیب بدلی ہے۔ (امداد الفتاویٰ:۴۰۵/۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ:۱۱۴/۳)

== فی سنۃ الظہر من مواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علی الأربع بعد الزوال وھو یشمل الجمعۃ أیضا ولا یفصل بینھا وبین الظہر (وعند أبی یوسف) السنۃ بعد الجمعۃ (ست) رکعات وھو مروی عن علی رضی اللّٰہ عنہ والأفضل أن یصلی أربعاً ثم رکعتین للخروج عن الخلاف. (الحلبی الکبیر،ص:۳۸۸۔۳۸۹،فصل فی النوافل، طبع سھیل اکادمی لاھور)

وروی عن علی بن أبی طالب أنہ أمر أن یصلی بعد الجمعۃ رکعتین ثم أربعاً. (سنن الترمذی،باب فی الصلاۃ قبل الجمعۃ وبعدھا: ۱۱۸/۱،قدیمی،انیس)

☆ جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنا:

سوال: جمعہ کی سنتیں گھر میں پڑھنے کی شرعی کیا حیثیت ہے؟ گھر میں پڑھنا افضل ہے، یا مسجد میں؟ بینوا توا جروا۔

الجواب

سنتوں کے بارے میں اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جہاں خشوع زیادہ ہو، وہاں پڑھی جائیں؛ لیکن آج کل ایک جماعت ایسی پیدا ہوگئی ہے، جو قبلیہ اور بعدیہ سنتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتی؛ بلکہ بعض تو سرے سے منکر ہیں؛ اس لیے آج کل مناسب یہی ہے کہ تمام سنن قبلیہ وبعدیہ مسجد میں ادا کی جائیں۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۱۲/۹/۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۹۷/۳)

(۱) رد المحتار، کتاب الصلاۃ،باب الوتر والنوافل: ۱۶/۲،دار الفکر بیروت،انیس

جس کی نماز جمعہ چھوٹ جائے، وہ کون سی نماز پڑھے:

سوال: جمعہ کی نماز ختم ہونے کے بعد ظہر کی نماز کی نیت سے نماز پڑھے گا یا جمعہ کی نیت سے؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

ظہر کی نیت سے چار رکعت نماز پڑھے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد جسیم الدین رحمانی، ۹؍رمضان ۱۳۹۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۷-۵۰۸)

جمعہ چھوٹ جائے گا، اس ڈر سے بلا وضو پڑھ لیا:

سوال: میں نے جمعہ کی نماز بخوف فوت بے وضو پڑھ لی۔ درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر جمعہ کی نماز فوت ہونے کے ڈر سے بلا وضو پڑھ لی گئی ہے تو وہ نماز جائز نہیں ہوئی اور کوئی نماز بلا وضو جائز نہیں ہے، وہ نماز جن کی قضا نہیں ہے، ان کے فوت ہونے کے ڈر سے یہ جائز ہے کہ تیمّم کر کے ادا کر لی جائے، مثلاً عیدین وجنازہ۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۲/۲/۹ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۳۷-۲۳۸)

جہاں ایک ہی جگہ نماز جمعہ ہوتی ہو، وہاں بعض افراد سے نماز جمعہ فوت ہو جائے تو ان کو کیا کرنا چاہیے:

سوال: یہاں جمعہ کی نماز ایک ہی جامع مسجد میں ہوتی ہے، گاہ گاہ بعض بعض نمازیوں کے پہونچنے سے قبل ہی نماز جمعہ ختم ہو جاتی ہے۔ اب وہ لوگ دوسری مسجد میں جا کر اذان واقامت کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ یا جمعہ کی نماز ادا کریں، یا فرادیٰ فرادیٰ ظہر کی نماز پڑھیں، جو کچھ شریعت کا حکم ہو، اس سے اطلاع دیجئے؟

الجواب ــــــــــــــــــ

فی الدرالمختار: (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا إقامة ولا جماعة.

(وقال الشامي تحته): الظاهر أن الكراهة هنا تنزيهية لعدم التقليل والمعارضة المذكورين ويؤيده ما في القهستاني عن المضمرات يصلون وحدانا استحبابا، آه.(۳)

(۱) (وكذا أهل مصر فاتتهم الجمعة) فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا اقامة و لاجماعة. (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۵۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس)

(۲) (و) جاز (لخوف فوت صلاة جنازة) ... (أو) فوت (عيد) ... (لا) يتيمم (لفوت جمعة ووقت) (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم: ۲۴۱/۱-۲۴۶، دار الفكر بيروت، انيس)

(۳) رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱۵۷/۱، دار الفكر بيروت، انيس

وفی البحر الرائق (۱۵٤/۲):قال فی الظهيرية: جماعة فاتتهم الجمعة فی المصر فإنهم يصلون الظهر بغير أذان ولا اقامة ولا جماعة، آه، وهكذا فی الخلاصة (۲۱۱/۱)

قواعد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مصر میں کم از کم چار شخص جمعہ سے رہ جاویں تو وہ جمعہ کی نماز دوسری مسجد میں پڑھ لیں اور ان سب میں وجوب جمعہ کی شرطیں پائی جاتی ہوں تو جمعہ واجب ہو اور اگر فقط صحت کی شرطیں ہوں تو واجب نہ کہا جاوے؛ لیکن پڑھیں تو صحیح ہو؛ مگر جزئیہ کوئی نہیں ملا؛ بلکہ روایات مذکورہ بالا سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر حال میں تنہا تنہا ظہر پڑھیں؛ لیکن خلاف قواعد ہونے کی وجہ سے ان روایتوں میں تاویل کی جاوے گی اور میرے نزدیک ان روایتوں میں کئی تاویلیں ہو سکتی ہیں۔

اول تو یہ کہ ان روایتوں کو مبنی کہا جاوے تعدد جمعہ کے عدم جواز پر اور جب مفتی بہ جواز تعدد ہے تو یہ روایت بھی مفتی بہ نہ رہے گی، وہذا ما قالہ سیدی وہو وجیہ وجیہ۔ دوسرے یہ کہ جماعت کے لفظ کو محمول کیا جاوے چار سے کم پر؛ یعنی دو، یا تین آدمی رہ جاویں تو وہ جمعہ نہیں پڑھ سکتے بوجہ فوت ہونے شرط جماعت کے؛ بلکہ تنہا تنہا ظہر پڑھیں؛ کیوں کہ جمعہ کے دن مصر میں ظہر کی جماعت مکروہ ہے اور یہ تاویل گو خلاف ظاہر ہے؛ لیکن زیادہ بعید بھی نہیں۔ تطبیق روایات میں اس سے زیادہ بعید کا تحمل کر لیا جاتا ہے، اول یہ دو تاویلیں لکھنے کا ارادہ تھا؛ کیوں کہ اور کوئی تاویل ذہن میں نہ تھی؛ لیکن عین لکھنے کے وقت ایک تیسری تاویل سمجھ میں آئی، احقر کے نزدیک وہ تنہا کافی وافی ہے؛ اس لیے اسی پر اکتفا کا ارادہ ہوا تھا؛ لیکن تتمیم فائدے کے واسطے یہ دونوں بھی درج کر دیں، ممکن ہے کسی اہل علم کے نزدیک ان میں سے کسی کو ترجیح ہو۔

وہ یہ کہ یہ روایت محمول ہے، اس جگہ پر جہاں حکومت اسلامیہ کی طرف سے قاضی وغیرہ مقرر ہو، اگر وہاں جمعہ فوت ہو جاوے تو بدون اذن حاکم دوسرا جمعہ نہیں، ہو سکتا باقی ہمارے ملک میں چوں کہ تقرر امام کا مدار تراضی مسلمین پر ہے؛ اس لیے یہ باقی ماندہ لوگ کسی کو امام بنا سکتے ہیں اور جمعہ پڑھ سکتے ہیں، کما قال صاحب الخلاصۃ (ص:۲۰۸):

”ولو اجتمعت العامة علىٰ تقديم رجل لم يأمره القاضی لم يجز ولم يكن جمعة وإن لم يكن ثمه قاضی ولا خليفة الميت فا حتمعت العامة علىٰ تقديم رجل لضرورة.

وفی الدر المختار: (ونصب العامة) الخطيب (غير معتبر مع وجود من ذكر) أما مع عدمهم فيجوز للضرورة (وفيه قبل هٰذه العبارة) وفی النعجة فی تعداد الجمعة لابن جرباش إنما يشترط الإذن لإقامتها عند بناء المسجد ثم لا يشترط بعد ذلک“.(۱)

غرضیکہ اہل مصر کو تنہا تنہا ظہر کا حکم جب ہے کہ جمعہ سے کوئی مانع ہو۔

ویؤید هٰذا ما فی الهندية ونصه وكره جماعة الظهر لأهل المصر إذا لم يجمعوا المانع.(۱/۹۵)

اب اس بحر وغیرہ کی روایت متقدمہ کی وجہ سے تو کوئی خلجان نہیں، **والحمد للّٰه علىٰ ذلک إلا أن وجوب**

---

(۱)　الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱٤۳/۲، دار الفكر بيروت، انيس

الجمعة فی هذا الصورة أیضاً و یمکن الفرق با لتعذر فی طلب الاذن من السلطان وغیره دون نصب امام الجمعة فلیتأمل.

لیکن حالت مسئولہ کے متعلق جزئیہ نہ ملنے کے باعث بہتر ہے کہ دوسری جگہ بھی تحقیق کرلیا جاوے اوراس جواب کو بھی وہاں بھیج دیں؛ تاکہ کسی قدر سہولت کا باعث ہوسکے، یہ دوسری مسجد میں جمعہ پڑھنا تو جب کہ چار آدمی جمعہ سے رہ جاویں اوراگر چار سے کم یعنی دوتین آدمی رہ جاویں تو وہ ظہر پڑھیں اورالگ الگ پڑھیں جماعت نہ کریں،اس کے بعد مجموعہ الفتاوی میں مولانا عبدالحی صاحب کا فتوی بھی اس تحریر مذکور کے مطابق پایا۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ، ۹/ربیع الاولی ۱۳۴۵ھ (امدادالاحکام:۲/۳۹۷-۳۹۹)

جمعہ میں قعدہ پانے والا جمعہ پورا کرے، یا ظہر:

سوال: میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث لکھی ہے کہ نماز جمعہ جس نمازی نے اخیر میں التحیات تو اس کو چاہیے کہ بعد سلام امام کے اٹھ کر چار رکعت پڑھے؟

الجواب

مشکوٰۃ میں حدیث مذکور اس طرح ہے:

"عن أبی هریرة رضی الله عنه قال:قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:من أدرک رکعة من الجمعة فلیصل إلیها أخریٰ ومن فاتته الرکعتان فلیصل أربعاً،أوقال:الظهر. (رواه الدارقطنی)(۱)

سواس وہ مضمون جوکہ سوال میں لکھا ہے، بالیقین ثابت نہیں۔ ہاں محتمل ضرور ہے، چناں چہ امام محمد کا مذہب اسی احتمال کے موافق ہے اورشیخین کا مذہب دوسرے احتمال کے موافق ہے،جس کی ترجیح کا قرینہ دوسری حدیث ہے، جو اس سے ذرا اوپر مذکور ہے۔

"وعن أبی هریرة قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من أدرک رکعة من الصلاة مع الامام فقد أدرک الصلاة". (متفق علیه)(۲)

اوراگر دوسرے احتمال کو مدلول حدیث نہ کہا جاوے،تب بھی تعارض کے وقت حدیث بخاری ومسلم کو ترجیح ہوگی اور "أربعاً" والی حدیث کی نسبت حاشیہ میں شیخ سے نقل کیا ہے:"لم یثبت". پھر یہ کہ عوام کو تحقیق ادلہ کی ضروری نہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

۲۶/رجب ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۱۳۰) (امدادالفتاویٰ جدید:۱/۶۶۵-۶۶۶)

---

(۱) الدارقطنی، کتاب الجمعة،باب فیمن یدرک من الجمعة رکعة أو لم یدرکها:۲/۱۱،انیس

(۲) صحیح لمسلم،باب من أدرک رکعة من الصلاة فقد أدرک تلک الصلاة:۱/۱۲۱،قدیمی،انیس

نمازِ جمعہ کی تشہد میں ملنے والا نماز جمعہ پڑھے، یا نمازِ ظہر:

سوال: نمازِ جمعہ کی دونوں رکعتوں کے مکمل ہونے کے بعد تشہد کی حالت میں امام کی اقتدا ملے تو امام کے سلام پھیر لینے کے بعد مقتدی بقیہ نماز، نماز جمعہ پڑھے، یا نمازِ ظہر ادا کرے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

سلام سے پہلے جو شخص جمعہ کی نماز میں شریک ہوگیا وہ جمعہ کی رکعتیں پوری کرے گا، ظہر کی نہیں۔(۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۲۷-۱۲۸)

جو شخص جمعہ کے التحیات میں شریک ہو وہ بھی جمعہ پڑھے:

سوال: جو شخص نماز جمعہ میں التحیات میں شامل ہوجائے تو امام کے سلام کے بعد وہ شخص پھر دو رکعت ادا کرے، یا چار؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ کی دو رکعت ادا کرے۔

"ومن أدركها)أى الجمعة(فى التشهد أو) فى سجود السهو)أوتشهده أتم جمعة. (۲) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ۱۴۰۶/۶/۱۴ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۶۷)

پہلے سلام کے بعد شرکت کرنے والے کا حکم:

سوال: ایک آدمی ایسے وقت آیا کہ خطیب نے ایک طرف سلام پھیر دیا تھا۔ وہ شریک ہوگیا کیا جمعہ ادا ہوگیا، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

امام کے پہلے السلام علیکم کے بعد اقتدا صحیح نہیں، یہ شخص اب جمعہ نہ پڑھے۔

وتنقضى قدوة بالأول قبل عليكم على المشهورعندنا خلا فاً للتكملة اهـ فلا يصح الاقتداء به بعدها لانقضاء حكم الصلاة،آه. (۳) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۹۰)

---

(۱) ومن أدركها فى التشهد أوفى سجود السهو أتم جمعة عند الشيخين رحمهما الله .(الفتاوىٰ الهندية،الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١٤٩/١)

أيضا: ومن أدرك الامام فى يوم الجمعة فى التشهد أو فيما سواه،صلىٰ ما أدرك معه وقضى ما فاته فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف ... الحجة للقول الأول قول النبى صلى الله عليه وسلم:ما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا،ومعلوم أن المراد ما فاتكم من صلاة الامام ... ويدل عليه أيضا: اتفاق الجميع أنه لوأدرك معه ركعة بنى على الجمعة. (شرح مختصر الطحاوى،باب الجمعة: ١١٨/٢-١١٩)

(۲) مرقى الفلاح علىٰ حاشية الطحطاوى،باب الجمعة،ص: ٥٢٢،دار الكتب العلمية بيروت،انيس

(۳) رد المحتار،باب صفة الصلاة،مطلب فى خلف الوعيد،الخ: ٥٢٥/١،دار الفكر بيروت،انيس

خطبۂ جمعہ اردو میں یا عربی اردو دونوں میں دینا:

سوال(۱) جمعہ وعیدین کے خطبے صرف اردو میں، یا عربی خطبہ کا کامل ترجمہ، یا بعض عربی میں اور بعض اردو میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو باکراہت، یا بلا کراہت؟

خطبۂ جمعہ وعیدین میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

(۲) نیز کیا شرعی مصالح پر نظر رکھتے ہوئے ان خطبوں میں آلۂ مکبر الصوت؛ یعنی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۵۶۱ جمیل الرحمٰن دہلی، ۷/ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ، ۱۷/ جنوری ۱۹۴۰ء)

الجواب

خطبہ جمعہ وعیدین میں سنت قدیمہ متوارثہ یہی ہے کہ عربی زبان میں ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں عجمی ممالک فتح ہوگئے تھے اور اسلام کے حدیث العہد ہونے کی بنا پر اس وقت بہت زیادہ ضرورت تھی کہ ان کی زبانوں میں احکام اسلام کی تبلیغ کی جائے، باوجود اس کے صحابۂ کرام اور تابعین عظام اور ائمہ مجتہدین نے جمعہ وعیدین کے خطبات کو خالص عربی زبان میں رکھا اور کسی عجمی زبان میں خطبہ نہیں پڑھا گیا، لہٰذا خطبہ خالص عربی زبان میں پڑھنا سنت قدیمہ متوارثہ ہے اور اس کے خلاف اردو، یا کسی دوسری مقامی زبان میں خطبہ پڑھنا، یا عربی اور عجمی زبان کو مخلوط کر دینا سنت قدیمہ متوارثہ کے خلاف ہے۔(۱)

(۲) لاؤڈ اسپیکر کا خطبۂ جمعہ وعیدین میں استعمال کرنا فی نفسہ مباح ہے؛ کیوں کہ یہ صرف ترفیع الصوت؛ یعنی آواز کو بلند کرنے کا آلہ ہے۔(۲)

لیکن اگر اس آلہ کے استعمال کو اس امر کا ذریعہ بنالیا جائے کہ خطبہ کی عربی زبان بدل کر کسی عجمی زبان میں خطبہ پڑھا جائے تو پھر اس آلہ کا استعمال بھی اس تسبیب کی وجہ سے خلاف سنت کی مد میں داخل ہوجائے گا۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۷۸/۳)

خطبۂ جمعہ کے دوران خاموشی اور لاؤڈ اسپیکر کا استعمال:

سوال: جمعہ کے خطبے کے دوران مکمل خاموشی اختیار کرنے اور یہ کہ سلام کا جواب تک نہ دینے کے احکامات

(۱) فإنه لا شك فی أن الخطبة بغير العربية خلاف السنة المتوارثة من النبی صلی اللّٰه عليه وسلم والصحابة فيكون مكروهاً تحريماً.(عمدة الرعاية علیٰ هامش شرح الوقاية،باب الجمعة : ۲۴۲/۱ ،مير محمد كتب خانه كراتشی،انيس)

(۲) و من المستحب أن يرفع الخطيب صوته الخ.(الفتاویٰ الهندية،الباب السادس عشر فی صلاة الجمعة : ۱۴۷/۱ ،ط:ماجدية)

ہیں، مسجد میں موجود لوگ تو کسی حد تک اس کی پابندی کر سکتے ہیں؛ لیکن جب کہ مولوی صاحب اذان کے لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھ رہے ہوں تو اس صورت میں گھروں میں موجود ہزاروں مرد اور عورتیں، سڑکوں پر گزرتے اور بازاروں میں خرید وفروخت کرتے ہوئے لوگ، نماز کی تیاری اور مختلف کاموں کو انجام دینے میں مصروف لوگ، واضح اور صاف طور پر خطبے کے الفاظ سننے کے باوجود اس کے اِحترام میں خاموشی اختیار نہیں کر سکتے۔ دریافت یہ کرنا ہے کہ اس طرح اذان کے لاؤڈ اسپیکر پر پڑھنے سے اس کا احترام نہ ہونے کی صورت میں اس کا وبال کس کے سر ہوگا؟ آیا مولوی صاحب، یا ان افراد کے جن کے کانوں میں آواز آرہی ہو اور وہ اِحترام کرنے سے قاصر ہوں؟ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس طرح لاؤڈ اسپیکر پر خطبۂ جمع پڑھنے کا کیا مقصد ہے؟

الجواب

مسئلہ یہ ہے کہ پہلی اذان پر ہر قسم کا کاروبار بند کر دینا، اور نمازِ جمعہ کے لیے جانا واجب ہو جاتا ہے، اذِان جمعہ کے بعد کاروبار میں مشغول ہونا حرام ہے؛(۱) اس لیے بازاروں میں خرید وفروخت کرنے والوں کے بارے میں تو آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اذان جمعہ سن کر نمازِ جمعہ کے لیے نہ آنا خود اتنا بڑا گناہ ہے کہ تین جمعے ایسا کرنے سے دِل پر نفاق کی مہر لگ جاتی ہے، جو توبہ کے بغیر مرتے دم تک نہیں ٹوٹتی۔(۲) ایسے لوگ اگر کاروبار کی وجہ سے خطبۂ جمعہ نہیں سنتے تو اس میں قصور ان کے نفاق کا ہے نہ کہ خطبے کی آواز کا۔ جہاں تک جمعہ کی تیاری کرنے والوں کا تعلق ہے تو کیا جمعہ کی تیاری خطبہ شروع ہونے کے بعد کی جاتی ہے؟ جمعہ کی تیاری تو یہ ہے کہ آدمی کم سے کم خطبہ شروع ہونے سے پہلے تو مسجد میں موجود ہو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاتے ہیں اور پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی گھڑی میں آنے والوں کے نام علی الترتیب لکھتے رہتے ہیں اور جب امام خطبے کے لیے نکلتا ہے تو وہ اپنے دفتر لپیٹ کر رکھ دیتے ہیں اور ذکر؛ یعنی خطبے کے سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ گویا خطبہ شروع ہونے کے بعد جو لوگ آتے ہیں، ان کے ناموں کا اِندراج ان صحیفوں میں نہیں ہوتا اور ان کی حاضری نہیں لگتی۔(۳)

---

(۱)　ویجب السعی وترک البیع بالأذان الأول.(الفتاوی الهندیة،الباب السادس عشرفی صلاة الجمعة: ۱۴۹/۱،انیس)
أیضا: قال أبو جعفر: واذا زالت الشمس یوم الجمعة،جلس الامام علی المنبر،وأذن المؤذن بین یدیه،وامتنع الناس من الشراء والبیع وأخذوا فی السعی الی الجمعة ... قال أبوبکربن أحمد: وذالک لقول اللّٰه عزوجل:یا أیها الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الیٰ ذکر اللّٰه وذروا البیع، فانتظمت الآیة المعانی منها:الأذان للجمعة ولزوم السعی الیها، وترک الاشتغال بالبیع.(شرح مختصر الطحاوی: ۱۱۴/۲، باب صلاة الجمعة)

(۲)　عن أبی الجعد الضمری وکانت له صحبة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال:من ترک ثلاث جمع تهاونا بها طبع اللّٰه تعالیٰ علیٰ قلبه.(أبو دائود،باب التشدید فی ترک الجمعة: ۱۵۸/۱،مکتبة حقانیة،ملتان،انیس)

(۳)　عن أبی هریرة قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: إذا کان یوم الجمعة وقفت الملائکة علیٰ باب المسجد یکتبون الأول فالأول ومثل المهجر کمثل الذی یهدی بدنه ثم کالذی یهدی بقرة ثم کبشاً ثم جاجة ثم بیضةً فاذا خرج الامام طووا صحفهم ویستمعون الذکر.متفق علیه.(صحیح البخاری،باب الاستماع الی الخطبة: ۱۲۷/۱،قدیمی،انیس)

اس لیے نمازِ جمعہ کی تیاری کو خطبہ تک مؤخر کرنا نہایت غلط اور بُرا ہے؛ الا یہ کہ کبھی کسی خاص عذر کی وجہ سے ایسا ہو جائے تو معذوری ہے۔ جہاں تک گھر کی مستورات کا تعلق ہے، ان کے ذمے جمعہ کو آنا اور خطبہ سننا فرض نہیں،(۱) تاہم اگر گھروں میں خطبے کی آواز آرہی ہو اور وہ اس کے احترام میں خاموشی اختیار کریں تو ان کے لیے بھی سعادت ورحمت کا موجب ہے۔

سڑکوں پر گزرتے ہوئے لوگوں کے کان میں اگر خطبہ جمعہ کی آواز آرہی ہو تو سڑکوں پر چیختے چلاتے اور شور مچاتے چلنا عیب کی بات ہے، جو انسانی وقار کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ آپ نے جتنے اُمور ذکر کیے ہیں، ان میں کوئی بات بھی ایسی نہیں جو لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ دینے سے مانع ہو؛ تاہم اگر خطبے کی آواز مسجد تک محدود رہے تو اچھا ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۴۳-۱۴۴)

جمعہ کی بعد، یا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا:

سوال: عام مساجد میں معمول ہے کہ جمعہ کے بعد سنتیں پڑھ کر امام صاحب کی فراغت کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں، امام صاحب فارغ ہوکر اونچی اونچی آواز میں دعا مانگتے ہیں اور مقتدی آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

سنن ونوافل کے بعد اجتماعی دعا قرآن وحدیث اور خیر القرون سے کہیں ثابت نہیں، اس کا اہتمام والتزام بدعت ہے سنتیں پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنی اپنی دعا مانگ کر فارغ ہوجائے۔ (کذا فی فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۱۷۷) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۶/۷/۲/۱۴۰۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۹۱-۹۲)

جمعہ اور نماز کے بعد اجتماعی دعا نہ کروانا کیسا ہے:

سوال: ہمارے محلے کی مسجد میں نماز کے بعد امام صاحب اجتماعی دعا نہیں کراتے، نہ ہی جمعہ کی نماز کے بعد ایسا کرتے ہیں، اس حوالے سے بتائیں کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب

جن مشائخ کو ہم نے دیکھا ہے، وہ فرض کے بعد مختصر سی دعا کرتے تھے اور حضرت مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ نے اس پر ''النفائس المرغوبہ'' کے نام سے رسالہ بھی لکھا ہے، جو الگ بھی چھپا تھا، اور ان کی کتاب ''کفایت المفتی'' میں بھی شامل ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۳)

---

(۱) لا تجب الجمعة على العبيد والنسوان و المسافرين و المرضى، كذا في محيط السرخسي. (الفتاویٰ الهندية، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة: ۱/۱۴۴، انيس)

جمعہ کے سلام کے بعد دعا مختصر ہو، یا لمبی:

سوال: بعض خطیبوں کی عادت ہوتی ہے کہ مطول دعا مانگتے ہیں۔ کیا نماز جمعہ کے بعد مختصر دعا ہونی چاہیے، یا لمبی شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

جن نمازوں کے بعد سنتیں ہیں، ان میں امام مختصر دعا مانگے۔ (کذا فی الشامیۃ: ۱/۴۹۴) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس ملتان (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۰۴)

نماز جمعہ میں سجدہ سہو کرنا جائز نہیں:

سوال: نماز جمعہ میں امام کو سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کیا جائے یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۴۷۲، شیخ اعظم، شیخ معظم (دھولیہ ضلع مغربی خاندیس) ۸/صفر ۱۳۵۸ھ، ۳۰/مارچ ۱۹۳۹ء)

الجواب

جمعہ کی نماز میں سہو ہو جائے تو سجدۂ سہو کرنا جائز نہیں ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۲۸۷)

جمعہ سے پہلے بیوی اور محرم خواتین کی پیشانی کا بوسہ:

سوال: ہمارے خاندان کے ایک بزرگ ہیں، انہیں کہیں یہ حدیث معلوم ہوئی کہ حضور ا جمعہ کی نماز کے لیے جاتے وقت اپنے گھر کی محرم خواتین کی پیشانی کا بوسہ لیا کرتے تھے، لہذا ہمارے وہ بزرگ یہ عمل سنت سمجھ کر کیا کرتے ہیں۔ اپنی اہلیہ، اپنی لڑکیوں، نواسیوں وغیرہ جو محرم ہیں، ان کی پیشانی کا بوسہ جمعہ کی نماز کو جاتے وقت گھر سے نکلنے سے قبل لیا کرتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے اور سنت کے مطابق ہے؟ اب ان کے لڑکے کی شادی ہوئی اور گھر میں بہو آئی ہے، کیا بہو محرم میں داخل ہے، کیا وہ اپنی بہو کی پیشانی کا بوسہ لے سکتے ہیں؟ (محمد راشد، یاقوت پورہ)

الجواب

یہ سمجھنا درست نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کو جاتے ہوئے گھر کی محرم خواتین کا بوسہ لیتے رہے ہوں؛ بلکہ نماز سے پہلے بوسہ لینا ایک حد تک غیر مناسب عمل ہے؛ کیوں کہ بعض فقہا کے نزدیک اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا

---

(۱) والسهو في صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه في الأولیين لدفع الفتنة. (الدر المختار)

قال الشامي: "وفي جمعة حاشية أبي سعود عن الغرمية أنه ليس المراد عدم جوازه، بل الأولىٰ تركه لئلا يقع الناس في فتنة. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۲/۹۲، ط: سعيد)

ہے تو وضو کے بعد اور نماز سے پہلے تو ایسے عمل سے بچنا چاہیے، جس سے ناقض وضو ہونے کا شبہ ہو، نہ کہ خاص طور پر اس کا ارتکاب کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدھ موقع پر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پیشانی کا بوسہ لینا ثابت ہے،(۱) لیکن یہ عمل بھی اتفاقی تھا، نہ کہ معمولاً، آج کے دورِ ہوا و ہوس میں اس طرح کا عمل فتنہ کا دروازہ کھول دے گا؛ اس لیے بیوی کے علاوہ تمام ہی محرم خواتین کا بوسہ لینا قطعاً نا مناسب ہے؛ اس لیے اس سے بچنا چاہیے، بہو بھی محرم عورتوں میں داخل ہے؛ کیوں کہ اس سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہے اور جن عورتوں سے ہمیشہ کے لیے نکاح حرام ہو، ان ہی کو محرم کہا جاتا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۷۱-۷۲)

کیا مکبر کے لیے امام کی اجازت ضروری ہے:

سوال: جمعہ، یا عیدین کی نماز میں بلا اجازت امام کے از خود تکبیر پکار کر رکوع سجدہ میں کہنا؛ تا کہ اور نمازیوں کو سہولت ہو جائز ہے، یا نہیں؟ ایک عالم امام کہتے تھے کہ بلا اذن امام کے تکبیر پکارنے سے مکبر کی نماز نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے، یا غلط؟

الجواب______________

نمازیوں کی سہولت اور اطلاع کی وجہ سے تکبیر پکار کر کہنا درست ہے، امام کے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قول کسی عالم کا کہ بدون اجازت امام تکبیر پکار کر کہنا مقتدی کو جائز نہیں ہے اور اس کی نماز اس سے فاسد ہو جاتی ہے، الخ، غلط ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم:۵/۱۴۹-۱۵۰)

نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد کی چھت پر جمعہ کا حکم:

سوال: اگر جمعہ کے دن نمازی زیادہ ہو جائیں تو کیا مسجد کی چھت پر نماز پڑھ سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب______________

اگر نمازی زیادہ ہوں اور اگر جگہ نہ ہو تو مسجد کی چھت پر بلا کراہت نماز جمعہ ادا کر سکتے ہیں۔

"الصعود علیٰ سطح كل مسجد مكروه ولهٰذا إذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه إلا إذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود علیٰ سطحه للضرورة، كذا في الغرائب". (الفتاویٰ الهندية: ۵/ ۳۲۲) (۲) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۱۴)

---

(۱) عن عائشة أم المؤمنين رضي الله تعالیٰ عنها قالت: مارأيت أحدًا أشبه سمتاً ودلًا وهديًا برسول الله صلى الله عليه وسلم في قيامها وقعودها من فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت: و كانت إذا دخلت على النبي صلى الله عليه وسلم قام إليها فقبلها وأجلسها في مجلسه"، الخ. (الجامع للترمذي، أبواب المناقب، باب ما جاء في فضل فاطمة بن محمد صلى الله عليه وسلم: ۲/ ۲۲٦، قديمي، انيس)

(۲) الفتاویٰ الهندية، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، انيس

جہاں کثرتِ اژدحام کی وجہ سے سجدہ کی جگہ نہ ملے:

سوال: رائے ونڈ میں جمعہ اجتماعی طور پر پڑھا جاتا ہے۔ بعض صفوں میں نمازی بے ترتیبی کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں کیا جائے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایسا شخص انتظار کرے، جب لوگ سجدہ کر کے اٹھ جائیں اور زمین پر جگہ مل جائے تو پھر سجدہ کرے، اگر کسی کی پشت پر سجدہ کرلیا، پھر بھی ادا ہو جائے گا۔ "**رجل لم يستطع يوم الجمعة أن يسجد على الأرض من الزحام فإنه ينتظر حتىٰ يقوم الناس فإذا رأى فرجة يسجد وإن سجد علىٰ ظهر الرجل أجزأه**". (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۱۵)

صاحب ترتیب پہلے فجر کی قضا پڑھے، پھر جمعہ ادا کرے:

سوال: میرے ایک دوست کہتے ہیں کہ اگر جمعہ کے روز فجر کی نماز نہ پڑھی جائے تو جمعہ کی نماز بھی نہیں ہوتی۔ یہ کہاں تک دُرست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

آپ کے دوست نے جو مسئلہ ذکر کیا ہے، وہ صاحب ترتیب کے لیے ہے۔ صاحب ترتیب وہ شخص ہے، جس کے ذمہ پانچ سے زیادہ قضا نمازیں نہ ہوں، (۲) ایسے شخص کے لیے حکم ہے کہ مثلاً: اس کی فجر کی نماز قضا ہوگئی ہو تو جب تک فجر کی نماز نہ پڑھ لے ظہر کی جمعہ کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اگر فجر کی نماز نہیں پڑھی اور جمعہ پڑھ لیا، بعد میں فجر کی نماز قضا کی تو جمعہ باطل ہو جائے گا اور اسے ظہر کی نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی، (۳) اور جو شخص صاحب ترتیب نہ ہو، اس نے اگر فجر کی نماز نہیں پڑھی اور جمعہ پڑھ لیا تو اس کا جمعہ صحیح ہو گیا؛ (۴) مگر اس کو قضا شدہ نمازیں ادا کرلنی چاہئیں۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۲۹)

فجر کی نماز رہ جائے تو جمعہ کی نماز کا حکم:

سوال: زید جمعہ کی نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کو یاد آیا کہ میں نے فجر کی نماز نہیں پڑھی۔ اب زید کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

---

(۱) قاضی خان، كتاب الصلاة، باب الجمعة: ۱/۱۷۸، انیس

(۲) صاحب الترتيب: من لم تكن عليه الفوائت ستا غير الوتر من غير ضيق الوقت والنسيان. (قواعد الفقه، ص: ۲۰۴)

(۳) "لو تذكر الفجر عند خطبة الجمعة يصليها مع أن الصلاة حينئذ مكروهة بل في التاترخانية أنه يصليها عندهما وإن خاف فوت الجمعة مع الإمام ثم يصلي الظهر". (رد المحتار، باب قضاء الفوائت، مطلب في تعريف الاعادة: ۲/۶۷، دار الفكر بيروت، انیس)

(۴) ويسقط الترتيب عند كثرة الفوائت وهو الصحيح هكذا في محيط السرحسي وحد الكثرة ان تصير الفوائت ستا بخروج وقت الصلاة السادسة. (الفتاوى الهندية، الباب الحادى عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۳)

الجواب

اگر وقت اتنا تنگ ہے کہ جمعہ کی نماز توڑ کر فجر پڑھے گا تو جمعہ کا وقت ہی نکل جائے گا تو پھر جمعہ ہی پڑھ لے، ورنہ شیخین کے نزدیک جمعہ تو توڑ کر پہلے فجر ادا کرے اور امام محمدؒ کے نزدیک جمعہ پڑھ لے، پھر فوراً فجر ادا کر لے۔

"لو ذكر في الجمعة أن عليه الفجر فإن كان لايخاف فوت الجمعة يقطعها ويبدأ بالفجر ولو فات الوقت يتم الجمعة لسقوط الترتيب بضيق الوقت أما لو خاف فوت الجمعة لاالوقت فعندهما يبدأ بالفجر وعند محمد يتم الجمعة، آه. (الفتاوىٰ الهندية: ١٤٨/١)(١) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۱۱/۳)

مقتدی سارے نابالغ ہوں تو جمعہ کا حکم:

سوال: اگر صرف نابالغ بچے ہوں تو ان کی جماعت بنا کر جمعہ ادا کیا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

جب ایک، یا دو بالغ ہوں تو امام کے پیچھے ان کی صف ہونی چاہیے اور نابالغوں کی صف ان کے پیچھے ہونی چاہیے اور صرف نابالغ ہونے کی صورت میں ان کی صف امام کے پیچھے ہو۔ امام کی نماز میں کوئی نقص نہیں آئے گا؛ لیکن جمعہ کی نماز میں صرف بچے ہوں تو جمعہ نہیں ہوگا۔

وتحصل فضيلة الجماعة بصلاته مع واحد (أى من الصبيان) إلافى الجمعة فلا تصح بثلاثة منهم، آه. (الأشباه والنظائر)(٢) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، نائب مفتی خیر المدارس، ۶۸/۱۱/۲۲ھ، الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ مفتی خیر المدارس۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۱/۳)

ہوائی جہاز میں جمعہ پڑھنے کا حکم:

سوال: ہماری تبلیغی جماعت نے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا ہے، جس میں دن کا اکثر حصہ جہاز میں گذرے گا، جہاز میں تین چار آدمی مل کر جمعہ پڑھنے کی گنجائش ہے؟ کیا ہم دوران سفر جمعہ پڑھیں، یا ظہر کی نماز ادا کریں؟

الجواب

جمعہ کے لیے مصر، یا فناء مصر شرط ہے، فضا نہ مصر میں داخل ہے، نہ فناء مصر میں، لہذا وہاں ظہر ادا کریں۔ (فتاویٰ خلیلیہ: ۱۱۸/۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۴۰۹/۲/۱۱ھ، الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۰۲/۳)

---

(١) الفتاوىٰ الهندية، الباب السادس عشر فى صلاة الجمعة: ١٤٨/١، انیس

(٢) الأشباه والنظائر، أحكام الصبيان: ٣٠١/١، انیس

جمعہ کی نماز میں اگر امام کا وضوٹوٹ جائے تو کیا کرے:

سوال: اگر جمعہ کی نماز میں امام کا وضوٹوٹ جائے تو وہ کیا کرے؟ واضح رہے کہ کچھ سر پھرے جاہل نمازیوں سے امام کو پٹائی کا بھی خوف ہے؟

الجواب

کسی کو خلیفہ بنا کر خود وضو کر کے جماعت میں شامل ہو جائے۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۵۲/۴)

پیٹ میں درد، یا پیشاب کا تقاضا ہو تو کیا کرے:

سوال: دورانِ خطبہ جمعہ کسی شخص کو پیٹ میں ہوا، یا پیشاب کی شدت محسوس ہو، اب اگر وہ شخص قضائے حاجت سے فارغ ہو کر وضو کرنے تک وقت لگائے تو نماز جمعہ ادا ہو جاتی ہے، بعد میں اس کو نمازِ ظہر پڑھنا پڑے گی۔ پوچھنا یہ مقصود ہے کہ اگر وہ شخص پیٹ کی ہوا، شدتِ پیشاب پر کنٹرول کر کے نمازِ جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کرلے، یا فراغت کے بعد سکون سے نمازِ ظہر پڑھنا بہتر ہے؟ نیز پیشاب کی شدت کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، یا مکروہ تحریمی؟

الجواب

اگر پیشاب یا پاخانے کا شدید تقاضا ہو تو پہلے اس سے فارغ ہو لینا ضروری ہے، بعد میں اگر جمعہ نہ ملے تو ظہر پڑھ لے، ایسے شدید تقاضے کی حالت میں نماز مکروہِ تحریمی ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۵۳/۴)

☆ ☆ ☆

---

(۱) (سبق الامام حدث) سماوی .. (غیر مانع للبناء) ... (ولوبعد التشهد) ... (استخلف) ... (ما لم یجاوزالصفوف لو فی الصحراء) ... (وما لم یخرج من المسجد) ... الخ .(الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار، کتاب الصلاة،باب الاستخلاف: ۶۰۰/۱-۶۰۱،دارالفکر بیروت،انیس)

(۲) (وصلاته مع مدافعة الأخبثین)أی البول والغائط قال فی الخزائن سواء کان بعد شروعه أو قبله فإن شغله قطعها ان لم یخف فوت الوقت وأتمها أثم ... وما ذکره من الاثم صرح به فی شرح المنیة،وقال لأدائها مع الکراهة التحریمیة.(ردالمحتار،باب ما یفسد الصلاة وما یکره فیها،مطلب فی الخشوع: ۶۴۱/۱،ط:سعید کراتشی)

أیضا:(وتکره) ... (ومدافعاً لأحد الأخبثین) البول و الغائط(أو الریح) ولوحدث فیها،لقوله علیه السلام: لایحل لأحد یؤمن باللّٰه والیوم الآخر أن یصلی وهوحاقن حتیٰ یتخفف.(مراقی الفلاح علیٰ هامش حاشیة الطحطاوی، باب ما یفسد الصلاة،فصل فی المکروهات،ص: ۳۵۸،دار الکتب العلمیة بیروت،انیس)

عیدین کے احکام ومسائل

عادل گواہوں کی شہادت پر نماز عیدین:

سوال: بعض لوگوں نے جمعرات کو اور بعض نے جمعہ کو نماز عید الاضحیٰ پڑھی اور اس زمانہ میں کہ عادل کی صفت مفقود ہے، شرائط عادل وغیرہ ہونا گواہان رویت بلال کو ضروری ہے، یا کلمہ شہادت پڑھ دینے کے بعد کافی شہادت متصور ہوگی اور جن لوگوں نے جمعرات کو نماز عید الاضحیٰ کی پڑھی وہ نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور جنھوں نے جمعہ کو پڑھی، وہ ہوئی، یا نہ؟ اور کیا گیارہویں بارہویں تاریخ کو بھی نماز عید الاضحیٰ ہو سکتی ہے؟

الجواب

عدالت گواہان کی ثبوت رویت ہلال کے لیے ضروری ہے اور جب کہ گواہ عادل نہ ہوں تو ان کی گواہی پر اعتماد کر کے پنجشنبہ کو نماز عید الاضحیٰ نہ پڑھنی چاہیے تھی اور وہ نماز نہیں ہوئی۔(۱) جن لوگوں نے جمعہ کو نماز پڑھی وہ حق پر ہیں اور یہ صحیح ہے کہ عید الاضحیٰ کی نماز عذر کی وجہ سے گیارہ بارہ تاریخ کو بھی ہو سکتی ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۹۱/۵-۱۹۲)

دو عادل گواہوں کی گواہی سے رویت ثابت ہو جاتی ہے:

سوال: زید وعمر نے بظاہر کوئی خرابی نہیں ہے، عید الاضحیٰ کا چاند انتیس (۲۹) کو دیکھا اور قاضی کے پاس شہادت دی، قاضی نے شہادت کو تسلیم کر کے حکم دے دیا۔ ایک گروہ نے تیس کے چاند کے حساب سے عید کی اور ایک گروہ نے انتیس کے حساب سے اور ایک گروہ نے دونوں دن نماز پڑھی۔ اس صورت میں قاضی اور گروہ مذکور کے لیے کیا حکم ہے؟ اور شاہدین کے لیے کیا؟

الجواب

اگر دو گواہ عادل نے شہادت رویت ہلال کی دی تو رویت ثابت ہوگئی، سب کو وہاں اسی کے موافق عید الاضحیٰ کی نماز ادا کرنی چاہیے تھی، جنھوں نے باوجود عدالت شہود اس شہادت کے موافق عمل نہ کیا، غلطی کی؛ لیکن اگر شہود با قاعدہ

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار، کتاب الصوم: ۱۲۳/۱

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار، باب العیدین: ۷۸۳/۱

شرعیہ عادل ومتقی پرہیزگار نہ تھے تو پھر اس عمل نہ کرنے والے حق پر تھے۔ واضح ہو کہ قاضی شرعی اس زمانہ میں ایسا نہیں ہے، جس کا حکم باوجود گواہوں کے عادل وثقہ نہ ہونے کے نافذ مانا جائے۔ (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۲/۵-۱۹۳)

روزہ رکھ کر عید پڑھانا:

سوال: ۲۹ رمضان کے بعد چاند دیکھنے کی بہت کوشش کی گئی، مطلع بھی صاف تھا؛ مگر چاند نظر نہیں آیا۔ تراویح وغیرہ کے بعد پتہ چلا کہ بعض مواضعات پر چاند نظر آیا ہے؛ مگر ہمارے مولوی صاحب نے ان خبروں پر اعتبار نہ کیا اور روزہ رکھ کر لوگوں کے مجبور کرنے سے عید بھی پڑھا دی تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب

صورت مسئولہ مولوی نور محمد صاحب نے یہ تو درست کیا کہ محض لوگوں کی خبروں پر افطار نہ کیا؛ بلکہ روزہ رکھا؛ لیکن روزہ رکھا تھا تو نماز عید الفطر پڑھنی جائز نہ تھی۔ نماز عید الفطر نادانی اور لاعلمی پر مبنی ہے، اس پر شرعاً کوئی حد، یا تعزیر نہیں ہے اور نہ ایسا امام قابل معزول ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ محمد عبداللہ غفرلہ، ۲۷؍شوال ۱۳۷۰ھ، الجواب صحیح، بندہ خیر محمد عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۴۲/۳) ☆

---

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار کتاب الصوم: ۱۲۵/۲

☆ **مسئلہ**: شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو عید الفطر کہتے ہیں اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عید الاضحیٰ، یہ دونوں دن اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں اور دونوں میں دو دو رکعت نماز بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کی نماز صحت ووجوب کے لیے جو شرائط۔۔۔ ہیں، وہی سب عیدین کی نماز میں بھی ہیں، سوائے خطبہ کے جمعہ کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عیدین کی نماز میں شرط؛ یعنی فرض نہیں، سنت ہے اور پیچھے پڑھا جاتا ہے اور عیدین کے خطبہ کا سننا بھی مثل جمعہ کے خطبے کے واجب ہے؛ یعنی اس وقت بولنا چالنا، نماز پڑھنا سب حرام ہے۔

مسئلہ: عید الفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں: (۱) شرع کے موافق آرائش کرنا (۲) غسل کرن (۳) مسواک کرنا (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح بہت سویرے اٹھنا (۷) عیدگاہ میں بہت سویرے جانا (۸) قبل عیدگاہ جانے کے کوئی شیریں چیز مثل چھوارے وغیرہ کے کھانا (۹) قبل عیدگاہ جانے کے صدقۂ فطر دے دینا (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا؛ یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا (۱۱) جس راستے جانا اس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا (۱۲) پیادہ پا جانا اور راستے میں **الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد** آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا چاہیے۔

مسئلہ: عید الفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ نیت کرے: "**نويت أن أصلي ركعتي الواجب صلاة عيدالفطر مع ست تكبيرات واجبة**"؛ یعنی میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت واجب نماز عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھوں یہ نیت کرکے ہاتھ باندھ لے اور سبحانک اللّٰھم آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر کے ہاتھ لٹکائے اور تکبیر کے بعد اتنی توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، تیسری کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے؛ بلکہ ہاتھ باندھ لے اور اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر حسبِ دستور رکوع وسجدہ کر کے کھڑا ہو اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھ لے، اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہہ کر رکوع میں جائے۔ ==

== **مسئلہ**: عیدین کی نماز میں علاوہ معمولی تکبیروں کے زائد تکبیریں کہنا واجب ہیں۔

مسئلہ: بعد نماز کے دو خطبے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبے میں۔

مسئلہ: بعد نماز عیدین کے دعا مانگنا گو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے صحابہ اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، مگر چوں کہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے؛ اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا۔

مسئلہ: عیدن کے خطبے میں پہلے تکبیر سے ابتدا کرے، پہلے خطبہ میں نو مرتبہ اللہ اکبر کہے، دوسرے میں سات مرتبہ۔

مسئلہ: عیدالاضحیٰ کی نماز کا بھی یہی طریقہ ہے اوراس میں بھی وہ سب چیزیں مسنون ہیں، جو عیدالفطر میں، فرق صرف اس قدر ہے کہ عیدالاضحیٰ کی نیت میں بجائے عیدالفطر کے عیدالاضحیٰ کا لفظ داخل کرے، عیدالفطر میں عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی چیز کھانا مسنون ہے، یہاں بلند آواز سے اور عیدالفطر کی نماز دیر کرکے پڑھنا مسنون ہے اور عیدالاضحیٰ کی سویرے اور یہاں صدقۂ فطر نہیں؛ بلکہ بعد میں قربانی ہے اہل وسعت پر اوراذان واقامت نہ یہاں پر ہے، نہ وہاں پر۔

مسئلہ: جہاں عید کی نماز پڑھائی جائے، وہاں اس دن اور کوئی نماز پڑھنا مکروہ ہے، نماز سے پہلے اور پیچھے۔ ہاں بعد نماز کے گھر میں آکر نماز پڑھنا مکروہ نہیں اور قبل نماز کے یہ بھی مکروہ ہے۔

مسئلہ: عورتیں اور وہ لوگ جو کسی وجہ سے نماز عید نہ پڑھیں، ان کو قبل نماز عید کے کوئی نفل وغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

مسئلہ: عیدالفطر کے خطبہ میں صدقۂ فطر کے احکام اور عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں قربانی کے مسائل اور تکبیر تشریق کے احکام بیان کرنا چاہئیں، تکبیر تشریق؛ یعنی ہر فرض عین نماز کے بعد ایک مرتبہ "**اللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ أکبر اللّٰہ أکبر وللّٰہ الحمد**" کہنا واجب ہے بشرطیکہ وہ فرض جماعت سے پڑھا گیا ہو اور وہ مقام مصر ہو، یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں اگر یہ شخص کسی ایسے شخص کے مقتدی ہوں، جس پر تکبیر واجب ہے تو ان پر بھی واجب ہو جائے گی؛ لیکن اگر منفرد اور عورت اور مسافر بھی کہہ لے تو بہتر ہے کہ صاحبین کے نزدیک ان سب پر واجب ہے۔

مسئلہ: یہ تکبیر عرفہ یعنی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصر تک کہنا چاہیے، یہ سب تیئیس نمازیں ہوئیں، جن کے بعد تکبیر واجب ہے۔

مسئلہ: اس تکبیر کا بلند آواز سے کہنا واجب ہے۔ ہاں عورتیں آہستہ آواز سے کہیں۔

مسئلہ: نماز کے فوراً بعد تکبیر کہنا چاہیے۔

مسئلہ: اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہیے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں، انتظار نہ کریں، جب کہ امام کہے تو کہیں۔

مسئلہ: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہہ لینا بعض کے نزدیک واجب ہے۔

مسئلہ: عیدین کی نماز بالاتفاق متعدد مساجد میں جائز ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو عید کی نماز نہ ملی اور سب لوگ پڑھ چکے ہوں تو وہ شخص تنہا عید کی نماز نہیں پڑھ سکتا؛ اس لیے کہ جماعت اس میں شرط ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص شریک نماز ہوا اور کسی وجہ سے اس کی نماز فاسد ہوگئی ہو، وہ بھی اس کی قضا نہیں پڑھ سکتا، نہ اس کی اس پر قضا واجب ہے۔ ہاں اگر کچھ لوگ اور بھی اس کے ساتھ شریک ہو جائیں تو پڑھنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر کسی عذر سے پہلے دن نماز پڑھی نہ جاسکے تو عیدالفطر کی نماز دوسرے دن اور عیدالاضحیٰ کی بارہویں تاریخ تک پڑھی جاسکتی ہے۔ ==

== **مسئلہ**: عیدالاضحیٰ کی نماز میں بے عذر بھی بارہویں تاریخ تک تاخیر کرنے سے نماز ہو جائے گی؛ مگر مکروہ ہے اور عیدالفطر میں بے عذر تاخیر کرنے سے بالکل نماز نہ ہوگی۔

مسئلہ: اگر کوئی عید کی نماز میں ایسے وقت شریک ہوا کہ امام تکبیروں سے فراغت کر چکا ہو تو اگر قیام میں آ کر شریک ہوا ہو تو فوراً بعد نیت باندھنے کے تکبیریں کہہ لے، اگر چہ امام قرأت شروع کر چکا ہو اور اگر رکوع میں آ کر شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں کی فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر کر تکبیریں کہہ لے، بعد اس کے رکوع میں جائے اور اگر رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہو جائے، حالتِ رکوع میں بجائے تسبیح کے تکبیریں کہہ لے؛ مگر حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے اور اگر قبل اس کے کہ پوری تکبیریں کہہ چکے، امام رکوع سے سر اٹھالے تو بھی کھڑا ہو جائے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں، وہ اس کو معاف ہیں۔

مسئلہ: اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے تو پہلے قرأت کرے، اس کے بعد تکبیریں کہے، اگر امام تکبیریں کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے تو اس کو چاہیے کہ حالتِ رکوع میں تکبیریں کہہ لے، پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ جائے، تب بھی جائز ہے؛ یعنی نماز فاسد نہ ہوگی؛ لیکن ہر حالت میں بوجہ کثرتِ اژدحام کے سجدۂ سہو نہ کرے۔ (ماخوذ از دین کی باتیں، مؤلفہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

عیدالفطر:

مسلمانوں نے اپنے تہواروں کی فہرست خاصی طویل کر رکھی ہے؛ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے تہوار صرف دو ہیں: (۱) عیدالفطر (۲) عیدالاضحیٰ اور یہ دونوں تہوار دو عظیم واقعات سے وابستہ ہیں، عیدالفطر نزول قرآن کی یادگار ہے اور عیدالاضحیٰ ذبح کی عظیم یادگار ہے۔

عیدالفطر میں دوسری وجہ مسرت اور شادمانی کی یہ دن وہ ہے، جس میں مسلمان اپنے زوروں سے فارغ ہوتے ہیں؛ اس لیے دو فرحتیں حاصل ہوتی ہیں، ایک فرحت طبعی جوان کو روزہ کی عبادت شاقہ سے فراغت پانے سے اور فقیر کو صدقات لینے سے حاصل ہوتی ہے اور ایک فرحت عقلی، جو اللہ کی طرف سے عبادت مفروضہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمانے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔

دوسری اقوام کے تہوار کھیل کود اور گناہوں سے بھرپور ہوتے ہیں، بعض قوموں میں ان کے قومی تہواروں کے دن گناہ جائز ہی نہیں؛ بلکہ عبادت بن جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف برگزیدہ دین نے پانچ نمازوں کے علاوہ ایک ایک نماز کا مزہ مزید اضافہ ان دونوں دنوں میں فرما کر مسلمان کی اس حقیقت کی طرف رہنمائی فرمائی کہ مسلمان مسرت اور شادمانی کے موقع پر بھی ذکر، تسبیح، تہلیل، تکبیر، عبادت سے غافل نہیں ہوتا؛ بلکہ ان میں اضافہ ہی کر دیتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں:

''ان دونوں دنوں میں زینب وزینت کے ساتھ ذکر الٰہی اور ابواب بندگی کو بھی شامل کیا؛ تاکہ مسلمانوں کا اجتماع محض کھیل کود ہی نہ ہو؛ بلکہ ان کا اجتماع اعلاء کلمۃ اللہ کی روح کو اپنے اندر لیے ہوئے ہو''۔ (اصل عبارت ملاحظہ ہو: **وضم مع التجمل فيهما ذكر الله وأبوابًا من الطاعة لئلا يكون اجتماع المسلمين بمحض اللعب ولئلا يخلو اجتماع منهم من إعلاء كلمة الله.** (**حجة الله البالغة للإمام المحدث الشيخ أحمد المعروف بشاه ولى الله الدهلوى رحمه الله تعالىٰ: ۲/۳۰، كتب خانة رشيدى دهلى**)

(۱) عیدین کی نماز واجب ہے۔

(۲) عیدین کے خطبہ کا سننا جمعہ کے خطبہ کی طرح واجب ہے یعنی اس وقت بولنا، کھانا، پینا، سلام وجواب سب ممنوع ہیں۔

(۳) بلا عذر عیدین کی نماز چھوڑنا گمراہی و بدعت ہے۔ ==

==　　(۴)　　نمازعیدین پڑھنے کا طریقہ:

دل سے، یا زبان سے نیت کر کے تکبیر تحریمہ (اللہ اکبر) کہہ کر ہاتھ باندھ لیں اور ثنا (سبحان اللّٰھم) اخیر تک پڑھیں، پھر تین مرتبہ اللہ اکبر کہیں اور ہر ہر مرتبہ تکبیر تحریمہ کی مانند دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور ان میں ہر تکبیر کے بعد لٹکا دیں اور ہر تکبیر کے بعد امام اتنی دیر تک توقف کرے کہ اس میں تین مرتبہ سبحان اللہ کہا جاتا ہو اور یہ توقف مجمع کی کمی بیشی کے لحاظ سے مختلف ہوسکتا ہے، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ لٹکائیں؛ بلکہ حسب دستور ناف پر باندھ لیں اور امام اعوذ باللہ و بسم اللہ آہستہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور پھر کوئی سورہ جہر سے پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں، پھر حسب دستور رکوع کر کے دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو، دوسری رکعت میں امام پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی سورت جہر سے پڑھ (پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیۃ پڑھنا مستحب ہے) اور مقتدی خاموش رہیں، اس کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین زائد تکبیریں اس طرح کہے، جس طرح پہلی رکعت میں کہی تھیں؛ لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے؛ بلکہ لٹکائے رکھے، پھر بغیر ہاتھ اٹھائے ہوئے چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے اور حسب معمول نماز پوری کرے۔

عیدین کے حسب ذیل امور سنت یا مستحب ہیں:

(۱)　عیدین کے روز جلدی جاگنا اور صبح کی نماز اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھنا۔
(۲)　غسل کرنا۔
(۳)　مسواک کرنا اور یہ اس علاوہ ہے، جو وضو میں کی جاتی ہے کہ وہ وضو کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور یہ عیدین کے لیے ہے۔
(۴)　جو کپڑے اس کے پاس ہیں ان میں سے اچھے کپڑے پہننا۔
(۵)　خوشبو لگانا۔
(۶)　عیدالفطر کے روز فجر کے بعد عیدگاہ کو جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا۔
(۷)　جس پر صدقہ فطر واجب ہے اس کا نماز سے پہلے ادا کرنا (صدقہ نصف صاع؛ یعنی پونے دو سیر گیہوں آٹا، یا اس کی قیمت)
(۸)　فرحت وخوشی کا اظہار کرنا۔
(۹)　حسب طاقت صدقہ وخیرات میں کثرت کرنا۔
(۱۰)　عیدگاہ کی طرف جلدی جانا۔
(۱۱)　عیدگاہ کی طرف وقار اور اطمینان کے ساتھ جانا اور جن چیزوں کا دیکھنا جائز نہیں ہے، ان سے آنکھیں نیچی رکھنا۔
(۱۲)　عیدالفطر کی نماز کے لیے عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستے میں آہستہ تکبیر کہتے ہوئے جانا اور عیدالاضحیٰ کے روز راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہنا اور جب عیدگاہ میں پہنچ جائے تو تکبیر کہنا بند کر دے۔ ایک روایت کے مطابق جب نماز شروع ہو، اس وقت بند کرے، تکبیر یہ ہے: ''اللہ اکبر اللہ اکبر لاالٰہ الااللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد''.
(۱۳)　دوسرے راستہ سے واپس آنا۔
(۱۴)　آپس میں مبارک باد دینا مستحب ہے۔
(۱۵)　عیدین کی نماز سے واپس آنے کے گھر پر چار رکعت نماز نفل پڑھنا مستحب ہے۔ (عمدۃ الفقہ از شیخ سید زوار شاہ نقشبندی: ۲/۴۵۸-۴۶۲، ط: ادارۃ مجددیۃ، کراچی)

کتبہ: ولی حسن ٹونکی، بینات، شوال ۱۳۸۶ھ۔ (فتاویٰ بینات: ۲/۳۰۵-۳۰۷)　　==

== **عید کی نماز:**

(۱)　**عن أنس رضي الله عنه قال قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال: ما هٰذان اليومان؟ قالوا نلعب فيهما في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه و سلم: إن الله قد أبدل كما خيرًا فيهما يوم الأضحٰى ويوم الفطر.** (سنن أبي داؤد)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان لوگوں کے دو دن تھے، جن میں وہ کھیلتے تھے۔ آپ نے فرمایا: یہ دونوں دن کیسے ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا: ہم لوگ جاہلیت میں ان دنوں میں کھیلتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے بہتر بدلہ میں دیا ہے، وہ اضحیٰ اور فطر کا دن ہے۔)

(۲)　عید کے اندر لوٹنے اور بار بار آنے کا معنیٰ پایا جاتا ہے، ان دونوں دنوں کا نام عید اس لیے پڑا کہ ان میں اللہ عزوجل کے احسانات وانعامات بندوں پر بار بار ہوتے رہتے ہیں اور یہ مبارک دن بے پناہ خوشیوں کے ساتھ بار بار آتے رہتے ہیں۔(مراقی ،ص:۲۸۸)

(۳)　دونوں عیدوں کی نماز کے واجب ہونے اور صحیح ہونے کی شرطیں وہی ہیں ، جو جمعہ کی ہیں۔(طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل ،ص:۴۹۶۔۴۹۷)

عیدالفطر کے دن یہ چیزیں مستحب ہیں:

(۱)　فجر کے بعد عیدگاہ جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھالے۔
- (الف)　اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم طاق عدد کھجور کھاتے تھے، لہٰذا کھجور کھانا افضل ہے۔(شامی:۵۵۶/۱)
- (ب)　بلکہ جہاں عید کی نماز نہیں ہے، وہاں بھی اس دن کھجور سے کھانا شروع کرنا بہتر ہے(حوالہ بالا)
- (ج)　اگر گھر نہ کھاسکا تو عیدگاہ کے راستہ میں کھالے، یا عیدگاہ پہنچ کر کھالے۔
- (د)　کھجور نہ ملے تو کوئی دوسری میٹھی چیز کھالے اور میٹھی چیز نہ ملے تو جو چیز ملے کھالے۔
- (ہ)　اگر کہیں نہ کھایا تو نہ گنہ گار ہوگا اور نہ یہ مکروہ ہے۔(مراقی معہ طحطاوی:۲۸۸)
- (و)　اگر عید کی نماز کے بعد بھی عشا تک نہ کھایا تو قابل سزا ہے۔(عالمگیری:۱۵۰/۱)

(۲)　عید کے دن بعد فجر غسل کرے۔
- (۱)　خواہ (عید کی) نماز پڑھے، یا نہ پڑھے۔
- (۲)　فجر سے پہلے کرنا بھی کافی ہے۔(طحطاوی ،ص:۲۸۹)

(۳)　مسواک کرے۔

(۴)　خوشبو لگائے۔

(۵)　اچھے کپڑے پہنے، خواہ وہ نیا ہو، یا پرانا صاف ستھرا ہونا چاہیے اور جائز ہونا چاہیے۔

(۶)　انگوٹھی اس دن پہنے۔

(۷)　صبح سویرے اٹھے۔

(۸)　عیدگاہ جانے کے لیے جلدی کرے؛ تاکہ جلدی کرنے کی فضیلت اور پہلی صف میں جگہ مل جائے۔

(۹)　صدقۂ فطر واجب ہو تو لوگوں کے عیدگاہ جانے سے پہلے ادا کرے۔ ==

نمازِ عیدین کی نیت:

سوال: نمازِ عیدین کی نیت کس طرح کی جاتی ہے؟

== (۱۰) جب عیدگاہ پہنچ جائے، تکبیر کہنا موقوف کردے۔ (مراقی: ص۲۹۰)

(۱۱) دوسرے راستہ واپس آئے۔ (حوالہ بالا)

(۱۲) مسلمانوں سے ملنے پر بشاشت ظاہر کرے۔ (مراقی، ص:۲۸۹) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص:۵۰۵۔۵۰۷)

عید کی مکروہ چیزیں:

(۱) عید کے دن عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ گھر (اور مسجد) ہر جگہ نفل پڑھنا مکروہ ہے، چاہے وہ نفل چاشت (اشراق) تحیۃ المسجد (تحیۃ الوضو وغیرہ) کیوں نہ ہو، چاہے نفل پڑھنے والے پر عید کی نماز واجب ہو یا نہ ہو، حتیٰ کہ عورتوں کے لیے بھی چاشت کی نماز عید کی نماز سے پہلے پڑھنا مکروہ ہے۔

(۲) اور عید کی نماز کے بعد صرف عیدگاہ میں مکروہ ہے، عیدگاہ سے باہر دوسری جگہ مکروہ نہیں ہے۔ (مراقی مع طحطاوی، ص:۲۹۰)

(۳) زوال کے بعد عیدگاہ میں بھی نفل نماز مکروہ نہیں ہے (احسن الفتاویٰ:۱۳۰/۴)

(۴) عید کی نماز سے پہلے کسی کی فجر کی نماز قضا ہوگئی ہو تو عید سے پہلے جائز ہے؛ مگر گھر میں خفیہ پڑھے؛ تاکہ دیکھنے والے کو بدگمانی نہ ہو۔ (احسن الفتاویٰ:۱۳۰/۴)

(۵) عیدگاہ کا پہلا خطبہ شروع کرنے سے پہلے (منبر پر) بیٹھنا مکروہ ہے، منبر پر چڑھنے کے بعد بیٹھے بغیر خطبہ شروع کردے۔ (الفقه علی المذاهب الأربعه :۳۵۱/۱)

(۶) عید کے بعد مصافحہ بدعت ہے اور طریقۂ روافض ہے، اس کو ترک کرنا ضروری ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ:۱۳۹/۹، از درمختار) (طہارت اور نماز کے تفصیلی مسائل، ص:۵۰۸۔۵۰۹)

نماز عیدین کا وجوب:

سب سے پہلے عید الفطر کی نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے دوسرے سال ادا فرمائی، اسی سال شعبان میں رمضان کے روزے فرض کئے گئے، اس کے وفات تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز کی پابندی فرمائی۔ (**إن أول عيد صلاه النبى صلى الله عليه وسلم عيد الفطر فى السنة الثانية من الهجرة وهى التى فرض رمضان فى شعبانها ثم داوم النبى صلى الله عليه وسلم إلىٰ أن توفاه الله عزوجل** (رواه ابن حبان وغيره، إعلاء السنن: ۸/ ۸٤)

عیدین کے موقع سے نماز عیدین کا اہتمام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ، اور پابندی سے ثابت ہے۔ (کتب حدیث میں روایات معروف ہیں۔)

﴿**قد افلح من تزكىٰ وذكر اسم ربك فصلىٰ**﴾ (سورۂ اعلیٰ ۱۴، ۱۵) کی تفسیر میں ایک قول صدقۂ فطر اور نماز عید الفطر کا بھی منقول ہے۔ (تفسیر طبری:۱۰۰/۳۰، تفسیر ابن کثیر:۴۰۴/۸، تفسیر ماوردی:۴۴۰/۴، ۴۴۱)

اسی طرح ﴿**فصل لربك وانحر**﴾ (سورۂ کوثر:۲) کی تفسیر میں ایک قول نماز عید الاضحیٰ اور قربانی کا بھی منقول ہے۔ (تفسیر طبری:۲۱۱/۳۰، ابن کثیر:۵۲۴/۸، تفسیر ماوردی:۵۳۱/۴) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

الجواب

نمازِ عید کی نیت اس طرح کی جاتی ہے کہ میں دو رکعت نماز عید الفطر، یا عید الاضحیٰ واجب مع تکبیرات زائد کی نیت کرتا ہوں۔(۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۵۴/۴)

محض نیت سے بغیر عمل نماز نہیں ہوتی:

سوال: چند لوگ عیدگاہ اس وقت پہنچے کہ نماز ہو چکی تھی، امام صاحب نے کہا کہ چوں کہ تم لوگ نماز پڑھنے کی نیت سے آئے تھے، تمہاری نماز ہو چکی اور انہوں نے نماز نہیں پڑھی۔ کیا نماز کی نیت کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے، عیدگاہ میں دوبارہ نماز پڑھی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

مفتی بہ قول ہے کہ تعدد نماز عیدین درست ہے؛ یعنی چند جگہ ایک قصبہ وشہر میں نماز عیدین ہو جاتی ہے۔ پس جو لوگ بعد میں آئے، ان کو یہ جائز تھا کہ علاوہ عیدگاہ کے دوسری جگہ کسی میدان، یا کسی مسجد میں نماز عید ادا کر لیتے؛ کیوں کہ اس عیدگاہ میں دوسری جماعت کرنا مکروہ ہے اور یہ غلط ہے کہ محض نیت کر لینے سے نماز ہو جاتی ہے۔ پس جن لوگوں نے نماز نہیں پڑھی، ان کی نماز نہیں ہوئی؛ مگر اب اس کی قضا بھی نہیں ہے۔ امام صاحب سے یہ غلطی ہوئی کہ ان کو ایسا مسئلہ بتلایا۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۹/۵-۲۲۰)

عیدین میں مسنون قرأت:

سوال: نماز عیدین میں کون سی سورتوں کی قرات سنت ہے؟

الجواب

سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ کا پڑھنا سنت ہے؛ مگر اس قدر معمول نہ بنالیں کہ لوگ انہی کو ضروری سمجھ لیں اور کسی اور سورت کو پڑھنا درست نہ سمجھیں۔

"ویقرأ کا لجمعة". (الدر المختار)

(قوله: یقرأ کالجمعة) أی کا لقراء ة فی صلاة الجمعة لما روی أبو حنیفه رحمه اللّٰه تعالیٰ أنه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یقرأ فی العیدین ویوم الجمعة الأعلیٰ والغاشیة، کما فی الفتح وقال فی

---

(۱) وکیفیة صلا تها أی العیدین أن ینوی عند أداء کل منهما صلاة العید بقلبه ویقول بلسانه أصلی صلاة العید للّٰه تعالیٰ، الخ. (مراقی الفلاح علیٰ هامش الطحطاوی، ص: ۲۹۰، باب العیدین، طبع میر محمد کتب خانه)

(۲) الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العیدین: ۷۸۳/۱

البدائع: فإن تبرک بالاقتداء به صلی الله علیه وسلم فی قراء تهما فی أغلب الأوقات فحسن لکن یکره أن یتخذ هما حتماً لایقرأ فیها غیرهما لماذکرنا فی الجمعة،آه.(ردالمحتار:۷۸۱/۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۳۶/۳)

عیدین کی نماز واجب ہے، یا نفل:

سوال: ایک امام صاحب عیدین کی نماز کو نفل نماز قرار دیتے ہیں اور لوگوں میں عید کی نماز کے قبل اعلان کیا کہ نفل نماز کی نیت کرو واجب کی نیت نہ کرنا اسی سال یہ مسئلہ ایجاد کیا ہے۔ پس صحیح کیا ہے؟

الجواب

عید کی نماز کی نیت نماز واجب کی کرنی چاہیے، نہ کہ نفل کی؛ کیوں کہ نماز عید کی واجب ہے۔قال فی الدر المختار: تجب صلاتهما فی الأصح. قال الشامی: وقد ذکرنا مراراً أنها بمنزلة الواجب،الخ.(۷۷۴/۱)

پس امام صاحب مذکور کی یہ جہالت اور ہٹ دھرمی ہے کہ وہ لوگوں کو حکم دیتے ہیں کہ نفل نماز کی نیت کرو۔ حدود اللہ کے بدلنے کے درپے ہونا سخت جہالت ہے، نہ معلوم اس میں ان کا کیا فائدہ ہے؟ اس سے احتراز کریں اور نماز واجب کی نیت کریں۔ فقط

کتبہ: رشید احمد، الجواب صحیح: عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۳۲/۵)

نماز عید مناسب وقت پر ادا کیا جائے:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز عیدگاہ میں دس بجے سے گیارہ بجے تک ہوتی ہے، حالاں کہ نماز عیدالاضحیٰ جلد ہونا چاہیے؛ مگر اکثر اشخاص کہتے ہیں کہ دیہات کے لوگ چوں کہ دیر سے پہنچتے ہیں، اس وجہ سے نماز میں تاخیر ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے، نماز پڑھنے والے چند اشخاص جو کہ قربانی کی جلدی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں کہ ہم اسی میں سے کچھ پکوا کر کھائیں تو ان کو اتنی دیر ہو جاتی ہے کہ کھانا بعد دوپہر ملتا ہے تو ایسی حالت میں ان اشخاص کو کیا یہ اجازت ہے کہ وہ اول وقت کسی مسجد میں نماز ادا کرلیں اور بعدہ قربانی کریں۔ ان دونوں صورتوں میں کون افضل ہے؟

(المستفتی:۲۰۱۵،ظفر یار خاں صاحب (ہردوئی) ۲۰؍رمضان ۱۳۵۶ھ،مطابق ۱۵؍نومبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

کوشش کی جائے کہ نماز عید زیادہ سے زیادہ دس بجے ادا کرلی جائے؛ لیکن اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو علاحدہ نماز پڑھنا بہتر نہیں ہے۔ قربانی میں تاخیر اور اس کی وجہ سے کھانے میں تاخیر برداشت کرلینا بہتر ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۲/۳-۳۰۳)

---

(۱) ویندب تعجیل الأضحی لتعجیل الأضاحی وتأخیر الفطر،لیؤدی الفطرة،کما فی البحر.(رد المحتار،کتاب الصلاة،باب العیدین:۱۷۱/۲،ط:سعید)

جونماز ہوچکنے کے بعد عیدگاہ پہنچا وہ بطریق ذیل نماز نفل پڑھ لے:

سوال: زید تیاری وغیر کر کے عیدگاہ پہنچا تو لوگ فارغ ہوکر عیدگاسے ہ لوٹ رہے تھے۔ آیا زید بھی لوٹ آئے، یا کچھ نفل وغیرہ پڑھ لے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــ

زید بترتیب ذیل چار نفل پڑھ لے۔

ومن خرج إلى الجبانة ولم يدرك الإمام في شيء من الصلاة إن شاء انصرف إلىٰ بيته وإن شاء صلىٰ ولم ينصرف والأفضل أن يصلي أربعاً فتكون له صلاة الضحى لماروى عن ابن مسعود رضي اللّٰه عنه أنه قال: من فائتة صلاة العيد صلىٰ أربع ركعات يقرأ في الأولىٰ سبح اسم ربك الأعلىٰ وفي الثانية والشمس وضحها وفي الثانية و الليل إذا يغشى وفي الرابعة والضحى وروى في ذلك عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم وعداً جميلاً وثواباً جزيلاً، آه. (قاضي خان: ۸۸/۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۴۴/۳)

دیہات وجنگلات میں عید کی نماز:

سوال: بڑی بستی سے باہر رہنے والے کاشتکاروں کا مسجد کی بڑی جماعت چھوڑ کر کرایہ کی کھیتی میں اور جھونپڑے میں متعدد جماعتوں میں عیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ حالاں کہ شرعی امر مانع نہیں۔

حامدًا ومصليًا الجواب ـــــــــــ وباللّٰه التوفيق

اگر یہ کاشتکار ایسے مقام میں رہتے ہیں کہ وہ مقام اس بستی کے ملحقات وتوابعات میں ہی ہیں تو جمعہ وعیدین کی نماز ان لوگوں کو بڑی بستی میں ادا کرنا ضروری ہے۔ دیہات وجنگلات میں جمعہ وعید ادا کرنا جائز نہیں اور اگر کاشتکار جہاں آباد ہیں، وہ مقام اس بستی کی حدود سے خارج ہے تو ان لوگوں پر جمعہ وعید فرض نہیں۔ بہر حال یہ کاشتکار جمعہ وعیدین بڑی بستی میں پڑھ سکتے ہیں، دیہات وجنگلات میں عیدین کی نماز جائز نہیں۔

صلاة العيد في القرىٰ تكره تحريمًا: أي لأنه اشتغال بما لا يصح ؛ لأن المصر شرط الصحة. (الدر المختار) **(قوله: صلاة العيد) ومثله الجمعة (قوله: بما لايصح) أي علىٰ أنه عيد وإلا فهو نفل مكروه لأدائه بالجماعة".** (۱)

ایسے جنگلوں میں عیدین کی نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۲۷/۳-۱۲۸)

---

(۱) ردالمحتار، باب العيدين، قبيل مطلب: فيما يترجح تقديمه من صلاة عيد، الخ: ۱٦۷/۲، دار الفكر بيروت، انيس

دیہات میں نمازعیدین:

سوال: اسماعیل پور گھڈ یہا میں عرصۂ دراز سے عیدین ہوتی ہے، اس میں بجز ایک بنیا کے کوئی دوکان نہیں ہے، نہ یوم بازار ہے، نہ کوئی مسجد ہے، باشندے عوام ہیں، فتنہ کا اندیشہ ہے، لہذا میری درخواست ہے کہ عیدین کی اجازت دے کر راہ راست پر لائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اسماعیل پور میں نماز پڑھنے کی اجازت حسب حکم حضرت امیر شریعت مدظلہ العالی مسلمانوں کو دی جاتی ہے۔ اسماعیل پور کے باشندے، یا اس اطراف کا کوئی آدمی اگر وہاں نہ پڑھنا چاہے تو اس سے کسی قسم کی خصومت ونزاع نہ کی جائے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۹/۹/۱۳۵۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۳/۲) ☆

عید کی نماز کھیت، یا زراعت کی زمین میں صحیح ہوگی:

سوال: عید کی نماز کھیت، یا زراعت کی زمین پر ادا کرے تو ہوگی، یا نہیں؟ اور اگر واجب ادا نہ ہو تو کیا وہ نماز سنت، یا نفل ہو جائے گی، یا مکروہ تحریمی ہوگی؟ کیا اس قسم کی نماز پڑھ لینے والوں کو توبہ کر لینی چاہیے، یا نہیں؟

---

(۱) إذن الحاکم ببناء الجامع فی الرستاق اذن بالجمعة اتفاقًا علٰی ما قاله السرخسی واذا اتصل به الحکم صار مجمعًا علیه. (الدرالمختارعلٰی هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۶/۳-۷)

وتقع فرضًا فی القصبات والقریٰ الکبیرالتی فیها أسواق، قال أبو القاسم هٰذا بلاخلاف إذا أذن الوالی أوالقاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة، لأن هٰذا مجتهد فیه، فاذا اتصل به الحکم صارمجمعًا علیه. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۶/۳-۷)

☆ **عیدین کا وجوب اسی جگہ ہے، جہاں جمعہ ہے (یعنی شہر اور شہر جیسی آبادیاں):**

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد معروف ہے: ''جمعہ، تکبیر تشریق، اور نماز عید الفطر وعید الاضحیٰ صرف شہر جامع، یا بڑی آبادی میں ہے''۔ (عن علی رضی اللّٰه عنه قال: لا جمعة ولاتشریق ولاصلاة، ولاأضحی إلا فی مصر جامع أومدینة عظیمة. (ملاحظہ ہو، حدیث: ۳۶۶)

ابوطرفہ عباد بن ریان لخمی کا بیان ہے: ''میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا وہ حمص سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں تھے، اور عید کا دن تھا تو ہم نے عرض کیا، چلئے ہم کو عید پڑھائے تو انہوں نے فرمایا: نہیں رم لوگ تنہا ہی پڑھ لو''۔ (عن أبی طرفة عباد بن الریان الخمی الحمصی قال: ''أتیت المقدام بن معدی کرب وهو فی قریة علٰی أمیال من حمص یوم عید فقلنا: اخرج فصل بنا العید فقال: لا صلوا فرادیٰ''. (أخرجه الطبرانی فی الکبیر، إعلاء السنن: ۱۱۹/۸) باب المنفرد یصلی العید/ (مجمع الزوائد: ۲۰۸/۲) وفیه أبو طرفة لا أعرفه قال صاحب الإعلاء: هو تابعی، والمستور فی القرون الثلاثة مقبول عندنا. أقول: وفی ابن أبی شیبة (۲۲۴/۴-۲۵۵) وعن غیرهما أیضاً نفی العید الا مع الامام أو فی قریة جامعة ونحو ذلک) (یعنی: اگر نماز پڑھنا ہی ہے تو بطور نفل تنہا پڑھ لو) (جیسا کہ اعلاء السنن (۱۱۹/۸) میں بھی ذکر کیا ہے۔) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

حامدًا ومصليًا الجواب ـــــــــــــ وبالله التوفيق

صحیح وسنت طور پر ادا ہوگی، واجب ہی ادا ہوگی اور بوجہ جنگل میں ادا ہونے کے سنت کا ثواب، جو عیدگاہ میں جانے سے ملتا ہے، وہی ملے گا۔

ثم خروجه إلى الجبانة وهي المصلى العام. (البحر الرائق: ۱۵۹/۱، والدر المختار: ۱۱٤/۱)(۱) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۲۹/۳)

گاؤں میں نماز جمعہ وعیدین درست نہیں:

سوال: ہمارے علاقہ میں قدیم سے رواج چلا آتا ہے کہ عیدین کے دن ہر گاؤں میں خواہ وہ چھوٹا ہو، یا بڑا نماز عیدین بہ نیت نفل باجماعت ادا کرتے ہیں اور جس گاؤں میں کوئی عالم ہو تو وہاں کچھ وعظ ونصیحت وشوکت اسلام کی اچھی رونق ہو جاتی ہے۔ اب یہاں بعض علما نے آکر عیدین فی القراء کو منع فرمایا ہے اور کہا: تم تمام حنفی المذہب ہو اور عندالاحناف جہاں جمعہ ہے، وہاں عید بھی ہے اور تم جمعہ نہیں پڑھتے ہو اور عیدین (ضرور) ادا کرتے ہو، یہ کیا وجہ ہے؟ جب علما نے یوں کہا کہ تو عوام کالانعام نے شور وغل مچا دیا، جب عید نہیں تو قربانی وفطر کیسا؟ حتی کہ بعضوں نے فطرہ اور قربانی کو ترک کر دیا ہے، اسی موضع میں میرے دادا صاحب اور والد صاحب اور ماموں صاحب جو کہ اچھے عالم ہیں، بحسب رواج قدیم کے عیدین ادا کرتے چلے آئے ہیں۔ اب میرے ماموں صاحب یہاں کے امام مسجد ہیں اور احقر بھی انہی کے ساتھ شامل ہے، جب علماء نے جماعت نوافل وعیدین کو منع کیا تو مجھ سے بھی مسئلہ پوچھا گیا، میں نے بھی منع کیا، چناں چہ کتب فقہ میں ہے؛ مگر بوجہ کمال خوشی اس دن کے ان لوگوں نے کچھ توجہ نہ کی، چوں کہ میں بحمداللہ وفضلہ تعالیٰ کچھ طالب علم ہوں، میرا عیدین میں شامل ہونا ضروری سمجھتے ہیں اور وعظ وغیرہ کا اشتیاق رکھتے ہیں اور میری عدم شمولیت ان پر سخت ناگوار گذرتی ہے۔ اب گذارش یہ ہے کہ اس پرآشوب زمانہ میں اس رواج کے متعلق کیا ارشاد ہے، آیا اس کو برقرار رکھا جائے، یا اس سے حتی الوسع برکنار ہوا جائے اور اس کے ادا کرنے میں عندالشرع کوئی جرم ہے، یا نہیں؟ اب تو پنجاب کا شاید کوئی موضع ایسا ہوگا کہ عیدین اس میں نہ پڑھی جاتی ہوں، حتی کہ اب جمعہ کا رواج بھی اکثر مقاموں میں بہت پھیل رہا ہے۔ پس اگر جمعہ کو بھی بغرض تبلیغ احکام کے پڑھا جائے تو جائز ہوگا، یا نہیں؟ حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مصفی شرح موطأ امام مالکؒ میں فرماتے ہیں:

---

(۱) البحر الرائق، باب العيدين: ۱۵۹/۲، الدر المختار، باب العيدين: ٤۹/۳

مغرب میں لکھا ہے کہ جبانہ نماز کی وہ جگہ ہے، جو جنگل میں بنائی جاوے، جیسے عیدگاہ۔ (قوله: المصلى العام) أي في الصحراء، بحر عن المغرب. (ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: يطلق المستحب على السنة: ٤۹/۳)

''پس ظاہر آنست کہ دروہ اگر دون از اربعین جمعہ خوانند نماز ایشاں صحیح باشد ومتخلفان آثم باشند'' انتہی ۔(ص:۱۵۲)

اگر نماز عیدین کو جماعت کے ساتھ نہ پڑھا جاوے تو کیا فرادیٰ فرادیٰ ادا کر سکتے ہیں، یا نہیں؟ ۳ر نفلوں کی جماعت تو احادیث سے ثابت ہے، چناں چہ صحیح بخاری کی شرح تیسیر القاری، باب صلوٰۃ النفل بجماعۃ درجواز ہائے نفل باجماعت اور فتح الباری، باب صلاة النفل جماعة: ''قيل مراده النفل المطلق ويحتمل ما هو أعم من ذلک''.

اور شرح الیاس میں ہے:

''ويصلى التطوع بجماعة خارج رمضان''.

نیز صحیح بخاری میں ہے:

''لقول النبی صلی اللّٰه عليه وسلم هٰذا عيدنا يا أهل الاسلام، وأمر أنس بن مالک مولاهم ابن أبی عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه وصلٰى كصلاة المصر وتكبير هم وقال عكرمة: أهل السواد يجتمعون فی العيد ويصلون ركعتين كمايصنع الامام، وقال عطاء: إذا فاته صلٰى ركعتين'' انتهٰى.(۱)

تو اب عرض ہے کہ فقہا اس کو مکروہ کیوں لکھتے ہیں اور اگر مکروہ ہے تو تحریمہ ہے، یا تنزیہہ؟ اگر تحریمہ ہو تو شرعاً اس کا کیا نتیجہ اور سزا وجزا ہے، مفصل مسجل ہو؟

الجواب

قال علی رضی اللّٰه: ''لاجمعة ولا تشريق ولا فطر ولاأضحٰى إلا فی مصر جامع أومدينة عظيمة''. رواه ابن أبی شيبة فی المصنف بسند حسن كماحققته فی إعلاء السنن وللّٰه الحمد، وهو موقوف فی حكم المرفوع لكونه وارداً علٰى خلاف القياس المستمر فی الصلوات من عدم تقييدها بمكان دون مكان، قال تعالٰى: وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره، وقال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: جعلت لی الأرض كلها مسجداً طهوراً.

اثر مذکور کی بنا پر حنفیہ کے نزدیک دیہات میں جمعہ وعیدین کی نماز درست نہیں؛ بلکہ ان کے لیے قصبات، یا شہر ہی محل ہیں اور عوام کا الانعام کی ضد سے احکام شرعیہ نہیں بدل سکتے اور نفل نماز کی جماعت بالتداعی مکروہ تحریمی ہے اور جن احادیث سے جماعت نوافل ثابت ہے، وہ صلوٰۃ کسوف اور استسقاء کے باب میں ہیں، یا جماعت بلاتداعی واہتمام تھی اور حضرت انس کا اثر حنفیہ کے معارض نہیں؛ کیوں کہ حضرت انس کا زاویہ بصرہ کے توابع سے تھا، یا وہاں حضرت انس کو اقامت جمعہ وعیدین کی والی بصرہ کی طرف سے اجازت ہوگی اور حاکم مسلم کی اجازت کے بعد دیہات میں بھی حنفیہ

(۱) صحيح البخاری، باب إذا فاته العيد يصلی ركعتين: ۲۳/۲، دار طوق النجاه، انيس

کے نزدیک جمعہ درست ہے، جب کہ دیہات میں حاکم کی طرف سے کوئی نائب مقدمات کے فیصلے کے لیے متعین ہو اوراحتمالات کے ہوتے ہوئے، استدلال باطل ہے، جیسا کہ طلبہ کو معلوم ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے شرح موطأ میں حنفیہ کا مذہب نہیں لکھا؛ بلکہ امام مالک کے کلام کی شرح کی ہے، پس اس سے بھی استدلال صحیح نہیں۔

(امدادالاحکام:۲/۳۹۰-۳۹۱)

عیدین کی نماز کے لیے باہر نکلنا سنت ہے:

السوال: ماقولكم أيها العلماء الكرام رحكم الله ودام فضلكم فى أن الخروج إلى المصلى يوم العيدين لصلوتهما مستحب ام سنة مؤكدة وان ماتعريف المصلى وماحكمه وما شرائط وجوهما وأدائهما وأين يصلى النبى صلى الله عليه وسلم صلاة العيدين مدة عمره الشريف بينوا المسائل الخمسة بعبارة واضحة بحوالة الكتاب فتصيبوا أجراًجزيلاً من الله العزيز الوهاب.

الجواب

وهوالملهم للصواب الخروج الى المصلى يوم العيدين لصلاتهما بالقول المعتبروالصحيح عند عامة الفقهاء سنة مؤكدة لامستحب وان كان بعضهم قائلين باستحبابه لكن الصحيح والمعتبرعندهم كونه أى كون الخروج إلى المصلى يوم العيدين سنة مؤكدة كما حققه العلامة مولانا عبدا لحى رحمه الله فى كتابه المسمى بمجموعة الفتاوى تحت جواب السوال المهندس بهندسة:۱۸۷،على الصحفة المهندسة بهندسة: ۳۷۵ و۳۷۶،بهذه العبارة هو المصوب.

بعض فقہاء قائل باستحباب آں شدہ اند؛ لیکن صحیح ومعتبر نزد ایشاں بودنش سنت مؤکدہ است، درالبحرالرائق از تجنیس نقل می سازد:

”والخروج إلى الجبانة سنة لصلاة العيدين وإن كا ن يسعهم المسجد الجامع عند عامة المشائخ هوالصحيح“انتهٰى. (۱)

وہمچنیں است درنبرازیہ وجامع الرموز ومنح الغفار شرح تنویرالابصار وغیرہ واز کتب احادیث وسیر ثابت است کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دائماً برائے نماز عیدین بصرا تشریف می بردند وفی عمرہ بجیز یک مرتبہ بعذر بارش گاہے درمسجد خود کہ از جملہ اماکن بدر جہا افضل است نماز عیدین ادانفرمودہ اند وخلفائے راشدین ہم بریں مواظبت فرمودہ اند وایں مواظبت نہ برسبیل عادت بودنہ بوجہ ضرورت؛ بلکہ برسبیل عبادت تابوجہ کثرت جمعیۃ تزاید ثواب گردد وشوکت اسلام ظاہر گرددوھذا آیۃ للسنۃ علی سبیل التاکید وفی موضع آخر من ھذا الکتاب تحت جواب السوال المھندس بھندسۃ

---

(۱) البحرالرائق،باب العیدین

:۱۹۴و۳۸۵و۳۸۶، ہٰذا الجواب خروج الی الجبانۃ برائے نماز عیدین سنت مؤکدہ است، چناں چہ محشی شرح وقایہ مولوی عبدالحی دام فضلہ برحاشیہ شرح وقایہ عمدۃ الرعایہ تحریرفرمودہ اند، قال فی شرح الوقایہ: حبب یوم الفطر أن یاکل قبل صلاته ویستاک ویغتسل ویتطیب ویلبس أحسن ثیابه ویؤدی فطرته ویخرج إلی المصلی غیر مکبر جهراً فی طریقه،انتهی.

(قوله:حبب) بصیغة المجهول من التحبیب والمراد به أعم من السنة المؤکدة والمستحب فإن بعض الأمور المذکورة عدوه من السنن الموکدة وغیر قوله:یستاک هذا من السنن العامة عند کل وضوء ومستحب عند کل صلاة فیکون مستحبا وسنة أیضا فی العیدین بالطریق الأولیٰ، قوله: ویودی فطرته بالکسر أی صدقة الفطر وهوإن کان أداء ها واجبا لکن أداء ها قبل الخروج إلی المصلی مسنون هو المنقول عن ابن عمر، قال: أمرنا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یوم الفطر أن تؤدیها قبل خروج الناس إلی الصلاة،أخرجه البخاری ومسلم، قوله: ویخرج إلی المصلی بصیفة المفعول هوموضع فی الصحراء یصلی فیه صلاة العیدین ویقال له الجبانة ومطلق الخروج من بیته إلی الصلا ة وإن کان واجبا بناء علیٰ أن مایتم به الواجب واجب لکن الخروج إلی الجبانة سنة مؤکدة وإن وسعهم المسجد الجامع فإن صلوا فی المساجد المصر من غیرعذرجازت صلاتهم وترکو السنة هٰذا هوالصحیح کما فی الظهیریة وفی الخلاصة والخانیة: السنة أن یخرج الإمام إلی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء بناء أعلیٰ أن صلاة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق،انتهیٰ، والأصل فیه أن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم کان یخرج إلی المصلی ولم یصل صلاة العیدین فی مسجد مع شرفه إلا مرة بعذر المطر،کما بسطه ابن القیم فی زاد المعاد والقسطلانی فی مواهب اللدنیة وغیرهما والأحادیث فی هٰذا الباب مخرجة فی کتب السنن وغرها وقد وقع النزاع بین العلماء فی عصرنا فی أن الخروج إلی المصلی سنة أم مستحب فأفتیٰ أکثرهم بأنه سنة مؤکدة وهٰذا هو القول المنصورالموافق لکتب الأصول والفروع المطابق لما علیه الجمهوروقیل:إنه مستحب وهوقول باطل لاوجه له وأفرط بعضهم فقال أنه واجب وهوقول مردود ولاعبرة به و للتفصیل مقام آخر،انتهیٰ. وقال فی الدرالمختار: وندب یوم الفطرأکله إلیٰ قولهٖ وأداء فطرته صح عطفه علیٰ أکله؛لأن الکلام کله قبل الخروج ومن ثم أتی بکلمة ثم خروجه لیفید تراخیه عن جمیع مامر ماشیاً إلی الجبانة وهی المصلی العام والواجب مطلق التوجیه والخروج الیها أی إلی الجبانة لصلاة العید سنة وأن یسعهم المسجد الجامع وهو الصحیح .

والمجیب مصیب فیما أجاب محمد عباس علٰی هٰذا الجواب موافق للسنة والکتاب حرره الفقیر محمد محسن الجونفوری.

الجواب صحیح والرائ نجیح لا شبهة فی أن مقتضی الأدلة الشرعیة هو کون الخروج إلی المصلی سنة مؤکدة والقول بالاستحبا ب لیس بمعتبر عند أولی الألباب. حرره الراجی عفوربه القوی أبو الحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللّٰه عن ذنبه الجلی والخفی.

وأما تعریف المصلی قد مر فی ضمن هٰذا الجواب وأما حکمه أی حکم المصلی کحکم سائر المساجد وأما شرائط أدائهما ووجوبهما هی شرائط الجمعة وجوباً وأداءً سوی الخطبة کما قال فی شرح الوقایة شرط لها شروط الجمعة وجوباً وأداءً الا الخطبة و أما المواضع الذی کان یصلی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فیه صلٰوة العیدین هو موضع فی الصحراء خارج المدینة المنورة فی جانب الغربی من المسجد النبوی صلی اللّٰه علیه وسلم وبینه وبین المسجد الشریف ألف أذرع، کما قال مولانا محمد عبدالحیء فی کتابه المذکور (٦٦/٣) بهذه العبارة:

قوله از عادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آں بود کہ بطرف مصلی تشریف می بردند وآں مکا نشے است بیرون مدینہ منورہ جانت غربی مسجد شریف ومیان وے ومسجد شریف ہزار ذراست۔ کما قال ابن حجر۔ واللہ اعلم بالصواب

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۵/۵-۱۸۸)

نماز عیدین عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے:

سوال: ہمارے ہان شہر بھروچ میں نماز عید کے لئے قاضی شہر ایک جلسہ کے ساتھ بیرون شہر جا کر نماز عید کو عیدگاہ پر جماعت کثیر کیساتھ ادا کرتے ہیں اور بہت سے لوگ اپنے اپنے محلّہ کی مسجدوں میں چھوٹی چھوٹی جماعت کے ساتھ نماز عید ادا کر کے اپنے اپنے کاروبار مین مشغول ہوجاتے ہیں یا عیدگاہ سیر وتماشا کے لئے چلے جاتے ہیں، حالانکہ عیدگاہ نہایت وسعت کے ساتھ بنائی گئی ہے، جس وقت خطیب خطبہ پڑھ رہا ہے یہ لوگ سیر کرتے پھرتے ہیں۔ پس جو لوگ محلّہ کی مسجد میں نماز گزارتے ہیں اور جو لوگ ہمراہ قاضی بیرون شہر عیدگاہ میں نماز پڑھتے ہیں تو ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ دوسرے یہ کہ جب قاضی شہر نماز عید کے واسطے عیدگاہ روانہ ہوا اس وقت بغیر عذر دوسروں کو محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب

عید کی نماز شہر سے باہر جا کر عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

والخروج إليها (أى الجبانة) لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع وهو الصحيح. (۱)

اورشہر میں بلاعذر عید کی نماز پڑھنا مکروہ ہے، اگر چہ نماز ہوجائے گی؛ مگر ثواب کم ہوگا اور اگر عذر ہو تو بلاکراہت جائز ہے۔ في الخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء والمرضٰى والإضراء ويصلي هو في الجبانة بالأقرياء والأصحاء وإن لم يستخلف أحداً كان له ذلك. (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۳/۳-۲۹۴)

نمازعیدین کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے:

سوال: نمازعیدین مسجد ہی پڑھنی چاہیے، یا جنگل میں، شرعی حکم کیا ہے؟ جولوگ اپنی ضد نفسانیت سے عناداً جنگل میں نہ جائیں اور مسجد ہی میں پڑھیں اور خطیب جامع مسجد دوسرے لوگوں کے ہمراہ جنگل میں پڑھتا ہو اور تھوڑے اپنی نفسانیت سے نہ جائیں اور کوئی عذر شرعی بھی نہ ہو تو ان کا کیا حکم ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

نمازعیدین کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے، بلاوجہ اس سنت کا چھوڑنا برا ہے؛ لیکن اگر کوئی جماعت شہر ہی میں عید کی نماز بلاعذر پڑھ لے تو اس کو بھی ملامت نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ صلوٰۃ عید کا متعدد مواقع پڑھنا بالاتفاق جائز ہے اور اگر کوئی جماعت بستی میں عید کی نماز اس لیے پڑھے کہ مثلاً عیدگاہ کا امام جاہل، یا فاسق ہے تو یہ جماعت اس فعل میں معذور ہے۔

قال في الدر: والخروج إليها أى الى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح، آه.

قال الشامي: (قوله: وهو الصحيح) قال في الظهيرية: وقال بعضهم: ليس بسنة وتعارف الناس ذالك لضيق المسجد وكثرة الإزدحام والصحيح هو الأول، آه، و في الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الإمام إلى الجيانة ويستخلف غيره ليصلي في المصر بالضعفاء بناء علىٰ أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق وإن لم يستخلف ذلك، آه، نوح. (۸٦٧/۱)

---

(۱) الدرالمختار، باب العيدين: ۱٦۹/۲، ط: سعيد

(۲) فتاویٰ قاضی خان علىٰ هامش الهندية، باب صلاة العيدين: ۱۸۳/۱، ط: ماجدية

وفي عمدة الرعاية حاشية شرح الوقاية: والأصل فيه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يخرج إلى المصلى ولم يصل صلاة العيد في مسجده مع شرفه إلا مرة بعذر المطر، كما بسطه ابن القيم في زاد المعاد، والقسطلاني في مواهب الدنية وغيرهما۔ (باب العيدين: ۲۰۲/۱، ط: سعيد)

والدليل على الجزء الأخير كراهة الصلاة خلف الفاسق اتفاقاً.

لیکن دینی کاموں میں ضد اور نفسانیت کو کام میں لانا گناہ ہے، اگر کوئی غرض محمود ہو تو بستی میں بھی عید کی نماز جائز ہے۔ (امداد الاحکام: ۲/۲۴۶-۲۴۷)

عید کی نماز عیدگاہ میں:

سوال: عیدگاہ کے عام طور سے جنگل میں ہوتی ہے، وہاں عیدین کی نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے جاتے اور یہ عیدگاہ مدینہ سے باہر مسجد شریف کے مغرب میں تھی اور عیدگاہ اور مسجد کے درمیان کا فاصلہ ایک ہزار ذراع کا تھا۔ (کذا قال ابن حجر) اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک مرتبہ کے - بارش کی وجہ سے - ہمیشہ عیدگاہ میں نماز ادا کی۔ (کذا روى أبو داؤد وابن ماجة)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت وکرامت کے عیدین کی نمازیں عیدگاہ میں ادا فرمائیں، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسجدوں میں ادا کرنے کے بجائے نمازِ عید کے لیے جنگل کی طرف جانا افضل ہے اور بعض لوگوں نے کہا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کثرت اور مسجد کے ناکافی ہونے کی وجہ سے ایسا کیا اور اب چوں کہ مسجد کافی وافی ہے، لہذا اہل مدینہ مسجد کو چھوڑ کر باہر نہ جائیں؛ بلکہ مسجد ہی میں ادا کریں اور اہلِ مکہ ابتدا ہی سے مسجد میں نماز پڑھنے کے عادی ہیں اور اسی پر ثابت قدم ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے بھی اپنی بعض تصانیف میں یہی فرمایا۔

اور شارح ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام کے لیے شہر سے باہر جانا سنت ہے اور شارح صراطِ مستقیم کہتے ہیں کہ ایک شہر میں متعدد جگہ پر بھی نماز عید پڑھ لینا جائز ہے، انتھیٰ۔ (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحئی اردو: ۲۲۷)

نماز عید آبادی سے باہر ادا کرنا افضل ہے:

سوال: عیدگاہ مقررہ کو چھوڑ کر دیگر جگہ سفید میں پڑھنا کیسا ہے، بہتر جگہ کون سی ہے؟

(المستفتی: ۲۱۱۴، شیخ محمد شفیق صاحب (فیروز پور) ۱۱/ شوال ۱۳۵۶ھ، ۱۵/ دسمبر ۱۹۳۷ء)

الجواب

عیدگاہ آبادی سے اگر باہر ہو تو اس میں نماز پڑھنی جائز ہے اور آبادی کے اندر ہو اور آبادی سے باہر نماز کے لیے

زمین مناسب موجود ہواور مالک زمین کی اجازت ہوتو باہر عید کی نماز پڑھنی اولیٰ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۳/۳)

نماز عید عیدگاہ میں ادا کرنا افضل واولیٰ ہے:

سوال: عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے، یا جامع مسجد میں؟

(المستفتی:۲۲۰۳،فرزند علی صاحب (برما) ۱۷/ذی قعدہ ۱۳۵۶ھ،۲۰/جنوری ۱۹۳۸ء)

الجواب

عید کی نماز باہر میدان میں یا عیدگاہ میں پڑھنا افضل ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۳/۳)

نماز عید مسجد میں جائز ہے؛ مگر عیدگاہ میں افضل ہے:

سوال: کسولی ایک پہاڑی مقامی ہے، فوجی چھاؤنی ہے، مجموعی آبادی قریباً تین ہزار ہے، مسلمانوں کی آبادی قریبا ایک ہزار ہے، یہاں ایک ہی مسجد ہے، عیدین کی نماز اسی مسجد میں پڑھی جاتی ہیں، اس مرتبہ بعض مسلمانوں نے سنت نبوی کو تتبع کرتے ہوئے نماز عید باہر میدان میں ادا کی۔ اس پر بعض مسلمانوں نے یہ کہا کہ جن لوگوں نے نماز عید میدان میں ادا کی ہے، ان کا جنازہ مسجد میں نہ آنے پائے۔

الجواب

عیدین کی نماز آبادی سے باہر میدان میں، یا اسی غرض سے بنائی ہوئی عیدگاہ میں پڑھنی سنت ہے، اگر چہ شہر کی مسجد میں پڑھ لینی جائز ہے؛ مگر اعلیٰ وافضل ومسنون باہر پڑھنا ہے۔(۳)

جنازہ کی نماز مسجد میں پڑھنی مکروہ ہے، بلا عذر مسجد میں نہ پڑھنی جائے، باہر پڑھی جائے۔ عیدین کی نماز باہر پڑھنے کو سنت نہ سمجھنا جہالت ہے اوراس کے متعلق اس قسم کے کلمات اہانت کہنا مذموم ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۹۶/۳)

(۱-۲) والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العيدين: ۱٦٩/۲، ط: سعيد)

(۲) والخروج إلى المصلى، وهى الجبانة. (الحلبى الكبير، باب صلاة العيد، ص: ۵۷۱، ط: سهيل اكادمى لاهور) والخروج إليها أى الجبانه لصلاة العيد سنة. (الدر المختار، باب العيدين: ۱٦۱/۲، ط: سعيد

عید کی نماز کہاں ادا کی جائے:

سوال (۱) عیدین کی نماز جامع مسجد میں خلاف سنت ہے، یا نہیں؟

(۲) میدان میں نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟ آیا مسجد سے باہر کسی میدان میں نماز پڑھنا مسنون ہے، یا حدودِ شہر سے باہر کسی میدان میں؟

(۳) مساجد میں بلا عذر کے عیدین کی نماز پڑھنا کراہت کے بغیر جائز ہے، یا نہیں؟

(۴) متعدد جگہوں میں عیدین ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

(۵) شہر کا حکم حدود میونسپلٹی سے معلوم ہوگا، یا اور کسی طریقہ سے؟

(۶) جو کھلے میدان اور عیدگاہ ہیں، حدود میونسپلٹی کے اندر موجود ہیں، ان میں نماز عید بلا کراہت ہوجاتی ہے، یا نہیں؟

(۷) فتاوی عبدالحی جو خلاصۃ الفتاوی کے حاشئے پر چڑھا ہوا ہے، اس کے صفحہ: ۱۵۸ پر مولانا مرحوم فرماتے ہیں کہ ''مکہ معظّمہ میں عیدین کی نماز ہمیشہ سے مسجد حرام میں پڑھی جاتی ہے، اہل مکہ کبھی میدان میں نہیں گئے اور بعض علما کی یہ تحقیق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مسجد نبوی میں عیدین کی نماز ادا نہیں فرماتے تھے کہ مسجد اہل مدینہ کے لیے کافی نہیں تھی اور جب سے مسجد نبوی وسیع ہوگئی ہے، اس وقت سے اہل مدینہ عیدین کی نماز مسجد نبوی میں ادا کرتے ہیں، باہر میدان میں نہیں جاتے''۔ کیا مولانا کی یہ تحقیق صحیح ہے؟

(المستفتی: ۵۰۱، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانہ، ۲۲/ ربیع الاول ۱۳۵۴ھ، مطابق ۲۵/ جون ۱۹۳۹ء)

الجواب

عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقہ مسنونہ ومتوارثہ سلفا وخلفا یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے، (۱) اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو، باہر جا کر ہی نماز ادا کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جبانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا، ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لیے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا؛

---

(۱) ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة، وهي المصلى العام، الخ، والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (الدر المختار)

أى في الصحراء نقلاً عن الخلاصة والخانيه السنة أن يخرج الامام إلى الجبانة و يستخلف غيره ليصل في المصر بالضعفاء بناء علىٰ أن صلاة العيدين في موضعين جائزة بالاتفاق وإن لم يستخلف فله ذلك. (رد المحتار، باب العيدين: ۱٦۹/۲، ط: سعيد)

بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بنا پر تھا، اس بنا پر محققین احناف بلا عذر شہر میں نماز عید ادا کرنے کو خلاف سنت اور مکروہ کہتے ہیں؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے؛ کیوں کہ آبادی میں بوڑھے اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نماز عید پڑھانے کے لیے چھوڑ جائے؛ تاکہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہو جائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بھی بعد اطراف شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نماز عید ہو سکتی ہے۔

میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جا کر میدان میں پڑھی جائے، بعض عبارات میں لفظ صحرا واقع ہے، جو آبادی سے باہر کے میدان پر ہی صادق آتا ہے، ضرورت سے زیادہ تعداد اور مساجد میں نماز عید قائم کرنے کی کثرت اور غیر معذورین کا شہر میں نماز پڑھنا خلاف سنت اور مکروہ ہے؛ کیوں کہ عیدین کی نماز شہر سے باہر قائم کرنے کی حکمت یہی تھی کہ پوری جمعیت اسلامیہ کے اجتماع سے مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہو اور ظاہر ہے کہ شہر میں بکثرت مقامات میں عید پڑھنے سے یہ غرض مفقود اور مضمحل ہو جائے گی۔

یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں قلت گنجائش کی وجہ سے عید نہیں پڑھی، بعض علماء کی رائے ہے اور محققین نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ مولانا عبدالحیؒ کی خود یہ رائے نہیں ہے، انہوں نے مجموعہ فتاویٰ جلد دوم میں دو جگہ اور جلد سوم میں بھی اپنی رائے یہی لکھی ہے کہ عید کی نماز کے لیے باہر جانا سنت مؤکدہ ہے۔

اگر شہر میں معذورین کی ضرورت کا لحاظ کر کے ایک دو، یا تین جگہ عید کی نماز ہو اور اس میں بعض غیر معذورین بھی شریک ہو جائیں تو اس میں مضائقہ نہیں ہے اور امام اگر چہ خود غیر معذور ہے، مگر معذورین کو نماز پڑھانا بھی اس کے لیے عذر ہے، اس کی نماز میں اور اسی طرح دوسرے منتظمین کی نماز میں جو بغرض انتظام شہر میں نماز پڑھیں، کوئی کراہت نہیں ہوگی۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۶/۳-۲۹۸)

چھوٹے گاؤں میں عیدین درست نہیں:

سوال: ایک موضع جو کہ تقریباً چالیس پچاس گھر کی آبادی ہے، ایک مسجد پختہ قدیم ہے اس میں ہمیشہ نماز پنجگانہ وعیدین ہوتی ہے، اب اہل موضع کی خواہش ہے کہ عیدین کے لئے ایک عیدگاہ قائم کرلیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ ایسے موضع میں جمعہ وعیدین کی نماز صحیح نہیں ہوتی۔ (درمختار وشامی)(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۳/۵)

(۱) باب الوتر والنوافل: ۶۶۳/۱

قبرستان میں جو عیدگاہ بنی ہوا سمیں نماز جائز ہے یا نہیں:

سوال: جو عیدگاہ قبرستان میں بنی ہوئی ہو، اس میں نماز جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۲۴/۵)

ضحیٰ صحیح ہے، یا اضحیٰ:

سوال: ضحیٰ اور اضحیٰ میں کون سا صحیح ہے، اگر ضحیٰ کہہ کر نماز پڑھے تو نماز ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

بقرعید کے لیے عربی میں لفظ یوم الاضحیٰ موضوع ہے، (۲) الاضحیٰ قربانی کے معنی میں ہے۔ الضحیٰ کہنا، یا ضحیٰ کہنا بقرعید کو غلط ہے؛ مگر نماز ہو جاتی ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۲۴/۵)

رشوت کی آمدنی سے عیدگاہ بنانا کیسا ہے:

سوال: میرے خسر کے یہاں رشوت اور کاشت کی آمدنی مخلوط ہے۔ انہوں نے ایک عیدگاہ تیار کرائی ہے، اس عیدگاہ میں نماز پڑھنا اور ان کا کھانا کھانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس عیدگاہ میں نماز صحیح ہے اور ان کا کھانا کھانا اچھا نہیں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۲۸/۵)

عیدگاہ آبادی سے باہر جس سمت میں بھی ہو، کوئی مضائقہ نہیں:

سوال: نماز عیدین کی کس سمت میں پڑھنا اولیٰ ہے اور عیدگاہ بنا کر نمود قائم کرنا کیسا ہے؟ کچھ حرج تو نہیں ہے؟

الجواب

شریعت میں عیدگاہ کے لیے تخصیص کسی جانب کی نہیں ہے؛ بلکہ مسنون صرف یہ ہے کہ شہر سے باہر جا کر نماز عیدین ادا کی جائے، اس میں کچھ حرج نہیں ہے کہ عیدگاہ بنائی جاوے اور نمود قائم کی جائے کہ اس جگہ نماز عید ادا کیا کریں گے۔ (۴) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۲۹/۵-۲۳۰)

---

(۱) ردالمختار: ۳۵۳/۱

(۲) دیکھئے: الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار: ۲۷۱/۵

(۳) الفتاویٰ الهندية، باب العيدين: ۳۵۵/۱، دار الفكر بيروت

(۴) مشكاة المصابيح، باب العيدين، ص: ۱۲۵، ط: الهند

جدید عیدگاہ بنانا:

سوال: عرصہ دراز سے موجودہ عیدگاہ ایک ہندو کی ملکیت میں قائم ہے، حق ملکیت ترک کردیا ہے؛ مگر آبادی سے ایک میل زائد فاصلہ ہونے کے علاوہ موسم باراں میں راستہ ناقص ہوتا ہے۔ حسب منشا مسلمانان قصبہ جدید عیدگاہ مسلمانوں کی ملکیت میں بنانا جائز ہے، یانہیں؟ اور سابقہ عیدگاہ شہید کرکے ملبہ جدید عیدگاہ میں لگایا جائے، یانہیں؟ جدید عیدگاہ تیار ہونے کے بعد سابقہ عیدگاہ کی زمین مالک کے خواہش کے مطابق اس کو دے دی جائے، یا مسلمان اپنے قبضہ میں رکھے؟ فقط

الجواب

اگر اس ہندو نے اپنی ملکیت ترک کردی تھی اور مسلمانوں کو وہ زمین برائے عیدگاہ دے دی تھی تو وہ زمین وقف ہوگئی، اس کا ملبہ وغیرہ دوسری عیدگاہ میں لگانا اور اس کو ہندو کو واپس دے دینا جائز نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۷/۵)

عیدگاہ کے بہہ جانے کا خطرہ ہے تو کیا اس کا ملبہ اکھیڑا جاسکتا ہے:

سوال: ایک عیدگاہ متصل دریا واقع ہے، اگر امسال سیلاب آیا تو عیدگاہ کے شہید ہوجانے کا خوف ہے؛ کیوں کہ سیلاب کی وجہ سے ہمیشہ زمین کٹتی رہتی ہے۔ ایسی صورت میں عیدگاہ کی اینٹیں اکھیڑ کر دوسری جگہ انہیں اینٹوں سے عیدگاہ بناسکتے ہیں، یانہیں؟

الجواب

جب کہ عیدگاہ کے معدوم ہوجانے کا یقین ہے تو مسلمانوں کے لیے گنجائش ہے کہ اس کا تمام سامان منتقل کرکے دوسری جگہ عیدگاہ تعمیر کرلیں؛ لیکن یہ پہلی جگہ بھی اگر بچ گئی تو بدستور وقف رہے گی، اس میں کسی قسم کا تصرف جائز نہیں۔ (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۳/۵-۲۲۴)

بلاعذر آبادی کی مسجد میں نماز عید ادا کرنا مکروہ ہے:

سوال (۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاعذر نماز عید مسجد نبوی میں پڑھی ہے، یانہیں؟ اور بصورت اجتماع عیدگاہ میں تفریق بلاعذر شرعی جائز ہے، یانہیں؟

(۲) کیا خروج جبانہ نماز عید کے لیے سنت ہے، یانہیں؟ اور بشرط وجود عیدگاہ تارک اس کا قابل ملامت ہے، یانہیں؟

(المستفتی: ۲۷۱۷، فیروز خاں (جہلم) یکم جمادی الاول ۱۳۶۱ھ، مطابق ۱۸/مئی ۱۹۴۲ء)

---

(۱) ردالمحتار، کتاب الوقف أحکام المسجد، مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه: ۵۱۴/۳

الجواب

(۱)　عید کی نماز آبادی سے باہر میدان میں، یا عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے، بلا عذر آبادی کے اندر مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے، بارش ہو، یا ایسا ہی کوئی عذر ہو کہ آبادی قریب کے اندر مسجد میں عید کی نماز ادا کرنا مکروہ ہے، بارش ہو، یا ایسی ہی کوئی عذر ہو کہ آبادی سے باہر جانا مشکل ہو، یا بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں کے لیے شہر کے اندر مسجد میں ادا کر لی جائے تو خیر، ورنہ باہر جا کر ادا کرنا ہی مسنون ہے۔(۱)

(۲)　ہاں عید کی نماز کے لیے خروج الی الجبانہ سنت قدیمہ متوارثہ ہے، عذر صحیح نہ ہو تو اس سنت کا ترک قابل ملامت ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۴/۳)

عیدگاہ کہاں ہونی چاہیے:

سوال:　عیدگاہ شہر کی بائیں جانب ہونی بہتر ہے، یا کسی اور جانب؟

الجواب

عیدگاہ کے لیے کوئی جانب شہر کی مقرر نہیں ہے، جس طرف سہولت ہو اور موقع ہو اسی طرف عیدگاہ بنائی جائے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳۲/۵-۲۳۳)

مانعین احیاء سنت قابل ملامت ہیں:

سوال:　کیا اگر کوئی شخص احیاء سنت کا مانع ہو، مثلاً صورت اجتماع وخروج عیدگاہ باوجود موجود ہونے عیدگاہ، یا بصورت اجتماع جمعہ وغیرہ، کیا بانی امور مذکورہ قابل ملامت ہے، یا نہیں؟ اور اس کے پیچھے نماز درست ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۷۱۷، فیروز خاں صاحب (جہلم))

الجواب

جو شخص احیاء سنت سے مانع ہو، وہ یقیناً قابل ملامت ہے اور جو شخص کسی سنت متروکہ کو جاری کرے، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۴/۳)

(۱-۲)　والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العيدين: ۱۶۹/۲، ط: سعيد)

(۲)　من تمسک بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مأة شهيد. (مشكوة، باب الاعتصام بالكتاب السنه، الفصل الثاني، ص: ۳۰، ط: سعيد)

ایک شہر میں دو عیدگاہ:

سوال (۱) اگر ایک شہر میں دو عیدگاہ ہوں اور دو جگہ نماز عیدین کی ہو تو کیا حکم ہے؟

آبادی سے باہر کی عیدگاہ میں نماز عید افضل ہے:

(۲) ایک حصہ کی عیدگاہ بیرون شہر ہو اور دوسرے حصہ کی عیدگاہ شہر میں ہو تو کون سی عیدگاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے؟

الجواب

دو عیدگاہ ہونے میں اور دو جگہ نماز عیدین ہونے میں کچھ حرج نہیں ہے۔(۱)

(۲) سنت طریق کے موافق شہر سے نماز عیدین ادا کرنا بہتر ہے اور اس میں فضیلت ہے، بہ نسبت شہر میں ادا کرنے کے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۲۰۸)

قصابوں کی بنائی ہوئی عیدگاہ میں نماز درست ہے:

سوال: یہاں پر قصابان نے عیدگاہ بنائی ہے، اس میں غیر قصابان کی نماز عید صحیح ہے، یا نہیں؟ اور عیدگاہ آج کل میں بنی ہوئی ہے، کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی ایسا ہی تھا، یا نہیں؟

الجواب

غیر قصابان کی نماز عیدین اس عیدگاہ قوم قصابان میں صحیح ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز باہر جنگل میں عیدگاہ میں جا کر ادا فرماتے تھے اور یہی سنت ہے۔(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/ ۲۰۸)

عیدگاہ میں بآواز تکبیر نہ کہی جائے:

سوال: اکثر جگہ عیدگاہ میں نماز سے پہلے بار بار تکبیر بآواز بلند پڑھا کرتے ہیں تاکہ دور سے سن کر جلدی چلے آویں اس طرح سے پکار کر پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال عطاء: أخبرني جابر بن عبد اللّٰه أن لا أذان للصلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شيء لا نداء يومئذٍ ولا إقامة. (رواه مسلم)(۴)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب العيدين: ۱/ ۷۸۳

(۲-۳) ردالمحتار، باب العيدين: ۱/ ۷۷۶

(۴) مشكوة، باب العيدين، الفصل الثالث، ص: ۱۲۷

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے دن عیدگاہ میں کوئی آواز اور تکبیر وغیرہ بغرض بلانے لوگوں کے نہ کہی جاوے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۳/۵)

جماعت میں تفریق کرنے والے کی نماز ہوئی، یانہیں:

سوال: ایک شخص کو یہاں کے لوگوں نے برائے عید و جمعہ خطیب وامام مقرر کررکھا ہے، سب لوگ اس امام سے خوش ہیں، اب کی ایک شخص نے بوجہ فساد مچانے کے دعویٰ کیا کہ میں نماز پڑھاؤں گا، لوگوں نے روکا، جب کچھ نہ چل سکی تو اس مفسد نے دو چار آدمی ساتھ لے کر تھوڑے سے فاصلہ سے جماعت شروع ہوتے ہی ان آدمیوں کے ساتھ اپنی علاحدہ جماعت کرلی۔اب یہ تحریر فرمائے کہ ان مفسدوں کی نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب

نماز اس مدعیٔ امامت اور مقتدیوں کی ہوگئی؛ (۱) مگر وہ گنہ گار ہوئے، اس تفریق وفساد کی وجہ سے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۳/۵-۱۸۴)

ہندو کی زمین عیدگاہ کے لیے قبول کرنے کی صورت:

سوال (۱) قصبہ سیانہ کی عیدگاہ کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے، اس کے گرد ایک سیٹھ ہندو کی اراضی ہے، انہوں نے دینے کا وعدہ کرلیا ہے تو ان کے عطیہ اراضی میں تصرف کے جواز کی کیا صورت ہے؟

عیدگاہ وقف کا کوئی حصہ کسی کو نہیں دیا جاسکتا:

(۲) جس جانب میں سیٹھ موصوف اپنی زمین صحن عیدگاہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں، اس طرف کی دیوار رخ کعبہ سے صحیح کرنے میں ایک مثلث شکل کا گوشہ عیدگاہ قدیم کے فرش کا علاحدہ ہوجاتا ہے، اس کو سیٹھ صاحب اپنے کھیت میں شامل کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا یہ گوشہ ان کو دینا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

اس کے جواز کے صورت بلا اختلاف یہ ہے کہ سیٹھ صاحب اراضی مذکور بقدر حاجت علاحدہ کرکے نشان لگا کر کسی

(۱) الدر المختار علىٰ هامش رد المحتار، باب صلاة العيدين: ۷۸۳/۱

(۲) قال علی بن أبی طلحة عن ابن عباس فی قوله﴿ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله﴾فی قوله﴿أن أقيموا الدينولا تتفرقوا فيه﴾(الشوری: ۱۳)ونحو هذا فی القرآن،قال:أمر الله المؤمنين بالجماعة ونهاهم عن الإختلاف والتفرقة وأخبرهم أنه إنما هلك من كان قبلهم بالمراء والخصومات فی دين الله،ونحوهذا قاله مجاهد وغيرواحد.(تفسير ابن كثير،تفسير سورة الأنعام:۳۲۸/۳،دارالكتب العلمية بيروت،انيس)

مسلمان کی ملک کر دیں، پھر وہ مسلمان اس اراضی کو وقف کر دے؛ کیوں کہ خود سیٹھ صاحب کے وقف کے جواز میں حسب روایات فقہیہ تر دد ہے۔

(۲) دے دینا عیدگاہ موقوفہ کے کسی حصہ کا اور گوشہ کا درست نہیں ہے؛ کیوں کہ وقف میں کوئی ایسا تصرف ہبہ و بیع مبادلہ کا درست نہیں ہے۔(۱) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۱۰)

عیدگاہ پیدل جانا سنت ہے، پیسے نچھاور کرانا درست نہیں:

سوال: عیدگاہ میں برائے نماز عید سوار ہو کر جانا اور آنا اور اپنے اوپر سے پیسہ دونی وغیرہ پھنکوانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

سنت یہ ہے کہ عیدگاہ میں پیادہ جاوے، سوار ہو کر جانا خلاف سنت لکھا ہے اور واپسی میں اگر سوار ہو کر آوے تو اس کو جائز لکھا ہے۔(کذا فی الدر المختار) (۲) اور نچھاور کرنا بھی درست نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۱۱)

وقف عیدگاہ میں تصرف درست نہیں:

سوال: بادشاہی عیدگاہ جس کے تحت میں انعامی زمین ہے اور سرکار سے خطیب کے سوائے انعام زمین کے خلعت عیدین بھی ملتی ہے، آبادی شہر کی وجہ سے عیدگاہ مذکور آبادی میں آگئی ہے؛ مگر اب تک اس عیدگاہ میں نماز عیدین پڑھی جاتی ہے، زمین عیدگاہ بالکل کھلی ہوئی ہے، اس میں کسی قسم کی عمارت نہیں ہے۔ اب اگر اس عیدگاہ میں کچھ عمارت کی جائے تو عیدگاہ کی حیثیت بگڑ جاتی ہے اور عیدگاہ نہیں رہتی تو اس میں عمارت بنانا جائز ہے، یا نہ؟ عمارت بنانے سے انعام زمین کے ضبط ہونے کا اندیشہ ہے؟ فقط

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

وہ عیدگاہ وقف ہے، اس میں کوئی تصرف تعمیر مکان وغیرہ کا درست نہیں، (۳) البتہ اگر نمازیوں کے آرام کے لیے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے کوئی درجہ مسقّف کر دیا جائے مثل مسجد کے تو اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۱۳-۲۱۴)

---

(۱) فإذا تم الوقف ولزم لا يملك ولا يملك ولايعار ولايرهن.(الدرا لمختار) لا يملك أی لايكون مملوكه لصاحبه ولا يملك أی يقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه.(ردالمحتار، كتاب الوقف: ۱/۵۰۷،ظفير)

(۲) ثم خروجه،الخ،ماشيا إلى الجبانة،الخ،ولابأس بعوده راكبا.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار،باب العيدين: ۱/۷۷۶- ۷۷۷،ظفير)

(۳) فإذا تم الوقف ولزم لا يملك ولا يملك ولايعار ولايرهن.(الدرا لمختار على هامش رد المحتار، كتاب الوقف: ۱/۵۰۷،ظفير)

تعمیر عیدگاہ میں ہندو کا روپیہ لگانا جائز ہے:

سوال: تعمیر عیدگاہ میں ہندو کا روپیہ لینا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۴/۵)

عیدگاہ کی زمین فروخت نہیں کی جاسکتی:

سوال: کھنڈوہ میں عیدگاہ کے قریب پتھر کی کھدان ہے، جو پہلے بہت فاصلہ پر تھی؛ مگر اب اس قدر قریب ہوگئی ہے کہ جس وقت پتھر میں سرنگ لگایا جاتا ہے، عیدگاہ کی دیواریں ہل جاتی ہیں، جس سے اس کے گرنے کا احتمال ہے، لہٰذا اگر سرکار زمین اور عمارت عیدگاہ کا معاوضہ دیوے تو دوسری جگہ عیدگاہ بنائی جاسکتی ہے اور موجودہ عیدگاہ کو سرکار اپنے کام میں لاسکتی ہے، یا نہیں؟ (۲) عیدگاہ مسجد کے حکم میں ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

عید وقف ہوتی ہے اور مسجد کے حکم میں ہے، یہ تصرف کرنا درست نہیں ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۴/۵)

عیدگاہ میں کھیل تماشا درست نہیں:

سوال: عیدگاہ کے اندر اعلان عام کر کے کھیل تماشوں اور کشتی کا کام کرنا یا ہارمونیم باجہ کے ساتھ گانا بلا اجازت متولی عیدگاہ شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

عیدگاہ بہت سے امور میں بحکم مسجد ہے؛ اس لیے عیدگاہ میں کھیل تماشہ اور کشتی وغیرہ کا کرنا اور ہارمونیم باجا بجانا اور گانا یہ جملہ امور محرمہ حرام اور ناجائز ہیں۔ متولی عیدگاہ ہرگز ان امور کی اجازت کسی کو نہیں دے سکتا اور بلا اجازت، یا باجازت متولی بھی کسی کو ارتکاب ان امور کا کرنا عیدگاہ میں درست نہیں ہے، هكذا في الدر المختار والشامي. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۴/۵-۲۱۵)

---

(۱) فإذا تم الوقف ولزم لا يملك ولا يملك ولا يعار ولا يرهن. (الدرا لمختار علی هامش رد المحتار، کتاب الوقف: ۵۰۷/۱، ظفير)

(۲) أما المتخذ لصلاة جنازة أوعيد فهو مسجد في حق جواز الا قتداء، الخ، لا في حق غير به يفتی، نهاية، فحل دخوله لجنب وحائض كفناء مسجد، الخ. (الدرالمختار)

قال في البحر ظاهره انه يجوز الو طؤ والبول روالتخلي فيه ولايخفی ما فيه فإن الباني لم يعده لذلک فينبغي أن لا يجوز، الخ. (ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب في احكام المسجد: ۷۵۲/۲، ظفير)

جمعہ آبادی میں بہتر اور عیدین آبادی سے باہر افضل ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۵/جون ۱۹۳۷ء)

سوال: شہر سے بارہ پتھر باہر؛ یعنی آخر کنارۂ شہر دیہات میں نماز جمعہ وعیدین شہر میں عیدگاہ ہوتے ہوئے پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

عید کی نماز تو شہر سے باہر پڑھنی افضل ہے اور جمعہ آبادی کے اندر بہتر ہے؛ مگر شہر کے باہر فنائے شہر میں جمعہ پڑھا جائے تو جائز ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳/۳۰۷)

مسجد کے متصل عیدگاہ بنانا:

سوال: ہماری بستی میں عیدگاہ نہیں، نماز عید مسجد میں پڑھتے ہیں، ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ عیدگاہ بنائی جائے، پرانی مسجد کے متصل افتادہ زمین ہے، اس زمین میں عیدگاہ بنانا شرعاً کیسا ہے؟ جب کہ مسجد کے متصل ہی ہے؟

حامدًا و مصليًا الجواب وبالله التوفيق

عید کی نماز آبادی کے باہر کسی میدان میں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے، بدون عذر عیدگاہ چھوڑ کر مسجد میں پڑھنا خلاف سنت ہے۔

جب کہ صورتِ مسئولہ میں افتادہ زمین مسجد کے قریب آبادی کے اندر ہے تو پھر مسجد میں اور افتادہ زمین میں کیا فرق ہے؟ دونوں مقام یکساں ہیں، لہٰذا آبادی میں مسجد کے متصل عیدگاہ بنانا غیر مناسب ہے کہ اس شارع کا منشا کہ مسلمان اپنے مبارک دن میں شان وشوکت کے ساتھ ایک جگہ جمع ہوں، جس سے غیر مذاہب کے لوگوں پر اچھا اثر پڑے، پورا نہیں ہوگا۔(۲)

لہٰذا عیدگاہ کے لیے بستی کے باہر متصل کسی میدان میں عیدگاہ بنانا مناسب ہے؛ تا کہ شارع کا منشا وغرض پوری ہو اور

---

(۱) والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب العيدين: ۱٦۹/۲، ط: سعيد)

(۲) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وضم معه مقصدًا آخر من مقاصد الشريعة: وهو: إن كل ملة لا بدلها من عرضة، يجتمع فيها أهلها، لتظهر شوكتهم وتعلم كثرتهم الخ. (حجة الله البالغة: ۲۳/۲، تفصیل کے لیے دیکھئے! رحمۃ اللہ الواسعۃ: ۳/٦۲۷)

سنت کا ثواب بھی ملے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وقت بارش کی وجہ سے مسجد نبوی میں عید کی نماز پڑھی ہے، ورنہ تمام عید کی نمازیں عیدگاہ میں ادا فرمائی ہیں۔(۱) واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۱۳۳)

جس عیدگاہ کی تعمیر میں ایک آدمی کا روپیہ لگا ہو، اس میں نماز عید:

سوال: ایک مسلمان مخیرّ نے ایک ٹکڑا زمین کا وقف کیا؛ تاکہ اس میں شہر کے مسلمان نماز عیدین ادا کریں، چناں چہ عرصہ دراز سے وہی زمین موقوفہ مسلمانان شہر کی عیدگاہ ہے، اب اس میں اور وسعت اور مرمت کی ضرورت پڑی ہے، لہٰذا واقف مرحوم کی اولاد اس کار خیر کو انجام دینا چاہتی ہے۔ آیا اس صورت میں اس عیدگاہ میں عام مسلمانوں کی نماز عید صحیح نہ ہوگی؟ نیز اس کار خیر میں اگر دوسرے مسلمان دامے، درمے شریک ہونا چاہیں تو شرعاً جائز ہے، یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

اگر کوئی شخص، یا کوئی خاندان اپنے بزرگوں کے وقف، یا تعمیر کردہ عیدگاہ میں بوجہ تنگی وسعت کرنا چاہیں اور اس میں اپنا، یا اپنے خاندان کا روپیہ لگا کر عیدگاہ کی وسعت وتعمیر کو پورا کرالیں تو ایسا کرنے کا واقف کی اولاد کو شرعاً حق ہے، جب کہ عیدگاہ وقف ہے تو واقف، یا واقف کی اولاد کی ملک نہیں ہے اور نہ واقف کی اولاد اپنی ملک ٹھہراتے ہیں، اپنے بزرگوں کے نقش نقدم پر چل کر جس عیدگاہ کو ان کے بزرگوں نے تمام مسلمانوں کے لیے وقف کیا ہے، اس جگہ کو بوجہ تنگی وسیع کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اپنا ہی روپیہ لگانا چاہتے ہیں، مسلمانوں سے چندہ لینا نہیں چاہتے اور جو مسلمان اپنی خوشی سے چندہ میں شریک ہونا چاہیں، اس کا چندہ لے لیا جاتا ہے تو پھر ایسی جگہ عیدگاہ میں نماز پڑھنے میں کیا قباحت ہے، جب کہ عیدگاہ پہلے بھی وقف تھی بعد وسعت کے بھی وقف ہے، کسی کا دعویٰ ملکیت کا نہیں، سب مسلمانوں کی نماز بے تکلف صحیح ہے اور کارِ خیر میں جو مسلمان بطیّب خاطر چندہ میں شریک ہوتے ہوں ان کا چندہ لینا درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۳/۱۳۴)

ایسے باغ میں جہاں ناچ رنگ ہوتا ہو، عید کی نماز پڑھنا:

سوال: ایک شہر میں رانی باغیچہ ہے جہاں برملا لوگ ناچ رنگ، شراب خوری، عیاشی وبدکاری کے علاوہ پیشاب پاخانہ بھی وہاں کرتے رہتے ہیں، ایسی جگہ عید کی نماز پڑھنا وپڑھوانا جائز ہے یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ـــــــــــ وبالله التوفيق

نماز کے لئے جگہ پاک ہونا ضروری ہے۔(۲) رانی باغیچہ جہاں ناچ رنگ، عیاشی، بدکاری، شراب خوری وغیرہ فسق

(۱) عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه أصابهم مطر في يوم عيد فصلّى بهم النبي صلى الله عليه وسلم صلاة العيد في المسجد''. أبوداؤد وابن ماجة. (مشكوة، باب صلاة العيد، الفصل الثاني، ص: ۱۲٦)

(۲) هي (أي الشرط) ستة طهارة بدنه ...ومكانه. (الدرالمختار، باب شروط الصلاة: ۲/۷۳)

وفجور کے کام ہوتے ہوں یہ جملہ افعال فی نفسہ ممنوع وحرام ہیں؛ لیکن ان امور سے جگہ ناپاک نہیں ہوجاتی، اگر باغیچہ میں وسعت وسہولت زیادہ ہواور جگہ پاک ہے اور ظاہر نجاست زمین پر پڑی ہوئی نہ ہوتو وہاں عید کی نماز پڑھنا شرعاً بلاکراہت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۱۳۵/۳)

عیدگاہ کو پختہ تعمیر کرنا جائز ہے:

سوال: عیدگاہ پختہ بنانا شرع شریف میں درست ہے، یانہیں؟ علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حذب القلوب الی دیارالمحبوب میں جوزیریں بیان مصلی عید تحریر فرماتے ہیں:

''مصلے عید درزبان آں سرور بنا نداشت؛ بلکہ از بنائے آں نہی فرمود''۔

علامہ سمہودی وفاءالوفا باخبار دارالمصطفی، ص:۶ میں لکھتے ہیں:

''ولم يكن المصلى فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم مسجد أبل كانت صحراء لا بناء بها ونهى صلى الله عليه وسلم عن البناء به، آه.

نیز، ص:۱۱ میں ہے:

''روى ابن شيبة عن أنس بن مالك أن رسول الله صلى الله عليه و سلم خرج الى المصلى يستسقى فبدأ بالخطبة ثم صلى وكبرواحدة افتتح بها الصلوات وقال: هٰذا مجمعنا ومستمطرنا ومدعانا لعيدنا ولفطرنا وأضحانا فلا يبنى فيه لبنة علٰى لبنته ولاخيمة''.

اسی طرح خلاصۃ الوفاء میں بھی ہے، ان کی کیا غرض ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

عیدگاہ پختہ تعمیر کرنا جائز ہے.

قال الشامي: وفى الخلاصة عن جواهرزاده هٰذا أى بناءه حسن فى زماننا، آه. (۸٦٨/۱)

وفى البخاري: قلت: ولم ينكرعليه الصحابة واستمر ذلك بعده فكان اجماعاً علٰى جوازه.

قال الحافظ فى الفتح: وقد وقع فى المدونة لمالك رواه عمر بن شيبة عن أبى غسان عنه قال: أول من خطب الناس فى المصلى على المنبرعثمان بن عفان كلهم علٰى منبرمن طين بناه كثير بن الصلت، آه.

وقال أيضا: وفى هٰذا الحديث من الفوائد: بنيان المنبر، قال الزين بن المنبر: وإنما اختاروا أن يكون باللبن لامن الخشب لكونه يترك بالصحراء فى غير حرز فيؤمن عليه النقل، آه.

قلت: فلوأحيط المنبر بالأسوار من الجدران لأجل صيانته وبقائه فلاباس به؛ لأنه أدخل فى الأمن من النقل، آه.

اور جو احادیث سائل نے جذب القلوب اور سمہودی سے نقل کی ہیں، جن میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مصلی میں عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔ ان کا مطلب بتقدیر صحت یہ ہے کہ میدان مصلی میں کوئی خاص اپنا شخص اپنا قبضہ اس پر جمانا جائز نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس مصلحت کے لیے بھی عیدگاہ کا پختہ بنا دینا اولی ہے؛ تا کہ خالی زمین کو بھی تھوڑی بہت اپنی زراعت میں داخل کرلیں گے، پھر ان سے مقدمہ لڑنا اور زمین عیدگاہ کو ان کے قبضہ سے نکالنا دردسری ہے، غالباً انہی مصلحتوں پر نظر کر کے متقدمین نے بناء عیدگاہ کو پسند کیا ہے۔ واللہ اعلم

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ

صحرا جہاں عیدین کی نماز پڑھنا سنت ہے، شرعاً کس کو کہتے ہیں اور اس کے متعلق متعدد سوالات:

سوال: شرعاً صحرا کس کو کہتے ہیں؟ جہاں عیدین کی نمازیں پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

جہاں مکانات نہ بنے ہوئے ہوں، مکانات آبادی سے باہر جو میدان ہو، وہ عیدگاہ کا محل مسنون ہے۔

(امداد الاحکام: ۳۸۴/۲)

سوال: کس قسم کے میدان میں عیدین کی نمازیں پڑھنا چاہیے؟ کیا عیدگاہ کا شہر سے باہر ہونا شرط ہے؟ اگر شرط ہے تو یہاں شہر سے کیا میونسپلٹی حدود مراد ہے، یا بازار اور بستی وغیرہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

حدود میونسپلٹی سے باہر ہونا مراد نہیں؛ بلکہ مکانات وآبادی سے باہر ہونا مراد ہے۔ (امداد الاحکام: ۳۸۴/۲)

سوال: شہر کی میونسپلٹی کے اندر؛ مگر بازار وغیرہ کے باہر کوئی کھلی ہوئی جگہ (میدان) ملے تو اسی کو عیدگاہ بنانے میں شرعاً کوئی مضائقہ ہے، یا نہیں؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اوپر کے جواب سے معلوم ہو چکا۔ (امداد الاحکام: ۳۸۴/۲)

سوال: میونسپلٹی کی حدود کے اندر عیدگاہ ہونے سے اگر تین ہزار لوگ جمع ہوں اور باہر ہونے سے تین سو ہوں تو کہاں عیدگاہ بنانا افضل ہوگا؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــــــــ

اوپر گذر چکا ہے کہ حدود میونسپلٹی سے باہر ہونا عیدگاہ کا ضروری نہیں، صرف آبادی سے باہر ہونا چاہیے اور زیادہ دور بھی ہونا ضروری نہیں۔ (امداد الاحکام: ۳۸۵/۲)

سوال: اگر شہر کے لیے اندر، یا باہر کوئی عیدگاہ نہ ہو؛ مگر شہر کے اندر سرکاری، یا غیر سرکاری ایسے وسیع میدان ہوں، (مدرسہ اسکول، کالج کے میدان) جہاں وباجازت مالک شہر کے لوگ ایک جا ہوکر بہت بڑی جماعت کے ساتھ عیدین کی نماز ادا کر سکتے ہیں، وہاں عیدین کی نمازیں میدان میں پڑھنا بہتر ہوگا، یا مختلف مساجد میں چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں ادا کرنا بہتر ہوگا؟

الجواب

نماز عید تو اس صورت میں صحیح ہو جائے گی؛ مگر سنت ادا نہ ہوگی، سنت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عیدگاہ ہو۔

(امدادالاحکام:۲/۳۸۵)

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ شہر کے چاروں طرف شرہ پناہ دیوار تھی، یا نہیں؟ بر تقدیر اول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ اندر تھی، یا باہر؟

الجواب

ہاں مدینہ کی شہر پناہ بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ شہر پناہ سے باہر تھی؛ مگر ظاہر یہ ہے کہ شہر پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد بنائی گئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ کی تین جوانب تو کھجور کے درختوں اور عمارتوں سے محفوظ تھیں اور ایک جانب کھلی ہوئی تھی، ادھر غزوۂ احزاب میں خندق بنائی گئی اور عیدگاہ خندق سے باہر فاصلہ پر تھی، یا خندق کے اندر تھی، اس کی تحقیق نہیں ہوسکی۔ ہاں خلاصۃ الوفاء میں امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عیدگاہ میں ہزار ذراع کا فاصلہ تھا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کی شہر پناہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنی ہے، عیدگاہ اس شہر پناہ کے باہر تھی۔ (۱۷۷،۱۷۸) واللہ اعلم

سوال: روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم کی عیدگاہ شہر کے باہر تھی، یہاں شہر سے کیا مراد ہے اور شہر کے باہر عیدگاہ ہونے میں کیا حکمت ہے؟ خاص کر اس طرف عیدگاہ کرنے کی کوئی وجہ ترجیح بھی تھی، یا یہ ایک اتفاقی بات تھی؟

الجواب

شہر سے مراد مکانات آبادی ہے اور شہر کے باہر عیدگاہ ہونے میں اس سے زیادہ اور کیا حکمت مسلمان کو چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کے باہر عیدین کی نماز پڑھی ہے۔ (امدادالاحکام:۲/۳۸۶)

سوال: شہر کے اندر عیدگاہ بنانے میں کوئی مضائقہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

ہاں مضائقہ نہیں؛ مگر سنت کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

۱۰/شوال ۱۳۴۶ھ (امدادالاحکام:۲/۳۸۶)

آبادی سے باہر عیدگاہ تعمیر کی گئی، پھر وسعت آبادی کے سبب آبادی میں آجائے، اس کا حکم:

سوال: عرصہ چالیس پچاس سال کا گذرا کہ مسلمانوں نے قصبہ کے باہر ایک عیدگاہ تعمیر کی اور چہار دیواری تعمیر کر کے محفوظ کر دی اور آج تک تمام مسلمان اس میں بلا اختلاف نماز عیدین ادا کرتے رہے، کچھ عرصہ سے اس کے تین اطراف میں مکانات تعمیر ہوگئے، (جس میں بعض ابھی احاطہ ہی ہیں اور بعض مکانات ہیں۔اب کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز عیدین صحراء میں پڑھنی افضل ہے اور مکانات تعمیر ہونے سے صحرائیت باطل ہوگئی، لہٰذا اس عیدگاہ کو چھوڑ کر صحرا میں نماز پڑھنی چاہیے اور کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ عیدگاہ تعمیر ہوئی تھی تو اس وقت صحرا میں تھی، وہی حکم باقی رہے گا اور تعمیر مکان کی وجہ سے اس عیدگاہ کو معطل نہیں کرنا چاہیے؛ کیوں کہ مصلی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کثیر بن صلت کا مکان اور حضرت معاویہ کا مکان تعمیر ہوگیا تھا؛ لیکن صحابہ کرام اس میں نماز عیدین برابر ادا کرتے رہے، نیز مکہ معظّمہ میں باوجود بستی ہو جانے اب تک نماز مسجد ہی میں ہوتی ہے، بواد غیر ذی ذرع کا حکم اب تک باقی ہے۔اب سوال یہ ہے کہ اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

تنقیحات: کیا صحرا میں جانے کا حکم ہر حال میں ہے؟ اس عیدگاہ موجودہ کو کس کام میں لانا چاہتے ہیں؛ کیوں کہ مصلی نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، الخ کا حوالہ مع عبارت کتاب درج کیا جاوے؟

جواب تنقیحات: کہتے ہیں کہ اگر عذر شرعی بارش وغیرہ نہ تو صحرا میں جانا چاہیے۔

(۲) عید کی نماز صحرا میں پڑھی جائے، اس کے بعد اگر ضرورت ہوگی تو مجبور، یا بیمار لوگ اس میں نماز پڑھیں گے، یا جو مصرف نکل آوے۔کتاب الام میں امام شافعیؒ نے لکھا ہے کہ مکہ والے برابر اسی مسجد میں عیدین کی نماز پڑھتے تھے اور صحر کے بعد بستی کا ہونا آیت سے معلوم ہوتا ہے و نیز شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں: واہل مکہ کہ ہم از زمن اول عادت بریں دارند کہ در مسجد گذارند وبصحراء بیروں نروند الا ان خود اہل مدینہ نیز در مسجد میگذارند ودر مفارقت از شرف وبرکت راضی نمیشوند ووسعت مسجد شریف الآن بروجہ کفایت است بآبادانی ایں بلدہ شریفہ زمان مبارک دے صلی اللہ علیہ وسلم کہ وسعت مسجد کمتر بود وآبادانی شہر بیشتر، انتہی۔(مدارج النبوۃ: ۱/۴۴۸)

الجواب

اس کے متعلق کہیں تصریح تو ملی نہیں؛ مگر قواعد کا مقتضایہ ہے کہ اگر نماز نماز عید کسی ایسے میدان میں ہوتی ہو جو بالخصوص نماز عید کے لیے وقف نہ ہو؛ بلکہ مصالح عامہ کے واسطے ہو اور وہ آبادی میں شامل ہو جاوے، تب تو اس جگہ کو ترک کر کے کسی دوسرے میدان میں جو آبادی سے خارد ہو، نماز عیدین ادا کرنا سنت ہے اور خاص نماز عید کے لیے کوئی جگہ وقف ہو، جیسا کہ سوال میں درج ہے اور اکثر شہروں میں دستور ہے تو عیدگاہ آبادی میں آجانے سے ترک نہ کی

جاوے گی؛ کیوں کہ مصالح وقف کی رعایت ضروری ہے، گواس کوصحرانہیں کہہ سکتے؛ مگر سنتِ اصلیہ کوحفاظتِ وقف کی وجہ سے ترک کیا جاوے گا، **لأن تحفظ الوقف واجب وإيتان الواجب أهم من فعل السنة** . واللہ اعلم

اورسوال میں جودودلیلیں لکھی ہیں، ان میں سے دلیل اول تو ناکافی ہے اوردلیل دوم بالکل ہی ناقابل ذکر ہے۔ دلیل اول اس واسطے ناکافی ہے کہ کثیر بن صلت اورحضرت معاویہ کے ایک دومکان بن جانے سے اس جگہ کوآبادی قرارنہیں دے سکتے؛ بلکہ چندمکان بننے کوتو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مکان جنگل میں ہیں، آبادی اس وقت ہوتی ہے، جب کہ تمام اطراف میں مکانات ہوجائیں، کمالایخفی اور مدارج النبوۃ کی عبارۃ کوصورت مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں، وہ صرف اہل مدینہ کے فعل کی ایک تاویل ہے، ورنہ اس سے ایک سطرقبل شیخ خود مدارج النبوۃ میں تحریرفرما چکے ہیں: ’’ودربعضے امصارکہ درمساجد میگذارند خلاف سنت است؛ مگرآنکہ عذرے باشد‘‘۔ علاوہ ازیں یہ خرابی ہے کہ اگرشیخ کی توجیہ مذکور فی السوال کوتسلیم کیا جاوے توسنیت صحرابالکل اڑجاتی ہے، ولاقائل بہ من الفریقین؛ بلکہ صحرا میں نمازعید کی سنیت کوتسلیم کرتے ہوئے یہ اختلاف ہے کہ صورت مسئولہ میں یہ جگہ صحرا کے حکم میں ہے، یانہیں؟ ونیز یہ کہ اگرصحرانہیں تو قابل ترک ہے، یانہیں؟

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ حالت موجودہ میں عیدگاہ کوترک کرنے کی ہمارے نزدیک گنجائش نہیں ہے۔ فقط

کتبہ: الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔ الجواب صحیح: اشرف علی ۲؍ذی الحجہ ۱۳۵۱ھ (امدادالاحکام: ۲؍۴۰۱-۴۰۳)

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھنا:

سوال: جوجگہ پچاس سال سے جنازہ گاہ بنی ہوئی ہے، اس جگہ عید کی نماز پڑھنا ازروئے شرع جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

جنازہ گاہ میں عید کی نماز پڑھی جائے تو نماز ہوجائے گی۔ جنازہ گاہ میں عید کی نماز ناجائز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ اسحاق غفرلہ نائب مفتی خیرالمدارس ملتان، الجواب صحیح: بندہ محمدعبداللہ عفااللہ عنہ، بندہ اصغرعلی غفراللہ لہ (خیرالفتاویٰ: ۳؍۱۲۲)

عورتوں کا عیدین کی نماز گھرپرادا کرنا:

سوال: عورتیں عیدالفطراورعیدالاضحیٰ کی نماز باجماعت، یااکیلی گھرپرنماز پڑھ سکتی ہیں، یانہیں؟

الجواب

عیدی کی نماز بھی عورتوں کے ذمے نہیں، اوران کا باجماعت یاانفرادی طورپرعید پڑھنا بھی صحیح نہیں۔ (۱)

(آپ کے مسائل اوران کا حل: ۴؍۱۵۵)

(۱) **اعلم أن صلاة العيد واجبة علىٰ من تجب عليه الجمعة هٰذا هو الصحيح من المذهب. (الحلبی الكبير: ٥٦٥، سعيد)**

امام مردوں کو مسجد میں عید پڑھا کر گھر میں عورتوں کو عید نہیں پڑھا سکتا:

سوال: دیہات کے امام مسجد نے مسجد میں عید کی نماز پڑھائی، پھر گھر میں جو عورتیں آئی ہوئیں تھیں، پھر ان کو پڑھائی کیا۔ یہ شرعاً درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

عورتوں پر عیدین واجب نہیں، وہ اگر پڑھیں گی تو یہ نفل ہوں گے اور نفل جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ ہے۔

”لا يصلى التطوع بالجماعة ما خلا قيام رمضان وكسوف الشمس“. (بدائع الصنائع: ۲۷۰/۱)

” التطوع بالجماعة إذا كان علىٰ سبيل التداعى يكره“. (الفتاویٰ الهندية: ۸۷/۱)

”والتطوع بجماعة خارج رمضان أى يكره ذالک لوعلىٰ سبيل الداعى بأن يقتدى أربعة بواحد، كمافى الدرر“. (الدرالمختار)

”قال شمس الأئمة الحلوانى: إن كان سوىٰ الإمام ثلٰثة لايكره بالاتفاق وفى الأربع اختلف المشائخ و الأصح أنه يكره، هٰكذا فى الخلاصة“. (الفتاویٰ الهندية) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاوی: ۱۴۳/۳)

نماز عید ایسی جگہ ادا کرنا جہاں سامنے قبرستان ہو:

سوال: ہمارے دیار میں ایک عیدگاہ ہے، اس کے مغرب میں ایک قبرستان ہے، جہاں امام کھڑا ہوتا ہے، اس کے دو تین ہاتھ کے فاصلہ پر، بیچ میں کوئی آڑ نہیں اور درمیان میں ایک مزار بھی ہے، اس کے گرد اگر آدمی نماز پڑھتے ہیں، اس میں نماز عیدین جائز ہوگا، یا نہ؟ اگر بیچ میں کوئی آڑ نہ ہو تو قبر سے کتنے فاصلہ پر نماز جائز ہے اور اگر آڑ ہو تو ایسا ہونا چاہیے کہ قبر بالکل نہ دکھائی دے، یا کیسا؟ بعض آدمی مسجد کے مغرب جانب تبرکاً قبر بناتے ہیں، وہ کیسا ہے؟

الجواب

قال فى مراقى الفلاح: وتكره الصلاة فى المقبرة، آه.

قال الطحطاوى: وفى زاد الفقير وتكره الصلاة فى المقبرة إلا أن يكون فيها موضع أعد للصلاة لانجاسة فيه ولاقذر فيه، آه.

قال الحلبى: أن الكراهة معللة بالتشبيه وهو منتف حينئذٍ وفى القهستانى عن جنائز المضمرات: لا تكره الصلاة إلى جهة القبر إلا إذا كان بين يديه بحيث لو صلىٰ صلاة الخاشعين وقع بصره عليه، آه. (مراقى الفلاح، ص: ۲۰۵)

صورت مسئولہ میں اگر قبر نمازیوں کے اتنے نزدیک نہیں ہوتی کہ خشوع کے ساتھ موضع سجدہ پر نظر رکھنے سے قبر پر نظر پڑتی ہو تو نماز جائز ہے اور اس سے زیادہ نزدیک ہو تو مکروہ ہے اور جس مزار کے گرداگرد لوگ نماز پڑھتے ہیں، اگر قبر کے گرد اتنی اونچی عمارت ہو، جس سے قبر پوشیدہ ہوگئی ہو، نظر نہ آتی ہو تو نماز درست ہے، ورنہ مکروہ ہے اور ہر حالت میں مسلمانوں کو چاہیے کہ عیدگاہ کی مغربی جانب میں ایک دیوار بنادیں، جس سے قبروں اور نمازیوں میں آڑ ہوجائے، مسجد کی مغربی جانب کو تبرک سمجھنا اور وہاں قبریں بنانا بے اصل بات ہے، اس سے احتراز چاہیے۔ واللہ اعلم

ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ (امداد الاحکام: ۳۵۸/۲)

تاکید ادائے نماز عید در عیدگاہ:

سوال: زید عیدین کی نماز اپنی مسجد میں پڑھتا ہے، عیدگاہ میں نہیں پڑھتا اور جو کوئی عیدگاہ میں پڑھنے کا عادی ہے، اس کو بھی روکتا ہے، کبھی کہتا ہے: نماز عیدین مسجد میں بھی جائز ہے۔ چناں چہ فلاں مولوی صاحب کا فعل اس کے جواز کی دلیل کافی ہے، کبھی کہتا ہے: جس کو مجھ سے محبت وتعلق ہو اور میرے کہنے کا کچھ پاس ولحاظ ہو، وہ میری ہی مسجد میں نماز پڑھے۔ کبھی کہتا ہے: عیدگاہ میں بہت لوگ ہوجاتے ہیں، یہاں بھی پچاس ساٹھ آدمی ہوجائیں تو بہتر ہے۔ کبھی کہتا ہے: مسجد میں بھی خدا ہی کی نماز ہے اور عیدگاہ میں بھی خدا ہی کی نماز ہے، چاہے جہاں پڑھو۔ غرض مختلف طریقوں سے عیدگاہ جانے سے روکتا ہے اور اس کے ملنے والوں میں سے جو کوئی چلا جاتا ہے، اس سے ناخوش ہوتا ہے اور شکایت کرتا ہے، اس شخص کے پاس ولحاظ سے بعض لوگ عیدگاہ جانے سے رُک جاتے ہیں۔ اگر یہ شخص عیدگاہ میں پڑھے، یا دوسروں کو منع نہ کرے تو اس مسجد کے پڑھنے والے سب عیدگاہ ہی میں جائیں، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے اور اس کی مسجد میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے اور عموماً مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا اور بلا عذر بارش وضعف رفتار وغیرہ عیدگاہ کو ترک کرنا کچھ گناہ ہے، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: والخروج إليها أی الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (۱)

اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک بار (۲) کے کہ عذر بارش کی وجہ سے مسجد

---

(۱) الدرالمختار: ۱٦٩/٢

(۲) **کمافی روایةأبی داؤد: ١٧١/١، فی باب یصلی بالناس فی المسجد إذاکان یوم مطر/ وجمع الفوائد: ١٠٥/١، فی باب صلاة العيدين)**

میں ادا فرمائی تھی، ہمیشہ میدان ہی میں تشریف لے جاتے تھے، حتی کہ جن پر عذر شرعی سے (یعنی حیض) نماز بھی نہ تھی، ان کے لے جانے کا اہتمام فرماتے تھے، چناں چہ بکثرت احادیث وارد ہیں۔ پس جس امر کا حضور کو قولاً وفعلاً اہتمام ہو، اس کے خلاف قولاً وفعلاً اہتمام کرنا صریحاً مخالفۃ سنت کی ہے، جس کے گناہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ حدیث میں ہے: ''فمن رغب عن سنتي فليس مني''. (۱) واللہ اعلم

۱۸/ربیع الاول ۱۳۲۱ھ (امداد: ۱/۳۴) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۱۰-۶۱۱)

جواز صلوٰۃ عیدین بر سقف جہاز مربوط بر کنارۂ شہر:

سوال: میں ایک انگریزی کمپنی کی طرف سے ایک چھوٹے آگبوٹ کی آمد ورفت کا اسٹیشن ماسٹر اور مختار ہوں اور وہ آگبوٹ موافق حکم کمپنی کے ٹھیک آٹھ بجے صبح کو صدر گھاٹ سے روانہ ہوتا ہے، شام کے وقت پھر لوٹ آتا ہے، اس جلدی کی وجہ سے ہم کو عیدگاہ میں ایک جم غفیر کے انتظار کے ساتھ نماز ادا کر کے جہاز چھوڑنے کا وقت نہیں ملتا ہے، اس واسطے ہم اپنے نوکروں کے ساتھ جو تیس، یا چالیس آدمی تک ہیں، نماز عیدین جہاز کی چھت پر جو دھوڈھا کر بہت پاک وصاف کیا جاتا ہے، جس وقت جہاز خشکی کے ساتھ خوب مضبوطی سے بندھا ہوا رہتا ہے، ادا کرتے ہیں اور یہ گھاٹ شہر کے بالکل متصل ہے۔ اب اس صورت میں نماز عیدین ادا کرنا درست ہوگی، یا نہیں؟ مگر اگر جائز نہ ہو، ہم کو یا تو نوکری چھوڑ دینا پڑے گا، یا کہ عیدین کی نماز حلال ہو جائے گی؛ کیوں کہ یہ جہاز کی روانگی روزانہ جاری ہے؟

الجواب

فی الدر المختار: (السفينة) المربوطة في الشط كالشط في الأصح، آه. (۲)

وفي الدر المختار: أيضاً فناءه وهو ما حوله لأجل مصالحه. وفي رد المحتار: وكما أن المصر أو فناءه شرط جواز الجمعة فهو شرط جواز صلاة العيد. (۱/۷۳۲) (۳)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں نماز عیدین درست ہے۔

۱۳/ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ (حوادث: ۱، ۲/۱۲۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۸۲)

صلوۃ عیدین کا گرجا کے میدان میں یا رنڈی کی بنائی ہوئی عیدگاہ میں پڑھنا:

سوال: کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ اس مقام میں نماز عیدین چند سال سے لوگ ایسے مقام میں پڑھتے

---

(۱) جو میری سنت سے اعراض کرے، وہ میرا نہیں ہے۔

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۰۱، باب صلاة المريض

(۳) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۳۸-۱۳۹، باب الجمعة

ہیں، جس کا نقشہ بھی منسلک استفتا ہے، بعض لوگوں کو اس وجہ سے کہ یہ میدان گرجا کا میدان کے نام سے مشہور ہے، یہاں نماز پڑھنے میں شبہ اوراعتراض ہے، اس سے اچھااور صاف شہر کے قریب اور کوئی دوسرا میدان بھی نہیں ہے۔ ایسی صورت میں یہاں نماز پڑھنا ممنوع ہے، یا نہیں؟ اس میدان میں نماز پڑھنے کی کوئی ممانعت بھی حکام کی طرف سے اب تک نہیں ہوئی اور سابق سے جو عیدگاہ ہے، اولاً وہ شاید کسی رنڈی کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ عیدگاہ قدیم اوراس کے متصل جو امام باڑہ ہے، وہ کسی رنڈی کا بنایا ہوا ہے، پہلے وہ غیر مسقّف تھی۔ اب ایک دوسری رنڈی نے اس کو مسقّف کردیا ہے۔ ثانیاً عیدین میں وہاں رنڈیوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ مقام مذکور جو گرجا کے نام سے مشہور ہے، گرجا کا حلقہ محدود ہے۔ باقی میدان میں گھوڑ دوڑ ہوتا ہے۔ یہ بھی ارقام فرمایا جاوے کہ صورت مسئولہ میں سابق عیدگاہ میں نماز پڑھنا افضل ہے، یا گرجا کے میدان میں، یا دونوں مقام سے مساجد شہر کے اندر نماز عیدین پڑھنا افضل واولیٰ ہے؟

الجواب

اگر کوئی میدان تجویز کردیا جائے، ممکن ہو تو سب سے زیادہ بہتر ہے اور اگر ایسا موقع نہ ملے تو رنڈیوں کی عیدگاہ میں نماز کی کراہت فی نفسہ ہے، اس سے اس میدان میں نماز پڑھنا غنیمت ہے؛ کیوں کہ اس میں کراہت محض لعارض ہے اور عارض عوام کی تشویش ہے، جس کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترمیم خانہ کعبہ کو موقوف رکھا تھا، اس پر نظر کر کے میرے نزدیک مساجد شہر میں پڑھ لینا ارجح ہے کہ صرف ایک سنت، یا مستحب کا ترک ہے اور ترک بھی مصلحت شرعیہ سے جو کہ عذر معتبر ہے؛ اس لیے غائلہ (غائلہ وشر، برائی) ترک سنت کا بھی لازم نہ ہوگا۔

۲۲/رمضان ۱۳۳۹ھ (تتمہ اولیٰ، ص:۳۸) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۷-۶۷۸)

عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرعِ متین مسئلۂ ذیل میں:

اکثر کتبِ فتاویٰ میں عیدگاہ کو صحرا (**الجبانة**) قرار دیا گیا ہے، البتہ زمانۂ حاضرہ میں بوجہ آبادی کے بڑھ جانے سے صحراءِ خالصہ میں عیدگاہ قائم کرنے میں مندرجۂ ذیل مشکلات کا مشاہدہ اور سامنا تقریباً ہر بڑے شہر کے رہنے والے مسلمانوں کو ہوتا ہے۔

(اولاً) اکثر بڑے شہروں میں صحراءِ خالصہ حدودِ شہر سے کافی دوری پر واقع ہے (بعض شہروں میں تو مسافتِ قصر سے زیادہ دوری پر واقع ہے) اس بنا پر بہت سے لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔

(ثانیاً) وہ زمین عموماً غیروں کی ہوتی ہے، جس کو خریدنے میں زرِ کثیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ثالثاً) بوجۂ دوری ہونے کے اور سال بھر میں صرف دو بار استعمال کرنے کے اس زمین کی دیکھ بھال مشکل ہوتی ہے۔

(رابعاً) آبادی کے ہر وقت بڑھنے سے اس زمینِ مخصوص کی صحرائیت کے ختم ہونے کا امکان ہر وقت ہے۔

(خامساً) عیدین سے قبل زمین کو تیار کرنے کے لیے، نیز دیگر انتظامات کے لیے خصوصاً نمازِ عید کے بعد صفائی وغیرہ کے لیے لوگوں میں عموماً سستی پائی جاتی ہے، کوئی اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ (ہمارے یہاں اس کا کافی مشاہدہ ہے)۔

(سادساً) سال بھر میں صرف دو دفعہ استعمال میں آنے کی بنا پر استنجا، وضو وغیرہ کے انتظامات نہیں ہوتے ہیں، جس کی بنا پر لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر استفسار یہ ہے کہ جن جگہوں میں یہ مشکلات پائی جاتی ہوں، ایسی جگہوں میں:

(۱) صحرا کے علاوہ اگر شہر کے حدود کے اندر کوئی صاف خالی میدان ہو، مثلاً پارک (Park)، کالجوں واسکولوں کے میدانات وکھیل کے میدانات وغیرہ تو آیا ان جگہوں میں عید کی نماز ادا کرنے سے عیدگاہ کی فضیلت اور سنیت حاصل ہوگی، یا نہیں؟

(۲) آیا یہ جگہ عیدگاہ کے قائم مقام ہوسکتی ہے، یا نہیں؟

(۳) نیز ایسی جگہوں میں نماز عید ادا کرنا، مساجدِ مختلفہ میں ادا کرنے سے افضل واولیٰ اور زیادتِ ثواب کا مستحق ہے، یا نہیں؟

مندرجۂ ذیل وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب شافی مدلل ومبرہن عنایت فرمائیں۔ فجزاکم الله خير الجزاء.

(۱) صورتِ بالا میں مشکلاتِ مذکورہ مرتفع ہوجاتی ہیں، جس سے مسلمانوں کو سہولت حاصل ہوگی۔

(۲) حکمتِ عیدگاہ؛ یعنی اظہارِ شوکت وجمعیت المسلمین حاصل ہوتی ہے، جو کہ مساجدِ مختلفہ میں مشکل ہے۔

(۳) تکثیرِ جماعت ووحدۃ جماعت مسلمین حاصل ہوگی، جو کہ مساجدِ متفرقہ کی صورت میں ناممکن ہے۔ فقط والسلام

الجواب ـــــــــــــــ حامداً ومصلياً ومسلماً

عید کی نماز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے۔

"لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يخرج يوم الفطر، ويوم الأضحى إلى المصلى". (كبيرى: ۵۷۲)

ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے عیدگاہ میں نماز ممکن نہ تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں عید کی نماز ادا فرمائی۔

عـن أبـی هريرة رضی اللّٰه تعالٰی عنه أنه أصابهم مطر فی يوم عيد فصلّٰی بهم النبی صلاة العيد فی المسجد. (۱)

بنابریں حضراتِ فقہائے احناف نے تصریح فرمائی ہے کہ عید کی نماز کا عیدگاہ میں پڑھنا سنت ہے۔

والخروج إليها أی الجبانة لصلاة العيد سنة وإن وسعهم المسجد الجامع. (۲)

الخروج إلی المصلی وهی الجبانة سنة وان كان يسعهم الجامع. (۳)

عیدگاہ (المصلی) کا مصداق تمام فقہا اس میدان کو قرار دیتے ہیں، جو آبادی سے باہر ہو، چناں چہ درمختار کی عبارت ''ثم خروجه ماشيا إلی الجبانة وهی المصلی العام'' کی شرح میں علامہ شامی البحر الرائق کے حوالہ سے فرماتے ہیں:

(قوله: المصلی العام) ای فی الصحراء. بحر عن المغرب. (۴)

علامہ ابن نجیمؒ نے اس کو مغرب کے حوالہ سے لکھا ہے:

''وفی المغرب: الجبانة المصلی العام فی الصحراء''. (۵)

بلکہ بعض فقہا نے تو خارج مصر کی تصریح فرمائی ہے، حضرت مولانا عبدالعلی بحرالعلومؒ نے لکھا ہے:

ثم الأفضل الصلاة فی المصلٰی خارج المصر للتوارث. (۶)

اور یہ سنیت تمام شہروں کے لیے یکساں ہے، ملاعلی قاریؒ ابوداؤد کی مندرجۂ بالا روایت کی شرح میں فرماتے ہیں:

(أصابهم) أی الصحابة (مطر فی يوم عيد فصلّٰی بهم النبی صلی اللّٰه عليه وسلم صلاة العيد فی المسجد) أی مسجد المدينة، قال ابن الملک: يعنی كان صلی اللّٰه عليه وسلم يصلی صلاة العيد فی الصحراء إلا إذا أصابهم مطر فيصلی فی المسجد، فالأفضل أداء ها فی الصحراء فی سائر البلدان وفی مكة خلاف، آه. (۷)

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے بھی بذل المجہود میں اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔ (۸)

---

(۱) سنن أبی داؤد، باب يصلی بالناس فی المسجد إذا كان يوم مطر: ١٦٤

(۲) الدرالمختار علی هامش الشامی: ٦١٢/١

(۳) كبيری: ٥٧٢

(۴) ردالمحتار: ٦١٢/١

(۵) البحر الرائق: ١٧١/٢

(۶) رسائل الأركان: ١٢٢

(۷) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ٢٩٨/٢

(۸) بذل المجهود فی حل أبی داؤد: ٢٠٤/٦

بڑے شہروں کی آبادی کا پھیلاؤ صرف دور حاضر کی خصوصیت نہیں ہے؛ بلکہ آپ اگر تاریخ اسلام اور معاجم البلدان کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آبادیوں کا اس نوع کا پھیلاؤ اس زمانہ میں بھی تھا، اس کے باوجود اس زمانہ میں کبھی یہ سوال نہیں اٹھایا گیا، حالاں کہ آج کل جو تیز رفتار سواریاں ایجاد ہوئی ہیں، وہ اس زمانہ میں نہیں تھیں، ان سواریوں کے ذریعہ جتنی تیزی سے عیدگاہ جانا ممکن ہے، اس وقت نہیں تھا، اگر چہ پیدل جانے میں فضیلت زیادہ ہے، مفتیٔ اعظم حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب قدس سرہ العزیز کا ایک تفصیلی فتویٰ اس موقعہ پر نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

’’عیدین کی نماز ادا کرنے کا طریقۂ مسنونہ ومتوارثہ سلفاً وخلفاً یہی ہے کہ شہر کے باہر میدان میں ادا کی جائے اور تمام شہر کے لوگ جن کو کوئی عذر نہ ہو، باہر جا کر ہی نماز ادا کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بجز ایک مرتبہ کے ہمیشہ شہر کے باہر جبانہ میں ہی نماز عید ادا فرمائی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کے فعل سے بھی یہی ثابت ہے اور ایک مرتبہ جو شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید پڑھی ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ بارش کی وجہ سے باہر جانا دشوار تھا، ہمیشہ شہر سے باہر عید کے لیے تشریف لے جانا ظاہر ہے کہ کوئی عادی فعل نہیں تھا؛ بلکہ نماز کی باہر افضلیت کی بنا پر تھا، اس بنا پر محققینِ احناف بلا عذر شہر میں نمازِ عید ادا کرنے کو خلافِ سنت اور مکروہ کہتے ہیں؛ لیکن یہ ضرور ہے کہ شہر کے تمام لوگ باہر جانے کے لائق نہیں ہوتے؛ کیوں کہ آبادی میں بوڑھے اور کمزور اور مریض وغیرہ بھی ہوتے ہیں؛ اس لیے یہ بھی سنت ہے کہ امام شہر کی جامع مسجد میں اپنے نائب کو نمازِ عید پڑھانے کے لیے چھوڑ دیا جائے؛ تا کہ معذورین کی نماز بھی آسانی سے ہوجائے اور اگر شہر بڑا ہو اور تمام معذورین کا ایک مسجد میں جمع ہونا بُعدِ اطرافِ شہر کی وجہ سے مشکل ہو تو دو تین مسجدوں میں نمازِ عید ہوسکتی ہے، میدان میں نماز پڑھنے سے یہی مراد ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر جا کر میدان میں پڑھی جائے۔ بعض عبارات میں لفظ صحرا واقع ہے، جو آبادی سے باہر کے میدان پر بھی صادق آتا ہے، الخ‘‘۔ (کفایت المفتی: ۳/۲۷۱)

آپ نے جن مشکلات کا تذکرہ اپنے استفتا میں فرمایا ہے، اس کا بھی تجزیہ ضروری ہے۔

پہلی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، وہ اسی زمانہ کی پیداوار نہیں ہے، پہلے بھی بڑے شہروں میں یہ دشواری موجود تھی، اس کے باوجود حضراتِ فقہا نے اس کا اعتبار نہیں کیا۔ نیز جو حضرات ایسے ہیں کہ ان کے لیے وہاں پہنچنا دشوار ہے تو وہ معذورین میں شمار ہو کر ان کے لیے شہر ہی میں عید کی نماز ادا کرنا بلا کراہت درست ہوگا۔ ایک بات یاد رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ وہ میدان حدودِ میونسپلٹی سے باہر ہو؛ بلکہ مکاناتِ آبادی سے باہر ہونا کافی ہے۔ (کما صرح الشیخ العلامة ظفرأحمد التهانوی فی امداد الاحکام: ۱/۶۷۸)

دوسری وجہ بھی کوئی قوی نہیں ہے خریدنے کی ضرورت بار بار نہیں پڑتی، ایک مرتبہ خریدنے کے بعد آئندہ وہ کام دیتی رہے گی، نیز جب تک خریدنے کی استطاعت حاصل نہ ہو، وہاں تک مالک کی اجازت سے، یا کرایہ پر لےکر کام چلا سکتے ہیں۔

تیسری، چوتھی، پانچویں وجہ بھی ایسی نہیں، جس کوئی وجہ کہا جاسکے، یہ دشواریاں تو پہلے بھی تھیں، اس کے باوجود فقہا نے اس کا اعتبار نہیں فرمایا۔

چھٹی وجہ جو آپ نے تحریر فرمائی ہے، اس کے متعلق یہ سوال ہے کہ کیا عیدگاہ میں استنجا و وضو کا نظم کرنا ضروری ہے، یا مستحب ہے؟ مساجد کے متعلق تو بعض روایاتِ حدیث، نیز تعاملِ سلف سے اس کا ثبوت ہے؛ لیکن عیدگاہ کے متعلق دونوں میں سے کسی سے ثبوت نہیں ہے۔

اس لیے حق تو یہ ہے کہ آپ نے جن مشکلات کا سماں باندھا ہے، فقہا کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اب آپ کے سوالات کے جوابات پیش ہیں:

(۱) حدودِ شہر میں کسی میدان وغیرہ میں نمازِ عید ادا کرنے سے نمازِ عید تو صحیح ہو جائے گی؛ مگر سنت ادا نہ ہوگی، سنت یہی ہے کہ شہر کی آبادی سے باہر عیدگاہ ہو۔ (امداد الاحکام: ۶۷۹/۱)

(۲) نہیں۔

(۳) اگر شہر میں جامع مسجد، یا اور کوئی مسجد اتنی بڑی ہے، جو شہر کے تمام لوگوں کے لیے کافی ہو تو جب تک عیدگاہ کا بندوبست نہ ہو جائے، اس ایک مسجد میں تمام لوگ نماز عید ادا کریں اور اگر شہر میں ایسی بڑی کوئی مسجد نہیں ہے تو مختلف مقامات پر مختلف جماعتوں میں نمازِ عید پڑھنے کے بجائے ایک جگہ تمام مسلمانوں کا مل کر پڑھنا اولیٰ ہے۔ (احسن الفتاویٰ: ۱۱۹/۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۱۰/ صفر المظفر ۱۴۱۲ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۵۳۴/۱-۵۴۰)

باہمی نزاع کی وجہ سے عیدگاہ جدا کرنا مناسب نہیں:

سوال: اس بستی میں قلیل جماعت مسلمانوں کی اور انجمن بھی قائم ہے، عرصہ سے مسلمانوں میں جو کہ انجمن کا سکریٹری تھا، وجہ حساب نہ دینے کے کچھ رنجش چلی آتی ہے اور پھر اس کی خیانت ثابت ہوگئی، ان کو علاحدہ کر دیا گیا اور کاغذات ان سے لے لیے گئے، ان کی طرف چند آدمی مل گئے، وہ علاحدہ نماز پڑھتے ہیں اور علاحدہ جمعہ وعیدین کی نماز پڑھتے ہیں اور حالاں کہ عیدگاہ بڑی وسیع بنی ہوئی ہے کہ جس میں نماز بستی کے آدمی ہی پوری طرح آکر جگہ رہتی ہے۔ دوسری عیدگاہ بنانے کی درخواست گورنمنٹ عالیہ نے ان کی درخواست نامنظور کی ہے کہ انجمن سے منظور کراؤ تو عیدگاہ کافی ہوتے ہوئے ایک مذہب ایک مدت ایک مذہب ایک جماعت کے لیے دوسری عیدگاہ بنائی۔ عندالشرع جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

بلاضرورت محض ذاتی رنجشوں کی وجہ سے دوسری عیدگاہ بنانا فضول خرچی اورتفرقہ کی بنیاد ڈالنا ہے، انجمن کواس کی اجازت نہ دینی چاہیے؛ کیوں کہ یہ عیدگاہ ایسی صورت میں مسجد ضرار کے مشابہ ہوجائے گی۔

كما قال الله تعالىٰ: ﴿تفريقاً بين المومنين﴾ (الآية) والله أعلم (امدادالمفتیین: ۳۴۸/۲)

مسجد میں نمازعیدین پڑھنے کاحکم:

سوال: بلاکسی عذر کے صرف باہمی اختلاف کی بناپرعیدین کی نماز بجائے عیدگاہ، مسجد میں پڑھ لی جائے تواس کے متعلق کیاحکم ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عیدین کی نمازیں میدان میں پڑھنی افضل ہے؛ لیکن مسجد میں پڑھنے سے بھی نماز درست ہوگی۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمدعثمان غنی، ۲۹/۲/۱۳۷۵ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۱/۲)

عیدین کی نمازمیدان میں پڑھنا کیسا ہے:

سوال: عیدین کی نمازباعتباراسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم وسنت صحابۂ کرام میدان میں پڑھنا چاہیے، یا مسجد میں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عیدین کی نمازمیدان میں پڑھنا سنت ہے، احادیث وآثار سے یہی ثابت ہے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمدعثمان غنی (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۱/۲)

بلاعذرمسجد یادروازہ پرنمازعیدین کاحکم:

سوال: ایک عیدگاہ میں چندموضع کے مسلمان عرصۂ دراز سے ہمیشہ عیدین کی نماز پڑھا کرتے تھے؛ مگر موسم بارش میں جب کہ عین نماز کے وقت بارش ہوتی تھی، تب ایسی حالت میں دو، ایک باردروازہ ہی پر باتفاق کل مسلمانان

---

(۱) وفى الخلاصة والخانية: السنة أن يخرج الامام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناء علىٰ أن صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق. (ردالمحتار: ۴۹/۳)

(۲) عن أبى سعيد الخدرى قال: كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى فأوّل شىء يبدء به الصلاة ثم ينصرف. (الصحيح للبخارى: ۱۳۱/۱)

"(ثم خروجه) ... (الى الجبانة) ... (والخروج اليها) أى الجبانة لصلاة العيد (سنة و إن وسعهم المسجد الجامع) هو الصحيح". (الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار: ۴۸/۳-۴۹)

نمازعیدین ادا کی گئی؛ لیکن امسال عیدالاضحیٰ میں صبح سے بارش ہورہی تھی، جس وجہ کررائے ہوئی کہ دروازہ ہی پرنماز ادا کی جائے۔دریا کےاس پارعیدگاہ ہے، ایک زمیندار مسمی محمد سمیع جوامام صاحب کے برادر حقیقی ہیں، انہوں نے دریا کےاس پار والےکوخبر دیا کہ آپ لوگ یہیں آ کر دروازہ ہی پرنماز ادا کیجئے، بارش ہورہی ہے، جس قدر مسلمانان عیدگاہ کے متصل موجود تھے، بلانے پراس زمیندار کےاس طرف بڑھے، کچھ لوگ دریا عبور کر گئے اور بہترے لوگ رہ گئے، اسی درمیان بارش موقوف ہوگئی، جولوگ عیدگاہ کے قریب تھے،انہوں نے اس پار والےکوکہا کہ اب بارش موقوف ہوگئی۔آپ ہی لوگ آ کرعیدگاہ میں نمازادا کیجئے؛لیکن وہ لوگ؛ یعنی زمیندار مذکوراور چنداشخاص باشندہ اس موضع کے نہیں آئے اورزمیندار نے یہ کہا کہ تم لوگ اس پارآ ؤ، ورنہ جوتا مارکرنماز پڑھاویں گے۔یہ بات سن کر باقی لوگ جو عیدگاہ کے قریب تھے،عیدگاہ میں آ کرنماز پڑھنا چاہا،تب اس زمیندار نے دوشخص ہندوکوبھیجا کہ عیدگاہ کے دروازہ پرجا کرلوگوں کونماز پڑھنے سے منع کرو؛ بلکہ اس کے اردگرد بھی،تب ایسی حالت میں مسلمانان جوعیدگاہ کے قریب جمع تھے،اسی موضع کی مسجد میں نمازِضحیٰ ادا کیا۔پس ایسے شخص کو جوعیدگاہ میں نماز پڑھنے سے منع کرےاور ہندوکومقرر کردیا کہ نمازنہیں پڑھنے دو، ہم مسلمانان کوکیا برتاؤ کرنا چاہیے۔اس کا جواب موافق حدیث اورقرآن مجید کےتحریرفرما کر جاری کریں؟ بینواوتوجروا۔

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عیدین کی نمازصحرا ومیدان میں مسنون ہے؛ اس لیے عیدگاہ میں نماز پڑھنا باعتبار مسجد، یاکسی مکان کے افضل ہے؛(۱)لیکن اگر بضرورت بارش مسجد، یاکسی مکان کےاندرعیدین کی نماز پڑھی جائےتو جائز ہے۔(۲)

پس صورت مسئولہ میں اگر بارش موقوف ہونے کے بعدعیدگاہ کی زمین یافرش اس قابل تھا کہ نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہ تھااور پھردوبارہ لوگ وہاں واپس آ سکتے تھےتو وہیں پڑھنا چاہیے تھا تواس صورت میں زمیندارصاحب نے جودروازہ پرنماز پڑھنے میں اصرارکیا، وہ بالکل غیرمناسب تھا۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۸/۱۲/۱۳۵۰ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۶۲-۲۶۳)

---

(۱)　(ثمّ خروجه) ... (ماشيًا إلى الجبانة) ... (والخروج إليها) أى الجبانة لصلاة العيد (سنة).(الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العيدين :۳/۴۸-۴۹)

عن أبى سعيد الخدرى قال:كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى فأوّل شيء يبدء به الصلاة ثم ينصرف.(الصحيح للبخارى: ۱/۱۳۱)

(۲)　عن أبى هريرة قال:”أنه أصابهم مطرفة يوم عيد فصلّى بهم النبى صلى اللّٰه عليه وسلم صلاة العيد فى المسجد“.رواه أبو داود وابن ماجة (مشكوة المصابيح: ۱/۱۲۷)

بازار صحرا کے حکم میں نہیں ہے:

سوال: بازار کو جبانہ قرار دے سکتے ہیں، یا نہیں؟

بازار میں صلوٰۃ عید:

سوال: بازار میں صلوٰۃ عیدین بلا کراہت درست ہے، یا نہ؟

بازار میں شارع عام کے سامنے نماز عید:

سوال: جس بازار میں صلوٰۃ عیدین ادا کی جاتی ہے، اگر اس کے مقابل شارع عام ہو تو وہاں نماز جائز ہے، یا نہیں؟

راستہ پر صلوٰۃ عید:

سوال: اگر بازار عین راستہ پر ہو تو اس بازار میں راہ پر صلوٰۃ عیدین درست ہے، یا نہیں؟

دہلیز میں نماز عید:

سوال: اگر جبانہ نہ ملے تو فناء مسجد، یا مسجد میں نماز عیدین پڑھنا بلا کراہت درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) **ثم خروجه ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام.** (الدر المختار) **أي في الصحراء.** (۱)
معلوم ہوا کہ جبانہ مصلی عام ہے، جو صحرا میں ہو، پس بازار جبانہ نہیں ہے۔

(۲) بازار میں اگر مسجد ہے، یا کوئی جگہ ممر الناس سے علاحدہ ہے اور شور وشغب سے خالی تو وہاں نماز میں کچھ کراہت نہیں ہے۔

(۳) شارع عام کے سامنے اگر کوئی آڑ دیوار وغیرہ نہ ہو تو ایسی جگہ نماز مکروہ ہے۔ **وتكره الصلوٰة في طريق العامة.** (شرح المنية) مگر نماز ہو جاتی ہے۔

(۴) **قد مر حكمه في: ۳**

(۵) بلا کراہت درست ہے۔

(۶) بلا کراہت درست ہے۔ (غنیۃ المستملی، ص: ۵۳۹) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۰۰/۵-۲۰۱)

---

(۱) ردالمحتار، باب العیدین: ۷۷۶/۱

بلاعذر عید کی نماز دروازہ پر پڑھنا کیسا ہے:

سوال(۱) نماز عید ببازار، یا بمسجد بلاعذر بارش وغیرہ، یا بردرخانہٴ خود خواندن جائز دارند، یانہ؟ برتقدیر ثانی مکروہ تحریمی، یا تنزیہی بأدلہ صریح وحوالہ کتب تحریرفرمایند؟

مکروہ تحریمی کے لیے دلیل کی ضرورت:

(۲)　برائے اثبات مکروہ تحریمی نص صریح ضروراست، یانہ؟

الجواب ————————

(۱)　درمختار میں ہے:

والخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة وان وسعهم المسجد الجامع هو الصحيح. (۱)

وفى شرح المنية الكبير: الخروج إلى المصلى وهى الجبانة سنة وإن كا ن يسعهم الجامع وعليه عامة المشائخ لما ثبت أنه عليه الصلاة والسلام كان يخرج يوم الفطر ويوم الأضحىٰ إلى المصلى. (۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نماز عیدین کے لیے خروج الی المصلی سنت مؤکدہ ہے۔ پس بلاعذر اس کو چھوڑنا مکروہ ہے اور شامی میں بحر سے نقل کیا ہے کہ سنت مؤکدہ کا چھوڑنا مکروہ تحریمی ہونا چاہیے۔

الحاصل أن السنة ان كانت مؤكدة قوية لايبعد كون تركها مكروهاً تحريماً وإن كانت غيرمؤكدة فتركها مكروه تنزيها. (۳)

(۲)　مکروہ تحریمی؛ بلکہ مکروہ تنزیہی کے اثبات کے لیے دلیل خاص کی ضرورت ہے۔

شامی میں ہے:

أقول لكن صرح فى البحرفى صلاة العيد عند مسئلة الأكل بأنه لايلزم من ترک المستحب ثبوت الكراهة إذ لابد لها من دليل خاص، الخ. (۴۳۹/۱) (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۹/۵)

نماز عید مسجد میں پڑھنا کیوں مکروہ ہے:

سوال:　آپ کی کتاب ''آپ کے مسائل اوران کا حل'' جلد دوم میں شائع شدہ مسئلے کے مطابق کسی نے آپ

---

(۱)　الدر المختارعلیٰ هامش رد المحتار، كتاب الصلاة، باب العيدين: ۷۷٦/۱

(۲)　غنية المستملى، كتاب الصلاة، باب العيدين: ٥٢٩

(۳)　ردالمحتار، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى بيان السنة و المستحب: ٦١١/۱

(۴)　ردالمحتار، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، مطلب فى بيان السنة والمستحب والمندوب: ٦١١/۱

سے سوال پوچھا ہے کہ نمازِ عید کا مسجد میں پڑھنا کیسا ہے؟ آپ نے اس کا جواب دیا ہے کہ بغیر عذر کے عید کی نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے۔ میں یہ تفصیل جاننا چاہتی ہوں کہ کس وجہ سے عید کی نماز مسجد میں پڑھنا مکروہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

مسجدیں نمازِ پنج گانہ کے لیے تعمیر کی گئی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نماز عید اور نماز جنازہ کے لیے الگ جگہیں تھیں، بغیر ضرورت کے یہ نمازیں مسجد میں نہیں پڑھی جاتی تھیں اور ضرورت یہ ہے کہ مثلا: بارش ہورہی ہو اور کوئی جگہ ایسی نہ ہو، جس میں آدمی نماز عید پڑھ سکے، یا کوئی اور ایسا عذر ہو، اس عذر کی بنا پر عید کی نماز مسجد میں پڑھنا صحیح ہے۔ حرمین شریفین میں اتنا مجمع ہوتا ہے کہ اس مجمع کو کسی اور جگہ منتقل کرنا قریب قریب ناممکن ہے؛ اس لیے وہاں دونوں جگہ عید اور جنازے کی نماز مسجد میں پڑھی جاتی ہے اور یہ کافی عذر ہے۔ (۱) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۴-۱۵۵)

قبرستان میں عید کی نماز جب کہ قبر سامنے نہ ہو:

سوال: ایک مقام میں نماز عید کی مقبرہ میں ہوتی ہے، امام کے سامنے دیوار ہوتی ہے اور مقتدیوں کے سامنے نہیں۔ یہ امام کا سترہ مقتدیوں کے لیے کافی سمجھا جائے گا، جیسا کہ مرور بین یدی المصلی کی صورت میں ہے، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

قبور اگر کسی مصلی کے سامنے بھی ہوں گی تو اس کی نماز میں کراہت ہوگی۔

قال فی الشامی: لاباس بالصلاة فیها إذا کان فیها موضع أعد للصلاة ولیس فیه قبر ولا نجاسة، کما فی الخانیة ولا قبلة إلٰی قبره، حلیة. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۹۶-۱۹۷)

دس افراد کا عید کی نماز الگ پڑھنا مکروہ ہے:

سوال: ہماری بستی میں عیدگاہ بہت پرانی ہے اور کئی سالوں سے اس میں عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، حسب معمول امسال بھی نماز عید الفطر ادا کی گئی؛ لیکن قریباً دس افراد نے عیدگاہ سے ایک کلومیٹر دور کے فاصلہ پر پڑھی تو ان دس افراد کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا ان کی نماز ہوئی، یانہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ حامداً ومصلیاً ومسلماً

عید کی نماز شہر سے باہر جاکر عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے۔

---

(۱) وفیه الخروج إلی المصلی فی العید، وإن صلاتها فی المسجد لا تکون إلا عن ضرورة. (فتح الباری: ۲/۵۷۲، کتاب العیدین، باب الخروج الی المصلی، طبع قدیمی کتب خانه)

(۲) ردالمحتار، کتاب الصلاة: ۱/۳۸۰، دارالفکر بیروت، انیس

الخروج إليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة. (۱)

ضرورت سے زیادہ تعدد خلافِ سنت اور مکروہ ہے۔ (کفایت المفتی: ۲۷۱/۳)

اس لئے جن لوگوں نے الگ پڑھی ان کی نماز تو ہوگئی، **بناء علٰی أن صلاة العيدين فى موضعين جائز.** (۲)

البتہ ان کا یہ فعل بلاضرورت ہونے کی وجہ سے مکروہ اور خلافِ سنت ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (محمود الفتاویٰ: ۵۴۰/۱-۵۴۱)

امیر کا اپنے گھر میں نماز عید پڑھ لینا:

سوال: حاکم کے لیے نماز عید اپنے گھر میں پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

شرائط ادا کے پائے جانے کی صورت میں نمازِ عید گھر میں پڑھنے کے بارے میں تو کوئی شک وشبہ نہیں اور شرائط ادا کے لیے ضروری ہے شہر ہونا، امام کے علاوہ تین آدمیوں کے ساتھ جماعت کا ہونا، تمام مسلمانوں کے لیے اذنِ عام ہونا؛ تاکہ ہر ایک مسلمان نماز میں شریک ہوسکے اور کوئی نہ روکے۔ (**كذا فى البر جندى شرح المختصر**)

اور مسجد کا ہونا نماز عید کی شروطِ ادا میں سے نہیں ہے، البتہ مسجد میں جماعت کی جو فضیلت ہے، وہ گھر میں جماعت کرنے سے حاصل نہیں ہوگی۔ (کفایہ شرح ہدایہ)

اور برجندی شرح مختصر میں ہے:

فلو أغلق السلطان أونائبه أبواب منزله ولم يأذن بالدخول فيه وصلى فيه بأهله وعكسره لايجوز، إنتهٰى.

بحر العلوم مولانا عبد العلی رسائل الارکان میں تحریر فرماتے ہیں:

لو أغلق الإمام باب ماحصنه وصلٰى مع رفقاء ه لم يجز. (مجموعہ فتاویٰ مولانا عبد الحئ اردو: ۲۵۲)

نماز عیدین جامع مسجد میں:

سوال: عیدین کی نماز جامع مسجد میں ادا کرنا درست ہے، یا نہیں؟ عیدگاہ میں امام بدعتی ہے۔

الجواب

عیدین کی نماز جامع مسجد میں بھی ادا کرنا درست ہے؛ لیکن مسنون وافضل صحرا میں ادا کرنا ہے، اگر عیدگاہ میں امام بدعتی ہے، دوسری جگہ صحراء میں اس سنت کو اداء کریں۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۲۹/۵)

(۱) الدر المختار علٰى هامش الشامي: ٦١٢/١

(۲) ردالمحتار. كتاب الصلاة: ٦١٣/١

(۳) الدر المختار: ١١٤/١

عید کی نماز جیل میں:

سوال: عیدین کی نماز جیل میں ہوگئی، یا نہیں؟

الجواب

جمعہ اور عیدین کی نماز جیل خانہ میں واجب ہے،(۱) اور ادا ہونے میں بھی کلام ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۱/۵) ☆

عورتوں پر نماز عید واجب نہیں:

سوال: ایک شخص عیدین کی نماز باجماعت پڑھتا ہے، پھر جا کر عورتوں کو عیدین کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھاتا ہے، آیا اس طرح پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب الجمة: ۷٦٤/۱

(۲) اذن عام کی شرط چوں کہ نہیں پائی جاتی ہے؛ اس لیے بعض لوگوں کو رجحان عدم جواز ہے؛ لیکن خاکسار کا ذاتی رجحان جواز کی طرف ہے۔ موجودہ دور میں جب کہ ایک شہر میں تعدد جمعہ کے جواز پر فتویٰ اور عمل دونوں ہے "اذن عام" کی شرط محض لغو ہے۔ درمختار اور شامی میں جو بحث مذکور ہے، اس سے بھی جواز ہی ثابت ہوتا ہے۔ "اذن عام" کی بحث ختم کرتے ہوئے علامہ شامی رقمطراز ہیں: قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لاتقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا، لأنه لا يتحقق لتفويت، كما أفاده التعليل، تأمل. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۷٦۲/۱) خود مفتی علام نے باب الجمعہ میں بند قلعہ کے اندر جمعہ کا جواز ثابت کیا ہے اور پوری بحث کی ہے، جو لغو ومطالعہ کرنا چاہیے۔

☆ **نماز عیدین دو رکعت ہے:**

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے مطابق عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت اور عید الفطر کی دو رکعت ہے۔" (عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه) قال: "صلاة الأضحى ركعتان، وصلاة الفطر ركعتان على لسان نبيكم صلى الله عليه وسلم (أخرجه النسائي. جامع الأصول: ۱۲٦/٦) النسائي، أبواب العيدين، باب عدد صلاة العيدين. وفي هامش جامع الأصول (۱۲٦/٤) من حديث عبد الرحمن بن أبي ليلىٰ عن عمر وقد اختلف في سماعه من عمر والصحيح أنه لم يسمع منه فالإسناد منقطع، أقول: لكن عبد الرحمن ثقة فلا يضر إرساله عن من سمعه، كيف وقد حققوا ثبوت سماعة عن عمر (راجع معارف السنن: ٤٦٧/٤) ورواه ابن أبي شيبة (٢٤٦/٤) ولمزيد من التفصيل في التخريج والتحقيق راجع هامش ابن أبي شيبة للشيخ محمد عوامة (٢٤٦/٤) كيف وفي بعض الطرق جاء ذكر الواسطة بين عبد الرحمن وبين عمر وهو المؤيد بفعل النبي صلى الله عليه وسلم وهو معروف ومتواتر وجاء في الصحيحين وغيرهما)

حضرت عبد الرحمٰن بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن (نماز کو) نکلے تو دو رکعت نماز ادا کی۔" (عن ابن عباس رضي الله عنهما: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج يوم عيد فصلىٰ ركعتين" الحديث (أخرجه الجماعة جامع الأصول: ۱۲٥/٦) البخاري، أبواب العيدين، باب الخطبة في العيد/ومسلم، أبواب العيدين، باب ترك الصلاة، قبل الصلاة وبعدها في المصلى) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

الجواب

عورتوں پر عیدین کی نماز واجب نہیں ہے، اگر پڑھیں گی تو نفل ہوگی اور نفل میں جماعت مکروہ ہے۔

"لایصلی التطوع بالجماعة ماخلا قیا م رمضان و کسوف الشمس". (بدائع الصنائع: ۲۷۰/۱)(۱)

التطوع بالجماعة إذا کان علٰی سبیل التداعی یکره. (الفتاویٰ الھندیة: ۸۷/۱)(۲)

والتطوع بجماعة خارج رمضان أی یکره ذلک لوعلٰی سبیل التداعی بأن یقتدی أربعة بواحد، کما فی الدرر. (الدرالمختار)(۳)

قال شمس الأئمة الحلوانی: إن کان سوٰی الامام ثلٰثة لایکره بالاتفاق وفی الأربع اختلف المشائخ والأصح أنه یکره، ھٰکذا فی الخلاصة. (الفتاویٰ الھندیة)(۴)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۶/۳)

خواتین اور عیدین کی نماز:

سوال: سنا ہے کہ عیدین کی نماز عورتوں پر واجب نہیں ہے، جب کہ وہ گھر میں اکیلے پڑھنا چاہتی ہیں تو کیا اس کے لیے خطبہ مسجد میں جا کر سننا ضروری ہے؟ (مسز احمد، شیام نگر)

الجواب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواتین کو عید میں شرکت کی اجازت تھی؛ (۵) کیوں کہ اس زمانہ میں فتنہ کا اندیشہ کم تھا، اور آج کی طرح بے حیائی عام نہیں تھی، چناں چہ سیدنا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ:

''عورتوں میں اب جو کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہوتا تو ان کو مسجد جانے سے اسی طرح منع فرمایا ہوتا جیسا کہ بنی اسرائیل کی خواتین کو منع کر دیا گیا تھا''۔ (۶)

ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے زمانہ کے اعتبار سے اب سماجی حالات اور بدتر ہوگئے ہیں، فتنہ کے مواقع بھی بڑھ گئے ہیں اور عورتوں کا جذبۂ آرائش بھی پہلے سے کہیں زیادہ ہوگیا ہے؛ اس لیے موجودہ حالات میں

(۱) **فصل فی صلاة الکسوف: ۲۸۰/۱، ط: سعید**

(۲) **الباب الخامس فی الامامة، الفصل الأول فی الجماعة: ۱۸۳/۱، ط: ماجدیة**

(۳) **باب الوتر والنوافل: ۴۸/۲، ط: سعید**

(۴) **الباب الخامس فی الامامة، الفصل الأول فی الجماعة: ۸۳/۱، ط: ماجدیة**

(۵) **الجامع للترمذی، رقم الحدیث: ۵۳۹، باب في خروج النساء في العیدین**

(۶) **صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۸۶۹، باب انتظار الناس قیام الإمام العالم،** نیز دیکھئے: **صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۴۴۵، باب خروج النساء إلی المساجد**

بدرجۂ اولیٰ خواتین کا عید وغیرہ کی نماز میں شرکت کرنا مناسب نہیں، نہ عید تنہا گھر پر ادا کی جاسکتی ہے، دعا اور اللہ کا شکر ادا کرنا کافی ہے، اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، جب عورتوں پر جمعہ اور عیدین کو واجب ہی نہیں رکھا گیا اور اس کے برخلاف پردہ اور گھر میں رہنے کو ضروری قرار دیا گیا۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ ﴾ (۱) تو ایک ممنوع بات کا ارتکاب کر کے ایسی عبادت کرنے میں کیا نفع ہے، جو آپ پر واجب نہیں اور جس کا شریعت نے آپ کو مکلّف نہیں بنایا ہے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۳/۸۷-۸۸)

نماز عیدین کے بارے میں حدیث صحیحین کی تحقیق:

سوال: مشکوٰۃ شریف، باب نماز عیدین میں صحیحین کی یہ حدیث درج ہے:

”عن أم عطية رضى الله عنها قالت: أمرنا أن تخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض عن مصلاهن قالت امرأة يارسول الله صلى الله عليه وسلم أحد لنا ليس لها جلباب قال لتلبسها صاحبتها من جلبابها“. (متفق عليه) (۲)

کیا کوئی دوسرا ایسا حکم شرعی موجود ہے کہ جس کے باعث یہ حدیث اور اس کا حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منسوخ ہو گئے ہوں۔

(۲) کیا عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہ میں اس پر عمل ہوتا رہا؟

(۳) اگر کوئی عذر شرعی (مثلاً فتنہ وغیرہ) نہیں ہے تو کیا اب شرائط واحکام شریعت کے مطابق اس حکم کی تعمیل لازم نہیں؟

(المستفتی: ۱۳۱۸، جناب غلام دستگیر رشید ایم۔اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن ۱۶/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، ۳۰/جنوری ۱۹۳۷ء)

الجواب

(۱) اس حدیث کی ناسخ کوئی دوسری حدیث میری نظر میں نہیں۔

(۲) عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس پر عمل ہوتا رہا اور صحابہ میں بھی عمل ہوا؛ مگر صحابہ کرام میں سے بعض جلیل القدر صحابہ نے عورتوں کے خروج من البیوت کو منع کرنا شروع کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ ممانعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کے طور پر نہ تھی؛ بلکہ علت ممانعت (خوف فتنہ) کے وجود کی بنا پر تھی، یہ حدیث عید کے متعلق ہے اور عید کی تقریب میں عورتوں کی کثرت ابتدائے اسلام میں تکثیر سواد مسلمین اور اظہار شوکت اجتماعیہ کے لیے مؤکد تھی اور پنج گانہ نمازوں میں شرکت کی اجازت تھی۔

---

(۱) سورۃ الأحزاب: ۳۳

(۲) مشکوٰۃ باب العیدین، ص: ۱۲۵، ط: سعید (صحیح البخاری، باب خروج النساء والحیض الی المصلی: ۱۳۳/۱، ط: قدیمی کتب خانۃ، کراتشی/صحیح لمسلم، فصل فی اخراج العواتق وذوات الخدور: ۲۹۲/۱، ط: قدیمی کتب خانۃ، کراتشی)

وضـم مـعـه مـقـصـداً آخرمن مقاصد الشريعة وهوأن كل ملة لابد لها من عرضة يجتمع فيها أهـلهـا لتـظهر شوكتهم وتعلم كثرتهم ولذلک استحب خروج الجميع حتٰى الصبيان و النساء وذوات الخدورالحيض ويعتزلن المصلى ويشهد ن دعوة المسلمين.(حجة الله البالغة)(١)

عـن ابـن مسـعود رضى الله عنه أنه كان يحلف فيبالغ فى اليمين ما من مصلى للمرأة خيرمن بيتها إلا فى حج أوعمرة.(الحديث)(رواه طبرانى فى الكبير ورجاله موثقون،كذا فى مجمع الزاوئد)(٢)

وعـنـه أنـه قـال: مـا صـلـت امرأة من صلاة أحب الى الله من أشد مكان فى بيتها ظلمة. (رواه طبرانى فى الكبير ورجاله موثقون،كذا فى مجمع الزوائد)(٣)

وعـن أبـى عـمـروالشيبـانى أنه رأى عبد الله يخرج النساء من المسجد يوم الجمعة ويقول: اخرجن إلٰى بيوتكن خيرلكن.(رواه الطبرانى فى الكبير ورجاله موثقون،كذا فى مجمع الزوائد)(۴)

عـن أم حميد امرأة أبى حميد الساعدى أنها جأت النبى صلى الله عليه وسلم فقالت: يا رسول الـلّـه (صلى الله عليه وسلم)! إنى أحب الصلاة معک،قال: قد علمت إنک تحبين الصلاة معى و صـلا تک فـى بيتک خيـرمـن صـلا تک فـى حـجـرتک وصـلا تک فـى حـجرتک خيرمن صـلاتک فى دار ک وصلاتک فى دارک خيرمن صلاتک فى مسجد قومک وصلاتک فى مسجد قومک خيرمن صلاتک فى مسجدى، قالت: فأمرت فبنى لها مسجد فى أقصٰى بيت فى بيتها وأظلمه فكانت تصلى فيه حتٰى لقيت الله عزوجل.(رواه أحمد ورجاله رجال الصحيح غيرعبد الله بن سويد الأنصارى وثقه ابن حبان،كذا فى مجمع الزوائد)(۵)

ان احادیث پرغور کرنے سے یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ حدیث امر بالخروج للعیدین میں امر وجوبی نہیں ہے اور مصلحت خروج اظہار شوکت وکثرت مسلمین تھی؛ کیوں کہ حائضہ عورتوں کوبھی نکلنے کے حکم کی اور کوئی مصلحت نہیں۔

(۳) فتنہ کا وجود غالب ہے اور غالب ہی پر احکام شرعیہ مبنی ہوتے ہیں۔(۶)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۵/۳۰۰-۳۰۲)

---

(١) باب العيدين: ٤٨٠/٢،ط:بغداد

(۲-۴) باب خروج النساء إلى المساجد: ٣٥/٢،ط: دارالفكربيروت،لبنان

(۵) باب خروج النساء الى المساجد: ٣٣/٢-٣٤،ط:دار الفكر،بيروت،لبنان

(٦) ويـكـره حـضـورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولوعجوزا ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان.(الدرالمختار،باب الامامة: ٥٦٦/١،ط:سعيد)

عورتوں کا نماز عیدین کی جماعت میں شریک ہونا:

سوال: عورتیں نماز عیدین کی ادائیگی کے لیے عیدگاہ جاتی ہیں اور مسئلہ کے مطابق مردوں اور بچوں کی صفوں کے بعد اپنی صفیں بنا کر امام کے پیچھے نماز عیدین ادا کرتی ہیں۔ عندالشرع موجودہ زمانہ میں کیا حیثیت ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عورتوں کے لیے نماز عیدین اور جمعہ کسی میں شرکت کی اجازت نہیں ہے؛ کیوں کہ عورتوں کا بناؤ سنگار اور زینت کا لباس پہن کر مردوں میں آنا ممنوع ہے اور جب کہ پردہ کا بھی اہتمام نہ ہو تو اس صورت میں غیر محرم کے سامنے آنا حرام ہے؛ اس لیے بجائے خدا کی رحمتوں کے حصول کے غضب کے نزول کا سبب بن جائے گا۔

”قال فی الخلاصة ولا یخرج الشابُّ من النساء فی جمیع الصلوات قوله، وقد ذکرنا الجواب المختار فی زماننا أنهن لایخرجن“. (۱) فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲۶/۷/۱۳۸۵ھ، الجواب صحیح: محمود عفی عنہ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۴۴)

کیا عورتوں پر نماز عید واجب ہے:

سوال (۱) عید کی نماز جس طرح مردوں پر واجب ہے، کیا اسی طرح عورتوں پر بھی واجب ہے؟

نماز عیدین میں عورتوں کی جماعت کا حکم:

(۲) اگر عورتیں عیدگاہ نہ جا کر محلّہ کی مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز عیدین ادا کریں تو اس کا کیا حکم ہے؟

مرد کی اقتدا میں عورتوں کی نماز عید کا حکم:

(۳) اگر عورتیں عیدین کی نماز میں اپنا امام کسی مرد کو بنالیں اور تمام عورتیں اس امام کی اقتدا میں نماز ادا کریں تو اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

(۱) جمعہ وعیدین کی نماز عورتوں پر واجب نہیں ہے، ان ہر دو نمازوں کے وجوب کے لیے کتب فقہ میں جو شرائط مذکور ہیں، ان میں ایک مرد ہونے کی قید بھی ہے۔ شامی میں ہے:

(وشرط لافتراضها) ... (إقامة بمصر) ... (وصحة) ... (وحریة) ... (وذکورة) (۲)

---

(۱) دیکھئے: فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیة: ۱/۱۸۳

(۲) تنویر الأبصار، باب الجمعة: ۳/۲۶-۲۸

(۲) اگر صرف عورتیں عید کی جماعت کریں، پھر بھی مکروہ ہے؛ اس لیے کہ صلوۃ عیدین عورتوں کے لیے نفل ہے اور نفل نمازوں میں جماعت مکروہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"لا یصلی التطوع بالجماعة اذا کان علیٰ سبیل التداعی یکره". (۸۷/۱)

(۳) نماز مکروہ ہوگی، جیسا کہ ابھی مذکور ہوا کہ نفل نمازوں میں جماعت درست نہیں ہے اور اگر مردوں کی جماعت میں جا کر شریک ہوں تو بھی مکروہ ہے۔

"(ویکره حضورهن الجماعة) ولو لجمعة وعید ووعظ (مطلقًا) ولو عجوزًا لیلاً (علی المذهب) المفتیٰ به لفساد الزمان". (۲)

خالد سیف اللہ رحمانی، ۲۵/۹/۱۳۹۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۱۲/۲-۵۱۳)

عورت کا عیدگاہ جانا:

سوال: کیا عورت کو عیدگاہ میں جانے کی اجازت ہے؟ اور اگر اجازت ہے تو کیا آپ عیدگاہوں میں عورتوں کے انتظام کی اپیل کریں گے؟ (احمدی بیگم، شاہین نگر)

الجواب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خواتین کو عیدگاہ جانے کی اجازت تھی اور عام نمازوں میں بھی خواتین شریک ہوا کرتی تھیں۔ (۲) موجودہ حالات میں اس کی اجازت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خیر کا غلبہ تھا، خواتین میں بھی باحیاء تھیں، مرد بھی اپنی نگاہ پست رکھتے تھے، بعض صحابہؓ سے از راہِ بشریت بدنگاہی ہوگئی تو ان پر اتنا شدید اثر ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شرکت کا حوصلہ نہیں پاتے تھے، کہ جن آنکھوں نے گناہ کیا ہے وہ اس لائق کہاں ہیں کہ ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کیا جائے؟ آج کی بے راہ روی میں اس احتیاط کا تصور بھی ممکن نہیں، اصل مقصود اجر وثواب کا حصول ہے، مردوں کو عیدگاہ جا کر ثواب حاصل ہوگا، خواتین کو گھر میں رہ کر ﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ (۳) کے حکم قرآنی پر عمل کر کے ثواب حاصل ہوگا، اگر عیدگاہ جائیں اور ناخوش گوار واقعات پیش آئیں تو اس سے دین اور مقاماتِ دین کی بدنامی ہوگی، عرس کی حیثیت سے قطعِ نظر وہاں اس طرح کا مخلوط مجمع ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں بڑے ناگفتنی واقعات پیش آتے ہیں۔ (کتاب الفتاویٰ: ۸۸/۳-۸۹)

---

(۱) الدر المختار، باب الامامة: ۳۰۷/۲

(۲) الجامع للترمذي، رقم الحديث: ۵۳۹، باب في خروج النساء في العيدين

(۳) سورة الأحزاب: ۳۳

نماز عید کے لیے عید گاہ میں عورتوں کا آنا منع ہے:

سوال: عورتوں کو عید گاہ میں نماز عید کے لیے جانا جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: ۵۱۲، ۴/ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ، مطابق ۶/ جولائی ۱۹۳۵ء)

الجواب

نہیں کہ ان کے جانے میں فتنہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۸/۳)

عورتوں کا عید گاہ جانا:

سوال: عورتوں کو مثل مردوں کے عید گاہ میں نماز کے لیے جانا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

اس زمانہ میں؛ بلکہ بہت پہلے عورتوں کا جماعت میں شریک ہونے کے لیے مسجد و عید گاہ میں جانا ممنوع ومکروہ ہے، صحابہ کرام کے زمانہ میں ہی یہ ممنوع ہو چکا تھا۔(کما ورد فی الحدیث)

درمختار میں ہے:

ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقاً ولوعجوزاً ليلاعلى المذهب المفتى به لفساد الزمان واستثنى الكمال بحثا العجائز المتفانية. (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۳۲/۵) ☆

---

(۱) ویکره حضورهن الجماعة ولو لجمعة وعيد ووعظ مطلقا ولوعجوزاً ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان.(الدر المختار،باب الامامة: ۵٦٦/۱، ط:سعيد)

(۲) الدرالمختار، كتاب الصلاة،باب الامامة: ۸۳/۱،ظفير

☆ **نماز عیدین میں عورتوں کی جماعت مکروہ ہے:**

سوال: عیدین کی نماز میں گوشہ نشیں عورتوں کو مکان میں ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اور عورتوں کو مردوں کی مانند جماعت سے نماز ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو عورت امام ہوسکتی ہے، یا نہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو عورت امام صف میں عورتوں کی برابر کھڑی ہو، یا مردوں کے امام کے مانند؟

الجواب

درمختار میں ہے: ویُكرَهُ تحريماً جماعة النساء،الخ.(الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار،باب الامامة: ۵۲۸/۲، انيس) اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی جماعت مکروہ تحریمی ہے، اگر چہ فرض وواجب میں ہو، یا سنت ونفل میں۔(كذا في الشامی) پھر اگر عورتیں جماعت کریں باوجود کراہت تحریمی کے تو امام ان کا وسط میں برابر عورتوں کے کھڑی ہو، آگے نہ ہو۔ کما فی الدرالمختار فان فعلن تقف الامام وسطهن فلو تقدمت أثمت،الخ، پھر آگے یہ لکھا ہے کہ عورتوں کو مردوں کی جماعت میں جمعہ وعیدین کے لیے آکر شریک ہونا بھی مکروہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۹٦/۵)

عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد:

سوال: عیدین کی نماز بارہ تکبیر سے پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟

الجواب

درمختار میں ہے:

ویصلی بهم الامام رکعتین مُثنیا قبل الزوائد وهی ثلٰث تکبیرات فی کل رکعة. وفی الشامی: فالعمل الآن بما هو المذهب عندنا کذا فی شرح المنیة. (ردالمحتار، المجلدالأول، باب العیدین)

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی اپنے مذہب کے موافق ہر رکعت تین تکبیرات زوائد پر اکتفا کرے، زیادہ نہ کہے۔ فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۴/۵-۱۸۵) ☆

☆ **عیدین کی دونوں رکعتوں میں تین تین زائد تکبیرات ہیں:**

سعید بن عاص فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا کہ عیدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکبیریں کس طرح کہا کرتے تھے؟ تو حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: ''(ہر رکعت میں) چار تکبیریں کہا کرتے تھے، (یعنی مسلسل) جیسے جنازے میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سچ کہتے ہیں''۔ (**عن سعید بن العاص قال: "سألت أبا موسیٰ وحذیفة: کیف کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکبر فی الأضحیٰ والفطر فقال أبو موسیٰ: کان یکبر أربعاً کتکبیره علی الجنازة، فقال حذیفة صدق". (أخرجه أبوداؤد. جامع الأصول: ۱۲۹/۶) أبوداؤد، أبواب الصلاة، باب التکبیر فی العیدین، وفی هامش جامع الأصول: ۱۲۹/۶) إسناده ضعیف، وفی إعلاء السنن (۱۰۴/۸) رواه أبوداؤد، وسکت عنه هو والمنذری، أقول: وقد رواه الطحاوی وغیره وأزاح عما قیل فی بعض رواته صاحب إعلاء السنن (راجع إعلاء السنن: ۱۰۴/۸-۱۰۶)**

میں نے طحاوی کے رواۃ کو تقریب میں دیکھا تو صدوق سے کم کوئی نہیں ہے، جب کہ طحاوی میں اس روایت کی ایک سند اور بھی ہے، نیز اس کی مؤید دوسری روایات بھی ہیں، (ملاحظہ ہو: **شرح معانی الآثار، کتاب الزیادات، باب التکبیر فی العیدین**) واضح رہے کہ طحاوی وغیرہ کی بعض روایات میں اس قسم کے سوال و جواب کے موقع میں حضرت ابن مسعود کا موجود رہنا اور سعید بن عاص کے علاوہ دوسرے بعض حضرات کا سوال کرنا بھی مذکور ہے۔ (آثار السنن: ۱۰۵/۲-۱۰۶) میں اس مضمون کی روایت کو نقل کر کے سند کی صحت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ (**راجع للروایات ابن أبی شیبة: ۲۱۳/٤-۲۱٦/ وکتاب صلاة العیدین للفریابی**)

قاسم ابوعبدالرحمٰن دمشقی کا بیان ہے کہ ہمسے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بیان کیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی تو چار تکبیریں کہیں اور نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو فرمایا: بھولنا نہیں جنازہ کی طرح (چار) تکبیریں ہیں اور ساتھ ہی انگلیوں سے اشارہ فرمایا، اس طرح کہ انگوٹھے کو دبالیا''۔ (**عن القاسم أبی عبد الرحمن قال: "حدثنی بعض أصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: صلی بنا النبی صلی الله علیه وسلم یوم عید فکبر أربعاً وأربعاً ثم أقبل علینا بوجهه حین انصرف فقالا: لا تنسوا کتکبیر الجنائز وأشار بأصابعه وقبض إبهامه". (أخرجه الطحاوی، اعلاء السنن: ۱۰۳/۸) شرح معانی الآثار، کتاب الزیادات، باب صلاة العیدین کیف التکبیر فیهما، وقال الطحاوی بعد روایته: حسن الإسناد وابن یوسف ... کلهم أهل روایة معروفة بصحة الروایة، وصاحب إعلاء السنن ذکر مراتب رواته من کتب الرجال. (إعلاء السنن: ۱۰۳/۸، ۱۰٤)** ==

== ما سوٰی شیخی الطحاوی،علی بن عبد الرحمن ویحی بن عثمان ،أما علی بن عبد الرحمن فالظاهر أنه المخزومی المصری من الحادیة عشرة صدوق. (التقریب،ص: ٤١٦)ویحی بن عثمان هو السهمی المصری لینه بعضهم (التقریب:٦٦٣)وعلی هٰذا فالسند مقبول.

طحاوی (شرح معانی الاثار،أبواب الصلاة،باب التکبیر علی الجنازة) میں ایک روایت ابراہیم نخعی کی آئی ہے کہ تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف تھا تو حضرت عمر صحابہ کرام کو جمع کر کے یہ طے فرمایا کہ جنازہ میں عیدین کی طرح چار تکبیرات کہی جائیں اور خود تکبیرات عیدین کے باب میں کئی چیزیں نقل کی ہیں۔)

ہر رکعت میں چار چار رکعت تکبیرات مراد ہے، پہلی رکعت میں تکبیرات تحریمہ کے ساتھ تین تکبیرات زوائد اور دوسری میں قرأت کے بعد تین زائد تکبیریں اور رکوع کی تکبیر۔

<u>عیدین کی زائد تکبیریں، پہلی رکعت میں قبل قرأت اور دوسری میں بعد قرأت:</u>

ابراہیم نخعیؒ نے نقل کیا ہے: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ کی مسجد تشریف فرماتے تھے، آپ کے ساتھ حضرت حذیفہ وحضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما بھی تھے، اتنے میں کوفہ کے امیر ولید بن عقبہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ کل عید ہے، میں کیسے نماز ادا کروں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا: ''اذان واقامت کے بغیر نماز ادا کی جائے اور پہلی رکعت میں پانچ اور دوسری میں چار تکبیرات کہی جائیں اور دونوں رکعتوں کی قرأت ایک دوسرے سے متصل ہو''۔(عن إبراهيم عن ابن مسعود أنه كان قاعداً فی مسجد الكوفة ومعه حذيفة بن اليمان وأبوموسیٰ الأشعری رضی الله عنه عنهم فخرج عليهم الوليد بن عقبة وهو أمير الكوفة يومئذٍ فقال:إن غدا عيدكم فكيف أصنع،؟فقالا:أخبره يا أبا عبد الرحمن كيف تصنع؟فأمره عبد الله بن مسعود أن يصلی بغير أذان ولا إقامة،وأن يكبر فی الأولٰی خمسا وفی الثانية أربعاً وأن يوالی بين القراء تين.(أخرجه محمد فی كتاب الآثار ... إعلاء السنن: ١٠٧/٨،كتاب الآثار ،الصلاة،باب صلاة العيدين)قال فی إعلاء السنن: ١٠٧/٨،مرسل رجاله ثقات.أقول:وكذا قال الهيثمی فی مجمع الزوائد (٢٠٧/٢-٢٠٨) عد أن نقله عن إبراهيم ونقله عن غيره أيضاً— معزيا إلى الكبير للطبرانی)

امام طحاوی نے اس کو مسنداً نقل کیا ہے اور کئی سندوں سے جیسا کہ انہوں نے اسی قسم کی تفصیل سعید بن عاص کے سوال کے ساتھ بھی روایت کی ہے اور ولید بن عقبہ کے سوال وجواب کا قصہ ابراہیم عن علقمہ ابن مسعود بھی روایت کیا ہے اور مصنف عبدالرزاق (۲۹۳/۳) میں بہ سند صحیح اور موصولا ابن مسعود سے سوال وجواب کے بغیر بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو: شرح معانی الآثار... باب التكبير فی صلاة العيدين ،واعلاء السنن: ۱۰۶/۸، ۱۰۷،نصب الرایۃ میں مضمون بحوالہ ابوداؤد، حضرت ابوموسیٰ سے نقل کیا گیا ہے اور زیلعی نے ابوداؤد ومنذری دونوں کے سکوت کا تذکرہ کیا ہے۔(نصب الرأية،باب العيدين)(یعنی پہلی کی قرأت تکبیرات کے بعد اور دوسری تکبیرات سے قبل ہو۔)

علقمہ واسود رحمہما اللہ کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عیدین میں نو تکبیرات کہتے تھے، (پہلی رکعت میں) چار قرأت سے قبل، پھر تکبیر کہہ کر رکوع کرتے اور دوسری رکعت میں قرأت کرتے اور فارغ ہو کر چار تکبیر کہہ کر رکوع کرتے تھے۔(عن علقمة والأسود: ''أن عبد اللّٰه بن مسعود كان يكبر فی العيدين تسعاً،أربعاً قبل القراء ة ثم يكبر فيركع،وفی الثانية يقرأ فاذا فرغ كبر أربعاً فركع''.(رواه عبد الرزاق فی مصنفه ،نصب الرأية،الصلاة،باب العيدين،مصنف عبد الرزاق (٢٩٣/٣) وقال الحافظ فی الدراية (٢٢٠/١) إسناده صحيح،وقال الهيثمی :رجاله موثوقون ورجاله ثقات. ==

عیدین میں تکبیرات زوائد عندالحنفیہ چھ ہیں:

سوال: چھاؤنی لاہور میں سابق امام جامع مسجد فرماتے تھے کہ نماز عیدین کی صحیح بخاری میں بارہ تکبیریں لکھی ہیں، فی رکعت چھ۔اس صورت میں صحیح حکم کیا ہے؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک نماز عیدین میں تکبیرات زوائد چھ ہیں؛ یعنی ہر ایک رکعت میں تین تین اور حدیث ابوداؤد سے یہ بات ثابت ہے۔

عن سعيد بن العاص قال:سئلت أبا موسٰى وحذيفة كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبرفى الأضحٰى والفطر،فقال أبوموسٰى:كان يكبر أربعاً تكبيره على الجنائز،فقال حذيفة: صدق. (رواه أبوداؤد)(۱)

== مصنف عبدالرزاق میں اس کے کئی طرق ہیں،حضرت جابر بن عبداللہ سے بھی اس کو نقل کیا ہے(۲۸۶،۲۸۴/۳)ابن مسعود سے یہ مضمون ثقہ راویوں اور کئی سندوں کے واسطے سے طبرانی میں بھی آیا ہے۔(الکبیر للطبرانی،مجمع الزوائد: ۲۰۷/۲-۲۰۸)وقال الهيثمي:رجاله موثوقون ورجاله ثقات. اوربقول حافظ، كما فى الدراية (۲۲۰/۱)حضرت مغیرہ بن شعبہؓ وابن عباسؓ سے بھی بسند صحیح یہی تفصیل مروی ہے،روایات وراویوں کی تحقیق وتخریج کے لیے ملاحظہ ہو: معارف السنن میں بھی ایسا ہی ہے،ابن ابی شیبہ(۲۱۴/۴)میں مسروق کے واسطے سے ابن مسعود کا عمل یہی نقل کیا گیا ہے۔)

اس سے پہلے کی روایت میں پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں،تحریمہ،تین زوائد اور رکوع کی تکبیر کو شامل ومراد ہے،جیسا کہ دوسری روایت میں وضاحت آ گئی ہے۔

تکبیرات زوائد مسبوق کے لیے بھی ہیں،مسبوق اپنی فوت شدہ رکعت ادا کرنے میں ان کو ادا کرے گا۔مصنف ابن أبى شيبة (۲۳۷/٤) میں حسن بصری رحمہ اللہ سے اس کو نقل کیا گیا ہے۔

نماز عیدین کی تکبیرات زوائد کے ساتھ تحریمہ ہاتھ کا اٹھانا اور درمیان میں فصل کا وقفہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ تکبیرات عیدین کے ساتھ ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔(عن عمر "أنه كان يرفع يديه فى التكبيرات". (رواه البيهقى،إعلاء السنن: ۱۱۵/۸)السنن الكبرىٰ(كتاب العيدين،باب رفع اليدين فى تكبير العيدين: ۲۹۳/۳) وفيه ابن لهيعة،قال صاحب الإعلاء(۱۱۵/۸):تقدم أنه مختلف فيه وحسن الحديث وذكره الحافظ فى التلخيص(۹۲/۲)وذكر ضعفه لأجل ابن لهيعة) ابراہیم نخعی کی معروف روایت: سات جگہوں میں ہاتھ اٹھایا جائے گا،اس میں تکبیرات عیدین کا بھی تذکرہ ہے۔(ملاحظہ ہو،حدیث:۳۳۵)

تکبیرات زوائد کے درمیان کچھ فصل بھی مطلوب ہے؛ تاکہ اقتدا کرنے والے بسہولت امام کی متابعت کرسکیں۔(اعلاء السنن :۱۱۲/۸،البحر الرائق:۱۷۴/۲)امام شافعی وغیرہ نے اس کو اہتمام سے اور بقدر ایک آیت درمیانی ذکر کیا ہے،بقول حافظ(تخلیص الحبیر :۹۲/۲)طبرانی وبیہقی وغیرہ نے اس کو بسند قوی روایت کیا ہے،وراجع السنن الكبرىٰ:۲۹۲/۳،مع مناقشة التركمانى)(احکام نماز احادیث وآثار)

(۱) دیکھئے: مشكاة المصابيح مع الحاشية، باب صلاة العيدين،ص: ۱۲٦

پس مذہب حنفیہ موافق اس حدیث کے ہے، حنفی امام کو اس کے خلاف نہ کرنا چاہیے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۵/۵)

امام اگر تکبیر عید بھول جائے تو کوئی حرج نہیں ہے:

سوال: عیدین کی نماز چھ تکبیروں کے ساتھ دو رکعت واجب ہے، اگر پیش امام ایک تکبیر بھول جائے تو سجدۂ سہو کیا جائے، یا نماز دہرائی جائے؟

(المستفتی:۲۴۷۳، شیخ اعظم شیخ معظم (دھولیہ ضلع خاندیس) ۸/صفر ۱۳۵۸ھ، مطابق ۳۰/مارچ ۱۹۳۹ء)

الجواب

سجدہ سہو سے نماز ہو جاوے گی۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۵/۳)

تکبیرات زوائد میں ہاتھ باندھا نہ جائے:

سوال: تکبیرات زوائد عیدین میں ہاتھ باندھنا چاہیے، یا نہ؟

الجواب

تکبیرات زوائد عیدین میں ہاتھ نہ باندھا جاوے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۲۸/۵)

چھ زوائد تکبیرات کا عیدین میں ثبوت:

سوال: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عیدین کی نماز کو چھ تکبروں کے ساتھ پڑھنا یا چھ تکبیروں کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم دینا ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب

شرح منیہ میں کہا کہ عیدین کی ہر رکعت میں تین تکبیریں علاوہ تکبیر افتتاح کے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ سے ثابت ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں۔(والتحقیق فی المطولات)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۱۹۴/۵-۱۹۵)

---

(۱) والسهو فى صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء، والمختار عند المتأخرين عدمه فى الأولين لدفع الفتنه (التنوير وشرحه، باب سجدة السهو: ۹۲/۲، ط: سعيد)

(۲) ثم يكبر ثلاث تكبيرات يفصل بين كل تكبيرتين بسكتة قدر ثلاث تسبيحات (إلٰى قوله) ويرفع يديه كل تكبيرة منهن ويرسلهما فى أثنائهن الخ فاذا قام الى الركعة الثانية يبتدى بالقراءة ثم يكبر بعدها ثلاث تكبيرات على هيئة تكبيرة فى الأولٰى. (غنية المستملى، ص: ۵۲۵)

(۳) دیکھئے: غنية المستملى، باب العيدين

جوعیدگاہ آبادی کے بڑھنے سے آبادی کے اندرآ گئی وہ صحرا کے حکم میں نہیں ہے:

سوال: عیدگاہ قدیم بوجہ بڑھنے آبادی کے اندر آ گئی ہے اوراس میں نماز پنج گانہ باذان وجماعت ہوتی ہے ،اب چندلوگ اتباعاًللسنت صحرامیں صلوٰۃ العیدین کے مجوز ہیں۔اس صورت میں کیاحکم شرعاہے؟

الجواب

نمازعیدین کے لیے مسنون طریقہ یہی ہے کہ صحرامیں آبادی سے باہر پڑھیں،لہٰذا جولوگ اس کے مجوز ہیں کہ اس کے آبادی سے باہرصحرامیں نمازعیدین ادا کی جاوے،وہ حق پر ہیں،عیدگاہ قدیم جوکہ مسجدنماز پنج گانہ ہوگئی اوربستی کے اندرآ گئی،وہ بحکم جبانہ یعنی صحرانہیں رہی۔(۱)فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۹۵/۵)

عیدکی نماز میں رکوع ،یااس کے بعدشریک ہو:

سوال: اگرکوئی شخص عیدکی نماز میں امام کےرکوع میں جانے کے بعدپہونچا،یادوسری رکعت میں آ کرامام کے ساتھ ملاتواس کوکس طرح اپنی نمازادا کرنی چاہیے؟　　(محمدساجدعلی،نظام آباد)

الجواب

امام رکوع میں جاچکا،اس کے بعدنماز میں شریک ہواتواگراتناوقت ہوکہ تکبیرتحریمہ کے بعدتین تکبیرات زوائدکہہ کررکوع میں چلاجائےتورکوع ہی کی حالت میں تین تکبیراتِ زوائدکہہ لے،البتہ رکوع میں تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں،اگرکچھ ہی تکبیرات کہہ پایا تھاکہ امام نے سراٹھالیاتوامام کی اتباع کرے،جوتکبیرات باقی رہ گئی ہیں،وہ اس سے ساقط ہوجائیں گی،اگرپہلی رکعت میں امام کےرکوع سے فارغ ہونے کے بعد،یادوسری رکعت میں امام کوپائےتوامام کے ساتھ اس کی اتباع کرتے ہوئے نمازپوری کرےاورامام کے سلام پھیرنے کے بعدایک رکعت مکمل کرلے،یہ اس کی پہلی رکعت ہوگی،لہٰذا جب وہ اپنی نمازپوری کرنے کے لیے کھڑاہوگاتوپہلے تین تکبیراتِ زوائدہاتھ اٹھاتے ہوئے کہےگا۔(۲)(کتاب الفتاویٰ:۸۴/۳)

عیدین میں تکبیرات زاوئدکی بحث:

سوال: بخاری،ترمذی،مشکوٰۃ میں ثابت ہے کہ عیدین کی نماز میں بارہ تکبیرات ہیں؛یعنی رکعت اول میں سات قبل ازقرأت اوررکعت اخری میں پانچ بعدازقرأت۔نیزترمذی میں ایک حدیث حضرت عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ سے نو

(۱)　الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب العيدين: ۷۷٦/۱

(۲)　الفتاوىٰ الهندية: ۱۵۱/۱

تکبیرات کے ثبوت میں مروی ہے؛ یعنی رکعت اول میں پانچ قبل از قرأت اور رکعت اخری میں چار بعد از قرأت؛ مگر فی زمانہ دستور العمل یہ ہے کہ عیدین کی نماز میں چھ تکبیرات پڑھی جاتی ہیں، جو مذکورہ احادث کے سراسر خلاف ہے، ان احادیث سے بہتر اور افضل کون سی حدیث ہے، جس سے چھ تکبیرات کا جواز ثابت ہوتا ہے اور احادیث مذکور کا کیا حکم ہے؟

الجواب

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

”عن سعيد بن العاص أنه سال أباموسى الأشعرى وحذيفة بن اليمان كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر فى الأضحى والفطر؟ فقال أبوموسىٰ: كان يكبر أربعاً تكبيره على الجنائز، فقال حذيفة: صدق“. (رواه أبوداؤد والتفصيل فى كتب الفقه)(۱)

اور جس روایت میں نو تکبیر دونوں رکعت میں وارد ہیں، اس سے مراد بھی چھ تکبیرات زوائد ہیں؛ کیوں کہ اول رکعت میں تکبیر تحریمہ وتکبیر رکوع داخل ہے اور دوسری رکعت میں تکبیر رکوع داخل ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۶/۵)

بارہ تکبیرات کے ساتھ عیدین کی نماز درست ہے، یا نہیں:

سوال: احناف عیدین کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھیں تو ہوگی، یا نہیں؟

الجواب

حنفیہ کے نزدیک چھ تکبیرات زوائد ہیں، ان کو بارہ تکبیریں نہ کہنا چاہیے اور نماز بہرحال صحیح ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۴/۵)

تکبیرات زوائد کے ترک سے اعادۂ جماعت:

سوال: زید نے عید کی نماز پڑھائی؛ لیکن تکبیرات زاوئد کہنا بھول گیا، جب سلام پھیرا، تب مقتدیوں نے کہا کہ نماز نہیں ہوئی، تب زید نے ثانیا نماز پڑھی، ان دونوں نمازوں میں کون سی نماز ہوئی، یہ نماز ایسی چھوٹی مسجد میں ہوئی ہے کہ جس میں امام کی قرأت کی آواز آخر صف تک جاسکتی ہے؟

الجواب

نماز پہلی ہوگئی تھی؛ مگر ترک واجب کی وجہ سے ناقص ہوئی تھی، سجدہ سہو سے اس کا انجبار ہوجاتا اور چوں کہ مجمع زیادہ نہ تھا، جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے؛ اس لیے ایسے موقع میں عیدین کی نماز میں بھی اگر سہو ہوجاوے تو سجدہ سہو کرنا

(۱) مشكاة المصابيح، باب صلاة العيدين، ص: ۱۲۶ (سنن أبى داؤد، باب التكبير فى العيدين، رقم الحديث: ۱۱۵۳، انيس)

(۲) الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العيدين: ۷۷۹/۱

چاہیے؛ لیکن چوں کہ سجدہ سہو نہ کیا گیا؛ اس لیے اعادہ لازم تھا، جو کہ ہوگیا، پس اعادہ نماز کر لینے کے بعد اب کچھ نقصان نماز میں نہ رہا اور یہ ثانی جماعت ختم اور مکمل پہلی نماز کی ہوگئی۔ (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۴/۵)

عیدین میں دعا تکبیر کے بعد بغیر ارسال ہاتھ باندھ لے:

سوال: نماز عیدین میں تکبیرات ثلاثہ زوائد میں سے ہر ایک کے کہنے کے بعد ارسال یدین کرے گا اور تیسری تکبیر کے بعد ارسال یدین کر کے تب دونوں ہاتھ باندھے گا، یا بلا ارسال؟

الجواب

نماز عیدین میں تکبیرات ثلٰثہ زوایدمیں پہلی رکعت میں دو تکبیر میں ارسال یدین کرے اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لے؛ کیوں کہ یہ وقت قرأت کا ہے اور دوسری رکعت میں تیسری تکبیر کے بعد ارسال یدین کرتے ہوئے رکوع کی تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جاوے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۹/۵)

رکوع سے اٹھ کر تکبیرات زوائد کہنا:

سوال: نماز عیدالضحیٰ میں امام دوسری رکعت میں تکبیرات زوائد بھول کر رکوع میں چلا گیا۔ پہلی دوسری صف والے رکوع میں شریک ہوئے، دوسرے درجہ والے اور مسجد کے جو ملحق مکان والے تھے، بسبب بے خبری کے امام کی تکبیر رکوع وقیام کو تکبیرات زوائد کہی، مقتدیوں نے بھی تکبیریں امام کے ساتھ کہیں، پھر امام نے رکوع دوبارہ کیا اس میں سب مقتدی شریک ہوئے، امام نے موافق مذہب متاخرین سجدۂ سہو نہ کیا تو اس صورت میں اگر یہ نماز دوبارہ پڑھ لی جائے تو کچھ کراہت تو نہیں ہے؟

---

(۱) والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء والمختار عندالمتأخرين عدمه فی الأوليين لدفع الفتنة، كما فی جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم فی الدرر. (الدر المختار)

لكنه قيده محشيها الأوافی بما إذا حضر جمع كثير وإلا فلا داعی إلى الترک. (ردالمحتار، باب سجود السهو: ۷۵/۱، ظفير)

(۲) ووضع الرجل يمينه على يساره تحت سرته، الخ، كما فرغ عن التكبير بلا إرسال فی الأصح وهو سنة قيام، الخ، له قرار فيه ذكر مسنون فيضع حالة الثناء وفی القنوت وتكبيرات الجنازة لاسين فی قيام بين ركوع وسجود لعدم القرار لا بين تكبيرات العيد لعدم الذكر. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة، فصل تاليف الصلاة: ۴۸۶/۲-۴۸۸)

ويرفع يديه فی الزوائد، الخ، وليس بين تكبيراته ذكر مسنون ولذا يرسل يديه. (الدر المختار)

أی فی أثناء التكبيرات ويضعهما بعد الثالثة، الخ. (ردالمحتار، باب العيدين: ۱۷۴/۲، ظفير)

الجواب

اس صورت میں علامہ شامی نے عدم فساد صلوٰۃ کی تصحیح اور تصریح کی ہے؛ بلکہ عود الی القیام روایت نوادر کی لکھی ہے اور بدائع میں اسی کو اختیار فرمایا ہے؛ لیکن ظاہر الروایت یہ ہے کہ ایسی حالت میں امام قیام کی طرف عود نہ کرے۔ بہر حال نماز اس صورت میں ہوگئی اور سجدہ سہو موافق فتویٰ متاخرین کے نماز عیدین میں نہیں ہے، لہٰذا یہ حکم کیا جاوے گا کہ نماز ہوگئی، اور اعادہ کی ضرورت نہیں ہے اور اعادہ میں تشویش جماعت وانتشار ہے؛ اس لیے جس وجہ سے سجدہ ساقط ہوگیا، اعادہ کا حکم بھی نہ کیا جاوے گا۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم: ۵/۱۹۷-۱۹۸)

عید کی نماز بارہ تکبیروں کے ساتھ جائز، یا ناجائز:

سوال: عید کی نماز بارہ تکبیروں سے پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟ بلاضرورت حنفی امام بارہ تکبیروں سے پڑھ سکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

بارہ تکبیروں کے ساتھ حنفی امام کو عید کی نماز پڑھنا جائز نہیں۔ ہاں! اگر امام بارہ تکبیر کے مذہب کا قائل ہو تو حنفی مقتدی کو اس کی متابعت کر لینی چاہیے۔

قال محمد فی الجامع: إذا دخل الرجل مع الإمام فی صلاة العید وهٰذا الرجل یری تکبیر ابن مسعود فکبر الإمام غیر ذلک اتبع الإمام، الخ. (۲) (کفایت المفتی: ۳/۲۹۳)

سورۂ کہف کے بعد یاد دلانے پر تکبیرات زوائد، پھر قرأت:

سوال: نماز عید میں امام نے تکبیر تحریمہ کے بعد یاد دلانے پر تکبیرات ثلاثہ کہیں اور پھر بعد تکبیرات ثلاثہ دوبارہ قرأت شروع کی اس صورت میں نماز ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی۔ (کذا فی الشامی) (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۲۰۱-۲۰۲)

---

(۱) وقد علمت أن العود روایة النوادر علی أنه یقال علیه ماقاله ابن الهمام فی ترجیح القول بعدم الفساد فیما لو عاد إلی القعود الأول بعد ما استتم قائما، الخ. (ردالمحتار باب العیدین، تحت قول فلو عاد ینبغی الفساد: ۲/۱۷٤، ظفیر)

(۲) الفتاویٰ الهندیة، الباب السابع عشر فی صلاة العیدین: ۱/۱۵۱، ط: مکتبة ماجدیة، کوئٹه

(۳) کما لو رکع الامام قبل أن یکبر فان الامام یکبر فی الرکوع ولا یعود إلی القیام لیکبر فی ظاهر الروایة فلو عاد ینبغی الفساد. (الدر المختار) وقد علمت أن العود روایة النوادر علٰی أنه یقال علیه ما قاله ابن الهمام فی ترجیح القوم بعدم الفساد فیما لو عاد إلی القعود الأول بعد استتم قائماً بان فیه رفض الفرض لأجل الواجب وهو وان لم یحل فهو بالصحة لا یخل. (ردالمحتار، باب العیدین: ۱/۷۸۲)

نمازعیدین واجب ہےاورتکبیرات زوائد بھی:

سوال: عیدین کی نماز میں چھ تکبیریں واجب ہیں، یا نماز دوگانہ بھی واجب ہے؟ اگر کوئی امام اس طرح نیت کرائے کہ دو رکعت نماز نفل عیدالاضحیٰ مع چھ تکبیرات واجب کے، چوں کہ نفل کا لفظ کہلایا گیا تو نماز درست ہوئی، یا نہ؟

الجواب

نمازعیدین کی بھی واجب ہے اور تکبیرات عیدین بھی واجب ہیں۔(۱) آئندہ نیت میں نماز نفل نہ کہنا چاہیے؛ بلکہ واجب کہنا چاہیے، یا دل میں یہ خیال کرنا چاہیے اور نماز اس صورت میں بھی ہوگئی؛ اس لیے کہ نفل کا لفظ کہنے سے نماز میں فساد نہیں آیا۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۲/۳)

تکبیرات عیدین میں رفع یدین کی دلیل:

سوال: عیدین کی تکبیر میں ہاتھ اٹھانے کا کہیں ثبوت ہے، ہم لوگوں کو ملا نہیں اور یہاں غیر مقلدوں نے اشتہار چھاپا ہے کہ نماز جنازہ کی طرح تکبیر کہنا چاہیے؛ یعنی ہاتھ نہ اٹھانا چاہیے، اس کا کوئی ثبوت نہیں؟

الجواب

آثارالسنن (۱۸/۲) میں باسناد صحیح طحاوی سے ابراہیم نخعی کا فتویٰ اس میں نقل کیا ہے:

”قال: ترفع الأیدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلاۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین“. (الحدیث)

اوراجلۂ تابعین کے فتوے کا حجت ہونا حنفیہ نے اپنے فقہ میں بدلیل ثابت کیا ہے۔

۱۳/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ،ص:۲۲) (امدادالفتاویٰ جدید:۶۷۰/۱)

اگرعید میں تکبیرات زوائد چھوٹ جائیں:

سوال: نمازِ عید میں امام صاحب نے زائد تکبیرات کہے بغیر قرأت شروع کرکے پہلی رکعت پوری کرلی، اسی دوران شاید یاد آ گیا تھا تو دوسری رکعت کی قرأت سے پہلے تین بھولی ہوئی تکبیرات کہہ کر قرأت شروع کی اور ضم سورہ کے بعد پھر تین تکبیرات کہہ کر نماز پوری کی، شرعی لحاظ سے نماز ہوئی، یا نہیں؟　　(محمد سعادت علی، سنگاریڈی)

(۱) تجب صلاتهما فی الأصح علیٰ من تجب علیه الجمعة. (الدرالمختار علیٰ هامش رد المحتار، باب العیدین: ۷۷٤/۱)

(۲) ولو علم لم یمز الفرض من غیره إن نویٰ الفرض فی الکل جاز. (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار، باب شرائط الصلوٰة: ۳۸۸/۱)

الجواب

اس صورت میں نماز ہوگئی؛ تاہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرأت سے پہلے تکبیراتِ زوائد کو بھول جائے اور رکوع سے پہلے یاد آ جائے تو پہلی رکعت کے رکوع میں جانے سے پہلے پڑھ لے، اگر رکوع میں چلا گیا ہو، پھر یاد آیا تو اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ اس سلسلہ میں دو طرح کی آرا ہیں: ایک یہ کہ رکوع ہی میں ان زائد تکبیرات کو کہہ لے اور دوسری یہ کہ اب ان تکبیرات کو کہنے کی ضرورت نہیں رہی، یوں ہی نماز پوری کر لی جائے۔(۱)

پہلی رکعت کے رکوع کے بعد اب زائد تکبیرات کو نہ لوٹائے، عیدین میں تکبیراتِ زوائد واجب ہیں؛ اس لیے اصولی بات تو یہ تھی کہ ان تکبیرات کے چھوٹ جانے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب ہو؛ لیکن عیدین اور جمعہ میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے سجدۂ سہو معاف ہے، اس کے بغیر بھی نماز ہو جاتی ہے۔(۲) (کتاب الفتاویٰ: ۳/۸۹-۹۰)

عیدین میں تکبیرات زوائد کی تعداد اور اس کی خلاف ورزی کا اثر:

سوال (۱) عید کی نماز کے وقت امام صاحب نے بجائے چھ تکبیر کے نو تکبیر کی نیت بندھوائی اور نماز پڑھاتے وقت صرف سات تکبیریں پکاریں، یہ نماز درست ہوئی، یا نہیں؟ افضل نماز عیدین میں چھ تکبیریں ہیں، یا زائد؟

خطبہ عید میں نور نامہ وغیرہ درست نہیں:

(۲) امام نے عید پڑھا کر خطبہ شروع کیا اور خطبہ طویل پڑھا اور مقتدی دھوپ میں رہتے ہیں اور امام نے خطبہ میں نور نامہ اور وفات نامہ پڑھا، یہ کیسا ہے؟

الجواب

(۱) نماز ہوگئی اور تکبیرات زوائد ہر ایک رکعت میں تین تکبیریں ہیں؛ یعنی کل چھ تکبیرات زوائد ہیں، اس سے زیادہ مذہب حنفیہ کا نہیں ہے۔(۳)

(۲) یہ کو ایسا کرنا مکروہ وممنوع ہے، خطبہ میں اختصار کرنا چاہیے، خصوصاً ایسے وقت میں بہت اختصار کرنا چاہیے،(۴) اور وفات نامہ اور نور نامہ وغیرہ پڑھنا درست نہیں ہے۔فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۲۱۵-۲۱۶)

(۱) دیکھئے: الفتاوٰی الهندية: ۱/۱۵۱، رد المحتار: ۳/۵۷

(۲) "السهو في الجمعة و العيدين و المكتوبة و التطوع واحد إلا أن مشائخنا قالوا: لا يسجد للسهو في العيدين و الجمعة لئلا يقع الناس في فتنة". (الفتاوٰی الهندية: ۱/۱۲۸)

(۳) وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة ولو زاد تابعه الٰى ستة عشر لأنه مأثور. (الدر المختار علٰى هامش رد المحتار، باب العيدين: ۱/۷۷۹-۷۸۹)

(۴) عن جابر بن سمرة قال: كانت للنبي صلى الله عليه وسلم خطبتان يجلس بينهما يقرء القرآن ويذكر الناس فكانت صلاته قصداً وخطبته قصداً. (رواه مسلم)

==

عیدین کی تکبیرات زوائد میں اگر ارسال نہ کرے تو کیا حکم ہے:

سوال: امام درنماز عید الفطر پنج تکبیر زواید خواند، وبعد ہر تکبیر دست برناف است؛ یعنی ارسال نہ کردہ امام تنہا خطبہ ونماز درمحراب خواند بیان ہر دو تکبیر درود شریف خواند ودعاء خواست ودرخطبہ قرأۃ غلط کرد نمازش درست خواہد شد، یا چہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

ایں امور کہ ازاں امام صادر شد موجب فساد صلوٰۃ نیست، البتہ خلاف سنت است پس آئندہ اورتا کید کردہ شود کہ سہ تکبیرات زوائد در ہر رکعت بگوید درست برداشتہ تکبیر گوید وارسال یدین کند وآنچہ در کتب فقہ حنفیہ مذکور امت موافق آں عمل کند۔(۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۸/۵)

فاتحہ پڑھنے کے بعد تکبیرات یاد آئیں:

سوال: اگر امام نے نماز عید میں پہلی تکبیر کہہ کر قرأت شروع کردی اور سورہ فاتحہ پڑھ لی۔ اب اس کو یاد آیا کہ تکبیرات زوائد چھوٹ گئی ہیں تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اب ابتدا سے تکبیرات زوائد کہہ کر دوبارہ فاتحہ اور سورت پڑھے۔

فی البحر عن المحیط: إن بدأ الإمام بالقراء ة سهواً فتذكر بعد الفاتحة والسورة يمضى فى صلاته وإن لم يقرأ إلا الفاتحة كبر وأعاد القراء ة لزوماً؛ لأن القراء ة إذا لم تتم كان امتناعاً من الاتمام لا رفضاً للفرض، آه. (رد المحتار: ۷۸۱/۱) (۲) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۳۷/۳)

اگر سہواً بغیر تکبیرات زائدہ کہے رکوع میں چلا جاوے اور لقمہ دینے سے بعد رکوع ادا کرے اور سجدۂ سہو کرے:

سوال: اگر نماز عید الضحیٰ میں امام کو سہو ہوا ور رکعت ثانیہ میں بعد قرأت بلا تکبیر رکوع میں چلا گیا اور جماعت میں

== وعن عمار قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول أن طول صلاة الرجل وقصر خطبة منته من فقه فأطيلوا الصلاة واقصروا الخطبة. (رواه مسلم) (مشكوة، باب الخطبة للصلاة، ص: ۱۲۳)

(۱) ويرفع يديه فى الزوائد، الخ، وليس بين تكبيراته ذكر مسنون ولذا يرسل يديه. (الدر المختار)

أى فى أثناء التكبيرات ويضعهما بعد الثالثة، كما فى شرح المنية، لأن الوضع سنة قيام طويل فيه ذكر مسنون. (رد المحتار، باب العيدين: ۷۸۲/۱)

(۲) ردالمحتار، باب العيدين: ۱۷۳/۲، دارالفكر بيروت، انيس

سے کسی مقتدی نے سبحان اللہ کہہ کر امام کو اس سہو پر آگاہ کیا اور امام متنبہ ہوکر رکوع سے پھر کھڑا ہوا اور ہر سہ تکبیرات کہی اور پھر رکوع کی اور سجدہ سہو بھی کیا تو کیا اس صورت میں نماز عید ہوئی، یا نہیں؟ اور اگر نماز عید نہیں ہوئی تو قربانی بھی ہوئی، یا نہیں ہوئی؟ اس قصبہ میں دو جگہ نماز اور بھی ہوتی ہے؛ مگر اس امام کے مقتدیوں نے اپنی نماز پڑھ کر قربانی بھی کر لی، اس وقت تک اور کہیں نماز نہیں ہوئی تھی تو قربانی بھی ہوئی، یا نہیں؟

الجواب

فی الدرالمختار: كما لو ركع الإمام قبل أن يكبر فإن الإمام يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام ليكبر في ظاهر الرواية فلو عاد ينبغي الفساد.

في ردالمحتار: (قوله: في ظاهر الرواية) تبع فيه المصنف في المنح والذي في البحر والحلية أن ظاهر الرواية أنه لا يكبر في الركوع ولا يعود إلى القيام، زاد في الحلية وعلىٰ ما ذكره الكرخي ومشىٰ عليه في البدائع، آه. ورواية النوادر يعود إلى القيام و يكبر ويعيد الركوع دون القراءة، آه، وهٰذه الرواية أيضاً تخالف ما في المتن، نعم صرح بمثله في البحر والحلية والفتح والذخيرة في باب الوتر والنوافل، الخ، (قوله: فلو عاد ينبغي الفساد) تبع فيه صاحب النهر وقد علمت أن العود رواية النوادر علىٰ أنه يقال عليه ما قاله ابن الهمام في ترجيح القول بعدم الفساد فيما لو عاد إلى القعود الأول بعد ما استتم قائماً بأن فيه رفض الفرض لأجل الواجب وهو وإن لم يحل فهو بالصحة لا يحل. (۸۷۳/۱-۸۷۴)(۱)

وفي الدرالمختار: والسهو في صلاة العيد والجمعة و المكتوبة والتطوع سواء والمختار عند المتاخرين عدمه في الأوليين لدفع الفتنة في كما في جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم في الدرر.

في ردالمحتار: (قوله: عدمه في الأوليين) الظاهر أن الجمع الكثير فيما سواهما كذلك كما بحثه بعضهم، ط، وكذا بحثه الرحمتي وقال خصوصاً في زماننا وفي جمعة حاشية أبي السعود عن العزيمة أنه ليس المراد عدم جوازه بل الأولىٰ تركه لئلا يقع الناس في فتنة، آه. (۷۸۷/۱)(۲)

ان روایات سے یہ امور مستفاد ہوئے:

(۱) رکوع سے لوٹنا نہ چاہیے تھا؛ بلکہ وہ تکبیرات رکوع میں کہہ لینا چاہیے تھا۔
(۲) لیکن لوٹنے سے نماز فاسد نہیں ہوئی۔
(۳) سجدہ سہو بھی مناسب نہ تھا۔
(۴) لیکن کرلیا تو بھی جائز ہوگیا، خلاصہ جواب یہ کہ نماز اور قربانی سب صحیح ہوگئی۔

۱۵/ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ، ص:۱۱۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۶۸۴/۱-۶۸۵)

(۱) الدرالمختار مع ردالمحتار، باب العيدين: ۱۷٤/۲
(۲) الدرالمختار مع ردالمحتار: ۹۲/۲، باب سجود السهو

عیدین میں زائد تکبیریں چھوٹنے کا حکم:

سوال: عیدین کی نماز میں اگر امام زائد تکبیر کہنا بھول جائے اور کسی مقتدی نے بھی یاد نہیں دلایا تو نماز ہوئی، یا نہیں؟ اور اگر بیچ میں، یا دوسری رکعت کے رکوع کے بعد یاد آجائے تو اس حالت میں کیا کرے؟ تکبیر اس وقت کیسے ادا کرے، بلند آواز سے، یا آہستہ؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عیدین کی نماز میں اگر امام زائد تکبیر کہنا بھول جائے اور مقتدی نے بھی یاد نہیں دلایا تو نماز ہوگئی؛ لیکن اگر اجتماع تھوڑا ہوا اور انتشار کا خطرہ نہ ہو تو نماز دہرالینا چاہیے۔ اگر دوسری رکعت کے بعد یاد آگیا تو اس حالت میں تکبیر نہ کہے؛ بلکہ اگر مجمع تھوڑا ہو، انتشار کا خوف نہ ہو تو سجدۂ سہو کرلے اور اگر مجمع زیادہ ہو، خطرہ انتشار کا ہو تو سجدۂ سہو بھی نہ کرے، نماز ہوجائے گی۔

(كما لو ركع الامام قبل أن يكبرفإن الإمام يكبر فی الركوع ولايعود إلى القيام ليكبر)فی ظاهر الرواية. (۱)

(والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء) والمختار عند المتأخرين عدمه فی الأوليين لدفع الفتنة كما فی جمعة البحر،و أقرّه المنصف وبه جزم فی الدرر. (الدرالمختار)

(قوله:وبه جزم فی الدرر) لكنه قيّده محشيها الوانی بما إذا حضرجمع كثير،وإلا فلا داعی إلى الترک،ط. (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد بشیر احمد قاسمی، ۸/رمضان ۱۳۸۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۵۰۹-۵۱۰)

مسبوق عیدین کی چھوٹی ہوئی رکعت یا تکبیر کس طرح ادا کرے:

سوال: عیدین کی نماز میں ایک رکعت چھوٹ گئی یا چند تکبیریں مثلاً دو تکبیر یا ایک تکبیر یا پھر دونوں رکعت چھوٹ گئی التحیات میں امام کو پایا تو ان تینوں صورتوں میں ہمیں کیا کرنا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر کسی شخص کی نماز عیدین کی رکعت اولیٰ چھوٹ جائے تو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ شخص کھڑا ہو اور رکعت اولیٰ کی قضا مع تکبیرات کرلے اور اگر کسی شخص کی ایک، دو تکبیر چھوٹ گئی تو اگر ممکن ہو، اس کو امام کے رکوع سے سر اٹھانے

(۱) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۵۷/۳

(۲) ردالمحتار،باب سجود السهو: ۵٦٠/۲

سے پہلے ادا کرنا تو کھڑے ہونے کی حالت میں ادا کرلے اور اگر ممکن نہ ہو(یعنی اگر کھڑے ہونے کی حالت میں تکبیر کہے تو امام رکوع سے سر اٹھالے گا) تو پھر رکوع کرے اور بلا رفع یدین تکبیر کہہ لے۔اسی طرح اگر کسی شخص کی دونوں رکعتیں چھوٹ گئیں اور تشہد میں شریک ہوا تو وہ شخص امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہوا اور ان دونوں رکعتوں کو(عید کی نماز ادا کرنے کا جو طریقہ شریعت نے متعین کیا ہے) اسی طریقہ سے ادا کرلے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۵/ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۵۱۰-۵۱۱)

تکبیرات زوائد میں دونوں ہاتھ باندھا جائے گا:

سوال: ہم نے بعض لوگوں کو اس طرح نماز پڑھاتے دیکھا ہے کہ تکبیرات زوائد کے بعد ہاتھ باندھتے نہیں ہیں اور پھر اسی طرح تکبیر انتقال کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے ہیں۔یہ طریقہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

آپ نے جس طرح لوگوں کو عیدین کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے، وہی صحیح ہے۔تکبیر زوائد کے بعد ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے، کھلا رہنا چاہیے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۶/۱۱/۱۳۷۱ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۷)

دوسری رکعت میں رکوع کے بعد تکبیرات عیدین کہنے کا حکم:

سوال: عیدین کی نماز میں دوسری رکعت میں امام قرأت کے بعد رکوع میں چلا گیا اور رکوع سے اٹھتے ہی تکبیرات کا خیال آیا تو تکبیرات کہہ کر پھر رکوع کیا اور اخیر میں سجدۂ سہو کرلیا۔اس صورت میں نماز درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللہ التوفیق

سجدۂ سہو کرلیا تو نماز درست ہوئی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۰/۳/۱۳۷۳ھ۔(فتاویٰ امارت شرعیہ:۲/۲۵۸)

---

(۱) (ولو أدرك)المؤتم (الامام في القيام)بعد ما (كبر)في الحال برأى نفسه لأنه مسبوق ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالى التكبير (فلو لم يكبر حتى ركع الامام قبل أن يكبر)الموتم (لا يكبر)في القيام (و)لكن (يركع في الركوع)على الصحيح،لأن للركوع حكم القيام ، فالاتيان بالواجب أولى من المسنون.(الدر المختار على هامش ردالمحتار،باب العيدين :۳/۵۵-۵۷)

(۲) ويرفع يديه في الزوائد ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات،كذا في التبيين، وبه أفتى مشائخنا،كذا في الغياثية، ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع،هكذا في الظهيرية.(الفتاوى الهندية: ۱/۱۵۰)

(۳) ولا يجب السجود إلا بترك واجب أو تأخيره أو تأخير ركن أو تقديمه.(الفتاوىٰ الهندية: ۱/۱۶۲)

اگر امام نے چھ سے زائد تکبیرات کہیں تو نماز ہوگئی، یا نہیں:

سوال: امام صاحب نے عیدالفطر کی نماز پڑھاتے ہوئے زور سے نیت کرتے ہوئے گیارہ تکبیروں کا اعلان کیا اور کہیں، جب نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے ان سے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ ''میں اسلام کی گہرائی میں چلا گیا تھا اور تم کو پتہ نہیں''۔ کیا نماز صحیح ہوگئی، یا نہ؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

نماز ہوگئی؛ مگر تکبیرات زوائد عندالاحناف چھ ہی ہیں۔ ''**ویصلي الإمام بهم ركعتين مُثنيا قبل الزوائد وهي ثلاث تكبيرات في كل ركعة ولوزاد تابعه إلٰى سنة عشر لأنه مأثور**'' آه. (۱) (خیر الفتاویٰ:۳/۱۳۳)

عیدین میں تکبیرات زوائد کے بعد شامل ہونے والا تکبیرات کب کہے:

سوال: نماز عید میں تکبیرات زوائد کے بعد کوئی شخص امام کے ساتھ رکوع میں شریک ہوا تو یہ تکبیرات کس وقت کہے؟ اور اگر کوئی دوسری رکعت، یا تشہد میں شریک ہوا تو وہ تکبیرات کس وقت کہے؟

الجواب ـــــــــــــــــــــــــ

اگر یہ امام کے تکبیرات کہنے کے بعد ملا ہے تو شامل ہوتے ہی تکبیرات زوائد از خود کہہ لے۔ (۲) اگر دوسری رکعت میں ملا ہے تو پھر جب اٹھ کر پہلی رکعت ادا کرنے لگے تو قرأت کے بعد تکبیریں کہے۔ (۳) اگر اس حالت میں پہنچا کہ امام رکوع میں ہے تو اگر غالب خیال یہ ہو کہ امام کے رکوع سے اٹھنے سے پہلے تکبیرات کہہ لوں گا تو کہہ کر رکوع میں جائے ورنہ رکوع میں جا کر کہہ لے۔ (۴) اگر رکوع میں تکبیریں پوری ہونے سے پہلے امام رکوع سے اٹھ جائے تو یہ بھی اٹھ جائے بقیہ تکبیرات ساقط ہو جائیں گی۔ (۵) اگر امام کو رکوع کے قیام میں پایا ہے تو اب تکبیریں نہ کہے؛ بلکہ جب یہ رکعت قضا کرے گا تو اس میں کہہ لے۔

قال في العلائية: ولو أدرك المؤتم الإمام في القيام بعد ما كبر كبر في الحال برأى نفسه؛ لأنه مسبوق. ولو سبق بركعة يقرأ ثم يكبر لئلا يتوالي التكبيرات. (الدرالمختار) **وفي الشامية: (قوله: في القيام) أى الذى قبل الركوع. أما لو أدركه راكعاً فإن غلب علٰى ظنه إدراكه في الركوع أما لو أدركه راكعاً فإن غلب علٰى ظنه إدراكه في الركوع كبر قائماً برأى نفسه ثم ركع و إلا ركع وكبر في ركوعه خلافًا لأبي يوسف ولا يرفع يديه؛ لأن الوضع على الركبتين سنة في محله والرفع لا في محله وإن رفع الإمام رأسه سقط عنه ما بقي من التكبير لئلا تفوته المتابعة ولو أدركه في قيام الركوع لا يقضيها فيه؛ لأنه يقضي الركعة مع تكبيراتها فتح وبدائع،** آه. (ردالمحتار: ۱/۷۸۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۰/۴/۱۴۰۷ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۳۳)

عید کا خطبہ کسی نے دیا اور نماز کسی نے پڑھائی تو بھی نماز ہوگئی:

سوال: نماز عید ایک شخص نے پڑھائی اور خطبہ دوسرے شخص نے پڑھا تو نماز ہوئی، یا نہیں ہوئی ؟

الجواب

نماز ہو جاتی ہے؛ مگر بہتر و مناسب یہ ہے کہ خطبہ و نماز ایک شخص پڑھاوے۔ **في الدر المختار: لا ينبغي أن يصلي غير الخطيب فإن فعل، الخ، جاز، الخ.** (۱) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۸۴/۵) ☆

(۱) الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب صلاة العيدين: ۷۸۳/۱

☆ **نماز عیدین کے ساتھ خطبہ ہے اور خطبہ بعد نماز ہے:**

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلے تو خطبہ سے پہلے نماز ادا فرمائی“ (یعنی پہلے نماز پڑھی، پھر خطبہ دیا۔) (عن جابر بن عبد الله رضی الله عنه ”أن النبی صلی الله عليه وسلم خرج يوم الفطر فبدأ بالصلاة قبل الخطبة“. (أخرجه البخاری ومسلم وأبوداؤد والنسائی. جامع الأصول: ۱۳۱/۶) البخاری، أبواب العيدين، باب المشی والركوب الی العيد والصلاة قبل الخطبة، ومسلم، أبواب العيدين)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر و عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کو تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے نماز ادا فرماتے اور نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کے بالمقابل کھڑے ہو کر وعظ و نصیحت فرماتے“۔ (عن أبي سعيد الخدری رضی الله عنه قال: ”كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحیٰ إلی المصلی وأول شئ يبدأ به الصلاة ثم ينصرف فيقومون مقابل الناس... فيعظهم ويوصيهم“. (الحديث) (أخرجه البخاری ومسلم والنسائی ... جامع الأصول: ۱۳۷/۶) البخاری، أبواب العيدين، باب الخروج الی المصلی بغير منبر، مسلم، أبواب العيدين)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے قبل ادا فرماتے تھے“۔ (عن ابن عمر قال: ”كان رسول الله صلی الله عليه وسلم وأبو بكر وعمر يصلون العيدين قبل الخطبة“. (أخرجه البخاری ومسلم والترمذی والنسائی ... جامع الأصول: ۱۳۱/۶) البخاری، أبواب العيدين، باب المشی والركوب الی العيدين، ومسلم، أبواب العيدين)

نماز عیدین کے لیے خطبہ شرط نہیں ہے؟ (لیکن خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیے بالخصوص بیٹھنے کی صورت میں):

حضرت عبد اللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید الفطر میں شریک رہا نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اب) ہم خطبہ دیں گے جو خطبہ کے لیے بیٹھنا چاہے اور جو جانا چاہے جائے۔“ (عن عبد الله بن السائب قال: شهدت مع رسول الله صلی الله عليه وسلم صلاة العيدين يوم الفطر فكبر تكبير العيد، فلما قضی الصلاة قال: أنا نخطب فمن أحب أن يجلس للخطبة فليجلس ومن أحب يذهب فليذهب“. (أخرجه أبوداؤد والنسائی جامع الأصول: ۱۴۱/۶-۱۴۲، أبوداؤد، باب الجلوس للخطبة والنسائی، أبواب العيدين، باب التخيير بين الجلوس للعيدين) اور دونوں نے اس روایت کو مرسلاً صحیح قرار دیا ہے۔ (اعلاء السنن (۱۱۶/۸) میں ابن الترکمانی سے نقل کیا ہے کہ اس موصولا روایت کرنے والے فضل بن موسیٰ ثقہ ہیں، لہٰذا ان کی یہ زیادتی قابل قبول ہے۔ (راجع الجوهر النقی: ۳۰۱/۳) ورواه الحاكم فی المستدرک، كتاب العيدين: ۲۹۵/۱) وقال صحيح علی شرط الشيخين ووافقه الذهبی ورواه البيهقی (۳۰۱/۳) باب الاستماع للخطبة فی العيدين) ==

== ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ''ہم عید واستسقاء وجمعہ (جمعہ کے خطبوں) میں گفتگو کرنا پسند کرتے ہیں''۔(عن ابن عباس قال: ''نكره الكلام فى العيدين والاستسقاء ويوم الجمعة''(أخرجه البيهقى فى سننه،إعلاء السنن: ۱۱۷/۸)السنن الكبرىٰ للبيهقى(۳۰۰/۳،باب الاستماع للخطبة فى العيدين)وفى إعلاء السنن(۱۱۷/۸)الأثر ضعيف ولٰكنه تأيد بالقياس الصحيح الذى ذكره فقهائنا فصح الاحتجاج به (قاله بعد نقل التضعيف عن ابن التركمانى لبعض رواته وراجع الجوهر النقى)وروى الحديث المذكور ابن خزيمة فى صحيحه أبواب العيدين ،باب الرخصة فى ترك انتظار الرعية الخطبة يوم العيد ،وفى هامش الإعلاء (۳۵۸/٤)نقلاً عن الألبانى:فى إسناده نعيم بن حماد وهوضعيف لكن قد توبع؛ لیکن بیہقی نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کہی۔نیز یہ کہ نعیم بن حماد کی مجروح احادیث کو محققین نے محدود کردیا ہے۔(راجع التقريب،ص:٦٢٥)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس اجازت ورخصت کے باوجود صحابہ کرام کا یہی معمول چلا آرہا ہے کہ لوگ نماز کے بعد بیٹھ کر خطبہ سنتے ہیں،بہتر یہی ہے کہ بیٹھا جائے اور توجہ سے خطبہ سنا جائے ،ثبوت کے لیے نماز عیدین اور عیدین کے خطبہ سے متعلق روایات کتب احادیث میں موجود اور معروف ہیں۔

عیدین کا خطبہ خطبۂ جمعہ کی مانند دو حصوں میں: درمیان میں بیٹھ کر:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر ،یا عید الاضحیٰ کے دن نکلے، چناں چہ کھڑے ہوکر خطبہ دیا، پھر کچھ دیر بعد بیٹھے اور پھر کھڑے ہوئے۔(عن جابر قال: ''خرج رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم فطر وأضحىٰ فخطب قائماً ثم قعد وقعدة ثم قام''.(رواه ابن ماجة،إعلاء السنن: ۱۱٤/۸)ابن ماجة،أبواب اقامة الصلاة،باب ما جاء فى الخطبة يوم العيدين،وذكره الحافظ فى التلخيص(۹۱/۲)وقال:ضعيف)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ (جو تابعین میں سے ہیں) فرماتے ہیں: ''سنت یہ ہے کہ امام عیدین میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ سے فصل کرے''۔(عن عبيد اللّٰه بن عبد اللّٰه بن عتبة بن مسعود قال: ''السنة أن يخطب الامام فى العيدين بخطبتين يفصل بينهما بالجلوس''.(رواه الشافعى ،اعلاء السنن: ۱۱٤/۸،كتاب الأم: ۲٤۲/۳،وهو فى معرفة السنن والآثار: ۸۷/٥(ومسند الشافعى،ص: ۷۷) دونوں روایات مرفوع وموقوف ضعیف ہیں؛لیکن فی الجملہ ایک دوسرے کے موافق ہیں اور جمعہ کے خطبہ میں یہ تفصیل معروف ہے اور صحیح احادیث سے ثابت ہے، نیز اسی کے موافق عمل چلا آرہا ہے۔)

عیدین کے خطبہ میں تکبیر کا اہتمام:

حضرت سعد قرظ قباء کے مؤذن سے روایت ہے: ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبے کے درمیان تکبیر کہتے تھے؛ یعنی عیدین کے خطبوں میں کثرت سے تکبیر کہتے تھے''۔(عن سعد القرظ قال: ''كان النبى صلى اللّٰه عليه وسلم يكبر بين أضعاف الخطبة يكثر التكبير فى خطبة العيدين''.(رواه ابن ماجة،إعلاء السنن: ۱۱٤/۸)ابن ماجة ،أبواب الاقامة،باب ماجاء فى الخطبة فى العيدين وفى الزوائد:اسناده ضعيف لضعف عبد الرحمن بن سعد وأبوه لايعرف حاله،أقول فيه:عبد الرحمن ضعيف وسعد بن عمار مستور،وعماربن سعد مقبول) لہٰذا عیدین کے موقع سے تکبیرات کی کثرت جو مروی ومعروف ہے، وہ اس روایت کے لیے تقویت کا باعث ہے، جیسا کہ صاحب اعلاء السنن (۱۱۴/۸) نے فرمایا بھی ہے۔)

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ فرماتے ہیں: ''عید الاضحیٰ وعید الفطر کے موقع سے منبر پر خطبہ سے قبل تکبیر کہنا سنت ہے، وہ یوں کہ امام منبر پر کھڑے ہوکر خطبہ سے پہلے مسلسل نو تکبیرات کہے اور ان مین فصل نہ کرے، اس کے بعد پھر خطبہ دے، پھر ذرا دیر کر بیٹھے اور اس کے بعد دوسرے خطبہ کے لیے کھڑا ہو تو دوسرا خطبہ مسلسل سات تکبیرات سے شروع کرے اور ان کے درمیان فصل نہ کرے، پھر خطبہ دے''۔ ==

خطبہ عیدین کی ابتدا تکبیر سے مستحب ہے:

سوال: خطبۂ عیدین کے آغاز میں تکبیر کہہ کر شروع کرنا مسنون ہے۔تکبیر خطبہ کے طور پر بالجہر کہے، یا آہستہ اور پھر خطبہ شروع کرے؟

الجواب

خطبہ عیدین یہ مستحب لکھا ہے کہ پہلے خطبہ کو شروع کرنے سے پہلے نو بار تکبیر بالجہر متواتر پڑھے اور دوسرے خطبہ کے اول سات دفعہ تکبیر بالجہر کہے۔ درمختار میں ہے:

ویستحب أن یستفتح الأولٰی بتسع تکبیرات تتری أی متتابعات والثانیة بسبع هو السنة. (۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۱/۵)

یہ کہنا غلط ہے کہ عیدین کا جلسہ منبر پر پڑھنا درست نہیں:

سوال: غیر مقلدین کہتے ہیں کہ خطبہ عیدین منبر پر کھڑے ہوکر پڑھنا درست نہیں ہے؛ بلکہ خطبہ عیدین زمین پر کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیے؟

الجواب

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز عیدین عیدگاہ اور صحرا میں پڑھنا افضل اور مستحب ہے اور منبر کے وہاں لے جانے میں اختلاف نقل کیا ہے۔علامہ شامی نے کہا کہ منبر لے جانا عیدگاہ میں مکروہ ہے،البتہ اگر وہاں عیدگاہ میں منبر بنالیا جاوے اور تعمیر کرلیا جاوے تو کچھ حرج نہیں ہے، غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ خطبہ عیدین میں منبر پر کھڑا ہوکر پڑھنا ناجائز ہے۔(۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۶/۵)

== (عن عبید اللّٰه بن عبد اللّٰه بن عتبة قال:''السنة فی التکبیر یوم الأضحیٰ والفطر علی المنبر قبل الخطبة أن یبتدی الامام قبل أن یخطب وهو قائم علی المنبر بتسع تکبیرات تترٰی لا یفصل بینهن بکلام، ثم یخطب،ثم یجلس جلسه،ثم یقوم فی الخطبة الثانیة فیفتتحها بسبع تکبیرات تتری لا یفصل بینهما بکلام ثم یخطب''.(أخرجه الامام الشافعی فی الأم،وفی إعلاء السنن (۱۳۱/۸)الأم للشافعی : ۲٤٤/۳)وهو فی معرفة السنن والآثار: ۸۸/۵،وفی إعلاء السنن(۱۳۱/۸)بعد ذکر أحوال رواته،الحدیث أخذبه الامام الشافعی فلا بأس بالأخذ به فی فضائل الأعمال ویجوز اثبات الاستحباب بمثله.أقول:رواه ابن أبی شیبة (۲۵۲/٤)وعبد الرزاق (۲۹۰/۳)وفی هامش ابن أبی شیبة ذکر توثیقه،وذکره الفریابی فی کتاب العیدین وتکلم المحقق فی التجریج الا أنه أخیراً مال الٰی تحسینه فی الجملة،ص: ۲۰۱-۲۰۵)وذکره الحافظ مختصراً فی التلخیص : ۹۲/۲) (ماخوذ از احکام نماز احادیث اور آثار،ص:۲۹۶)

(۱) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار،باب العیدین: ۷۸۳/۱

(۲) ردالمحتار،باب العیدین: ۷۷۷/۱

عیدین کا خطبہ صفوں کے درمیان منبر رکھ کر درست ہے، یا نہیں:

سوال(۱) خطبہ عیدین میں بوجہ کثرت آدمیوں کے امام اپنی جگہ سے صفوف کے درمیان کس مکبرہ پر جا کر خطبہ پڑھے تو یہ جائز ہے، یا مکروہ؟

عیدگاہ میں آواز ملا کر جہر سے تکبیر درست نہیں:

(۲) عیدگاہ میں جا کر اس طور پر تکبیر کہنا کہ اول ایک شخص تکبیر کہے، اس کے بعد اور لوگ آواز ملا کر متفقہ طور پر تکبیر کہیں، اسی طرح نماز تک یہ سلسلہ جاری رکھیں۔ یہ شرعاً جائز بلا کراہت ہے، یا مع الکراہت؟

الجواب

(۱) ظاہر یہ ہے کہ جائز ہے بلا کراہت، جب کہ اس کی ضرورت ہے۔(۱)

(۲) یہ جائز نہیں ہے اور اس میں کراہت ہے۔

”كذا في الأحاديث: عن ابن عباس وجابر بن عبد الله قالا: لم يكن يؤذن يوم الفطر ولا يوم الأضحى، ثم رسالته يعني عطاء بعد حين عن ذلك فأخبرني قال أخبرني جابر بن عبد الله أن لا أذان للصلاة يوم الفطر حين يخرج الإمام ولا بعد ما يخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شيء ولا نداء يومئذٍ ولا إقامة“. (رواه مسلم)(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۱۷-۲۱۸)

وعظ در خطبہ عیدین:

سوال: عیدین میں ضروری مسائل اور وعظ کہنا ہو تو بعد ختم خطبہ کہے، یا وسط خطبہ میں؟

الجواب

وسط میں اگر ہو قلیل ہونا چاہیے۔ **”لأنه تكلم في أثناء الخطبة ولو أمراً بالمعروف فلا يعتاده ولا يكثره“** اور بعد میں ہو تو کوئی قید نہیں۔

۱۵/رمضان ۱۳۳۲ھ (تتمہ ثانیہ، ص: ۱۶۵) (امدادالفتاویٰ جدید: ۱/۱۱۷)

(۱) باب العیدین میں کہیں کوئی صراحت نہیں ملی؛ مگر باب الجمعہ میں صراحت ہے: إذا جلس على المنبر فإذا أتم أقميت. (الدر المختار). (قوله: المنبر) هو الارتفاع ومن السنة ان يخطب عليه اقتداء به صلى الله عليه وسلم، بحر، وأن يكون على يسار المحراب، قهستاني. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۲/۱۶۱) اس سے معلوم ہوا کہ بوقت ضرورت کہیں اور منبر رکھ کر خطبہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، یوں سنت یہ ہے کہ محراب کے پاس ہی ہو۔ واللہ اعلم (ظفیر)

(۲) مشکوۃ، باب العیدین، الفصل الثالث، ص: ۱۲۷

احکام خطبہ عید:

مسئلہ: مسئلہ عیدین کی نماز کے بعد خطبہ پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔(شامی:۱/۸۶۵)

مسئلہ: جب تک امام خطبہ پڑھے، اس وقت تک سب نمازیوں کا بیٹھا رہنا بھی سنت ہے، امام کی فراغت سے پہلے مقتدیوں کا چلا جانا مکروہ ہے، جس سے گناہ ہوتا ہے، (۱) اور اس کراہت پر مالکیہ وشافعیہ کا بھی اتفاق ہے۔(۲)

مسئلہ: اور جو لوگ خطبہ کے وقت عیدگاہ میں موجود ہوں، ان کو خطبہ ہوتے ہوئے بات چیت کرنا جائز نہیں، خطبہ چھوڑ کر چلا جانا تو مکروہ ہے اور خطبہ ہوتے ہوئے عیدگاہ میں رہ کر بات چیت کرنا حرام ہے۔(شامی ودرمختار:۱/۸۵۸) پس یہ جو دستور ہے کہ لوگ نماز عید کے ختم ہوتے ہوئے عیدگاہ میں بات چیت کرنے اور معانقہ وغیرہ کرنے لگتے ہیں، حالاں کہ اس وقت امام خطبہ پڑھنے میں مشغول ہوتا ہے، یہ فعل ناجائز ہے۔

مسئلہ: خطبہ عیدین میں امام کو پہلے خطبہ میں کھڑے ہوتے ہی اول نو دفعہ تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر کہہ کر خطبہ شروع کرنا چاہیے اور دوسرے خطبہ میں اول سات تکبیریں کر خطبہ شروع کرنا چاہیے، یہ سنت ہے، اکثر لوگ اس سنت پر عمل نہیں کرتے، اس کو زندہ کرنا چاہیے۔(شامی:۱/۸۷۴) اس سنت کی دلیل حدیث سے کتاب الام للشافعی (۱/۲۱۱) میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

۲/ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ (امداد الاحکام:۲/۳۶۸)

اختتام کے بعد متصل اقامت شروع ہو تو امام سماع اقامت کے لیے بیٹھے، یا نہیں:

سوال: جمعہ کے دونوں خطبوں کے بعد امام منبر سے اتر کر حسب معمول مع مقتدی تکبیر بیٹھ کر سنے، یا حی علی الصلوٰۃ پر مع مقتدی کھڑے ہوں، یا شروع تکبیر اولی اللہ اکبر پر مع مقتدی کھڑے ہو کر سنے؟

الجواب

جمعہ کے دونوں خطبوں کے بعد بالاتفاق تکبیر کے شروع ہی سے کھڑے ہوں؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صحابہ سے کہیں سے ثابت نہیں کہ وہ خطبہ پڑھ کر بیٹھے ہوں۔

وفي باب الجمعة: وإذا أتم أقيمت ويكره الفصل، آه.

قال الشامي: بحيث يتصل أول الإقامة بآخر الخطبة وينتهي الإقامة بقيام الخطيب مقام الصلاة، آه. (۱/۸٦۱)

---

(۱) الدر المختار مع الشامي: ۱/۸۷٤

(۲) المدونة لمالک: ۱/۱۵۵، وكتاب الام للشافعي: ۱/۲۱۲

فیـه دلالة علىٰ أن الخطيب لايجلس بعد الخطبة بل يقوم فى موضع الصلاة فلو كان القيام عند حى على الصلاة مندوباً فى الجمعة لندب للخطيب أيضاً لكون الامام والمقتدى فى هٰذا الحكم سواء ولأن الجماعة كثيرة يتعسربها تسوية الصفوف بالعجلة فينبغى لهم القيام بعد الخطبة مع الاقامة كما قالوا أن التحليق هو الأفضل لسماع الخطبة ولكن الرسم الآن أنهم يستقبلون القبلة للحرج فى تسوية الصف لكثرة الزحام، كذا فى شرح الهداية للسروجى، قال فى شرح المنية: وإذا فرغ من الخطبة أقاموا لصلاة، آه. (ص: ٥٢٠) وأقاموا أمر للكل. والله أعلم تعالىٰ أعلم

۲۰/رجب ۱۳۴۴ھ (امداد الاحکام: ۳۶۸/۲)

عیدین کے خطبہ میں قوم اپنے دلوں میں تکبیر کہے:

سوال: ہم لوگوں کے یہاں دیارِ آسام میں اور بنگال کی بعض جگہ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے خطبہ میں تکبیر کہنا رائج ہے اور خطیب کے خطبہ میں تکبیر کہتے وقت قوم بھی اس کے ساتھ بآواز بلند تکبیر کہتے ہیں اور یہ دستور تقریبا سو برس پہلے سے ہے، امام کو خطبہ میں خواہ عیدالفطر کا ہو، خواہ عیدالاضحیٰ کا تکبیر کہنا مستحب ہے، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری مع فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ مصر، صفحہ: ۱۵۰، ۱۵۱ میں مذکور ہے۔ نیز فتاویٰ عالمگیری میں یہ بھی ہے کہ!

"إذا كبر الامام فى الخطبة تكبر القوم معه وإذا صلىٰ على النبى صلى الله عليه وسلم يصلى الناس فى أنفسهم امتثالا للأمر والسنة الإنصات، كذا فى التاترخانية ناقلاً عن الحجة". (۱)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر امام کے ساتھ قوم کو بھی پکار کر کہنا چاہیے اور صرف امام کے صلوٰۃ پڑھتے وقت قوم دل میں آہستہ آہستہ پڑھے، تکبیر کو صلوٰۃ پر قیاس کر کے آہستہ آہستہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتا ہوں؛ مگر ایک مولوی صاحب لوگوں کو بلند آواز سے کہنے سے منع کرتے ہیں اور پہلے تکبیر خطبہ میں پڑھنا ہی بدعت اور ضلالت فرماتے تھے؛ مگر اب امام کے خطبہ میں تکبیر کہنے کو مستحب مانتے ہیں؛ مگر مقتدیوں کو بلند آواز سے تکبیر کہنے کو مکروہ تحریمی کہتے ہیں، اور دلیل ان کی یہ ہے کہ درالمختار مع حاشیہ طحطاوی، صفحہ: ۳۴۷ میں لکھا ہے:

"كل ما حرم فى الصلاة حرم فيها أى فى الخطبة، خلاصة وغيرها، فيحرم أكل وشرب وكلام ولو تسبيح أو رد سلام أوأمر لمعروف بل يجب عليه أن يستمع ويسكت ... وكذا يجب الاستماع لسائر الخطبة كخطبة نكاح وختم وعيد على المعتمد".

اور البحر الرائق (۲) ص: ۱۷۵ میں ہے: "يجب السكوت والاستماع فى خطبة العيدين". (۲)

(المستفتی: ۶۹۰، مولوی سید عبدالقدوس (شیب ساگر، آسام) ۲۷/رمضان ۱۳۵۴ھ، ۲۴/دسمبر ۱۹۳۵ء)

(۱) الباب السابع فى صلاة العيدين: ۱۵۱/۱، ط: ماجدية

(۲) باب الجمعة: ۱۵۹/۲، ط: سعيد، باب صلاة العيدين: ۱۷۵/۲، دار المعرفه، بيروت لبنان

الجواب

قوم کو امام کے ساتھ تکبیر کہنا جائز ہے؛ مگر مثل صلوٰۃ کے اپنے دلوں میں تکبیر کہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں جو عبارت ہے، اس میں کلمۂ **فی أنفسهم** کا تعلق تکبیر اور صلوٰۃ دونوں کے ساتھ ہے اور یہی ہونا چاہیے؛ تاکہ وجوب انصات کے ساتھ تعارض اور تزاحم نہ ہو اور اسی عالمگیری کے مصری نسخے میں اس عبارت کے حاشیے میں یہ لکھ دیا ہے: **(قوله: في أنفسهم) قال ط: الظاهر أنه متعلق بالتكبير والصلاة؛ لأنه يجب الإنصات لجميعها، آه.** (۱) یہی راجح اور اوفق بالاصول ہے۔ فقط

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۸/۳-۲۹۹)

عید میں خطبہ دعا نہیں:

سوال: بنگال میں دستور ہے کہ بعد نماز عیدین دعا کر کے خطبہ پڑھتے ہیں، خطبہ تمام کر کے پھر دعا کرتے ہیں۔ یہ تغیر سنت ہے، یا نہیں؟

الجواب

خطبہ کے بعد پھر دعا نہیں ہے، اس معمول کو چھوڑ دینا چاہیے، صرف نماز کے بعد دعا کریں کہ جو ثابت ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۱۳/۵)

عیدین میں خطبہ کہاں سے دے:

سوال: عیدین کے خطبہ میں امام کس جگہ کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے۔ بعض مولوی کہتے ہیں کہ جس جگہ نماز پڑھے، اسی جگہ خطبہ پڑھے، دوسری جگہ خطبہ پڑھنا جائز نہیں؟

الجواب

بعد نماز عیدین کے امام منبر پر کھڑا ہو کر خطبہ پڑھے، یہی سنت ہے نماز اور خطبہ کی جگہ ایک نہیں ہوتی، نماز پڑھانے کے لیے امام نیچے کھڑا ہوتا ہے اور خطبہ منبر پر جا کر پڑھتا ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۱۹۲/۵)

عید کا خطبہ مختصر ہونا چاہیے اور خطبہ سننا واجب ہے:

سوال: زید نے خطبہ مولانا عبد الحی لکھنوی عید میں پڑھا، جس کے ہر دو خطبہ کی طوالت تخمیناً چھ صفحے ہوتے ہیں۔

---

(۱) الباب السابع في صلاة العيدين: ۱۵۱/۱، ط: ماجدية

(۲) وما سنّ في الجمعة ويكره، يسن فيها ويكره، الخ، وأن يكبر قبل نزوله من المنبر. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب العيدين: ۱۷۵/۲، ظفير)

اس پر عمر اعتراض کرتا ہے کہ اتنے بڑے خطبے سننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، فوراً چلا آنا چاہیے، کیا شرعاً اتنے بڑے خطبے کے سننے کا وہ حکم نہیں ہے، جو ایک مختصر کے سننے کا ہے؟

الجواب

درمختار میں ہے:

"وتكره زيادتهما علىٰ قدرسوره من طول المفصل.

وفي الشامي: (قوله: وتكره، الخ) عبارة القهستاني: وزيادة التطويل مكروهة" الخ. (۱)

اورمشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث مروی ہے:

وعن عمار قال: سمعت رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم يقول: إن طول صلاة الرجل وقصر خطبة مئنة من فقهه فأطيلوا الصلاة وأقصروا الخطبة وإن من البيان سحراً. (رواه مسلم) (۲)

پس معلوم ہوا کہ زیادہ دراز کرنا خطبہ کا مکروہ ہے؛ لیکن خطبہ جس قدر بھی ہو، سننا اس کا ضروری ہے۔ کراہت خطبہ کے دراز کرنے والے کے حق میں ہے، سننے والوں پر تمام خطبہ کا سننا واجب ہے۔

درمختار میں ہے: " وكذا يجب الاستماع لسائر الخطب كخطبة نكاح وخطبة عيد وختم المعتمد". (۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۳/۵-۱۹۴)

اچھا یہ ہے کہ خطیب وامام ایک ہی شخص ہو:

سوال: عیدین میں امام وخطیب درمختلف شخص مقرر ہوئے ہیں؛ یعنی ایک شخص امامت کراتا ہے، دوسرا شخص خطبہ پڑھتا ہے، کیا یہ فعل جائز ہے؟ کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہؓ کے زمانے میں ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟

الجواب

یہ فعل جائز ہے کہ ایک شخص امام ہو اور خطیب دوسرا؛ لیکن اولیٰ یہ ہے کہ جو امام ہو، وہ ہی خطبہ پڑھے۔ (كذا في الدر المختار) (۴) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۴/۵)

---

(۱) ردالمحتار، باب الجمعة: ۷۵۸/۱

(۲) مشكاة المصابيح، باب الخطبة والصلاة، الفصل الأول، ص: ۱۳۳، ظفير

(۳) الدرالمختار، فصل في القراءة: ۵۴۵/۱، دارالفكر بيروت، انيس

(۴) الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب الجمعة: ۷۶۹/۱، ظفير

ولا ينبغي ان يصلي غيرا لخطيب لا نها كشيء واحد فإن فعل بأن خطب صبي بإذن السلطان وصلى بالغ جاز، هو المختار. (الدرالمختار) ولا ينبغي أن يصلي غير ا لخطيب لأن الجمعة مع الخطبة كشيء واحد فلا ينبغي أن يقيمها إثنان وإن فعل جاز. (ردالمحتار، باب الجمعة: ۱۶۲/۲، ظفير)

خطبۂ عید کے درمیان چندہ:

سوال: ہمارے گاؤں میں عیدگاہ میں عید کی نماز کے بعد خطیب صاحب کے خطبہ دیتے وقت دینی مدرسہ کا چندہ کیا جاتا ہے، ہم نے یہ سن رکھا ہے کہ خطبہ سننا واجب ہے، چندہ کرنے سے خود چندہ کرنے والے خطبہ نہیں سنتے۔ نیز لوگوں کو بھی خلل ہوتا ہے، کیا اس طرح کرنا مناسب ہے؟ (عبداللہ، چت گوپا)

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ

عید کا خطبہ گو جمعہ کے خطبہ کی طرح واجب نہیں؛ لیکن سنت ضرور ہے۔

"و هو أنها فيها سنة لا شرط". (۱)

اور سنت کو ترک کرنا، یا لوگوں کو ایک سنت کی ادائیگی میں خلل ڈالنا مناسب نہیں؛ اسی لیے جو لوگ خطبۂ عیدین، یا خطبۂ حج میں شریک ہوں، ان پر خاموش رہنا اور توجہ کے ساتھ خطبہ کو سننا واجب ہے۔

"ويجب السكوت والاستماع في خطبة العيدين وخطبة الموسم". (۲)

اس لیے خطبہ کے درمیان چندہ کرنا بہتر نہیں، خطبہ مکمل ہو جائے، پھر چندہ کر لیا جائے۔ (کتاب الفتاویٰ: ۸۴-۸۵)

عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا تو عید کا حکم:

سوال: ایک دیہاتی امام صاحب عید کے مسائل سے ناواقف تھا، اس نے جمعہ کی طرح عید کا خطبہ پہلے پڑھ دیا اور بعد میں نماز عید پڑھائی؟

الجوابـــــــــــــــــــــــــــــــ

امام صاحب نے خلاف افضل کیا، خطبہ بہر حال ہو گیا، اعادہ کی حاجت نہیں۔

أو خطب قبل الصلاة جاز وترک الفضيلة ولا تعاد ومثله فى المسكين، آه. (حاشية الطحطاوی، ص: ۲۸۸) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۳۴)

جو عید کا خطبہ پڑھے وہی نماز پڑھائے:

سوال: اگر نماز عید ایک شخص پڑھائے اور اسے خطبہ یاد نہ ہونے کی وجہ سے خطبہ دوسرا شخص پڑھے تو نماز عید ہو گئی، یا نہیں؟

---

(۱) ردالمحتار: ۳/۴٦

(۲) البحر الرائق: ۳/۱٦۲

الجواب

اگرچہ ایسا کرنا نا مناسب ہے؛ تاہم نماز عید صحیح ہوگئی، اس کے جواز وادائیگی میں کوئی شبہ نہیں۔

وما يسن في الجمعة ويكره، يسن فيها ويكره. (الدر المختار على الشامية: ٥٦١/١)

وفي باب الجمعة من شرح تنوير الأبصار على هامش رد المحتار: لاينبغي أن يصلي غير الخطيب لأنهما كشيء واحد. (٥٥٢/١) فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۲۶/۳)

عید میں اگر دو دوسرا خطبہ چھوڑ دیا تو عید کا حکم:

سوال: ایک شخص نے عید کی نماز پڑھائی اور نماز پڑھا کر صرف پہلا خطبہ پڑھا، دوسرے خطبہ کو چھوڑ دیا اور پہلا خطبہ پڑھ کر دعا کھڑے ہو کر منگوائی۔ آپ بتائیں کہ نماز ہوگئی، یا نہ؟ خطبہ واجب تھا، ایک تو چھوٹ گیا۔ نماز میں کوئی نقص تو نہیں آیا؟

الجواب

نماز ادا ہوگئی، واجب خطبہ بھی ادا ہوگیا، البتہ خلاف سنت کیا، دعا بھی نماز کے بعد مانگنی چاہیے تھی۔

ويخطب بعدها خطبتين وهما سنة، آه. (الدر المختار على الشامية: ٧٠٢/١) فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۲۷/۳)

عید کی نماز بغیر خطبہ کے:

سوال: عید کے روز نماز پڑھ کر امام صاحب خطبہ پڑھ رہے تھے، خطبہ ختم ہونے سے پہلے دوسرے لوگوں نے مسجد کے صحن میں ایک دوسرے کے پیچھے علاحدہ جماعت کی اور بغیر خطبہ کے صرف نماز پڑھ کر چلے گئے تو ان کی نماز صحیح ہوئی، یا نہیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب وبالله التوفيق

عید کی نماز بغیر خطبہ کے مع الکراہت صحیح ہو جاتی ہے، (۱) لہٰذا دوسری جماعت کی نماز ہوگئی۔ نماز میں کچھ فساد نہیں آیا؛ لیکن مسنون خطبہ ترک کرنے کی وجہ سے برا ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۳۷/۳-۱۳۸)

---

(۱) اس لیے کہ خطبہ عید میں سنت ہے، واجب نہیں۔ "**(تجب صلاتهما) في الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها**". (الدر المختار) وفي الشامي: "**قال في البحر: حتى لو لم يخطب أصلاً صح وأساء لترك السنة**". (ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: في الفال والطيرة، ص: ٤٦)

عید کا خطبہ سنت ہے اور سننا واجب:

سوال: عیدین کا خطبہ سننا ضروری ہے، یا نہیں؟ اگر خطبہ کے وقت شور وغل کیا جاوے تو کیسا ہے؟ اور خطبہ کے وقت امام کے لیے چندہ اکھٹا کرنا کیسا ہے؟

الجواب

خطبہ عید کا پڑھنا اور سننا سنت مؤکدہ ہے؛ لیکن جب خطبہ پڑھا جاوے اور کوئی شخص وہاں موجود ہو تو خطبہ سننا واجب ہو جاتا ہے، اس وقت کلام وغیرہ کرنا ناجائز ہے اور شور مچانا سخت گناہ ہے۔

قال فی الدر المختار من باب العیدین: سوی الخطبة فإنها سنتة بعدها أی بعد صلاة العید وقال فی البحر: حتٰی لو لم یخطب أصلاً صح وأساء لترک السنة. (ردالمحتار، باب العیدین)

وقال فی ردالمحتار من خطبة الجمعة: وکذا یجب الاستماع لسائر الخطب کخطبة نکاح وخطبة عید.

۱۲/ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ (امداد المفتین: ۳۴۶/۲)

نماز عیدین اور خطبہ کے درمیان تقریر:

سوال: ہماری مسجد میں ایک امام صاحب مقرر ہیں، جو نماز پنج گانہ پڑھاتے ہیں اور عیدین کی نماز بھی وہی پڑھایا کرتے ہیں۔ بستی کے ایک صاحب محمد علی نامی عیدین کی نماز کے بعد خطبہ سے قبل ایک تقریر کے ذریعہ دینی باتیں مسلمانوں کو بتلاتے ہیں، بعض معترض ہیں کہ خطبہ سے قبل تقریر نہیں ہونی چاہیے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

عیدین کی نماز اور خطبہ کے درمیان کوئی عمل خلاف سنت ہے؛ اس لیے اس کا ترک واجب ہے، تقریر نماز کے پہلے کی جائے، یا بعد کی جائے، یا خطبہ ہی میں یہ باتیں بیان کی جائیں، نماز امام صاحب پڑھائیں اور ان کی اجازت سے محمد علی صاحب خطبہ دیں اور اس میں یہ باتیں بیان کریں۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۷/۱/۲/۱۳۷۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۹/۲)

دعا خطبہ سے قبل یا بعد:

سوال: دعا کرنا خطبہ کے قبل یا بعد ضروری ہے، یا نہیں؟ اور یہ مسنون ہے، یا نہیں؟

---

(۱) (ویخطب بعدها خطبتین) وهما سنة .(الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار: ۵۷/۳)

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دعا کرنا خطبہ کے قبل، یا بعد ضروری نہیں ہے اور نہ یہ مسنون طریقہ ہے؛ اس لیے اس کا لازم کرنا مناسب نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۷/۹/۱۳۵۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۵۹-۲۶۰)

عید کی نماز امام کی اجازت کے بغیر پڑھانا:

سوال: عید کی نماز امام کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور امام صاحب کو نماز نہ ملے اور نماز کا وقت بھی بہت باقی ہے؛ تاہم بلا اجازت دوسرا شخص نماز پڑھا دیوے، اس نماز کا کیا حکم ہے؟

حامدًا ومصلیًا الجواب ــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

بلا اجازت امام دوسرے شخص کو امامت کرنا ناجائز ومکروہ ہے۔(۱) عید الفطر کی نماز پڑھانے کا حق دار مقررہ امام ہے، باوجود وقت میں گنجائش ہونے کے اور پھر بلا اجازت امام کے کسی دوسرے شخص کو امامت کرنے میں اتنی عجلت کرنا کہ امام کو بھی جماعت نہ مل سکے، یہ سراسر امام کی حق تلفی وظلم وزیادتی ہے، گو نماز صحیح طور پر پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن بلا اجازت امام کے نماز پڑھانے والے پر گناہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۳/۱۳۵-۱۳۶)

خطبۂ عیدین کے درمیان چندہ کرنا:

سوال: بعض جگہ دستور ہے کہ جب امام عید کا خطبہ شروع کرتا ہے تو وہ آدمی چادر لے کر صفوں کے آگے سے گزرتے ہوئے چندہ کرتے جاتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

منع ہے۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ، ۱۲/۱۰/۹۵ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۳۶)

عیدین کی نماز کے بعد دعا:

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عیدین دعا مانگتے تھے، یا نہیں؟

---

(۱) (و)اعلم أن (صاحب البيت)ومثله إمام المسجدالراتب (أولٰى بالإمامة من غيره)مطلقًا.(الدرالمختار)

وفى الشامي:"أى وإن كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه".(ردالمحتار،باب الإمامة، قبيل مطلب:البدعة خمسة أقسام: ۲۹۷/۲)

الجواب

عام طور سے نماز کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے، لہٰذا عیدین کی نماز کے بعد بھی دعا مانگنا مسنون ومستحب ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۱۸۸/۵)

نماز عیدین کے بعد دعا مانگنے کا حکم:

سوال: صلوٰۃ عیدین اوران کے خطبہ کے بعد دعاء مانگنا بہتر ہے، یا نہ مانگنا، سلف کا کیا معمول ہے۔

الجواب

احادیث سے دعا کا ثبوت ہوتا ہے؛ مگر ضروری نہیں، بہتر یہ ہے کہ دعا کرلیا کریں، اجتماع مسلمین کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

۴/ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ۔ (امدادالاحکام:۳۶۱/۲)

عیدین میں بعد نماز دعا اوراس سلسلے میں اکابر کا مسلک:

سوال: الرشید:۱، ماہ رجب المرجب ۱۳۳۵ھ، جلد چہارم میں اس طور کا ایک مسئلہ ہے، جواب میں لکھا ہے، مع حوالہ عبارت شامی وحصن حصین وغیرہ کہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عیدین کے بعد دعا کرنے میں ہے، اس کے ترک میں نہیں اور خطبہ کے بعد اتباع سنت دعا نہ کرنے میں ہے۔ مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحیؒ میں ایک استفتا اسی مضمون کا ہے، جس کے جواب میں مولانا نے خود لکھا ہے کہ روایات حدیث سے اسی قدر معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فراغت کرکے خطبہ پڑھتے تھے اور بعد اس کے معاودت فرماتے تھے۔ دعا مانگنا بعد نماز، یا بعد خطبہ کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ ایسے ہی صحابۂ کرام وتابعین عظام سے ثبوت اس کا نظر سے نہیں گزرا۔ بہشتی گوہر میں عیدین کی نماز کے بیان میں مرقوم ہے: ''مسئلہ: بعد نماز عیدین، یا خطبہ دعا مانگنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اوران کے صحابہ وتابعین سے منقول نہیں اور اگر ان حضرات نے کبھی دعا مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی ،لہذ ا بغرض اتباع دعا نہ مانگنا دعا مانگنے سے بہتر ہے''۔ ایسی حالت میں ہم لوگوں کے لیے واجب العمل کیا ہے؟

الجواب

ہمارے حضرات اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا (دارالعلوم دیوبند) اور حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا (دارالعلوم دیوبند) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین

کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے اور احادیث سے بھی مطلقا نمازوں کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، اس میں عیدین کی نماز بھی داخل ہے، لہٰذا راجح ہمارے نزدیک یہی ہے کہ دعا بعد نماز عیدین بھی مستحب ہے اور مولانا عبدالحی صاحب کا فتوی بندہ نے بھی دیکھا تھا۔ محض اس وجہ سے کہ عیدین کی نماز کے بعد دعا کا ذکر نہیں ہے، دعا کا نہ ہونا معلوم نہیں ہوتا اور دیگر احادیث سے سب نمازوں کے بعد دعا ہونا ثابت ہے، پس اس کو بھی اس پر محمول کیا جاوے گا؛ کیوں کہ جب کلیۃ استحباب دعا کا بعد صلوٰۃ ثابت ہوگیا تو اب یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر نماز کے بعد تصریح وارد ہو، کما ہو ظاہر اور بہشتی گوہر میں بھی غالبا مولانا عبدالحیؒ صاحب کے فتوے کے اتباع سے ایسا لکھا گیا ہے، بندہ کے نزدیک وہ مسلم نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۸۹/۵-۱۹۱) ☆

بعد نماز عید آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا ثابت ہے، یا نہیں:

سوال: بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دعا مانگنا ثابت ہے، یا نہیں؟

عن أم عطية أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كان يخرج الابكار والعواتق،الخ،فى العيدين. (الحديث) زید کہتا ہے کہ اس حدیث سے بعد نماز عیدین وخطبہ دعا مانگنا ثابت ہے۔ یہ صحیح ہے، یا نہ؟

الجواب

اس حدیث سے بعد خطبہ وغیرہ کے دعا مانگنا ثابت نہیں ہے؛ کیوں کہ مراد دعوۃ المسلمین سے اجتماع المسلمین ہے اور خطبہ وغیرہ ہے، البتہ بعد نماز عیدین دعا مانگنا ان احادیث کے عموم سے ثابت ہے، جن میں بعد الصلوٰۃ دعا مانگنا مستحب معلوم ہوتا ہے اور نماز عیدین کے اس سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث حصن حصین وغیرہ کتب احادیث میں مذکور ہیں، (۱) البتہ خطبہ کے بعد دعا مانگنا وارد نہیں ہوا، نہ خصوصاً، نہ عموماً۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۸/۵-۲۱۹)

☆ **دعا بعد صلوٰۃ عید بدعت نہیں ہے:**

سوال: دعا بعد صلوٰۃ عیدین را بعض مکروہ گویند وبعض بدعت وبعض گویند کہ مستحب است؟

الجواب

دعاء بعد الصلوٰات مسنون ومستحب است ودر احادیث واردشدہ است کما نقلہا فی الحصن الحصین وغیرہ۔ پس در صلوات عیدین ہم داخل وشامل است بدعت گفتن آنرا صحیح نیست واکابر امت مثل حضرت مولانا رشید احمد محدث وفقیہ گنگوہی را وجمیع اکابر واساتذہ ما بعد نماز عیدین مثل صلوات مکتوبات دعاء می فرمودند پس ہر کہ آنرا بدعت گفتہ صحیح نیست۔ (ويدعو ويختم بسبحان ربک. (الدر المختار على هامش ردالمحتار باب صفة الصلاة: ۵۳۰/۱) عن أم عطية قالت: أمرنا أن نخرج الحيض يوم العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض. (مشكوٰة باب العيدين، ص: ۱۵۲، ظفير) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۲/۵)

(۱) عن ثوبان رضى الله تعالى عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا انصرف من صلاته استغفر ثلثا وقال: اللهم أنت السلام ومنک السلام تبارک يا ذالجلال والا كرام. (رواه مسلم) (مشكوٰة، ص: ۸۸، ظفير)

عیدین میں دعا کس وقت جائز ہے؟ بعد نماز، یا بعد خطبہ:

سوال: عیدین میں دعا کس وقت مانگے، آیا بعد نماز کے، یا بعد خطبہ کے؟

الجواب

عیدین کی نماز مثل دیگر نمازوں کے دعا مانگنا مستحب ہے، خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا استحباب کسی روایت سے ثابت نہیں ہے اور عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا استحباب ان ہی حدیثوں وروایات سے معلوم ہوتا ہے جن میں عموما نمازوں کے بعد دعا مانگنا وارد ہوا ہے اور دعاء بعد الصلوٰۃ مقبول ہوتی ہے۔ حصن حصین میں وہ احادیث مذکور ہیں اور ہمارے حضرات اکابر کا یہ معمول رہا ہے۔ بندہ کے نزدیک جو علماء عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنے کو بدعت، یا غیر ثابت فرماتے ہیں، وہ صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ عموما نمازوں کے بعد دعا کا استحباب ثابت ہے۔(۱) پھر عیدین کی نمازوں کا استثناء کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے اور وہ احادیث معروف ومشہور مشکوٰۃ شریف وحصن وحصین میں مذکور ہیں، ان کی نقل کی ضرورت نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۵/۵)

بعد خطبہ دعا ثابت نہیں:

سوال: بعد نماز عیدین دعا مانگنا کیسا ہے؟ اور بعد خطبہ کے دعا مانگنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا تو مثل تمام نمازوں کے مسنون ومستحب ہے؛ مگر خطبہ کے بعد دعا مانگنا ثابت اور جائز نہیں ہے۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۱/۵)

عیدین کے بعد دعا مانگنے میں کوئی مضائقہ نہیں:

سوال: عیدین کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو ''**الدعاء مخ العبادات**'' کا کیا مطلب ہوا؟

(المستفتی: ۹۱۷، محمد نور صاحب (ضلع جالندھر) ۷/ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ، ۲/مارچ ۱۹۳۶ء)

الجواب

عیدین کے بعد دعا مانگنے کا فی الجملہ تو ثبوت ہے؛ مگر تعین موقع کے ساتھ ثبوت نہیں کہ نماز کے بعد دونوں موقعوں میں سے کسی ایک موقع پر دعا مانگنے میں مضائقہ نہیں ہے۔(۳)

محمد کفایت اللہ (کفایت المفتی: ۲۹۹/۳)

---

(۱) ویستحب أن یستغفر ثلاثا، الخ، ویدعو ویختم بسبحان ربک. (الدر المختار، باب صفة الصلاة: ۵۳۰/۱، ظفیر)

(۲-۳) عن أم عطیة قالت: أمرنا أن نخرج الحیض یوم العیدین وذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین ودعوتهم وتعتزل الحیض. (مشکوٰۃ باب العیدین، ص: ۱۵۲، ظفیر)(صحیح البخاری، باب خروج النساء والحیض الی الصلی: ۱۳۳/۱، ط: قدیمی کتاب خانه)

جمعہ اور عیدین کے دن نقارہ بجانا اور اہل ہنود سے مٹھائی وغیرہ خریدنا کیسا ہے:

سوال (۱) عید کی نماز کے بعد دعا مانگے، یا خطبہ کے بعد؟

(۲) جمعہ اور عیدین کے بعد نقارہ بجانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

(۳) اہل ہنود سے مٹھائی وغیرہ خرید کر کھا سکتے ہیں، یا نہیں؟ جب کہ وہ ہمیں کتوں جیسا خیال کرتے ہیں؛ بلکہ کتے تو ان کے برتنوں کو چاٹ سکتے ہیں؛ لیکن مسلمان ہاتھ نہیں لگا سکتا۔

(المستفتی: ۸۳۱، مولوی محمد انور (ضلع جالندھر) ۱۳/محرم ۱۳۵۵ھ، مطابق ۶/اپریل ۱۹۳۶ء)

الجواب

(۱) عیدین کے خطبہ کے بعد دعا مانگنا اچھا ہے (اکثر حضرات اکابر نے نماز کے بعد دعا لکھا ہے؛ اس لیے یہ حضرت کی رائے پر محمول ہوسکتا ہے۔(۱)

(۲) نقارہ بجانے میں عیدین کے روز مضائقہ نہیں، (۲) جمعہ کے دن نہیں چاہیے۔

(۳) ہنود سے مٹھائی وغیرہ خریدنا جائز ہے؛ لیکن اگر مسلمان غیرت برتیں اور نہ خریدیں تو بہتر ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۵/۲۷۶)

نماز عیدین کے بعد رفع یدین کے ساتھ مناجات کا حکم:

سوال: نماز عیدین کے مناجات برفع یدین جائز ہے، یا ناجائز؟ اگر جائز ہے تو کرنے والوں پر ثواب وبرکات دارین کی امید ہے، یا نہیں؟ اور اس کے منکر؛ یعنی نہ کرنے والوں پر اور دوسرے کو کرنے میں منع کرنے والوں پر شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب

نماز کے بعد دعا کرنا مطلقا جائز ہے اور رفع یدین آداب دعا سے ہے، لہذا بعد نماز عیدین کے دعا برفع یدین جائز ہے اور ثواب کی بھی امید ہے؛ مگر اس کو ضروری نہ سمجھا جاوے اور جو لوگ اس سے منع کرتے ہیں، اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت دعا کرنا جائز ہی نہیں، تب تو وہ غلط کہتے ہیں اور مباح سے روکنے سبب ﴿لم تحرم ما احل اللّٰه لک﴾ کے مخاطب ہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ اس وقت دعا برفع یدین ضروری نہیں تو ان کا قول بھی صحیح ہے، ان سے

(۱) امداد الفتاویٰ: ۱/۴۰۵، خیر الفتاویٰ: ۳/۱۲۷ و دار العلوم دیوبند: ۵/۲۳۱

(۲) ومن ذلک ضرب النوبة للتفاخر فلو للتبية، فلا بأس به. (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۵۰، ط: سعید)

جھگڑنے کی سراسر ضرورت نہیں۔قال فی الحصن فی آداب الدعاء: والصلوٰة عة رجب مُسُ وفی الحرزای ذات الرکوع والسجود والمراد أن یقع الدعاء المطلوب بعدها فهی من باب تقدیم العمل الصالح والتوسل به،اه. اس سے معلوم ہوا کہ ہرنماز ذات رکوع وسجود کے بعد دعا جائز ہے۔وفیه أیضاً: وبسط الیدین مس ورفعهما ع. والله أعلم (امداد الاحکام:۲/۳۴۹-۳۵۰)

نمازعیدین کے بعد کی دعا:

سوال: عیدین کی نماز کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وسلم، یا آپ کے صحابہؓ، یا تابعین، یا تبع تابعین نے دعا مانگی ہے، یانہیں؟ اگر مانگی ہے تو حوالہ تحریر فرمایا جاوے اور اگر نہیں مانگی تو مسلمانوں کو مانگنی جائز ہے، یانہیں؟ اگر جائز ہے تو عید کی نماز کے بعد، یا عید کے خطبہ کے بعد اور اگر نا جائز ہے تو مکروہ تنزیہی، یا تحریمی ہے، یا حرام ہے؟ بینوا تو جروا۔

الجواب

احادیث قولیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے باسانید صحیحہ ہرنماز کے بعد جس میں نماز عید بھی داخل ہے، دعا مانگنے کی فضیلت وثواب منقول ہے، اگر چہ احادیث فعلیہ میں عمل کی تصریح نہیں؛ مگر نفی بھی منقول نہیں؛ اس لیے حدیث قولیہ پر عمل کرنا اور ہرنماز کے بعد اور عیدین کے بعد دعا مانگنا جائز ومستحب ہوگا اور بعض حدیث قولیہ یہ ہیں۔

روی عن براء بن عازب قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من قال دبر کل صلاة استغفر الله وأتوب علیه غفرله وإن کان فرمن من الزحف. (رواه الطبرانی فی الصغیر والأوسط) وعن معاذ رضی اللّٰه عنه فی حدیث طویل مرفوعاً: أوصلیت یامعاذ لاتدعن دبر کل صلاة أن تقول اللّٰهم أعنی علیٰ ذکرک وشکرک وحسن عبادتک. (رواه أبوداؤد والنسائی واللفظ له وابن خزیمة وابن حبان فی صحیحهما والحاکم وقال صحیح علیٰ شرط الشیخین) (ترغیب للمنذری: ۲۷۸/۱) واللہ تعالیٰ اعلم (امداد المفتین:۲/۳۴۷)

نمازعید کے بعد دعا مانگنے کا حکم:

سوال: عیدین میں ہاتھ اٹھا کر مناجات کرنا کیسا ہے؟ ایک مقام پر مدت سے لوگ ایک امام کے پیچھے عیدین کی نماز پڑھتے آئے ہیں۔اب عرصہ دوسال سے سابق امام نے بوجہ کبرسنی کے اپنے لڑکے کو جو کہ حافظ اور عالم ہیں، اپنی جگہ پر امام مقرر کیا اور لوگ ان کے پیچھے عیدین کی نمازیں پڑھنے لگے۔حال کے امام نے عید کی نماز کے بعد مناجات نہیں کی، عام لوگ امام سے معترض ہوئے اور کہا کہ آپ کے باپ نے ہمیشہ سے مناجات کرتے آئے ہیں، آپ کیوں ترک کرتے ہیں؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ ہمارے باپ نے حدیث نہیں پڑھی ہے؛ اس لیے وہ اس

مسئلے سے ناواقف ہیں۔میں نے حدیث میں اس کی دلیل کہیں نہیں پائی؛اس لیے میں ترک کرتا ہوں۔اس پر جوعوام نے اصرار کیا کہ مناجات کرنا تو اچھا ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی کی درگاہ میں عاجزی پسند ہے۔علاوہ اس کے ہمیشہ سے ہم لوگ کرتے آئے ہیں، یکا یک ہم لوگوں کے لیے یہ ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے؛اس لیے بہت سے لوگ ہماری عیدگاہ میں آنا چھوڑ دیں گے اور جماعت کو نقصان پہونچے گا۔امام صاحب نے فرمایا کہ میں خود یہاں کی امامت چھوڑ دوں گا؛مگر مناجات کر کے گنہ گار نہ ہوں گا اوراس کے بعد امام صاحب اور چند لوگوں نے مشورہ کر کے تمام بازار میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ جوشخص مناجات کرے، گنہ گار ہے،اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں۔اس بات سے عوام میں ایک نہایت بے قراری پھیل گئی ہے اور دو جماعت ہوگئی ہیں اوران لوگوں کا ارادہ ہے کہ عید کے موقع پر ایک بڑا ہنگامہ برپا کریں گے،چوں کہ لوگ ہمیشہ سے مناجات کرتے آئے ہیں؛اس لیے تین حصہ سے زائد لوگوں نے مناجات کرنے والوں کی طرف ہیں اور ایک حصہ سے کم لوگ نہ کرنے والوں کی طرف ہیں؛اس لیے عند اللہ وعندالرسول آپ اس کا فیصلہ بحوالہ کتب کر دیجئے؟ بینوا بالدلیل تو جروا بالجزیل۔

الجواب

طریقۂ متعارفہ کے طور پر نماز عیدین کے بعد دعا مانگنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃ واضحا ثابت نہیں ہوا، یہی وجہ کہ بعض نسخ بخاری میں جو باب الدعاء فی العیدین وارد ہوا ہے تو شارحین کو اس کے اثبات کے لیے تکلف وتجشم کرنا پڑا۔

قال العلامة العينى فى العمدة:مطابقة للترجمة المروية عن الحموى فى قوله:يخطب فإن الخطبة مشتملة على الدعاء كما أنها تشتمل علىٰ غيره،آه.(ص:٣٦٠)وقال الحافظ فى الفتح:ويحتمل أن يوجه بأن الدعاء بعد صلاة العيد يؤخذ حكمه من جواز اللعب بعدها بطريق الأولى وقدروى ابن عدى من حديث واثلة أنه لقى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يوم عيد فقال: تقبل اللّٰه منا ومنک، فقال: نعم، تقبل اللّٰه منا أومنک وفى إسناده محمد بن ابراهيم الشامى و هوضعيف وقد تفرد به مرفوعاً وخولف فيه فروى البيهقى من حديث عبادة بن صامت أنه سأل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذلک فقال:ذلک فعل أهل الكتابين وإسناده ضعيف أيضاً وكأنه أراد لم يصح فيه شيء وروينا فى المحامليات باسنادحسن عن جبيربن نضيرقال:كان أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض: تقبل اللّٰه منا ومنک،آه.(٢٧١/٢)

پس حافظ کا حدیث" **تقبل اللّٰه منا ومنک**" سے اثبات کی طرف اشارہ کرنا بتلا رہا ہے کہ دعاء فی العیدین کے متعلق کوئی حدیث صریح نہیں ہے؛اسی لیے بعض لوگوں نے ان نمازوں کے بعد دعا بطریق متعارف کو سنت نہیں سمجھا؛

لیکن کسی خاص قضیہ کا حکم ثابت کرنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ احادیث میں اس کا نام بھی بالتعیین وارد ہوا ہو؛ بلکہ عموماً حدیث سے بھی احکام بکثرت ثابت کئے جاتے ہیں، اگر عمومات سے حکم ثابت نہ ہو سکے تو پھر دنیا کی بہت سی چیزوں کا جواز واستحباب ثابت نہ ہو سکے گا، مثلاً مدارس کا قائم کرنا تعلیم دین کے لیے مستحب ہے، حدیث میں اس کا نام کہاں وارد ہوا ہے۔ ریل میں سفر کرنا جائز ہے، حدیث میں اس کا نام کہاں وارد ہوا ہے، علی ہٰذا۔ پس بعد عیدین کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا گو صراحۃً احادیث میں نظر سے نہیں گذرا؛ مگر بعض احادیث سے ہر نماز کے بعد دعا کا مستحب ہونا ثابت ہے۔ نیز احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔

عن علی قال: حدثنی أبوبکر وصدق أبو بکر أنه قال: سمعت رسول اللّٰه صلی علیه وسلم یقول: ما من عبد یذنب ذنباً فیحسن الطهور، ثم یقول: فیصلی رکعتین ثم یستغفر اللّٰه إلا غفر اللّٰه له، ثم قرا هٰذه الآیة ﴿والذین اذا فعلوا فاحشة أو ظلموا أنفسهم﴾، الخ. (رواه أبو داؤد وسکت عنه) (۱/ ۲۰۲) ولذا قال صاحب الحصن الحصین: من آداب الدعاء استقبال القبلة والصلاة والبحث علی الرکب و بسط الیدین ورفعهما. (ص: ۲۲-۲۳) حدیث رفع الیدین فی الدعاء متواتر، کذا فی تدریب الراوی. (ص: ۱۹۱)

پس عیدین کی نماز بعد مناجات ودعا کرنا عمومات حدیث سے مستحب ہے؛ بلکہ ہر نماز کے بعد دعا کرنا مستحب۔ واللہ اعلم

۲۱ / رمضان ۱۳۴۱ھ

بعد تحریر جواب ہٰذا خاص مناجات بعد صلوٰۃ العید کے بارے میں روایات ودستیاب ہوگئیں۔

وهی هذه عن عطیة قالت: کنا نومر أن نخرج یوم العید حتیٰ تخرج البکر من خدرها حتیٰ تخرج الحیض فیکن خلف الناس فیکبرن بتکبیرهم ویدعون بدعا ئهم یرجون برکة ذلک الیوم وطهرته، آه. أخرجه البخاری فی صحیحه، کذا فی فتح الباری: ۲/ ۳۸٦ وأخرج الترمذی عن أم عطیة أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یخرج الابکار والعواتق وذوات الخدر والحیض فی العیدین فأما الحیض فیعتزلن المصلی ویشهدون دعوة المسلمین. (الحدیث) (ص: ۷۰) قال الترمذی: حدیث أم عطیة حدیث حسن صحیح.

اس حدیث میں دعا سے دعاء خطبہ مراد نہیں ہو سکتی؛ کیوں نکہ خطبہ میں صرف امام دعا کرتا ہے، سامعین دعا نہیں کر سکتے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائض عورتیں عیدین میں مردوں کے پیچھے کھڑی رہتیں اور مردوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتیں اور ان کی دعا کے ساتھ دعا کرتیں اور اس سے مردوں اور عورتوں سب کا دعاء کرنا ثابت ہوتا ہے اور

یقیناً نماز سے پہلے تکبیر ودعا کا وقت نہیں، یقیناً نماز کے بعد ہی دعا کی جاتی تھی اور ترمذی میں اسی حدیث کے اندر یہ الفاظ ہیں: ''**ویشهدن دعوة المسلمين**'' کہ عورتیں مسلمانوں کی دعا میں شریک ہوتی تھیں؛ اس لیے عیدین کی نماز کے بعد دعا کرنا جائز ومستحب یقیناً ہے، استحباب وجواز کا انکار نہیں ہوسکتا؛ لیکن اگر کوئی شخص جائز ومستحب فعل کو ترک کردے تو اس پر ملامت وطعن اور اس سے ترک موالات ہرگز جائز نہیں؛ کیوں کہ یہ شان ترک فرائض و واجبات کی ہے، نہ کہ مستحبات کی اور اگر کسی وقت ساتھ کسی مستحب وسنت کے ترک پر ملامت وطعن ہونے لگے اور اس مستحب وسنت کے ساتھ واجب وفرض کا معاملہ ہونے لگے تو اس وقت اصلاح عقیدہ عوام کے لیے اس مستحب کا ترک کردینا ضروری ہوجاتا ہے تو جو لوگ بعد صلوٰۃ عیدین کے دعاء کو مستحب سمجھتے ہیں، وہ تارکین پر ملامت وطعن کرنے کی وجہ سے خود ہی اس مستحب کو ممنوع بنانا چاہتے ہیں۔

قال في البحر: لوقرا في الأولىٰ بسورة الجمعة وفي الثانية بسورة المنافقين فحسن تبركاً بفعله صلى الله عليه وسلم ولكن لايواظب علىٰ ذلك بل يقرأ غيرها في بعض الأوقات لايؤدي إلى هجر الباقي ولايظنه العامة حتما، آه. (۱۵۷/۲) (امداد الاحکام: ۳۵۶/۲-۳۵۷)

عیدین میں دعاء نماز کے بعد کرے، یا خطبہ کے بعد؟ حضرات اکابر کا معمول:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مندرجہ ذیل مسائل میں کہ:

ہمارے یہاں عیدگاہ میں عید کی نماز کے لیے دو امام مقرر ہیں، ایک سال ایک امام عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں اور دوسرے سال دوسرے امام، ان دونوں اماموں میں ایک امام خطبہ کے بعد دعا مانگتے ہیں اور دوسرے نماز کے بعد متصلاً دعا مانگتے ہیں، اس میں سے کون سا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ نیز ہمارے یہاں ایک مرتبہ عید الفطر کے موقعہ پر امام صاحب نے عید کی نماز پڑھائی اور پھر خطبہ کے لیے کھڑے ہونے جارہے تھے (اور دعا خطبہ کے بعد مانگنے والے تھے) کہ وہ دوسرے امام صاحب کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے کہ مولانا یہ طریقہ درست نہیں ہے، نماز کے بعد متصلاً دعا ہونی چاہیے، یہی طریقہ مسنون ہے، خطبہ کے بعد دعا صحیح نہیں ہے تو اس امام صاحب نے کہا کہ یہ کہاں لکھا ہے؟ اتنا کہہ کر وہ خطبہ کے لیے منبر پر چلے گئے تو وہ دوسرے امام صاحب نے پھر مجمع میں اعلان کیا کہ بھائی! اصل مسنون طریقہ نماز کے بعد متصلاً دعا ہے؛ بہر حال خطبہ کے بعد دعا ہوئی، پھر اس کے بعد کچھ دنوں کے بعد اس امام صاحب نے جو نماز کے بعد دعا کے قائل تھے، حوالہ پیش کیا، وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۵۷'' ''دعا نماز کے بعد کرے، خطبہ کے بعد ثابت نہیں'' الخ، پر ہے، پھر اس کے بعد وہ دوسرے امام صاحب نے عید الاضحیٰ سے پہلے اپنی بات کا حوالہ تلاش کیا، وہ حوالہ ''فتاوی رحیمیہ ج/ ۵ص/ ۸۱'' ''عید کی نماز کے بعد دعا کرنا'' الخ پر ہے۔ اس حوالہ کو عید

الاضحیٰ کے موقعہ پر عیدگاہ میں سنانا چاہا؛ لیکن بعض حضرات نے روک دیا کہ عوام میں مسائل نہ چھیڑے جائیں تو وہ امام صاحب رک گئے۔ بہر حال وہ دوسرے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا، اس میں ہے کہ خطبہ کے بعد دعا مانگ سکتے ہیں، اگر لازم نہ قرار دے اور ہمارے یہاں دونوں طریقے اس سے پہلے ہو چکے، اس میں کسی نے اعتراض نہیں، کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی بھی دعا کو نماز کے بعد ہی، یا خطبہ کے بعد ہی لازم نہیں کہتا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد دعا کسی سے بھی منقول نہیں ہے اور پہلے امام صاحب نے جو حوالہ پیش کیا ہے، اس کا جواب بھی فتاوی رحیمیہ: ۸۳/۵ پر ہے تو سوال یہ ہے کہ کون سا طریقہ مسنون ہے؟ نیز اس امام کا کھڑے ہو کر بھرے مجمع میں یہ احتجاج کرنا کیسا ہے؟ نیز قول فیصل اور مفتی بہ قول سے مطلع فرما کر ہماری رہنمائی فرمائیں۔ نیز فتاوی رحیمیہ کی دونوں عبارتوں پر نظر فرما کر کس طریقہ پر عمل کیا جائے اور کس طرح دعا مانگی جائے، یہ وضاحت سے بتلا کر ہماری رہنمائی فرمائیں؟ **فقط و السلام**

الجواب ــــــــــــ حامداً و مصلیاً و مسلماً

عیدین میں دعا کی دو صورتوں (نماز کے بعد متصلاً دعا اور خطبہ کے بعد دعا) کے متعلق آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ اس میں سے کون سا طریقہ مسنون اور درست ہے؟ سب سے پہلے ضروری ہے کہ لفظ مسنون کی مراد متعین کر لی جائے۔ لفظ مسنون بول کر کبھی تو مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے، یا صریح الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کرنے کے لیے فرمایا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں دعا نماز کے بعد متصلاً، یا خطبہ کے بعد ثابت نہیں؛ یعنی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ یہ نہیں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کے بعد دعا مانگی، یا خطبہ سے فراغت کے بعد دعا مانگی، اسی طرح روایت قولیہ میں بھی کسی روایت میں صراحت کے ساتھ نماز عید کے بعد متصلاً، یا خطبۂ عید کے بعد دعا کا تذکرہ نہیں، چناں چہ ہمارے اکابر کے فتاوی میں جہاں یہ لکھا ہے کہ عید کی نماز کے بعد متصلاً، یا خطبۂ عید کے بعد دعا مسنون اور ثابت نہیں، وہاں پر یہی مراد ہے۔ (دیکھئے: کفایت المفتی: ۳۰۶/۳، ۳۰۳، ۲۷۳، ۳۰۴/امداد الاحکام: ۶۴۹/۱/فتاوی محمودیہ: ۲۹۵/۲، ۳۶۱، ۵۴۰/۱۶/خیر الفتاوی: ۱۲۸/۳/آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴۱۷/۲/امداد الفتاوی: ۶۰۲/۱، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷/فتاوی سنگرہ (گجراتی): ۱۰۳/۳، ۱۰۴/فتاوی رحیمیہ: ۱۰۵/۸/ احسن الفتاوی: ۱۱۵/۴)

اور لفظ مسنون بول کر کبھی تو یہ مراد ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احکام شرع کے سلسلہ میں اصولی ارشادات اور ہدایات دی ہیں، جن سے ایک عام قاعدہ کی شکل میں کوئی حکم ثابت ہوتا ہے، جس کے ماتحت بہت ساری جزئیات داخل ہوتی ہیں۔ (اگر چہ ان جزئیات کی تصریح روایت میں موجود نہیں) ان تمام جزئیات پر ثابت ہونے والے حکم کو بھی مسنون سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس اعتبار سے دیکھا جائے تو عیدین میں نماز عید کے بعد کی جانے والی

دعا کو اکثر اکابر نے اپنے فتاوی میں مسنون اور ثابت کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (دیکھئے: کفایت المفتی: ۳/ ۳۰۶، ۳۰۳، ۲۷۳، ۳۰۴/ امداد الاحکام: ۱/ ۶۵۱، ۶۵۴/ فتاوی دار العلوم: ۵/ ۲۰۲، ۲۱۳، ۲۲۵، ۲۳۱/ فتاوی محمودیہ: ۷/ ۲۱۸، ۲/ ۲۶۱، ۲۹۵، ۳۰۷، ۳۱۱، ۱۶/ ۵۴۰/ خیر الفتاوی: ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸/ آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۲/ ۴۱۷/ امداد الفتاوی: ۱/ ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۷/ احسن الفتاوی: ۴/ ۱۱۵/ فتاوی سنگرہ (گجراتی): ۳/ ۱۰۳، ۱۰۴/ امداد المفتیین، ص: ۴۰۸/ عزیز الفتاوی، ص: ۳۰۱، ۳۰۷/ فتاوی رحیمیہ: ۳/ ۷۵، ۸/ ۱۰۵)

اور اسی اعتبار سے بعض اکابر نے جن کی تعداد بہت کم ہے، خطبہ کے بعد کی جانے والی دعا کو بھی مسنون اور ثابت لکھا ہے۔ (دیکھئے: کفایت المفتی: ۳/ ۲۷، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۶/ آپ کے مسائل اور ان کا حل ۲: ۴۱/ احسن الفتاوی: ۴/ ۱۱۵ (طبع دوم)

اس لیے آپ کے یہاں عید کے موقع پر جو واقعہ پیش آیا، جس میں ایک امام صاحب نے (جو نماز عید کے بعد متصلاً دعا پر عامل ہیں) دوسرے امام صاحب پر (جو خطبۂ عید کے بعد دعا پر عامل ہیں) لوگوں کے بھرے مجمع میں نکیر کی، ان کا یہ اقدام ہرگز مناسب نہیں تھا، چناں چہ ہو بہو اسی طرح کا واقعہ کسی جگہ پیش آنے پر حضرت مفتی سید عبد الرحیم صاحب لاجپوری نور اللہ مرقدہ سے سوال کیا گیا۔ حضرت نے جس کا تفصیلی جواب عنایت فرمایا، جو فتاوی رحیمیہ ۵/ ۸۱ تا ۸۴ میں دیکھا جاسکتا ہے، اس میں حضرتؒ نے ہمارے اکابر کے دونوں قسم کے فتاویٰ نقل کرنے کے بعد اپنا رجحان تو یہی بتلایا کہ دعا نماز عید کے بعد متصلاً ہی مناسب ہے، اس کے باوجود مجمع عام میں نکیر کرنے والے صاحب کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے کہ ''مجمع عام میں جو کچھ ہوا، غلط ہوا، جنھوں نے یہ نازیبا حرکت کی ہے، اس کے ذمہ اس کی تلافی لازم ہے'' اس لیے آپ کے اس سوال کے جواب میں کہ ''اس امام کا بھرے مجمع میں کھڑے ہوکر یہ احتجاج کرنا کیسا ہے'' ہم بھی وہی بات پیش کرتے ہیں، جو حضرت اقدس مفتی صاحبؒ نے تحریر فرمائی ہے، ان امام صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنی اس نازیبا حرکت کی تلافی کریں اور دوسرے امام صاحب نے جو فتاوی رحیمیہ میں مذکورۂ بالا تفصیلی فتویٰ دیکھنے کے بعد مجمع عام میں جب اس کو پیش کرنے کا ارادہ کیا؛ لیکن بعض حضرات کے یہ مشورہ دینے پر کہ عوام میں اس طرح کے مسائل نہ چھیڑے جائیں، وہ اپنے اس ارادہ سے باز رہے، ان کے اس اقدام کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عالمانہ وقار کی لاج رکھ لی۔ (**فجزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء**)

آپ نے آخر میں قول فیصل بھی دریافت کیا، بھلا ہماری کیا مجال ہے کہ ان اکابر کی باتوں پر محاکمہ کرکے قول فیصل کے نام سے کوئی بات پیش کریں، البتہ ایسے موقع پر ہمارے اکابر کا جو عمل ہوا کرتا ہے، اسی کو اپنانے کے لیے طبیعت مائل ہوتی ہے، چناں چہ اس سلسلہ میں حضرت اقدس ومولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ (دار العلوم دیوبند کے اولین صدر مفتی) تحریر فرماتے ہیں: ''ہمارے اکابر مثل حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ اور دیگر حضرات اساتذہ مثل حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (صدر مدرس سابق مدرسہ ہذا) اور

حضرت (شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحبؒ (صدر مدرس مدرسہ ہذا) وغیرہم کا یہی معمول رہا ہے کہ بعد عیدین کے بھی مثل تمام نمازوں کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ (فتاوی دار العلوم عزیز الفتاوی، دار الاشاعت کراچی، ص:۳۰۷)

احقر کو بھی اپنے جن اکابر کو عید پڑھتے ہوئے دیکھنے کا موقع ملا ہے، ان تمام کو نماز عید کے بعد ہی دعا کرتے ہوئے دیکھا، خطبہ کے بعد نہیں؛ اس لیے مناسب یہی ہے کہ نماز عید کے بعد ہی دعا کا اہتمام کیا جائے، خصوصاً جب کہ خطبہ کے بعد کی جانے والی دعا کو بعض اکابر نے بدعت بھی لکھا ہے۔ (دیکھئے: فتاوی دار العلوم: ۲۱۳/۵، ۲۲۵، ۲۳۱/ فتاوی محمودیہ: ۲۱۸/۷، ۲۹۵/۲، ۳۰۷، ۳۱۱/ خیر الفتاوی: ۱۲۸/۳/ امداد الفتاوی: ۶۰۲/۱، ۶۰۶/ فتاوی سنگرہ (گجراتی): ۱۰۴/۳/ عزیز الفتاوی: ۳۰۱/ فتاوی رحیمیہ: ۵۷/۳، ۱۰۵/۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۶/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ (محمود الفتاویٰ: ۵۲۰/۱-۵۲۴)

دعا نماز عیدین کے بعد ہے، یا خطبہ کے بعد:

سوال (۱) عیدین کی نماز کے بعد خطبہ سے پہلے دعا ہے، یا نہیں؟ کہا جاتا ہے کہ خطبہ نماز سے متصل ہونا چاہیے، دعا کرنے سے فصل واقع ہوگا۔

(۲) اگر دعا کی اجازت ہے تو دعا لمبی کی جائے، یا مختصر؟

الجواب ______________ وباللہ التوفیق

عیدین کی نماز کے بعد دعا مانگنا واجب، یا فرض نہیں ہے؛ بلکہ مستحب اور مباح ہے اور مستحب کے لیے آپس میں اختلاف پیدا کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

یہ مستحب دعا کب مانگی جائے، خطبہ کے بعد، یا نماز کے بعد؟ اس سلسلہ میں علما کی دونوں رائیں ہیں:

فتاویٰ دار العلوم (۱۹۰/۵) پر ایک تفصیلی جواب ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کے بعد یہ دعا مانگی جائے۔ فتاویٰ رحیمیہ (۵۰/۳) پر لکھا ہے کہ دعا نماز کے بعد کرے۔ فتاویٰ محمودیہ (۲۱۸/۷) پر بھی ایسا ہی جواب ہے، جو تفصیلی ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کا رجحان بھی یہی ہے کہ نماز کے بعد دعا کی جائے، چوں کہ نماز کے بعد دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے اور فضیلت دعا بعد الصلوٰۃ منقول ہے۔ (دیکھئے: امداد الفتاویٰ: ۶۰۳/۱) لہذا بہتر یہی ہے کہ نماز عیدین کے بعد اور خطبہ سے قبل دعا کی جائے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ کا رجحان خطبہ کے بعد دعا مانگنے کا ہے۔ (دیکھئے: کفایت المفتی: ۲۵۲/۳) لہٰذا اگر امام خطبہ کے بعد ہی دعا مانگے تو اس کی بھی گنجائش ہے، البتہ اس کے لیے آپس میں اختلاف وانتشار پیدا کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے، جہاں جس طرح عمل ہو رہا ہے، اسی پر عمل کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

سہیل احمد قاسمی، ۵/ ذی قعدہ ۱۴۱۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۵۱۱/۲-۵۱۲)

خطبہ عید کے بعد دعا:

سوال: ہمارے یہاں بعض جگہ عید کی نماز کے بعد دعا کرنے کے بجائے خطبہ کے بعد دعا کرتے ہیں۔ خطبہ نماز کے بعد ادا کرنا جائز ہے، یا نہیں؟ (بشیر احمد)

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

نماز عیدین میں خطبہ کے بعد اجتماعی دعا کرنا ثابت نہیں ہے۔ ہاں نماز کے بعد فوراً دعا کر سکتے ہیں،(۱) اور دعا کے بعد خطبہ پڑھ سکتے ہیں، حدیث شریف میں ہر نماز کے بعد دعا کرنا ثابت ہے؛ اس لیے یہ بدعت نہ ہوگا اور خطبہ کے بعد ثابت نہیں، پس اگر خطبہ کے بعد دعا کرنے کو ضروری، یا حکم شرعی سمجھ کر بالالتزام دعا کریں تو ناجائز اور بدعت ہوگا۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۲/۲۱/۱۴۰۳ھ۔ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۴۴-۳۴۵)

نمازِ عید پر خطبہ دعا اور معانقہ:

سوال: کیا عید پر گلے ملنا سنت ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

یہ سنت نہیں، محض لوگوں کی بنائی ہوئی ایک رسم ہے، اس کو دین کی بات سمجھنا اور نہ کرنے والے کو لائق ملامت سمجھنا بدعت ہے۔(۲) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۸)

سوال: خطبہ عید سے پہلے پڑھا جاتا ہے، یا نماز کے بعد؟ دعا نماز کے بعد، یا خطبہ کے بعد کرنی چاہیے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ

عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے،(۳) دعا بعض حضرات نماز کے بعد کرتے ہیں اور بعض خطبے کے بعد، دونوں کی گنجائش ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور فقہائے امت سے اس سلسلے میں کچھ منقول نہیں۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۸)

---

(۱) ویدعو ویختم بسبحان ربک. (الدر المختار علی ردالمحتار: ۱/ ٤٩٥، ط: عثمانیة)

(۲) أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال، الخ. (ردالمحتار: ٦/ ٣٨١)

أیضا: بأنها (البدعة) ما أحدث علٰی خلاف الحق الملتقی عن رسول الله صلی الله علیه وسلم من علم أوعمل أو حال بنوع شبهة واستحسان وجعل دینا قویما وصراطاً مستقیماً. (رد المحتار: ١/ ٥٦٠، کتاب الصلاة)

(۳) اعلم أن الخطبة سنة وتأخیرها الٰی ما بعد الصلاة سنة أیضاً. (حاشیة الطحطاوی علی المراقی ص: ٢٨٨، باب العیدین)

عیدین میں خطبہ کے بعد دعا کا کسی درجہ بھی ثبوت نہیں:

سوال: نمازعید کے بعد دعا ہے، یا نہیں؟ صحیح بخاری مسلم کی روایات میں نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں خواتین کا عیدگاہ جانا اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہونا بالتصریح موجود ہے۔ اگر یہ دعا اجتماعی نہ تھی تو شرکت کا کیا مطلب؟ نیز اگر دعا ہے تو اجتماعی بہتر ہے، یا انفرادی؟

الجواب

(از مدرسہ احسن العلوم: بلاک نمبر:۲، گلشن اقبال کراچی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام علیہم رضوان اجمعین سے منقول نہیں کہ نماز، یا خطبہ کے بعد دعا کرتے تھے اور اسی طرح کتب فقہیہ میں بھی یہ دعا مذکور نہیں اور اکابر علمائے دیوبند کا طرز عمل بھی یہی لکھا ہے کہ وہ خطبہ کے بعد دعا نہیں مانگتے تھے اور حدیث شریف میں عورتوں کے بارے میں وارد ہے:

"ويشهدن الخير ودعوة المؤمنين" وفي رواية: "يشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم" إلخ.

لفظ "**دعوتهم**" سے بعض حضرات نے یہ سمجھا ہے کہ معروف طریقے پر اجتماعی دعا کرنا اس سے مراد ہے، حالاں کہ اگر ایسا ہوتا تو شروع حدیث اور کتب فقہ میں مستقلاً اس دعا کا ذکر ہوتا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت سے مراد خطبہ ہے، یا نماز وخطبہ میں کی جانے والی دعائیں ہیں۔ سورہ فاتحہ میں دعا ہے۔ تمام مقتدی آمین کہہ کر اس میں شریک ہوتے ہیں اور اللہ پاک کی بارگاہ سے نازل ہونے والی رحمت واجابت اس پورے مجمع کو گھیر لیتی ہے۔ آخری تشہد میں دعائیں ہیں اور ایک روایت میں ہے:

"فإذا كان يوم عيدهم يعني يوم فطرهم باهى بهم ملائكة فقال ياملائكتي (إلى أن قال) عبيدي وإمائي قضوا فريضتي عليهم ثم خرجوا يعجون إلى الدعاء وعزتي وجلالي وكرمي وعلوي وارتفاع مكاني لأجيبنهم، فيقول: ارجعوا قد غفرت لكم". (الحديث) (مشكاة: ۱۸۲/۱)

اس حدیث میں نماز عید کو جاتے ہوئے دعا کا ذکر ہے۔ تکبیرات بھی بمعنی دعا ہیں؛ کیوں کہ رب کریم کی ثنا وتکبیر بھی دعا ہے۔

الغرض اتنی متنوع اور متعدد متفقہ دعاؤں کی موجودگی میں "**دعوتهم**" کے لفظ کو معروف زمانہ دعا پر محمول کرنا قرین قیاس نہیں، البتہ دیگر تمام نمازوں کے بعد دعا مانگنا چوں کہ مستحب ہے۔ اس عموم کے تحت داخل کرتے ہوئے اگر نماز عید کے بعد بھی دعا کرلی جائے تو گنجائش ہے؛ لیکن خطبے کے بعد دعا کرنا کسی طرح بھی ثابت نہیں۔ فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ، رئیس الافتا خیر المدارس ملتان، ۱۹/۸/۱۴۰۳ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۲۸/۳-۱۲۹)

عید کی خصوصی سمجھ کر مصافحہ کرنا ایک رسم ہے:

سوال: کیا عید ملنا بے اصل چیز ہے؟

(المستفتی: ۱۳۳۳، محمد عزت علی خان (ضلع ہردوئی) ۲۲/ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ، ۶/فروری ۱۹۳۷ء)

الجواب

عیدین میں معانقہ کرنا، یا عید کی تخصیص سمجھ کر مصافحہ کرنا شرعی نہیں ؛ بلکہ محض ایک رسم ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۲/۳)

عید کی تخصیص کے ساتھ مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۴/جنوری ۱۹۳۵ء)

سوال: نماز عید کے بعد عیدگاہ میں سب اٹھ کر مصافحہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب

نماز عید کے بعد عید کی تخصیص کی وجہ سے مصافحہ کرنے کا شریعت میں ثبوت نہیں ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۶/۳-۳۰۷)

بعد نماز عیدین و جمعہ سنت سمجھ کر مصافحہ کرنا مکروہ ہے:

سوال: نماز جمعہ وعیدین کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے، یا نہیں؟ اگر ہے تو تحریمی ہے، یا تنزیہی ہے؟

(المستفتی: ۱۱۳۰، محمد عنایت حسین صاحب (کھنور) ۲۶/رجب ۱۳۵۲ھ، ۱۶/نومبر ۱۹۳۳ء)

الجواب

نماز جمعہ وعیدین کے بعد مصافحہ کرنا اور اس کو اس وقت کی خاص سنت سمجھنا مکروہ ہے، کراہت تنزیہی ہے؛ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تنزیہی کو ہلکا سمجھ کر مصافحہ کیا جائے۔(۳)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۸۶/۳)

(۱-۳) ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط أنه تکره المصافحة بعد أداء الصلاة بکل حال لأن الصحابة ما صافحوا بعد أداء الصلاة ولأنها من الروافض، ثم نقل ابن حجر عن الشافعیة: أنها بدعة مکروهة لا أصل لها فی الشرع وأنه ینبه فاعلها أولاً ویعزر ثانیاً، ثم قال: وقال ابن الحاج عن المالکیة فی المدخل: إنها من البدع وموضع المصافحة فی الشرع إنما هو عند لقاء المسلم لأخیه لا فی أدبار الصلاة فحیث وضعها الشرع یضعها فینهی عن ذلک و یزجر فاعلها لما أتی به عن خلاف السنة. (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء: ۳۸۱/۶، ط: سعید)

عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ:

سوال: عیدین کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کیسا ہے، جائز ہے، یا ناجائز؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

خصوصیت کے ساتھ عید کی نماز کے بعد مصافحہ ومعانقہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے؛ اس لیے اسے عید کی نماز کے بعد شرعی عمل تصور کرنا غلط ہے۔ بعض علمانے اسے سنت روافض قرار دیتے ہوئے ممنوع لکھا ہے کہ بعض علمانے اطلاق نصوص کی بنیاد پر جائز لکھا ہے، ہمارے یہاں لوگ بطور اظہار مسرت گلے ملتے ہیں اور مصافحہ کرتے ہیں؛ اس لیے ہمارے نزدیک کوئی خاص شرعی عمل اس مخصوص وقت میں تصور کیئے بغیر اگر مصافحہ، یا معانقہ بعد نماز عیدین کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ اس طرح کے مسائل میں زیادہ شدت برتنا مناسب ہے۔

درمختار میں ہے:

واطلاق المصنف تبعًا للدرر والكنز والوقاية والنقاية والمجمع والمنتقى وغيرها يفيد جوازها مطلقًا و لو بعد العصر وقولهم أنه بدعة أى مباحة حسنة كما أفاده النووى فى أذكاره وغيره فى غيره وعليه يحمل ما نقله عنه شارح المجمع من أنه بعد الفجر والعصر ليس بشىء توفيقًا.

اورشامی نے لکھا ہے:

(قوله: كما أفاده النووى فى أذكاره)حيث قال:اعلم أن المصافحة مستحبة عند كل لقاء وأما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر فلا أصل له فى الشرع على هذا الوجه ولكن لا بأس به فإن أصل المصافحة سنة وكونهم حافظوا عليها فى بعض الأحوال وفرطوا فى كثير من الأحوال أو أكثرها لا يخرج ذلك البعض عن كونه من المصافحة التى ورد الشرع بأصلها الخ ... ونقل مثله عن الشمس الحانوتى وأنه أفتى به مستدلاً بعموم النصوص الواردة فى مشروعيتها وهو الموافق لما ذكره الشارح من اطلاق المتون. (۱) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

مجاہد الاسلام القاسمی، ۱۰/ شوال ۱۳۹۸ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/ ۵۱۳-۵۱۴)

نماز عید کے بعد مصافحہ ومعانقہ:

سوال: عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان عیدین میں نماز عید کے بعد ملاقات اور معانقہ کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو عید مبارک کے ساتھ مبارکباد دیتے ہیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا کیا معمول رہا۔ (یوسف باوا لندنی)

---

(۱) ردالمحتار، قبيل فصل فى البيع: ۹/ ۵٤٧

الجواب ــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

عید کے دن بعد نماز جو معانقہ ومصافحہ وغیرہ کا مروجہ طریقہ ہے کہ نماز کے پہلے سے بالکل ساتھ ساتھ تھے اور ساتھ ہی نماز بھی پڑھی؛ مگر نماز سے فارغ ہوکر مصافحہ ومعانقہ کرنے لگے، گویا کہ یہ معانقہ ومصافحہ عید کا معانقہ ومصافحہ ہے، یہ چیز سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں؛ بلکہ قرون ثلاثہ مشہود لہا بالخیر کے اندر کہیں نہیں ملتی؛ اس لیے اس کو شرعی وضروری سمجھ کر کرنا قطعاً ناجائز اور "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد". (۱) (وفي رواية) فهو مردود کا مصداق ہے اور اس طور پر ایسا کرنا بدعت ہوگا۔ ہاں اگر کوئی شخص وہاں نہیں تھا اور ملاقات ہوگئی، یا کوئی شخص کہیں باہر سے آگیا اور ملاقات ہوگئی تو اس سے مصافحہ اور معانقہ ممنوع و بدعت نہ ہوگا؛ لیکن جہاں اس معانقہ وغیرہ کی بدعت کا ایسا عام رواج ہو کہ لوگ اس کو ضروری سمجھ کر کرتے ہوں تو وہاں ان لوگوں سے بھی احتیاطاً معانقہ وغیر ایسا کام کرنا جس سے اہل بدعت کو سند پکڑنے کا موقعہ ملے، درست نہ ہوگا؛ کیوں کہ یہ امر محض مباح، یا بیش از بیش مستحسن ہوگا اور عقیدۂ عوام کی حفاظت اور عوام کو غلط عقیدہ میں ابتلا سے بچانا واجب ہوگا اور مستحسن کے لیے واجب کا ترک کرنا جائز نہیں ہوگا، باقی عیدین کے روز نفس خوشی منانا اظہار مسرت کرنا اور دوست واحباب سے ملنا اور بوقت ملاقات کلمات ترہیب پیش کرنا بھی اس طرح سے کہ اہل بدعت سے مشابہت نہ ہو، درست اور جائز ہے۔ (۲) اس لیے کہ حدیث شریف میں ان ہی ایام کے بارے میں آیا ہے:

"هذه الأيام أيام أكل وشرب" أو كما قال عليه الصلاة والسلام. (۳)

(یعنی یہ دن کھانے پینے اور ازدواجی زندگی کو سنوارنے کے ہیں۔)

ہمارے اکابر بھی اہل ہویٰ وبدعت کی مشابہت سے بچتے ہوئے اظہار مسرت اور دوست احباب، اعزہ واقربا سے ملنا جلنا رکھتے تھے اور رکھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۰/۹/۲۲ھ (منتخبات نظام الفتاویٰ: ۱/۳۴۵-۳۴۶)

---

(۱) صحيح البخاري مع فتح الباري: ۳۰۱/۵، كتاب الصلح، رقم الحديث: ۲۶۹۷، صحيح لمسلم، كتاب الأقضية، رقم الحديث: ۱۷۱۸، عن عائشة رضي الله عنها

(۲) "وندب كونه من طريق آخر وإظهار البشاشة وايثار الصدقة والتختم والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۴۹/۳، تفصیل کے لیے شامی دیکھئے)

(۳) "عن عقبة بن عامر قال، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يوم عرفة ويوم النحر وأيام التشريق عيدنا أهل الإسلام وهي أيام أكل وشرب". (سنن الترمذي: ۱۳۴/۳، كتاب الصوم، باب ما جاء في كراهية الصوم في أيام التشريق، رقم الحديث: ۷۷۳، سنن أبي داؤد: ۳۲۰/۲، كتاب الصوم، باب صيام أيام التشريق، رقم الحديث: ۲۴۱۹)

رواج مصافحہ بعد عیدین:

سوال: عیدین میں مصافحہ ومعانقہ رواہے، یانہیں؟

الجواب

قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں حضرت شارع علیہ السلام نے جو ہیئت وکیفیت معین فرمادی ہے، اس میں تغیر وتبدل جائز نہیں اور مصافحہ چوں کہ سنت ہے؛ اس لیے عبادات میں سے تو حسب قاعدہ مذکورہ اس میں ہیئت وکیفیت منقولہ سے تجاوز جائز نہ ہوگا اور شارع علیہ السلام سے صرف اول لقا کے وقت بالا جماع، یا وداع کے وقت بھی علی الاختلاف منقول ہے وبس۔ اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی محل وموقع تجویز کرنا تغیر عبادت کرنا ہے، جو ممنوع ہے، لہذا مصافحہ بعد عیدین، یا بعد نماز پنج گانہ مکروہ وبدعت ہے، شامی (۱) میں اس کی تصریح موجود ہے۔ فقط واللہ اعلم

۲/شعبان ۱۳۲۰ھ (امداد: ۴/۸۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۷۰۸) ☆

نماز عید کے پہلے، یا بعد عیدگاہ میں نفل پڑھنا کیسا ہے:

سوال: چہ می فرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کو خواندن نماز نفل در عیدگاہ قبل، یا بعد نزد علمائے حنفیہ رواست، یانہ؟

---

(۱) ردالمحتار: ۵/۳۳۶، باب الاستبراء

☆ **عید کی مبارکباد پیش کرنا:**

محمد بن زیاد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں: ''میں حضرت ابوامامہ وغیرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا (عید کے موقع پر) تو وہ لوگ جب (نماز عید سے) واپس ہوئے تو آپس میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: ''تقبل اللہ منا ومنک''. (عن محمد بن زیاد قال: ''کنت مع أبی أمامۃ الباھلی رضی اللہ عنہ وغیرہ من أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکانوا إذا رجعوا یقول بعضھم لبعض: ''تقبل اللہ منا ومنک''. (رواہ فی الجوھر النقی، إعلاء السنن: ۸/۹۷) اور سیوطی نے (وصول الأمانی، ص: ۸۲) بیہقی نے سنن کبریٰ (۳/۳۱۹، ۳۲۰) میں اس مضمون کی کئی مرفوع روایات نقل کی ہیں؛ مگر سب کلام پر کیا ہے اور صاحب جوہر نقی نے اس روایت کا اضافہ کیا ہے یہ کہہ کر: فی ھٰذا الباب حدیث جید وقد اغفلہ البیھقی)

جبیر بن نفیرؒ نے نقل کیا ہے: ''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عید کے دن جب ایک دوسرے سے ملتے تو یہی الفاظ کہتے تھے''۔ (عن جبیر بن نفیر قال: ''کان أصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا التقوا یوم العید یقول بعضھم: تقبل اللہ منا ومنک''. (ذکرہ الحافظ فی فتح الباری: ۲/۴۴۶) حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن کہا ہے، نیز اس کے علاوہ بھی بعض روایات کا ذکر کیا ہے؛ مگر ضعف وکلام کے ذکر کے ساتھ، سیوطی کے مجموعہ فتاویٰ ''الحاوی'' کے جزء اول میں رسالہ ہے ''وصول الامانی باصول التہانی'' اس میں انہوں نے مختلف مواقع کی تہنیت کی روایات ذکر کی ہیں اور عید کی بابت طور اختیار کیا ہے، دو صفحات میں روایات جمع کی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ وتابعین کے یہاں اس کا معمول تھا۔) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

الجواب

درمختار میں ہے:

ولا يتنفل قبلها مطلقا وكذا لايتنفل بعدها فی مصلٰها. (۱)

قال الشامی: (قوله: وكذا لايتنفل، الخ) لمافی الكتب الستة عن ابن عباس رضی اللّٰه عنه أنه صلی اللّٰه عليه وسلم خرج فصلی بهم العيد لم يصل ولا بعد ها، وهذا النفی بعدها محمول عليه فی المصلی، الخ. فقط واللّٰه أعلم

قبل صلوٰۃ عید اشراق پڑھنے کا حکم:

سوال: بروز عیدین نماز اشراق وچاشت کیوں نہیں پڑھتے، ممانعت کی وجہ کیا ہے؟ اگر یہ خیال کیا جاوے کہ وقت نماز عیدین کا اشراق سے لے کر چاشت؛ یعنی زوال سے قبل تک ہے اس وجہ سے نہیں پڑھتے تو یہ بظاہر کوئی وجہ ممانعت کی معلوم نہیں ہوتی؛ کیوں کہ ایک وقت علاحدہ ہے، تشابہ نماز عیدین نہیں ہوسکتا کہ وہ نماز بجماعت ہے اور یہ نمازیں فرادیٰ ہیں۔

الجواب

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز پڑھنا اس کا ثابت نہیں اور چاشت پڑھنے کا بعد واپس آنے کے کچھ حرج نہیں۔

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ (تتمہ اولیٰ: ۲۳) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۷۴)

عید کے بعد چار رکعت نفل جماعت سے پڑھنے کا رواج غلط ہے:

سوال: ہمارے یہاں عیدین کی نماز کے بعد چار رکعت نفل جماعت سے پڑھتے ہیں۔ آیا یہ نفل پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

عیدین کی نماز کے بعد جماعت سے نوافل پڑھنا درست نہیں ہے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۵/۲۲۳)

---

(۱) الدر المختار، باب العيدين: ۱/۱۱٤

(۲) والشرط، الخ، شرعاً مايتوقف عليه الشیء ولا يدخل فيه، هی ستة: طهارة بدنه، الخ، من حدث بنوعيه وخبث مانع، الخ، وثوبه، الخ، ومكانه أی موضع قدميه أو إحديهما، الخ، وموضع سجوده اتفاقا فی الأصح، الخ. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار، باب شروط الصلاة: ۲/٤۰۲، ظفير)

عید کے دن نوافل:

سوال: عیدین کے روز نوافل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عیدین کی نماز سے پہلے تو مطلقا نوافل مکروہ ہیں اور بعد عیدین کے نماز کا یہ حکم ہے کہ عیدگاہ میں نہ پڑھیں، اگر گھر میں آ کر پڑھ لیں تو درست ہے۔

درمختار میں ہے: "**ولا يتنفل قبلها مطلقا، الخ، وكذا لا يتنفل بعدها في مصلاها فإنه مكروه عند العامة وأن تنفل بعدها في البيت جاز، الخ.** (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۶/۵-۲۲۷)

عید پڑھنے کے بعد نفل کی نیت سے دوبارہ عید پڑھنا کیسا ہے:

سوال: زید ایک جگہ امامت عید اضحیٰ کرا کر اپنے کسی بڑے بزرگ کے یہاں گیا تھا، وہاں اس روز عید نہیں ہوئی، دوسرے روز نماز ہوئی تو زید عید کی نماز نفل نیت سے مقتدی ہو گیا۔ زید گنہگار رہوگا، یا نہ؟

الجواب

نفل کی نیت سے جماعت میں شریک ہو جانے سے زید پر کچھ گناہ نہیں ہوا؛ کیوں کہ شرعاً بعض مواضع میں ایسا کرنے کا حکم ہے، جیسا کہ کتب فقہ میں ہے کہ جس نے ظہر اور عشا پڑھی ہو اور بوقت اقامت جماعت وہ مسجد میں ہو تو وہ جماعت کو چھوڑ کر وہاں سے نہ نکلے اور بہ نیت نفل جماعت میں شامل ہو جائے۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۷/۵)

بعد نماز عید نوافل بدعت ہے:

سوال: نماز عید سے فراغت کے بعد جماعت سے، یا تنہا نوافل پڑھنا شرعا کیسا ہے؟

الجواب

بعد ادائے نماز نوافل جماعت سے، یا تنہا عیدگاہ میں پڑھنا بدعت و ناجائز و مکروہ تحریمی ہے۔ (۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۸/۵)

---

(۱) الدر المختار علیٰ هامش ردالمحتار، باب العيدين: ۷۷۷/۱-۷۷۸

(۲) وإلا لمن صلى الظهر والعشاء وحده مرة فلا يكره خروجه، الخ، إلا عند الشروع في الإقامة فيكره لمخالفته الجماعة بلا عذر بل يقتدى متنفلا. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب إدراک الفريضة: ۵۵/۲، ظفير)

(۳) ولا يتنفل قبلها مطلقا (إلى قوله) وكذا لا يتنفل بعدها في مصلها فإنه مكروه عند العامة. (الدر المختار: ۱۶۹/۲-۱۷۰، باب العيدين، ظفير)

نماز عید سے قبل نوافل کا حکم:

سوال: عید کے روز عیدگاہ میں، یا مکان پر نماز عید سے قبل یا بعد دو رکعت، یا چار رکعت نفل پڑھ کر میت کو ثواب بخشنے کے متعلق کوئی حدیث ہے، یا نہیں؟ اور کیا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا ہے؟

الجواب

قبل از نماز عید گھر میں اور مسجد وعیدگاہ میں نفل نماز پڑھنا مکروہ ہے اور بعد ادائے نماز عیدگاہ میں نفل پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر عوام الناس میں سے کوئی شخص قبل از نماز، یا بعد از نماز عیدگاہ میں ہی پڑھنے لگے تو منع کرنا بھی مناسب نہیں۔ ''**ولایتنفل قبلها مطلقا وكذا لايتنفل بعدها في مصلاها فإنه مكروه عندالعامة وإن تنفل بعدها في البيت جاز، بل يندب تنفل باربع وهذا للخواص، أما العوام فلايمنعون من تكبير ولا تنفل أصلاً لقلة رغبتهم في الخيرات، بحر**''. (الدر المختار مختصراً)(۱) لیکن بالخصوص ایصال ثواب کے لیے کوئی نفل عید کے دن خاص طور پر پڑھنا اور اسے مستحب سمجھنا مکروہ وبدعت ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۴/۳-۲۹۵)

عیدین کے قبل، یا بعد نوافل کا حکم:

سوال: قبل عیدین کے نوافل پڑھنا کیسا ہے؟ صرف عیدگاہ میں مکروہ تحریمی ہے، یا مسجد، یا مکان، یا صحرا میں بھی، نیز صلوٰۃ الاشراق، یا چاشت، عیدین کی نماز کے قبل پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب　　وباللّٰہ التوفیق

نماز عیدین کے پہلے عیدگاہ میں، یا مسجد میں جہاں عید کی نماز ہوتی ہو، فقہاء نفل پڑھنے کو منع کرتے ہیں، نماز کے بعد بھی اس جگہ نفل پڑھنے کو بعض فقہا منع کرتے ہیں اور بعض اجازت دیتے ہیں۔ گھر پر پہلے پڑھنے میں بھی یہی اختلاف ہے؛ لیکن گھر پر عیدین کے بعد پڑھنے کی سب اجازت دیتے ہیں؛ اس لیے گھر پر اشراق، یا چاشت کی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ (فتاوی قاضی خاں اور شامی دیکھئے)(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۱/۴/۲۲ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۶/۲-۲۵۷)

---

(۱) **باب العيدين: ١٦٩/٢، ط: سعيد**

(۲) نماز کے بعد۔ [مجاہد] **''ولا يتطوع في الجبانة قبل صلاة العيد وله أن يتطوع بعدها''. (فتاوى قاضي خان على الفتاوى الهندية: ١٨٣/١-١٨٤)**

(ولا يكبر في طريقها ولا يتنفل قبلها مطلقًا)... (وكذا) لا يتنفل (بعدها في مصلاها) فأنه مكروه عند العامة (وان) تنفل بعدها (في البيت جاز). (الدر المختار: ٥٠/٣-٥٢)

==

کیا عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد گھر آ کر نوافل پڑھنا مستحب ہے:

سوال: بعض لوگوں سے سنا ہے عیدالاضحیٰ کے بعد گھر آ کر چار رکعت پڑھنا مستحب ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

الجواب

درست ہے، عالمگیری میں ایسے ہی ہے۔

"**المستحب أن يصلى أربعاً بعد الرجوع إلىٰ منزله، كذا فى الزاد**"، آه. (۱) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۳/ ۱۳۷-۱۳۸)

نماز عید سے پہلے نفلیں پڑھنا:

سوال: عید کی نماز میں جانے سے پہلے اپنے گھر میں چار رکعت نفل پڑھنا مستحب ہے، کیا یہ صحیح ہے اگر صحیح نہیں تو صحیح حکم نوافل قبل العید وبعد العید کا تحریر فرما کر مشکور فرمایا جاوے؟

الجواب

عید سے پہلے نوافل عید گاہ میں جا کر پڑھنا باتفاق درست نہیں۔ جانے سے پہلے اور گھر میں آ کر پڑھنے میں اختلاف ہے اور واضح یہ ہی ہے کہ گھر میں بھی عید سے پہلے نہ پڑھے، نماز عید کے بعد اختیار ہے۔

قال فى الدرالمختار: ولا يتنفل قبلها مطلقا.

وفى رد المحتار: أى سواءٌ كان فى المصلى اتفاقاً أوفى البيت على الأصح وسواء كان ممن يصلى العيد أولاحتىٰ أن المرأة اذا أرادت صلاة الضُحىٰ يوم العيد تصليها بعد ما صلى الإمام فى الجيانة أفاده فى البحر، انتهىٰ. (رد المحتار: ۳/ ۱۳) واللہ اعلم تعالیٰ اعلم (امداد المفتین: ۲/ ۳۴۶-۳۴۷)

تکبیرات تشریق عورتوں کے لیے نہیں ہے:

سوال: تکبیرات تشریق عورتوں کیلئے درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

تکبیرات تشریق عورتوں کے لیے امام صاحب کے مذہب میں نہیں ہیں۔

== (قوله: يتعلق بالتكبير والتنفل) المراد التعلق المعنوى: أى أنه قيد لهما، فمعنى الاطلاق فى التكبير: أى سواء كان سرّاً أو جهرًا وفى التنفل سواء كان فى المصلّى اتفاقًا أو فى البيت فى الأصح، وسواء كان ممن يصلى العيد أولا حتى أن المرأة إذا أرادت صلاة الضحى يوم العيد تصليها بعدما يصلّى الإمام فى الجبانة. (ردالمحتار: ۳/ ۵۰)

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱/ ۷۷

سوال: نماز عید کے بعد گھر پر آ کر نوافل وغیرہ پڑھنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

گھر پر واپس آ کر نوافل پڑھنا درست ہے۔

کما فی الدر المختار: إن تنفل بعدها فی البیت جاز، الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۷/۵)

نماز کے بعد تکبیر تشریق:

سوال: نمازِ عید الاضحیٰ میں سلام کے بعد اور خطبہ سے پہلے تکبیراتِ تشریق پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟

(حافظ محمد مکرم علی رشادی، گلبرگہ)

الجواب

اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان اختلاف رائے ہے، فقہاءِ احناف میں علماء بلخ کی رائے ہے کہ پڑھنی چاہیے۔"**وعليه توارث المسلمين فوجب اتباعه**". (۲) (یہی مسلمانوں کا متوارث عمل ہے، لہٰذا اس کی اتباع واجب ہے۔) (کتاب الفتاویٰ: ۸۵)

تکبیرات تشریق:

السوال: ما قولكم رحكم الله فی تكبيرات أيام التشريق عقب المكتوبات وهو أنه إذا سلموا منها يكبر الإمام منهم أولا مرة وح يستمع من خلفه ساكتين وإذا فرغ منه فيشرعون فی التكبير بالجهر بالأصوات المتحدة والأوزان الواحدة مرة ثم الإمام ثم من خلفه ثانياً وهٰكذا ثلاث مرات متعارفة وأهل العلم فی هٰذه البلاد فی هٰذه المسئلة فرقتان فرقة تقول أن هٰذه العادة هی المشروعية، الخ، وفرقة تقول أن هٰذه العادة لم تكن فی زمن النبی صلی الله عليه وسلم قال كيفية المشروعية فی هٰذه التكبيرات أن يكبر كل واحد من الإمام والمأموم لنفسه علٰی وجه الاستقلال من غير اجتماع فی الأصوات، الخ، فالحق فی هٰذه المسئلة فی أی الفريقين؟

الجواب

أقول وبالله التوفيق: أن قول الفرقة الثانية هو الحق الثابت بالسنة والتوارث وإن قال بعضهم بالاتيان به ثلاث مرات. قال فی الدر المختار نقلاً عن الحموی: إن الاتيان به مرتين خلاف السنة، الخ، فالاختصار علٰی السنة أولٰی واجب وعن الأحداث فی الدين أبعد. (ردالمحتار، باب العيدين فی تكبير التشريق) **الخ. فقط** (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۳۱/۵)

---

(۱)　الدر المختار علی هامش رد المحتار، باب العيدين: ۷۷۸/۱

(۲)　رد المحتار: ۶۳/۳

تکبیر ایام تشریق امام ومقتدی سب کو بآواز بلند کہنی چاہیے:

سوال: زید کہتا ہے کہ تکبیر ایام تشریق امام اور مقتدی کو بآواز بلند کہنا واجب ہے اور بکر کہتا ہے کہ امام آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ کہیں۔ دونوں میں سے کون ٹھیک کہتا ہے؟

الجواب

ایام تشریق کی تکبیریں امام اور مقتدی دونوں کو بآواز بلند کہنی چاہئیں؛ کیوں کہ بعض کے نزدیک جہر کرنا واجب ہے اور بعض کے نزدیک سنت ہے،''**والجهر به واجب وقيل: سنة، كذافي القهستاني**''.(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۵/۳)

نماز عید کے بعد تکبیر پڑھنا جائز ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ ۲۷/جولائی ۱۹۲۸ء)

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر پڑھنا مثل نماز جمعہ کے واجب، یا مستحب، یا ممنوع؟

الجواب

نماز عید کے بعد تکبیر پڑھنا جائز ہے، واجب نہیں اور ناجائز بھی نہیں۔

ولا باس به عقب العيد؛ لأن المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم وعليه البلخيون. (الدرالمختار)(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۵/۳)

تکبیرات تشریق صرف ایک مرتبہ کہنا سنت ہے:

سوال: تکبیر تشریق کا ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایک مرتبہ کہنے کا حکم ہے، زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۳/۵)

تکبیرات تشریق کی قضا نہیں:

سوال: اگر تکبیرات تشریق قضا ہوگئی تو ان کو پھر ادا کرے، یا اس کے تارک پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا؟

---

(۱) رد المحتار، باب العيدين: ۱۷۸/۲، ط: سعيد

(۲) باب العيدين: ۱۸۰/۲، ط: سعيد

الجواب

تکبیرات تشریق اگر اس وقت ترک ہوگئی تو پھر ان کی قضا نہیں ہے، توبہ کرنے سے گناہ اس کے ترک کا معاف ہو جاوے گا۔ (۱) (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۶/۵-۲۰۷)

عید الاضحیٰ میں بعد سلام تکبیر تشریق جائز ہے:

سوال: عید الاضحیٰ کی نماز کے سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تشریق پڑھنی جائز ہے، یا نہیں؟

(المستفتی: مولوی عبد الرؤف خاں، جگن پور، ضلع فیض آباد)

الجواب

ہاں پڑھی جائے تو جائز ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۸/۳)

تکبیرات تشریق جماعت کے بعد ہے، تنہا پڑھنے کے بعد نہیں ہیں:

سوال: زید ایام تشریق کی تکبیریں جو بعد نماز واجب ہیں، ہر نماز میں بھول جاتا ہے اور زید تنہا نماز پڑھتا ہے، آیا تکبیر نہ کہنے سے نماز کچھ نقصان ہوتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایام تشریق کی تکبیریں ان لوگوں پر واجب ہوتی جو جماعت سے نماز ادا کریں اور اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھے تو اس پر تکبیر کہنا واجب نہیں ہے اور اس کی نماز میں تکبیر نہ کہنے سے کچھ نقصان نہیں آتا۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۸/۵-۲۰۹)

تکبیرات تشریق گاؤں میں کہی جائیں:

سوال: گاؤں میں تکبیرات تشریق پڑھنی چاہیے، یا نہیں؟ علمائے کشمیر میں اس بارے میں اختلاف ہے۔ کس کا قول صحیح ہے؟

---

(۱) ردالمحتار باب العیدین مطلب فی تکبیر التشریق: ۷۸۶/۱

(۲) ولا بأس به عقب العيد ،لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم ،وعليه البلخيون و لايمنع العامة من التكبير .(رد المحتار ،باب العيدين : ۱۸۰/۲ ،ط:سعيد)

(۳) ويجب تكبير التشريق مرة ،الخ ،عقب كل فرض بلا فصل أدى بجماعة مستحبة .الخ .(الدر المختار على هامش ردالمحتار ،باب العيدين: ۱۷۷/۲-۱۷۹ ،ظفير)

الجواب

امام ابوحنیفہؒ اہل قریہ پر تکبیر تشریق واجب نہیں فرماتے اور صاحبینؒ واجب فرماتے ہیں ۔

درمختار میں ہے:

ویجب تکبیر التشریق،الخ،علی إمام مقیم بمصر وعلی مقتد مسافر أوقروی،الخ، وقالا:بوجوبه فور کل فرض مطلقا ولومنفردا ومسافرا أو امرأة لأنه تبع لمکتوبة،الخ،وعلیه الاعتماد والعمل والفتوی فی عامة الأمصار وکافةالاعصار،الخ.

(قوله:مقیم بمصر)فلایجب علی قروی ولامسافر،الخ،علی الأصح،بحرعن البدایع أی الأصح علی قول الإمام،الخ،(قوله:وعلیه الاعتماد،الخ) هذا بناء علیٰ أنه إذا اختلف الامام وصاحباه فالعبرة لقوة الدلیل وهوالأصح.(۱)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ معتمد اوراحوط اس بارے میں قول صاحبین ہے کہ اہل قریہ پر واجب ہے کہ تکبیر تشریق کہیں ۔فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۶/۵-۲۱۷)

عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات جہراً پڑھیں، یا سراً:

سوال: نمازعیدالفطر کے لیے عیدگاہ جاتے ہوئے تکبیرات تشریق آہستہ آواز سے پڑھی جائیں، یا اونچی آواز سے؟

الجواب

امام صاحب سے منقول ہے کا آہستہ پڑھیں اور علامہ شیخ قاسم نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے، یہی معمول بنایا جائے۔

ویوم الفطرلایجهر به عنده وعندهمایجهر وهوروایة عنه والخلاف الأفضلیة أما الکراهیة فمنتفیة عن الطرفین،آه،وقدذکرالشیخ قاسم فی تصحیحه:أن المعتدل قول الإمام،آه.(۲)

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ:۱۳۵/۳)

تکبیرات ایام تشریق جماعت سے نماز پڑھنے والوں کے ساتھ خاص ہے، یا یہ حکم عام:

سوال: تکبیر تشریق جماعت سے نماز پڑھنے والوں کے ساتھ خاص ہے، یا منفرد وغیرہم کے لیے بھی عام ہے؟

الجواب

بحر میں مجتبیٰ وجوہرہ سے نقل کیا ہے کہ اس مسئلہ میں فتوی صاحبینؒ کے قول پر ہے کہ ہر فرض نماز پڑھنے والے کے ذمہ

(۱) رد المحتار،باب العیدین: ۷۸٤/۱

(۲) رد المحتار: ۷۷۸/۱/۱

تکبیر تشریق واجب ہے،خواہ جماعت ہو، یا منفرد، مرد ہو یا عورت،شہری ہو، یا دیہاتی؛اس لیے اسی پر عمل احوط ہے۔

قال فی الشرنبلالية والدرالمختار:وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقا ولو منفردا أومسافرا أوامرأة لأنه تبع للمكتوبة إلى عصراليوم الخامس آخرأيام التشريق وعليه الاعتماد والعمل والفتوىٰ فی عامة الأمصار وكافة الاعصار،آه، وتوهم منه رجوع قوله:وعليه الاعتماد إلى مجموع قولهما من بيان الوقت ومن يجب عليه وعندی ذلک راجع إلى بيان الوقت فقط بدليل ما فی متن الوقاية:وتجب تكبيرات التشريق من فجر عرفة عقيب كل فرض أدی بجماعة مستحبة على المقيم بالمصر ومقتدية برجل ومسافر مقتد بمقيم إلى عصر العيد وقالا: إلى عصرآخرأيام التشريق وبه يعمل،آه.(۲٤۸/۱)وبما فی الدرالمختار: وقالا:فوركل فرض مطلقاً سواءٌ أدیٰ بالجماعة أولا وسواء كان المصلی رجلاً أوامرأة أومسافراً أومقيماً فی المصرأوفی القریٰ إلیٰ عصرالخامس من يوم عرفة وبه أی بالتكبير إلیٰ هٰذا الوقت وعدم الاقتصارإلیٰ عصرالعيد يعمل الاٰن احتياطا فی باب العبادات،آه.(١٤٦/١) وبما فی الخلاصة قال ابن مسعود: يكبر إلی صلاة العصرمن أول يوم النحر وبه أخذ أبوحنيفة رحمه اللّٰه وقال علی رضی اللّٰه عنه:إلیٰ صلاة العصرمن آخرأيام التشريق وهو ثلاث وعشرون تكبيرة وبه أخذ أبو يوسف ومحمد وعليه الفتوی وعليه عمل الناس اليوم ثم هذا التكبير على أهل الأمصار فی الصلوات المكتوبات المؤديات وبالجماعة مستحبة،حتی لا يجب على النسوان وإن صلين بجماعة وعندهما على كل من صلی المكتوبة فی هذه الأيام فعليه التكبير،آه.(٢١٥/١) ولم يذكر الفتوی على قولهما فی ذلک ومثله فی الهندية أيضاً وضيع صاحب الهداية يدل علیٰ ترجيح قول الإمام فی بيان من يجب عليه؛لأنه قدم قول الإمام آخر دليله.واللّٰه تعالیٰ أعلم وأصحاب المتون كالكنز والقدوری اقتصروا علیٰ ذكرقول الامام فی بيان من يجب عليه فهوالمذهب ولوكان الراجح قولهما فی ذلک لذكروه كماذكروا قولهما فی الوقت،نعم نقل فی البحر عن المجتبی والجوهرة أن الفتویٰ علیٰ قولهما فی من يجب عليه أيضاً فليحر، وبالجملة الأحوط العمل بقولهما.واللّٰه أعلم

۲۴ /محرم الحرام ۱۳۴۸ھ (امدادالاحکام:۲/۳۹۳-۳۹۴)

احکام فطر وتکبیرات تشریق کب بیان کرے:

سوال: احکام صدقہ فطر اور تکبیر تشریق کے خطبہ میں سنائے جاتے ہیں، حالاں کہ صدقہ نماز سے پیشتر اور تکبیر

تشریق یوم عرفہ سے واجب ہو جاتی ہے، لہذا ایہ احکام جمعہ ماضیہ میں بیان ہونے چاہئیں اور بعض کتب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پہلے خطبہ عیدین کا پڑھتے تھے۔ یہ تقدیم سنت عثمان ہے، یا بدعت مروان؟

الجواب

عیدین کے احکام کو جو عیدین سے جمعہ پہلے ہو، اس میں تلقین بطور وعظ کے مستحسن ہے اور خطبہ میں اردو بیان کرنا مکروہ ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قبل نماز خطبہ پڑھا ہے، اس واسطے کے ان کے وقت میں دور دور سے لوگ حاضر ہوتے تھے۔ اگر نماز پڑھ کر خطبہ پڑھتے تو دور والے شریک نماز نہ ہوتے اور اگر نماز پڑھتے؛ تاکہ باہر والے آجاویں، پھر خطبہ پڑھتے تو خلق کثیر کو گرمی سے تکلیف ہوتی۔ اس واسطے یہ صورت پیدا کی کہ خطبہ اول میں پڑھا کہ شرکت باہر والوں کو حاصل ہو جائے اور خطبہ سے کوئی حاضر محروم نہ رہے اور خطبہ عیدین کا سنت ہے، نہ واجب۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۱-۳۵۲)

عیدالفطر کی تکبیرات کا جہراً پڑھنا:

سوال: کتاب مبسوط امام محمد میں تکبیر عیدالفطر میں امام صاحب کے نزدیک جہر لکھا ہے اور امام صاحب نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع بھی فرمایا ہے کہ تکبیر جہری عیدالفطر میں بھی کہنا چاہیے، یا سری ہی پڑھے؛ کیوں کہ اور کتابوں میں سری تکبیر امام صاحب سے منقول ہے اور فتح القدیر میں دونوں مرقوم ہیں؛ مگر رجوع نہیں لکھا ہوا۔ فقط

الجواب

رجوع کرنا امام صاحب کا جواز تکبیر کا عیدالفطر میں بندہ کو معلوم نہیں؛ مگر عمل کرنا مذہب صاحبین پر بلا کراہت جائز جانتا ہوں اور عوام کو منع جہر کرنے سے تو فقہا نے خود مکروہ لکھا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم (تالیفات رشیدیہ، ص:۳۵۲)

تکبیراتِ تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ کہی جائیں، یا تین دفعہ:

سوال: تکبیر تشریق فرض نماز کے بعد کوئی دو تین دفعہ کہے تو یہ بھی جائز ہے، یا صرف ایک ہی مرتبہ کہنا؟

(المستفتی: محمد شفیع حیدرآباد سندھ)

الجواب

تکبیر تشریق فرضوں کے بعد ایک دفعہ سے زائد کہنا بھی درست ہے۔ **مرة وإن زاد عليها يكون فضلاً.** (الدر المختار) بعض فقہا نے زیادتی کو خلاف سنت قرار دیا ہے۔ (شامی: ۱/۷۸۵)

بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ۳/۱۲۳)

عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق کہی جائے، یا نہ؟ کیوں کہ بعض علماء کو دیکھا ہے کہ نماز کے بعد فی الفور ہی تکبیر کہہ لیتے ہیں، جب خطبہ شروع کرتے ہیں اور بعضوں کو دیکھا ہے کہ نماز پڑھتے ہی تکبیر نہیں کہتے؛ بلکہ ممبر پر چلے جاتے ہیں اور خطبہ شروع کر دیتے ہیں تو آیا ان دونوں صورتوں میں بہتر وفتوی کس پر ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

قال فی الدر: ولابأس به (أی التکبیر) عقب العید؛ لأن المسلمین توارثوه فوجب اتباعهم وعلیه البلخیون، آه. قال الشامی: (قوله: فوجب) الظاهر أن المراد بالوجوب الثبوت لا الوجوب المصطلح، وفی البحر عن المجتبی: والبلخیون یکبرون عقب صلاة العید؛ لأنها تؤدی بجماعة فاشبهت الجمعة، آه، وهویفید الوجوب المصطلح علیه، ط، آه. (۸۷۹/۱)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد تکبیر تشریق بآواز بلند کہنا چاہیے۔ واللہ اعلم

۲۱/ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (امداد الاحکام: ۳۴۸/۲)

جواز زیادت تکبیر تشریق از مرۃ واحد:

سوال: ہمارے یہاں تکبیر تشریق کے متعلق دو فریق ہو گئے، بعض کہتے ہیں کہ تکبیر تشریق نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ اللہ الخ کہنا ہے، اس سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے، اگر اس پر زیادہ کیا تو مستحب ہوگا۔ اب دونوں فریق حضرت والا کے دستخط شدہ جواب کے منتظر ہیں؛ اس لیے امید ہے کہ براہ کرم صورت مسئولہ کا مدلل جواب باصواب سے ممنون فرمادیں؟

الجواب

فی الدرالمختار بعد قوله مرة: وإن زاد علیها یکون فضلا له، العینی.

فی ردالمحتار تحت (قوله: زاد، الخ) أفاد أن قوله مرة بیان للواجب لکن ذکر أبوالسعود أن الحموی نقل عن القراحصاری أن الاتیان به مرتین خلاف السنة، آه.

قلت: وفی الأحکام عن البرجندی ثم المشهور من قول علمائنا أنه یکبر مرة وقیل ثلاث مرات.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مشہور قول مرۃ ہی کا ہے اور قول مقابل ضعیف ہے اور قطع نظر ضعف سے مرۃ والے زیادۃ کو خلاف سنت کہتے ہیں اور اہل زیادت مرۃ کے سنت ہونے پر متفق ہیں۔ پس احتیاط مرۃ ہی میں ہوئی۔

۱۵/محرم الحرام ۱۳۴۷ھ (تتمہ خامسہ: ۶۲۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۱۱۷)

رؤیتِ ہلال کے اختلاف کی بنا پر تکبیراتِ تشریق کا احتیاطی طریقہ:

سوال: رویتِ ذی الحجہ منگل کو برما میں نہیں ہوئی، اس بنا پر نماز عید الاضحیٰ شنبہ کو ادا کی گئی تو کیا قربانی اتوار کو بند کر دینی چاہیے، یا یہاں کے حساب سے دوشنبہ تک ہوسکتی ہے؟ کیا ہندوستان کی رویت برما کے لیے حجت ہوسکتی ہے؟ اور اس صورت میں تکبیر کب تک کہنی چاہیے؛ اس لیے کہ ہماری تیرہویں کو وہاں کی چودھویں ہے، کیا دوشنبہ کو موقوف کردیں، یا بحساب نماز عید الاضحیٰ منگل کی عصر قائم رکھیں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

جب کہ ہندوستان سے متعدد ذرائع سے یہ خبر آجائے کہ وہاں عید کو جمعہ کی ہوئی؛ مگر برما میں باقاعدہ شرعی شہادت نہ پہونچنے کی وجہ سے عید شنبہ کو رکھی گئی تو برما میں احتیاطاً قربانی دوروز میں ختم کرلینا اولیٰ تھا؛ تاکہ ادا ہوجانے میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔(۱) تکبیر برما کی تیرھویں تک کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں؛ کیوں کہ اگر برما کی تیرھویں ہندوستان کی چودھویں بھی ہو، جب بھی تکبیر کہہ دینا ناجائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۴۲/۳-۱۴۳)

ایام تشریق کی تعیین وتحدید:

سوال: شرع شریف کے موافق تکبیر تشریق کب سے کب تک ہے۔ ایک مولوی صاحب فرمارہے ہیں کہ نویں ذی الحجہ کی فجر سے بارھویں کی عصر تک ثابت ہے۔ تیرھویں کی عصر تک تکبیر کہنا فضول ہے۔ محقق تحریر فرماکر ماجور ہوں؟

حامدًا ومصليًا الجواب ــــــــــ وبالله التوفيق

"في الدر المختار على الشامي:

"أوله (من فجر عرفة) وآخره (إلٰى عصر يوم العيد)... (آخر أيام التشريق وعليه الاعتماد) والعمل والفتوٰى في عامة الأمصار وكافة الأعصار". (۸۷۹/۱)(۲)

وفي البحر: "ينتهي بالتكبير عقب العصر من آخر أيام التشريق وهي ثلاث وعشرون صلاةً". (۱٦٥/۲)(۳)

وفي التفسيرات الأحمدية: هو التكبير في أدبار الصلاة وذلك واجب علٰى من صلٰى

---

(۱) وإذا شك في يوم الأضحٰى فالمستحب أن لا يؤخر إلٰى اليوم الثالث" الخ. (الفتاوىٰ الهندية، الباب الثالث في وقت الأضحية: ۲۰۹/۵)

(۲) الدر المختار، باب العيدين: ٦٤/۳

(۳) البحر الرائق، باب العيدين، تحت وسن بعد فجر عرفة إلٰى ثمان مرة: الله، الخ: ۱٥٦/۲

بجماعة من فجر عرفة إلیٰ عصر العيدعنده وإلیٰ عصر آخر أيام التشريق عندهما وبه يعمل، فيكون الأمر للوجوب''.(۱)

تیرہویں تاریخ کی عصر تک جملہ تیئیس نمازوں میں تکبیر کہنا واجب ہے۔ یہ مذہب صاحبین کا ہے اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ اور حضرت علیؓ سے بھی یہی منقول ہے۔(۲)

اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عرفہ کی فجر سے عید کی عصر تک کل آٹھ نمازوں کے بعد تکبیر واجب ہے اور یہی مذہب ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا؛ لیکن عبادات میں اکثر اختیار کرنا بہتر ہے اور اصول میں مقرر ہے کہ جب کوئی چیز بدعت و وجوب میں دائر ہو تو اس کا کرنا اختیار کیا جاوے؛(۳) اس لیے فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے اور یہی قول معتمد ہے اور ہر زمانہ میں عام اسلامی شہروں میں اسی پر عمل ہے، لہٰذا تیرہویں کی عصر سے پہلے تکبیروں کو ترک کرنا اور دوسروں کو منع کرنا ناجائز اور مناع للخیر بنتا ہے۔

قال الفقيه أبو جعفر: والذى عندى أنه لاينبغى إن تمنع العامة عنه لقلة رغبة فى الخير وبه نأخذ. (ردالمحتار: ۸۷۹/۱)(۴) **والله تعالیٰ أعلم وعلمه أتم وأحكم** (مرغوب الفتاویٰ: ۱۴۳/۳-۱۴۵)

عیدالفطر میں تکبیر تشریق جہرا کہنے کا حکم:

سوال: بعض عیدگاہوں میں دستور یہ ہے کہ بروز عیدالفطر پہلے ایک شخص بآواز بلند تکبیر کہہ کر خاموش ہوجاتا ہے، اس کے سب حاضرین متفقہ طور پر بآواز بلند تکبیر کہتے ہیں، ان سب کے خاموش ہوجانے کے بعد پھر وہی پہلا شخص تنہا بآواز بلند مثل سابق تکبیر کہتا ہے اور اس کے خاموش ہونے پر جملہ حاضرین مثل سابق آواز ملا کر تکبیر کہتے

---

(۱) تفسير الأحمدية، ص: ۹۸، تحت قوله: ﴿واذكر والله فى أيام معدودات﴾

(۲) (وقالا بوجوبه فور كل فرض مطلقًا) إلیٰ عصر اليوم الخامس، (در)

وفى الشامى: ''(قوله: أوله، إلخ) وهو قول عمر وعلى رضى الله عنهما. (ردالمحتار، مطلب: المختار أن الذبيح إسماعيل: ۶۴/۳)

وسن التكبير، من فجر يوم عرفة إلیٰ عصر آخر أيام التشريق بعد صلوات مفروضات عندهما، وعند الإمام أبى حنيفة رحمه الله إلیٰ عصر العيد، والفتوىٰ علیٰ قولهما، والمسئلة مختلفة بين الصحابة رضى الله عنهم أجمعين'' إلخ ''فأخذ الإمام أبو حنيفة بمذهب ابن مسعود رضى الله عنه وهما أخذا بقول الأمير المؤمنين على كرم الله وجهه، وهو أحوط ولذا أفتوا به''. (رسالة الأركان، ص: ۱۲۲، فصل فى العين، بيان أن التكبير سنة فى أيام النحر)

(۳) إن ما تردد بين الواجب والبدعة يأتى به احتياطاً وما تردد بين البدعة والسنة يترك. (الفتاویٰ الهندية، الباب الثانى والعشرون فى السجدات: ۱۶۹/۲)

(۴) ردالمحتار، باب العيدين، مطلب: كلمة لا بأس قد تستعمل فى المندوب: ۶۵/۳

ہیں، یہ سلسلہ اسی طرح نماز عید شروع ہونے تک جاری رہتا ہے۔ پس ارشاد ہو کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک عیدالفطر میں بآواز بلند تکبیر کہنا اور اس کے ساتھ ہی ہیئت متعارفہ مذکورہ کو اختیار کرنا کیسا ہے، آیا مباح ہے، یا مستحب، یا سنت، یا واجب، یا مکروہ، یا حرام؟ امام اعظم کے علاوہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی کے نزدیک اس کا ثبوت ہے، یا نہیں؟ تکبیر یہ ہے: " الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد".

الجواب

قال في مراقي الفلاح: ثم يتوجه إلى المصلى ماشياً مكبراً سراً، قال عليه السلام: خير الذكر الخفي وعندهما جهراً أوهو رواية عن الامام وكان ابن عمررضي الله عنه يرفع صوته بالتكبير ويقطعه أي التكبير إذا انتهى إلى المصلى في رواية جزم بها في الدراية وفي رواية إذا افتتح الصلاة، كذا في الكافي وعليه عمل الناس، قال أبوجعفر: وبه أخذ، آه. قال الطحطاوي في حاشيته: قال الطحاوي: ذكرابن ابي عمران عن أصحابنا جميعا أن السنة عندهم يوم الفطر أن يكبرفي طريق المصلى وهو الصحيح، آه. (ص: ۳۰۸)

وفي رد المختار: وجزم في البدائع بالأولى وعمل الناس في المساجد على الرواية الثانية، آه. (۸۷۵/۱)

قال الطحطاوي في حاشية مراقي الفلاح: (قوله: وعندهما جهرا) قال الحلبي: الذي ينبغي أن يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه لا في كراهته وعدمها فعندهمايستحب الجهر وعنده الاخفاء أفضل و ذلك؛ لأن الجهرقد نقل عن كثيرمن السلف، آه، (قوله: وكان ابن عمر يرفع صوته بالتكبير) أجيب عنه من طرف الامام بأنه قول صحابي فلا يعارض به عموم الآية القطعية أعني قوله: وإذا كرر بك في نفسك (إلى قوله) دون الجهر، آه. (ص: ۳۰۹)

اصل مذہب امام ابوحنیفہ کا یہ ہے کہ عیدالفطر میں تکبیر آہستہ کہی جاوے اور عیدگاہ میں پہونچ کر شروع صلوٰۃ تک اس کو مستمر رکھے تو بعض روایات پر اس کی گنجائش تو ہے؛ مگر آواز ملا کر تکبیر کہنا جس سے عادۃً غیر معمولی شور پیدا ہوجاتا ہے، خلاف سنت ہے اور بدعت ہے اور قابل ترک ہے۔

قال صلى الله عليه وسلم: اربعوا على أنفسكم فأنكم لاتدعون أصم ولا غائباً.

اگر جہر ہی کرنا ہو اور نماز تک تکبیر کو مستمر رکھنا ہو تو ہر شخص کیف ما اتفق الگ الگ تکبیر کہتا رہے اور اتنا جہر کرے کہ دو تین آدمی آس پاس والے سن لیں، نہ زیادہ جہر کرے، نہ آواز ملانے کا اہتمام کرے۔ واللہ اعلم

۲/ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ (امدادالاحکام: ۳۵۹/۲-۳۶۰)

تکبیرات تشریق کے سلسلہ میں امام صاحبؒ کا قول احوط ہے یا صاحبین کا:

سوال: تکبیرات تشریق کے بارہ میں امام صاحب کا یہ مذہب ہے کہ مقیم ہو اور شہر میں ہو اور فرض نماز جماعت مستحبہ سے پڑھے، اس پر تکبیر تشریق واجب ہے اور صاحبینؒ مطلقاً واجب فرماتے ہیں، خواہ مرد ہو، یا عورت، یا منفرد، یا مسافر، اس صورت میں احوط اور اولیٰ کیا ہے؟

الجواب

یہ ظاہر ہے کہ صاحبین کا قول احوط ہے اور عمل کرنا اس پر مختار اور احوط ہے؛ مگر وجوب کے بارے میں اکثر علماء نے مذہب امام صاحب کو اختیار فرمایا ہے؛ یعنی وجوب انھیں شرائط کے ساتھ۔ باقی اگر منفرد ومسافر وغیرہ بھی تکبیر تشریق کہہ لیویں تو کچھ حرج نہیں ہے؛ کیوں کہ اس پر فتوی دیا گیا ہے۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۱۹/۵)

عیدگاہ میں جہر سے تکبیر کہنا کیسا ہے:

سوال: عید کے دن عید کی نماز سے پہلے عیدگاہ میں، یا مسجد میں پکار پکار کر (جہر سے) تکبیر کہنا درست ہے، یا نہیں؟ بعض جگہ یہ دستور ہے کہ جب تک لوگ نماز عید کے لیے جمع ہوتے ہیں، ایک شخص ان جمع شدہ اشخاص میں سے پکار کر تکبیر کہتا ہے، پھر اس کے جواب میں سب مجمع کا مجمع تکبیر کہنے لگے۔

درمختار میں ہے:

”ولایکبر فی طریقها، الخ.

شامی میں ہے:

(قوله: فی طریقها) لیس التقیدبه للاحتراز عن البیت أو المصلی وإنما هو لبیان المخالفة بین عیدالفطر والأضحیٰ فإن السنة فی الاضحی التکبیر فی الطریق، کماسیأتی، الخ۔(۲)

کبیری شرح منیہ میں اس بارے میں آثار مختلفہ نقل کئے ہیں، حیث قال:

---

(۱) ویجب تکبیر التشریق، الخ، علی إمام مقیم بمصر وعلی مقتد مسافر أو قروی أو امرأة بالتبعیة، الخ، وإلا بوجوبه فور کل فرض مطلقا ولو منفرد أو مسافرا أو امرأة لأنه تبع للمکتوبة، الخ، وعلیه الأعتماد والعمل والفتویٰ فی عامة الأمصار وکافة الأعصار. (الدرالمختار)

(قوله: لأنه تبع للمکتوبة فیجب علی کل من تجب علیه الصلاة المکتوبة، (قوله: وعلیه الأعتماد، الخ) هذا بناءً اعلی أنه إذا اختلف الإمام أوصاحباه فالعبرة لقوة الدلیل وهو الأصح (ردالمحتار، باب العیدین، مطلب فی تکبیر التشریق: ۱۷۷/۲-۱۸۰، ظفیر)

(۲) ردالمحتار، باب العیدین: ۱٦٦/۲، ظفیر

"نعم روى الدارقطني موقوفا عن نافع أن ابن عمر كان إذا غدا يوم الفطر ويوم الأضحى يجهر بالتكبير،حتى يأتي المصلى ثم يكبر،حتى يأتي الامام وقال البيهقي:الصحيح وقفه على ابن عمر وهو قول صحابي قد عارضه قول صحابي آخر،روى ابن المنذر عن ابن عباس أنه سمع الناس يكبرون فقال لقائده: أكبر الامام، قيل: لا، قال افجن الناس أدركنا مثل هذا اليوم مع النبي صلى الله عليه وسلم فما كان أحد يكبر قبل الإمام فيبقى مفاد الآية بلامعارض". (۱)

اورآیۃ سے مراد یہ آیۃ ہے:﴿واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر﴾ (الآية) حيث قال قبيله: ولأبي حنيفة إن رفع الصوت بالذكر بدعة مخالف للأمر في قوله تعالىٰ واذكر ربك في نفسك تضرعا وخيفة ودون الجهر إلا ماخص بالإجماع. (۲)

ثم ذكر الجواب عن استدلال الصاحبين.

اور درمختار میں ہے:

(وقال: الجهرية سنة كالأضحىٰ و هي رواية عنه ووجهها ظاهر قوله تعالىٰ﴿ولتكملوا العدة ولتكبروا الله علىٰ ما هداكم﴾ ووجه الأولىٰ أن رفع الصوت بالذكر بدعة، فيقتصر علىٰ مورد الشرع،الخ. (قال الشامي:فيقتصر على مورد الشرع) وهوما في البحر عن القنية: التكبير جهراً في غير أيام التشريق لايسن إلا بازاء العدو أو اللصوص،الخ. (۳)

الغرض یہ صورت جو سوال میں ہے، اختراع ہے، اس کو ترک کرنا چاہیے اور روکنا چاہیے۔ فقط واللہ اعلم

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۳/۵-۲۰۴)

تکبیرات تشریق فرض نماز کے بعد صرف ایک مرتبہ ہے:

سوال: ایام تشریق میں تکبیر ہر نماز فریضہ کے بعد کہی جاتی ہے۔ زید کہتا ہے کہ ایک مرتبہ کہنا واجب ہے اور عمر کہتا ہے کہ تین مرتبہ کہنا چاہیے۔ اس صورت میں حق پر کون ہے؟

الجواب

تکبیر تشریق ایک دفعہ کہنا واجب ہے، اس سے زیادہ واجب نہیں ہے اور درمختار میں عینی سے نقل کیا ہے کہ زیادہ کہنے میں فضیلت اور ثواب ہے، کچھ حرج نہیں ہے؛ لیکن شامی میں ابوالسعود سے نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ سے زیادہ کہنا خلاف سنت ہے۔ پس بہتر ہے کہ ایک دفعہ پر اکتفا کیا جائے۔

(۱-۲) غنية المصلى،ص:۵۲۵

(۳) دیکھئے: ردالمحتار،باب العيدين: ۱۷۰/۲،ظفير

عبارت شامی کی یہ ہے:

"أن الاتيان به مرتين خلاف السنة،الخ. (١/٥٦٣) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۰۳-۲۰۴)

ایام تشریق کے علاوہ دیگر ایام میں تکبیرات تشریق کہنا:

(۱) ایک شخص ایام تشریق کے علاوہ غیر دنوں میں بھی فرض نماز کے بعد تکبیرات تشریق بآواز بلند کہا کرتا ہے۔ جائز ہے، یا نہیں، یا بدعت ہے؟

تکبیر اقامت درود پڑھ کر بآواز بلند کہنا:

(۲) تکبیر (اقامت) درود پڑھ کر کہنا وہ بھی بآواز بلند کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

(۱) تکبیر کہنا ایام تشریق میں تو واجب ہے؛ لیکن اور ایام میں حدیث وفقہ سے تکبیر مذکور پڑھنا ثابت نہیں ہے۔

(۲) یہ بھی ثابت نہیں ہے، عبادات میں وہی کام کرنا چاہیے، جو حدیث وفقہ سے ثابت ہو، بالخصوص فرائض میں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

ابوالمحاسن محمد سجاد کان اللہ لہ، ۲۱/۱۱/۱۳۴۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۱/۴۵) ☆

☆ **عیدالاضحیٰ کے دنوں میں فرائض کے تکبیرات کا اہتمام ووجوب:**

حضرت عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے: "اللہ کے نزدیک کوئی دن اور ان کا کوئی عمل ان دنوں؛ یعنی ذی الحجہ کے دس دنوں سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، لہٰذا ان میں تہلیل (لا الہ الا اللہ کہنے) کی اور تکبیر (اللہ اکبر کہنے کی) اور اللہ کے ذکر کی کثرت کرو"۔ (عن ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامن أيام أفضل عند الله ولا العمل فيهن أحب الى الله عزوجل من هٰذه الأيام يعني من العشرة، فأكثروا فيهن من التهليل والتكبير ذكر الله. (رواه الطبراني والبيهقي، اعلاء السنن: ٨/١٢٨-١٢٩) (وذكره الحافظ في الفتح: ٢/٤٦١، ونسبه إلٰى شعب البيهقي ورواه الطبراني في الكبير: ١١/٨٣، وذكره في الترغيب: ٢/١٩٨-١٩٩، وقال: باسناد جيد)

اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ارشاد مروی ہے: "کوئی دن اللہ کے نزدیک ایسا نہیں کہ جس میں ان دس دونوں (عشرہ ذی الحجہ) سے زیادہ ان کو نیک عمل پسند ہو لہٰذا ان میں تہلیل وتکبیر اور تحمید کی کثرت ہو"۔ (عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم "ما من أيام أحب الى اللّٰه فيهن العمل الصالح من هٰذه الأيام العشرة وأكثروا فيهن التكبير والتهليل والتحميد". (رواه ابن أبي شيبة: ١/٣٢٧، رواه أحمد: ٢/٧٥، وذكره الحافظ في الفتح: ٢/٤٦١، ورجاله ثقات)

بعض صحابہ وتابعین سے مروی ہے کہ آیت ﴿واذكروا الله في أيام معدودات﴾ (البقرة: ٢٠٣) سے نمازوں کے بعد ورایام تشریق کے اندر تکبیر اور اللہ اکبر کہنا مراد ہے۔ (إعلاء السنن: ٨/١٢٠-١٢٣، الدر المنثور: ١/٥٦٢) ==

== بلکہ ابوبکرابن العربی نے تو لکھا ہے کہ فقہاء امصار اور صحابہ وتابعین کا اس پر اتفاق واجماع ہے کہ اس آیت سے یہی مراد ہے۔ (أحكام القرآن لابن العربی: ٦٠/١) چناں چہ متعدد حضرات کے اس عمل کے ساتھ اس آیت کی رعایت اور اس پر عمل کو نقل کیا گیا ہے۔(إعلاء السنن: ١٢٣/٨)

تکبیرات تشریق کا وقت والفاظ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق مروی ہے: ''وہ یوم عرفہ (۹/ذی الحجہ) کی نماز فجر سے آخری ایام تشریق (۱۳/ذی الحجہ) کی نماز عصر تک یعنی نماز عصر کے بعد تک تکبیر کہا کرتے تھے''۔(عن علی رضی اللّٰہ عنه أنه كان يكبر بعد صلاة الفجر يوم عرفة إلٰى صلاة العصر من آخر أيام التشريق ويكبر بعد العصر.(رواه ابن أبی شيبة والحاكم،إعلاء السنن: ١٢٠/٨،مصنف ابن أبی شيبة: ١٩٥/٤،المستدرک: ٢٩٩/١،كتاب العيدين وصححه الحاكم وأقره عليه الذهبی،وقال الحافظ فی الدراية(٢٢٢/١،إسناده صحيح، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ عباسؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ (المستدرک: ٢٩٩/١،صححه الحاكم ووافقه الذهبی،ابن أبی شيبة: ١٩٧/٤)

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما سے تکبیر کے الفاظ یوں نقل کئے گئے ہیں: ''اللّٰہ أكبر اللّٰہ أكبر لا اله الا اللّٰہ واللّٰہ أكبر وللّٰہ الحمد''.(أخرجه ابن أبی شيبة: ١٩٥/٤،١٩٦،٢٠٠)قال الزيلعی(نصب الرأية،كتاب الصلاة،فصل فی تكبرات التشريق):إسناده جيد وصححه الحافظ فی الدراية(٢٢٢/١)

امام صاحب کے نزدیک تکبیرات تشریق صرف اس شخص کے لیے ہیں، جو فرض نماز با جماعت ادا کرے، اگر چہ مسبوق ہو، جب کہ صاحبین وغیرہ کے نزدیک عموم ہے، جیسا کہ معروف ہے۔ امام صاحب کی دلیل مصنف ابن ابی شیبہ (۲۴۰/۴) میں مذکور ابراہیم نخعی کے آثار ہیں، جن سے نماز با جماعت کی صورت میں ہی تکبیر کہنا منقول ہے اور اسی لیے مسبوق کے حق میں بھی منقول ہے اور روات ثقہ مضبوط ہیں۔

عیدین کے موقع سے تکبیر کی کثرت نماز عیدین کے لیے جاتے ہوئے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد نبوی مروی ہے: ''اپنی عیدوں کو تکبیر سے مزین کیا کرو''۔(عن أبی هريرة رضی اللّٰه عنه قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم ''زينوا أعيادكم بالتكبير''.(رواه الطبرانی فی الصغير والأوسط،إعلاء السنن: ٩٦/٨)مجمع الزوائد (٢٠٠/٢) باب التكبير فی العيدين وفيه:عمر بن راشد ضعفه أحمد بن حنبل وابن معين والنسائی،وقال العجلی لا بأس به،قال فی الأعلاء بعد هٰذا:فهو حديث حسن علٰى ما أصلناه مراراً)

زہریؒ سے مروی ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کے دن نکلتے تو گھر سے نکلنے سے لے کر عیدگاہ پہنچنے تک تکبیر کہتے رہتے تھے''۔(عن الزهری قال:''كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يخرج يوم الفطر فيكبر من حين يخرج من بيته حتٰى يأتی المصلی''.(رواه أبو بكر بن النحاد،إعلاء السنن: ٩٧/٨)عند ابن أبی شيبة:فإذا قضٰى الصلاة قطع التكبير.(مصنف ابن أبی شيبة(١٩٣/٤)وفی إعلاء السنن(٩٧/٨)عند ابن أبی شيبة صحيح مع ارساله وهو حجة عندنا،ونعد الكل إذا اعتضد وهٰهنا كذلک فإنه اعتضد بفعل الصحابة،وأيضا رواه الدار قطنی عن ابن عمر مرفوعاً وسيأتی)

یہ مضمون عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے۔(عن ابن عمر ''أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم كان يكبر فی الفطر من حين خرج من بيته حتٰى يأتی المصلی''.(أخرجه الدارقطنی،إعلاء السنن: ٩٣/٢،سنن الدارقطنی (العيدين) ورواه عنه ابن خزيمة أيضاً(أبواب العيدين،باب التكبير والتهليل فی الخروج الی المصلی) بسند فيه عبد اللّٰه بن عمر العمری لكنه من رجال مسلم مع القول بضعفه) ==

عیدین میں جماعتِ ثانیہ کا جواز:

سوال: ہمارے یہاں برطانیہ میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر بڑا مجمع ہونے کی بنا پر ایک ہی جگہ پر دو، یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے، یہاں کا موسم خصوصاً ایام سردی میں ایسا نہیں ہوتا کہ اس میں باہر کھلی جگہ میں نماز کا بندوبست کیا جائے، نیز عام طور پر مسجد کے متصلاً ایسی جگہیں نہیں ہوتیں کہ مسجد کی نماز کے ساتھ ہی باہر انتظام کیا جاسکے، بعض بعض جگہوں پر بعض موسموں میں باہر بھی نماز کا انتظام ہوتا ہے؛ لیکن بہت سی جگہوں پر جگہ کی تنگی اور مجمع کی کثرت کے پیش نظر ایک ہی جگہ پر متعدد مرتبہ نماز کا انتظام کرنا پڑتا ہے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے کہ نہیں؟ رہنمائی فرمائیں۔

جنابِ والا کی جان کاری کے لیے یہ بھی لکھنا مناسب ہے کہ یہاں جن جگہوں پر نمازِ عید ہوتی ہے، اس کی تین صورتیں ہیں:

(۱) مسجد جو عرفاً وشرعاً مسجد ہے اور انتظامیہ کمیٹی نے جس کے مسجد شرعی ہونے کی نیتیں کر رکھی ہیں، چاہے وہ مستقلاً مسجد تعمیر کی گئی، یا کوئی دوسرا مکان خرید کر اس میں مسجد شرعی کی نیت کر لی گئی۔

(۲) عبادت گاہ، مصلیٰ PRAYERHALL کوئی عمارت تعمیر کی گئی، یا خریدی گئی، جس میں پنج گانہ نماز اور جمعہ بھی ادا ہوتا ہے؛ لیکن انتظامیہ کمیٹی نے ابھی اس کی باقاعدہ مسجدِ شرعی ہونے کی نیت نہیں کی ہے؛ لیکن روزانہ کی نماز اور نماز جمعہ برابر ادا ہو رہی ہے، اگر چہ بہت سی جگہوں پر ایسی عمارت کو بھی لوگ اپنے عرف اور بول چال میں مسجد کا نام دیتے ہیں؛ لیکن حقیقت میں ابھی تک وہ مسجدِ شرعی نہیں ہے۔

(۳) محض عیدین کے خاطر بڑے ہال، یا کمرے عید کے دن کے لیے اجرتاً، یا عاریتاً لے لیے جاتے ہیں اور کبھی موسم سازگار ہو تو کھلی جگہ میں بھی عید کی نماز کا انتظام ہوتا ہے۔

ان تینوں صورتوں میں دو، یا تین، یا متعدد مرتبہ ایک ہی جگہ پر عید کی نماز قائم کرنے کا حکم تفصیل سے مرحمت فرمائیں؟

(نوٹ) ہر جماعت میں الگ امام کا انتظام کیا جاتا ہے۔

== حضرت نافع علیہ الرحمہ سے مروی ہے: ”ابن عمر رضی اللہ عنہما عید الفطر وعید الاضحیٰ کی صبح کو عید گاہ کے لیے نکلتے تو عید گاہ آنے تک (یعنی راستے میں) اور وہاں پہونچنے کے بعد امام کے نکلنے (یعنی نماز شروع ہونے) تک بلند آواز تکبیر کہتے رہتے تھے“۔ (عن نافع عن ابن عمر ”أنه كان اذا غدا يوم الفطر ولا يوم الأضحى يجهر بالتكبير حتى يأتي المصلى ثم يكبر حتى يأتي الامام“. (أخرجه الدارطني والبيهقي، إعلاء السنن: ۹۳/۸) الدارقطني، كتاب العيدين وسنن الكبرىٰ للبيهقي (۲۷۹/۳) باب التكبير ليلة الفطر، وقال البيقهي: الصحيح عنه موقوف وروى مرفوعاً من وجهين وقال: وروى عن علي وجماعة من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

الجواب ــــــــــــــــــــــ حامداً ومصلياً ومسلماً

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة فى مسجد محلة، لافى مسجد طريق أو مسجد لا إمام له ولامؤذن. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ١/٤٠٨-٤٠٩)

قال الشامى: (قوله:ويكره)أى تحريما لقول الكافي لايجوز والمجمع لايباح، وشرح الجامع الصغير إنه بدعة، كما فى رسالة السندى،(قوله:بأذان وإقامة،الخ) عبارته فى الخزائن: اجمع مما هنا ونصبها يكره تكرار الجماعة فى مسجد محلة بأذان وإقامة إلا إذا صلى بهما فيه أوّلاً غير أهله أو أهله لكن بمخافتة الأذان ولو كرر أهله بدونهما أوكان مسجد طريق جاز إجماعا كما فى مسجد ليس له إمام ولا مؤذن ويصلى الناس فيه فوجا فوجا، فإن الأفضل أن يصلى كل فريق بأذان وإقامة على حدة،كما فى أمالى قاضى خان،آه،ونحوه فى الدرر والمراد بمسجد المحلة ما له إمام وجماعة معلومون، كما فى الدرر وغيرها، قال فى المنبع: والتقييد بالمسجد المختص بالمحلة احتراز من الشارع، وبالاذان الثانى احتراز عما إذا صلى فى مسجد المحلة جماعة بغير أذان حيث يباح إجماعا،آه،ثم قال فى الاستدلال على الإمام الشافعى النافى للكراهة ما نصه: ولنا أنه عليه الصلاة و السلام كان خرج ليصلح بين قوم فعاد إلى المسجد وقد صلى أهل المسجد فرجع إلى منزله فجمع أهله وصلى ولوجاز ذلک لما اختار الصلاة فى بيته على الجماعة فى المسجد، ولان فى الاطلاق هكذا تقليل الجماعة معنىً فإنهم لا يجتمعون إذا علموا أنها لا تفوتهم وأما مسجد الشارع فالناس فيه سواء لا اختصاص له بفريق دون فريق،آه، ... وقدمنا فى باب الأذان عن آخر شرح المنية عن أبى يوسف أنه إذا لم تكن الجماعة على الهيئة الأولىٰ لا تكره وإلا تكره وهو الصحيح وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة،كذا فى البزازية،انتهى.وفى التاتارخانية عن الولوالجية:وبه نأخذ.(ردالمحتار: ١/٤٠٨-٤٠٩)

بل يكره فعلهما، وتكرار الجماعة إلا فى مسجد على طريق، فلا بأس بذلک،جوهرة. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ١/٢٩١)

قال الشامى: (قوله:وتكرار الجماعة) لماروى عبد الرحمن بن ابى بكرعن أبيه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خرج من بيته ليصلح بين الأنصار، فرجع وقد صلى فى المسجد بجماعة، فدخل رسول اللّٰه ا فى منزل بعض أهله، فجمع أهله فصلى بهم جماعة، ولو لم يكره تكرار الجماعة فى المسجد لصلى فيه، وروى عن انس أن أصحاب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم كانو ا إذا فاتتهم الجماعة فى المسجد صلوا فى المسجد فرادى، ولأن التكرار يؤدى إلى تقليل

الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة يتعجلون فتكثر وإلا تأخروا،آه، بدائع، وحينئذ فلو دخل جماعة المسجد بعد ما صلى أهله فيه فإنهم يصلون وحدانا وهو ظاهر الرواية،ظهيرية، وفى آخر شرح المنية: وعن أبى حنيفة لو كانت الجماعة أكثر من ثلاثة يكره التكرار،وإلا فلا، وعن ابى يوسف إذا لم تكن على الهيئة الأولىٰ لاتكره وإلا تكره وهو الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة،كذا فى البزازية،آه، وفى التاترخانية عن الولوالجية وبه نأخذ وسيأتى فى باب الإمامة إن شاء اللّٰه تعالىٰ لهذه المسئلة زيادة كلام.(ردالمحتار: ۲۹۱/۱)

عمدۃ الفقہ میں ہے:

''محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت مکروہ تحریمی ہے؛یعنی اگر محلّہ کی مسجد جس میں امام اور جماعت کے وہ لوگ جو ہمیشہ آنے والے اور مقرر ہیں، بلند آواز سے اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھ چکے ہوں تو اب وہاں اذان واقامت کے ساتھ دوبارہ جماعت کرنا مکروہ تحریمی ہے،امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے تو مکروہ نہیں اور محراب کے بدلنے سے؛یعنی جس جگہ پہلے امام نے نماز پڑھی ہے،دوسرے امام کے اس جگہ سے ہٹ کر کھڑا ہو جانے سے ہیئت بدل جاتی ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے،(پس اگر کبھی کبھی ایسا موقع پیش آئے تو اس پر عمل کر لیا جائے اور التزام کے ساتھ دوسری جماعت نہ کی جائے؛ تاکہ پہلی جماعت میں کمی وسستی واقع نہ ہو جائے، ورنہ ہیئت بدلنے پر بھی مکروہ تحریمی ہی ہونی چاہیے، پہلی جماعت کا ثواب ہر حال میں زیادہ ہے اور دوسری جماعت میں اختلاف بھی ہے؛ اس لیے اس کا اہتمام نہایت ضروری ہے اور ہیئت بدل کر دوسری جماعت کر لینے کی اجازت ضرورۃً کبھی کبھار کے لیے ہے۔(واللہ اعلم مؤلف) اگر محلّہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی، یا آہستہ اذان ہوئی، یا اس مسجد کے مقررہ امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کی جائے اور یہ جماعت پہلی جماعت کہلائے گی، جماعتِ ثانیہ نہیں کہلائے گی،جس مسجد کا امام اور مؤذن اور جماعت مقرر نہیں ہے، جیسے عام راستے کی مسجد، یا اسٹیشن، یا سرائے کی مسجد، پس اس میں اذان اور جماعت کا تکرار بلا کراہت جائز ہے؛ بلکہ افضل یہ ہے کہ ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز پڑھے''۔(عمدۃ الفقہ :۱۸۱/۲)

کتب فقہ کی ان عبارتوں سے جو پیش کی گئیں، چند باتیں مستفاد ہوتی ہیں:

(۱)　جماعت ثانیہ کی کراہت مسجد محلّہ کے ساتھ مخصوص ہے؛ اس لیے وہ جگہ جہاں جماعت ثانیہ کی جا رہی ہے مسجد شرعی ہی نہیں تو تکرار جماعت مکروہ نہیں۔

(۲):　نیز اگر وہ مسجدِ شرعی تو ہے؛لیکن مسجد محلّہ نہیں ہے تو اس صورت میں جماعتِ ثانیہ مکروہ نہیں۔مسجد محلّہ کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جس میں امام اور جماعت کے لوگ ہمیشہ کے آنے والے اور مقرر ہوں؛ اس لیے اگر وہاں کا کوئی

امام مقرر نہیں اور وہاں کے نماز پڑھنے والے بھی متعین نہیں، جیسے عام راستہ کی مسجد، یا اسٹیشن، یا سرائے کی مسجد جس میں غیر متعینہ اشخاص نماز پڑھتے ہیں، اس میں جماعت کا تکرار بالاتفاق مکروہ نہیں؛ بلکہ وہاں تو نماز کے لیے آنے والا ہر گروہ جداگانہ اذان واقامت سے نماز پڑھے، اس کو افضل قرار دیا گیا۔

(۳): مسجد محلّہ میں بھی بعض صورتیں مکروہ نہیں، مثلاً محلّہ کی مسجد میں پہلی جماعت بغیر اذان کے ہوئی، یا اس مسجد کے مقرر امام اور نمازیوں کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جماعت کی تو ان صورتوں میں دوبارہ جماعت کرنے کا حکم ہے اور یہ دوبارہ کی جانے والی جماعت ہی پہلی جماعت کہلائے گی، اس کو جماعت ثانیہ کہہ کر اس پر کراہت کا حکم نہیں لگے گا۔

(۴) نیز دوسری جماعت کی کراہت کی علت یہ بتلائی گئی ہے کہ اگر دوسری جماعت کی بلا کراہت اجازت دے دی گئی تو یہ چیز پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث ہوگی؛ اس لیے کہ اس صورت میں پہلی جماعت کے لیے حاضری کا اہتمام لوگ اس لیے نہیں کریں گے کہ ان کو اطمینان ہے کہ ہم جب بھی جائیں اپنی جماعت کر کے نماز پڑھ لیں گے، اس طرح ان کو جماعت کے فوت ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں رہے گا اور یہ چیز ان کے لیے پہلی جماعت میں حاضری سے سستی اور کاہلی کا سبب بنے گی، اس کے برخلاف جب ان کو یہ معلوم ہوگا کہ دوسری جماعت مکروہ ہے تو وہ لوگ اہتمام اور تاکید کے ساتھ پہلی جماعت میں حاضری کی کوشش کریں گے۔

مذکورہ علتِ کراہت کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں یہ علت موجود نہ ہو کراہت کا حکم جاری نہیں ہوگا، چناں چہ مسجد سوق میں تعدد جماعت کی اجازت؛ بلکہ افضلیت اسی لیے ہے کہ وہاں یہ علت موجود نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر آپ کے سوال کا حل پیش کیا جارہا ہے۔

آپ نے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقعہ پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے ایک ہی جگہ پر دو، یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنے کے سلسلہ میں حکم شرعی دریافت کیا ہے، اولاً تو یہ بات ذہن نشین رہے کہ جماعت ثانیہ کی کراہت والا حکم حضرات فقہاء نے جہاں بھی بیان کیا ہے، وہاں فرائض پنج گانہ ہی کو پیش نظر رکھ کر ذکر کیا ہے، جس کا بڑا قرینہ یہ ہے کہ باب الامامت میں اس مسئلہ کو پیش کرنے سے پہلے باب الاذان میں بھی اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، گویا یہ ایسی نماز کا حکم ہے، جس کے لیے اذان واقامت مشروع ہو، اور یہ نماز پنج گانہ کی خصوصیت ہے، ان کے علاوہ بعض نمازیں اور بھی ایسی ہیں جو جماعت کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں؛ لیکن ان کے لیے اذان واقامت مشروع نہیں، (جیسے: نماز عید، نماز تراویح، نماز کسوف) ان کے لیے یہ حکم ہونا نہیں چاہیے؛ اگرچہ کسی کتاب فقہ میں اس کی صراحت نہیں ملی، حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے ''امداد الفتاوی ۱/۴۶۹'' پر تراویح کی دو جماعتوں کی اجازت دی ہے؛ اگرچہ حضرت نے اس کی وجہ دوسری تحریر فرمائی ہے؛ لیکن اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ کراہت جماعت ثانیہ والا حکم حضرت

نے تراویح میں نہیں لگایا؛ نیز وہ نماز اگر ایسی ہے کہ اس کی ادائیگی مصلی پر فرض، یا واجب ہے اور وہ تنہا اس کو ادا نہیں کر سکتا؛ بلکہ صحت ادا کے لیے جماعت شرط ہے اور مسجد محلّہ میں اس نماز کو جماعت کے ساتھ ادا کر لیا گیا اور کچھ لوگ وقت پر نہ پہونچ سکنے کی وجہ سے شریک ہونے سے رہ گئے تو کیا ان کے لیے دوبارہ جماعت کرنا درست ہے؟ حضرت مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ سے نماز جمعہ کے بارے میں اسی نوع کا سوال کیا گیا؛ حالاں کہ نماز جمعہ فرائض پنج گانہ میں سے ظہر کی جگہ پر پڑھی جاتی ہے اور اس کے لیے اذان واقامت بھی کہی جاتی ہے، پھر بھی حضرت مولانا عبدالحی صاحبؒ اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

سوال: جمعہ کی جماعت ہو جانے کے بعد دس پندرہ آدمی آ گئے، یہ لوگ اسی مسجد میں جمعہ مع خطبہ جماعت سے پڑھیں، یا بجماعت ظہر ادا کریں؟

جواب: چوں کہ تعدد جماعت جمعہ بمذہب صحیح جائز ہے، اور بروز جمعہ جس شخص پر جمعہ فرض ہے اس کو ظہر پڑھنا درست نہیں؛ اس لیے ان لوگوں کو چاہیے کہ جمعہ بجماعت مع خطبہ ادا کریں، اگر اسی مسجد میں ہو تو کوئی حرج نہیں اور اولیٰ یہ ہے کہ دوسری مسجد میں ہو۔ (مجموعہ الفتاویٰ لمولانا عبدالحی: ۲۹۲/۱-۲۹۳)

''خیر الفتاویٰ ۹۵/۳'' پر بھی مذکورہ صورت میں فتاویٰ عبدالحی ہی کے حوالہ سے جمعہ کی دوسری جماعت کی اجازت دی گئی ہے۔

''امداد الاحکام ۶۹۱/۱ تا ۶۹۳'' میں حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گمتھلویؒ کا رجحان بھی مسئلۂ مذکورہ میں جواز کا ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ سے پوچھا گیا کہ جمعہ کے روز جگہ کی قلت کی وجہ سے تمام لوگ مسجد میں نہیں سما سکتے تو کیا بقیہ لوگ دوسری مرتبہ جمعہ پڑھ سکتے ہیں؟ تو جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت: ۳۸/۷)

مندرجہ بالا پہلے تین جوابات (مجموعہ فتاویٰ عبدالحی، خیر الفتاویٰ، امداد الاحکام) میں تو اس صورت میں جب کہ وہ دس پندرہ آدمی جمعہ کی جماعت میں بروقت پہونچ نہ سکنے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، ان کو دوسری جماعت کی اجازت دی گئی، حالاں کہ صورت مسئولہ میں فی الجملہ ان کا قصور بھی ہے کہ وہ بروقت حاضر نہ ہوئے اور آنے میں تاخیر کے مرتکب ہوئے، چاہیے تھا کہ ان کو جماعت کے ساتھ جمعہ ادا کرنے کی اجازت نہ دی جاتی اور تنہا ظہر پڑھنے کا حکم دیا جاتا لیکن صرف اس بنیاد پر کہ ان پر جمعہ فرض ہے؛ اس لیے ان کا ظہر پڑھنا درست نہیں، ان کو اسی مسجد میں جمعہ کی دوسری جماعت کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے، آپ نے اپنے سوال میں جس نماز کے لیے دریافت کیا ہے، وہ عید

کی نماز ہے جو بقول راجح واجب ہونے کے ساتھ ساتھ اگر چھوٹ جائے تو اس کا کوئی بدل بھی نہیں، نیز آپ کے یہاں جولوگ پہلی جماعت میں شریک نہیں ہورہے ہیں، اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی، یا کاہلی پائی گئی، جس کے نتیجہ میں ان کو پہلی جماعت میں شرکت کا موقعہ نہیں ملا؛ بلکہ وہ حضرات بھی وہاں مجمع میں شروع سے موجود ہیں؛ لیکن جس جگہ پر عید کی نماز باجماعت ادا کی جارہی ہے، وہ جگہ محدود ہونے کی وجہ سے تمام حضرات جو موجود ہیں جماعت میں شرکت نہیں کرسکتے، گویا جماعت میں عدم شرکت ان کی کسی کوتاہی کی وجہ سے نہیں، نیز یہاں پر یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ دوسری جماعت کی اجازت دینے سے پہلی جماعت کی تقلیل لازم آئے گی؛ اس لیے کہ عید کی نماز کے سلسلہ میں لوگوں کا جو عام مزاج ہے، وہ تو یہ ہے کہ جلد از جلد اس سے فارغ ہوجائیں؛ اسی لیے دیکھا جاتا ہے کہ جن شہروں میں متعدد جگہوں پر عید کی نماز ادا کی جاتی ہے اور بذریعہ اشتہار تمام جگہوں کے اوقات جماعت سے بھی شہر والوں کو آگاہ کردیا جاتا ہے، وہاں پر لوگ جس جگہ جلدی نماز ہورہی ہو، وہاں پہنچ کر نماز عید سے جلد فارغ ہونے کا اہتمام کرتے ہیں، مطلب کہ صورتِ مسئولہ میں دوسری جماعت کی اجازت کسی حال میں پہلی جماعت میں تقلیل کا باعث نہیں؛ بلکہ دوسری جماعت کو جماعت ثانیہ کا نام دینا یہ بھی محل تأمل ہے؛ اسی لیے غالباً حضرت فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نوراللہ مرقدہ نے (جیسا کہ اوپر نقل کیا جاچکا) اپنے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ دوسرے لوگوں کی جماعت جماعت ثانیہ نہیں؛ یعنی یہ وہ جماعت ثانیہ نہیں، جس پر کراہت کا حکم جاری ہوتا ہے؛ اس لیے کہ اس میں اس کے شرائط موجود نہیں، جیسے مسجد سوق میں ہونے والی متعدد جماعت کو جماعت ثانیہ نہیں کہا گیا؛ اس لیے آپ کے یہاں عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے دو، یا تین مرتبہ عید کی نماز اور خطبہ کا نظم کرنا پڑتا ہے، اگر یہ نظم کسی بڑے ہال، یا میدان میں ہو، یا کسی عبادت گاہ (جس کو شرعی مسجد قرار نہیں دیا گیا ہے اس) میں ہو، تب تو اس میں کوئی کراہت ہے ہی نہیں؛ لیکن اگر سوال میں مذکور ضرورت کے پیش نظر مسجد شرعی میں بھی ایسا کرنا پڑے تو اس کو مکروہ قرار نہیں دیں گے۔ یہ احقر کا رجحان ہے، اس سلسلہ میں دیگر اہل علم سے بھی دریافت کرلیا جائے، اگر وہ اس سے اتفاق کریں تو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: العبد احمد عفی عنہ خانپوری، ۲۷ر صفر ۱۴۲۴ھ۔ الجواب صحیح: عباس داؤد بسم اللہ۔ (محمود الفتاویٰ: ۱/۵۲۵-۵۳۴)

مفسد صلوٰۃ قرأت کی صورت میں دوسری جماعت کرسکتا ہے:

سوال: اگر عیدگاہ کا امام غلط خواں ہے تو اس کی امامت جائز ہے، یا نہیں؟ اور دوسرا امام نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ عوام الناس نہیں چاہتے، لہذا شہر کی مسجدوں میں نماز عیدین پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب

عیدین کی نماز مسجدوں میں بھی صحیح ہے۔(۱) اگر عیدین کا امام ایسی غلطی کرتا ہے کہ جس سے فساد نماز ہوتو مسجد میں جدا جماعت کر لینا چاہئے اور اگر ایسی غلطی نہیں کرتا جو مفسد صلوٰۃ ہو اور علاحدہ ہونے میں فتنہ ہوتو اسی امام کے پیچھے نماز پڑھ لیں۔(۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۰۲/۵-۲۰۳)

ایک مسجد میں ایک ہی نماز کی جماعت دوبارہ کرنا مکروہ ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

سوال: **الإمام الشافعي يصلي صلاة العيد للاحناف أولا؟ ويصلي هو أيضاً للشافعين ثانياً مع وسيع المسجد؟ بينوا توجروا.** (ترجمہ: ایک شافعی امام نے عید کی نماز حنفیہ کو پڑھائی، اس کے بعد اسی امام نے دوبارہ شافعیوں کو نماز پڑھائی، باوجودیکہ مسجد وسیع تھی اور ایک جماعت بھی ہوسکتی تھی۔)

الجواب

إذا أمد الشافعي للحنفية في صلاة العيد جازت صلاتهم ثم إذا أم الشوافع في هذه الصلاة جازت صلا تهم علىٰ مذهبم، نعم تكرار الصلاة في مسجد واحد مكروه عندنا وعند الشافعي رحمه الله. (۳)

(ترجمہ: جب کہ شافعی امام نے نماز عید میں حنفیوں کی امامت کی تو حنفیوں کی نماز ہوگئی اور پھر جب اسی شافعی امام نے دوبارہ شافعیوں کو وہی نماز عید پڑھائی تو شوافع کے مذہب کی رو سے ان کی بھی نماز ہوگئی، البتہ ایک ہی مسجد میں ایک نماز کی دوبارہ جماعت ہمارے اور امام شافعی دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۶/۳)

---

(۱) **الفاسق إذا كان ينوم يوم الجمعة وعجز القوم عن منعه قال بعضهم يقتدى به في لا جمعة ولا تترك الجمعة بامامة وغير الجمعة يجوز أن يتحول إلىٰ مسجد آخر ولا يأثم به.** (الفتاویٰ الهندية مصرية، في الا مامة: ۸۱/۱)

(۲) **ولا يجوز إقامة الألثغ الذى لا يقدر علىٰ التكلم ببعض الحروف إلا لمثله إذا لم يكن من يقدر على التكلم بها فسدت صلاته وصلاة القوم.** (الدرالمختار علىٰ هامش رد المحتار، باب العيدين مطلب في تكبير التشريق: ۷۸٤/۱-۷۸۵)

(۳) **وكذا تكره خلف أمرد (إلىٰ أن قال) وزاد ابن ملك ومخالف كشافعي، لكن في وتر البحر أن تيقن المراعات لم يكره.** (الدرالختار، باب الامامة: ۵٦۲/۱، ط: سعيد)

وفي الشامية: "وأما الاقتداء بالمخالف في الفروع كالشافعي فيجوز ما لم يعلم منه ما يفسد الصلاة علىٰ اعتقاد المقتدى عليه الاجماع (باب الامامه: ۵٦۳/۲، ط، سعيد)

شافعیوں کی اس لیے ہوگی؛ کیوں کہ ان کے ہاں متنفل کے پیچھے مفترض کی اقتدا درست ہے۔ **وهو جواب بما استدل به الشافعي علىٰ جواز الفرائض بالنفل؛ وهوما في الصحيحين أن معاذاً كان يصلي مع رسول الله صلى الله عليه و سلم عشاء الآخره ثم يرجع إلىٰ قومه فيصلي بهم تلك الصلاة.** (الدرالمختار، باب الامامة: ۵۷۹/۱، ط: سعيد)

ويكره تكرار الجماعة بأذان وإقامة في مسجد محلة. (الدر المختار، باب الامامة: ۵۵۲/۱، ط: سعيد)

ایک شہر میں بلا عذر تعدد عید مکروہ ہے:

سوال: ایک شہر میں دو جگہ یا اس سے زائد عیدین کی نماز جائز ہے یا نہیں؟

(المستفتی: ۲۷۱۸، راجہ فیروز خاں صاحب، جہلم)

الجواب

عید کی نماز آبادی سے باہر جا کر میدان میں عیدگاہ میں ادا کرنا سنت ماثورہ قدیمہ ہے، شہر کے اندر بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں کی خاطر، یا بارش، یا کسی اور عذر کی وجہ سے پڑھی جائے تو خیر مضائقہ نہیں، ورنہ بلا عذر شہر میں عید پڑھنا مکروہ ہے، اسی طرح بلا عذر تعدد بھی مکروہ ہے۔(۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۴/۳، ۳۰۵)

ایک عیدگاہ میں عید کی دو جماعت کرنا:

سوال: ایک عیدگاہ کے اندر دو نمازیں عید کی یکے بعد دیگرے شرعا جائز ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا؟

الجواب

قال فی الخلاصة: والسنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة ويستخلف غيره ليصلی فی المصر بالضعفاء والمرضى بناء علىٰ أن صلاة العبد فی موضعين جائزة بالاتفاق وإن لم يستخلف له ذلک،آه.(۲۱۳/۱)

وفی الدر: ولا يصليها وحده إن فاتت مع الإمام ولو أمكنه الذهاب إلىٰ امام آخر فعل لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً،آه.(۸۷۵/۱،مع الشامية)

قلت: (قوله:و لو أمكنه الذهاب إلىٰ إما م آخر) يشير إلىٰ أنه لايصلی فی موضع واحد مرتين وكذا اقتصار الفقهاء علىٰ بيان الجواز فی مواضع عديدة وسكوتهم عن أدائها فی موضع واحد مرتين يدل على ذلک،فافهم.

ان عبارات فقہیہ سے یہ معلوم ہوا کہ نماز عید ایک موضع میں مکرر پڑھنا درست نہیں۔ ہاں: چند مواضع میں جائز ہے، جیسا کہ جمعہ چند مسجدوں میں جائز ہے۔ ایک موضع میں دو مرتبہ نماز عید ادا کرنے کی شریعت میں کوئی اصل ہماری نظر سے نہیں گذری، لہذا اس ابتداع سے بچنا چاہیے، خصوصا جب کہ اس کا منشا محض نزع وخلاف وتفریق ہو۔ واللہ اعلم

۸/ شوال (امداد الاحکام: ۳۵۷/۲-۳۵۸)

(۱) والخروج اليها أى الجبانة لصلاة العيد سنة.(التنوير مع شرحه،باب العيدين: ۱۶۹/۲،ط:سعيد)

وفی الشامية:"ان السنتة ان يخرج الامام إلى الجبانة ويستخلف غيره،ليصلی فی المصر بالضعفاء بناء علىٰ أن صلاة العيدين فی موضعين جائزة،بالاتفاق وإن لم يستخلف فله ذلک.(باب العيدين : ۱۶۹/۲،ط:سعيد)

بارش کی وجہ سے ایک ہی جگہ سات مرتبہ نماز عید:

سوال: بارش کی وجہ کر ایک مصلیٰ پر سات بار عید کی نماز ہوئی اور خطبہ آخری جماعت کے بعد پڑھا گیا، یہ شرعاً جائز ہوا، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

اگر بارش وغیرہ کے عذر سے عید کی نماز عیدگاہ میں نہ پڑھی جاسکے اور مسجد میں پڑھنی پڑے تو بہتر یہ ہے کہ لوگ مختلف مسجدوں، یا کسی بڑے مکان میں پڑھیں اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ایک مسجد میں ایک سے زیادہ جماعت کرسکتے ہیں؛ لیکن ان میں سے جو شخص نماز پڑھ چکا ہو، وہ امامت نہ کرے۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۱/۱/۱۳۷۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۶۰)

حکم عدم اعادہ نماز عید بعد وقت:

سوال: بعد دوروز عید کے معلوم ہوا کہ نماز باطل ہوگئی تو وہ دہرادیں، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نہ دہرادیں۔(۲) **فی الدرالمختار: وتؤخر بعذر کمطر إلی الزوال من الغد فقط فوقتها من الثانی کالأول وتکون قضاء کالأداء،آہ.**

اس سے معلوم ہوا کہ عید کی قضا صرف اگلے (۳) دن کے زوال تک ہے، اس کے بعد نہیں۔

وقال فی الرد: (تحت قوله:مع الامام) متعلق بمحذوف حال من ضمیر فاتت، لابفاتت، لأن المعنی أن الإمام أداها وفاتت المقتدی لأنها لوفاتت الامام والمقتدی تقضی کما یأتی، أفاده فی معراج الدرایة، وقال(تحت قوله:بعذر کمطر): دخل فیه ما إذا لم یخرج الامام وما إذا غم الهلال فشهدوا به بعدالزوال أو قبله بحیث لایمکن جمع الناس أوصلاها فی یوم غیم وظهر أنها وقعت بعد الزوال، کما فی الدرر وشرحه للشیخ اسمٰعیل وفیه عن الحجة: إمام صلی العید علی غیر وضوء، ثم علم بذلک قبل أن یتفرق الناس توضأ ویعیدون وإن تفرق الناس لم یعدبهم وجازت صلاتهم صیانة للمسلمین وأعمالهم،آہ. واللّٰه تعالیٰ وعلمه أتم

ذی قعدہ ۱۳۲۲ھ (امداد: ۱/۶۲) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۳۱)

---

(۱) (وکذا لا یصح الاقتداء) بمجنون مطبق...(و) لا (مفترض بمتنفل وبمفترض فرضًا آخر).(الدرالمختار: ۲/۳۲۲-۳۲۴)

(۲) یہاں پر تصحیح الاغلاط، ص:۹، کالم:۲ سے عبارت میں ترمیم کی گئی ہے۔

(۳) یہ حکم عیدالفطر کا ہے اور عیدالاضحیٰ کا حکم سوال: ۵۶۸ کے جواب میں ملاحظہ فرمادیں۔

حکم تعدو نماز عید و اداشدنش درہماں روز:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قصبہ میں نماز عیدالاضحیٰ دومقام پر ہوتی ہے، عیدگاہ میں اور جامع مسجد میں اور ہر دو جگہ جماعت کثیر ہوتی ہے، چند لوگ نماز پڑھنے کے لیے عیدالاضحیٰ کی طرف چلے، عیدگاہ کے قریب پہونچے تو معلوم ہوا کہ نماز عیدالاضحیٰ ہوگئی، وہاں سے واپس پلٹے اور طرف جامع مسجد کے چلے اور جب یہاں آئے تو یہ جامع مسجد میں بھی نماز نہ ملی اور نماز کا وقت ابھی بہت باقی ہے۔ پس یہ لوگ اور اور لوگ جن کو نماز نہیں ملی، سب مل کر کسی مسجد میں اسی قصبہ کے نماز عیدالاضحیٰ ساتھ جماعت وامام کے پڑھیں تو یہ نماز ان کی قضا میں شمار کی جاوے گی، یا ادا میں اوران لوگوں نے نماز قبل زوال پڑھی ہے؟

الجواب

صورت مذکورہ میں نماز عید صحیح ہوگئی، **وتؤدی بمصر واحد بمواضع کثیرۃ اتفاقا**. (الدر المختار) اور ادا ہوگی، کیوں کہ ادا کہتے ہیں، واجب کو اس کے وقت میں کرنے کو **ثم الأداء فعل الواجب فی وقتہ**. (الدر المختار) اور وقت عیدین کا ارتفاع شمس سے قبل زوال تک ہے، **ووقتھا من الارتفاع إلی الزوال باسقاط الغایۃ**. (الدر المختار) پس جب زوال سے پہلے پڑھے تو اپنے وقت میں واقع ہوئی؛ اس لیے ادا ہوگی۔ واللہ اعلم

۲۶ر ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد یہ: ۱/۷۹) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۳)

متعدد مساجد میں صلوٰۃ عیدین کا حکم:

سوال: حضور کے رسالہ بہشتی گوہر میں تحریر ہے کہ نماز عیدین بالاتفاق متعدد مساجد میں جائز ہے، فقہا نے نماز عیدین کے لیے خروج الی الجبانہ سنت مؤکدہ لکھتے ہیں اور خلاف سنت مؤکدہ مکروہ تحریمی ہے، لہٰذا حضور کی تحریر جواز میں شبہ پڑا کہ جائز مع الکراہت ہے، یا بے کراہت ہے اور کراہت بھی تحریمی ہے، یا تنزیہی؟ اس شبہ کا دفعیہ فرمادیں؟

الجواب

بہشتی گوہر میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ درمختار (ردالمحتار: ۱/۸۴۳)(۱) کا ہے، اس میں بمواضع کثیرۃ کا لفظ ہے، یہ مترجم کی لغزش ہے مقصود ہے کہ جیسا جمعہ کے جواز تعدد میں اختلاف ہے، اس میں وہ اختلاف نہیں، اس لغزش کی یہ تاویل ہوسکتی ہے کہ مسجد کو معنی لغوی پر محمول کرلیا جاوے، یا مساجد کو معنی شرعی پر محمول رکھ کر معذورین کے حق میں اس کو کہا جاوے جو عیدگاہ نہ جاسکیں۔ فقط واللہ اعلم

۳۰ر ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ (تتمہ اولیٰ: ۱۴۰) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۳-۶۴۴)

(۱) الدر المختار مع ردالمحتار: ۲/۱۷۶

تاخیر نماز عید الاضحیٰ بعذر تا یوم ثانی:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نماز عید الاضحیٰ قصبہ ہسوہ میں روز سہ شنبہ ۱۰/ذی الحجہ کو ہوئی اور شہر فتحپور میں کہ اس قصبہ سے تین کوس ہے، وہاں نماز عید الاضحیٰ بروز چہار شنبہ ۱۱/ذی الحجہ کو ہوئی، چند شخص نمازی اس قصبہ کے کسی مقدمہ میں ماخوذ ہوکر عدالت فتحپور میں گئے اور بروز سہ شنبہ بسبب مقدمہ کے فتحپور میں رہے اور بروز چہار شنبہ ۱۱/ذی الحجہ وقت صبح وہ لوگ قصبہ ہسوہ میں آئے۔ پس ان سب بارہ تیرہ آدمیوں نے ایک شخص کو امام کیا اور نماز عید الاضحیٰ ۹/بجے دن، ۱۱/ذی الحجہ، چہار شنبہ کو پڑھی موافق شہر فتحپور کے تو یہ نماز ان کی درست ہوئی، یا نہیں؟ نماز یں عید الاضحیٰ کی نماز میں شمار ہوگی، یا نفل میں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

تاخیر نماز عید الاضحیٰ کی بارہویں تک اگر بعذر ہو تو بے کراہت اگر بے عذر ہو تو بکراہت جائز ہے۔

لكن هنا يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة وبه بدونها. (الدر المختار)(۱)

پس صورت مسئولہ میں نماز بلا کراہت صحیح ہوئی اور نفل شمار نہ کی جاوے گی۔ واللہ اعلم

۲۶/ذی الحجہ ۱۳۰۴ھ (امداد: ۱/۹۷) (امداد الفتاویٰ جدید: ۱/۶۴۴)

جواز صلوٰۃ عید بجماعت بعد فراغ امام در جائے دیگر:

سوال: حضور کا کارڈ مرسلہ کمترین کے سوالات کے جوابات کا پہنچا کمترین کو سوال: ا کے جواب (۲) میں شبہ ہے، امید ہے کہ حضور تسلی فرمائیں گے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ عبارت: **قدوری ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها.** (ص: ۳۸، باب صلاة العيدين) سے اس کے عدم جواز کا شبہ ہوتا ہے۔ اب اس میں حسب ذیل سوالات ہیں:

(۱) اس جملہ کے کیا معنی ہیں؟

(۲) اس جملہ سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے، یا نہیں؟

(۳) کمترین نے اس کے معنی یہ سمجھے ہیں کہ اگر کسی شخص کو عید کی نماز جماعت کے ساتھ نہ ملے تو مثل نمازِ جمعہ کے پھر اس کو نہیں پڑھ سکتا، اگرچہ وقت باقی ہو؛ کیوں کہ اگر **لم يقضها** سے مراد وقت گزرنے پر قضا کرنا ہوتا تو مع الامام کی قید لاحاصل تھی، اگر یہ کہا جاوے کہ اگر ایک، یا دو، یا چار شخصوں کو جماعت عید نہ ملے تو ان کے لیے **لم**

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۶

(۲) وہ سوال وجواب یہ ہے: سوال: عید کی نماز ہونے کے بعد اگر بہت سے آدمی جمع ہوکر کسی دوسری مسجد، یا جامع مسجد میں دوسری جماعت عید کریں تو جائز ہے، یا نہیں؟ الجواب: جائز ہے۔ منہ

(۳)

یـقضها کا حکم ہے، نہ کہ جماعت کثیر کے لیے تو کنز الدقائق کی عبارت: **ولـم تـقض إن فاتت مع الإمام**. (باب العیدین) اس کی تائید کرتی ہے کہ فعل مجہول ذکر کیا گیا ہے۔ یہ صحیح ہے، یا نہیں؟

الجواب

در مختار میں بہت صاف عبارت ہے، جس سے دوسری عبارات کی شرح ہوجاوے گی۔

''**ولا يصليها وحده إن فاتت مع الإمام ولوبالإفساد اتفاقا فى الأصح،الخ ... ولو أمكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل؛لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقاً فإن عجز صلىٰ أربعاً كالضحىٰ**''. (الدرالمختار)

وفى ردالمحتار:(قوله: مع الامام)متعلق بمحذوف حال من ضمير فاتت لابفائت؛لأن المعنى إن الامام أداها وفاتت المقتدى. (۱)

اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ''**لایقضی**'' یا ''**لم تقض**'' کے یہی معنی ہیں کہ منفرداً نہ پڑھے، اگر چہ شروع کر کے فاسد کردی ہو، باقی اگر ایک کے امام ساتھ نہ ملی ہو تو دوسرے امام کے ساتھ پڑھ لینا بہتر ہے اور اس تقدیر میں سب نمبروں کا جواب ہوگیا۔

۱۹/ ذی قعدہ ۱۳۳۳ھ (تتمہ ثالثہ:۱۰۲) (امداد الفتاویٰ جدید:۱/۶۴۴-۶۴۵)

ایک شخص نے دوجگہ عید کی امامت کی، کون سی جگہ جائز ہوئی:

سوال: زید نے دوجگہ عید کی نماز پڑھائی تو ان دونوں میں کون سی ہوئی؟

اجرت پر عیدین وجمعہ کی نماز پڑھانا جائز ہے، یا نہیں:

سوال: عیدین، یا جمعہ کی نماز کی اجرت لے کر نماز پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟

الجواب

(۱) زید عیدین، یا جمعہ کی نماز دو دفعہ نہیں پڑھا سکتا، اگر ایسا کیا پچھلے مقتدیوں کی نماز نہیں ہوئی؛ کیوں کہ امام کی دوسری نماز نفل ہوئی اور متنفل کے پیچھے مفترض، یا واجب پڑھنے والے کی نماز نہیں ہوئی۔ (۲)

(۲) امامت پر اجرت لینا فقہا نے جائز لکھا ہے۔ (۳) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۵/۲۲۴، ۲۲۵)

---

(۱) ردالمحتار: ۱/۱۷۵-۱۷۶، باب العيدين

(۲) ولا مفترض بمتنفل. (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب الإمامة: ۱/۵۷۹، ظفير)

(۳) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القران والفقه والإمامة والأذان. (الدر المختار، كتاب الإجارة: ۶/۵۵، ظفير)

عیدین مختلف مسجدوں میں:

سوال: جمعہ اور عیدین کی نماز مختلف مساجد میں ادا ہو سکتی ہے، یا نہیں؟

الجواب

پڑھ سکتے ہیں؛ کیوں کہ مسئلہ یہ ہے کہ جس بستی میں ایک جگہ جمعہ وعیدین جائز ہے، وہاں چند جگہ بھی جائز ہے، (۱) البتہ بہتر یہ ہے کہ ایک جگہ جمعہ وعیدین پڑھیں اور عیدین کی نماز باہر صحراء میں پڑھنا مسنون ہے۔ (۲) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۲۷-۲۲۸)

عیدگاہ میں غیر مقلد اگر پہلے نماز پڑھ لیں تو اس کا اعتبار نہیں:

سوال: امام حنفی کی بلا اجازت بطور ضد کے فرقہ غیر مقلد مصلیٰ حنفی پر ان کے امام سے پہلے نماز پڑھ کر چلے آویں تو امام مقررہ کی جماعت کی فضیلت میں کچھ کمی تو نہ ہوگی؟

الجواب

غیر مقلدین کو ایسا کرنا ناجائز ہے اور ان کی جماعت کا کچھ اعتبار نہیں ہے اور حنفیوں کی جماعت جو بعد میں ہوئی، وہ معتبر ہے، اس کی فضیلت اور ثواب میں کچھ کمی نہ آوے گی۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۰۷)

ایک امام کا دو جگہ نماز عید پڑھانا:

سوال: عید کے روز بہت بارش ہو رہی تھی؛ اس لیے عید کی نماز مسجد میں ادا کی گئی۔ ایک ہی امام نے دو مسجدوں میں عید کی نماز پڑھائی۔ نماز درست ہوئی، یا نہیں؟

الجواب　　وباللّٰہ التوفیق

امام صاحب نے پہلے جن لوگوں کو عید الفطر کی نماز پڑھائی، ان کی نماز ہوگئی اور جن لوگوں نے بعد میں ان کے پیچھے نماز پڑھی، ان سے وجوب ساقط نہیں ہوا؛ (۳) لیکن چوں کہ نماز عید الفطر کی قضا نہیں ہے؛ اس لیے وہ حضرات قضا نہیں پڑھ سکتے ہیں، ان کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے۔ (۴) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

عبداللہ خالد مظاہری، ۱۸/۱۰/۱۴۰۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۵۰۹)

---

(۱) درمختار میں ہے: تؤدی بمصر واحد بمواضع كثيرة مطلقا. (الدر المختار: ۲/۱۷٦، ظفیر)

(۲) درمختار میں ہے: والخروج إليها أى الجبانة سنة وإن وسعهم المسجد الجامع وهو الصحيح. (۲/۱٦۹)
جبانہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ماشياً إلى الجبانة وهي المصلى العام أى فى الصحراء (رد المحتار: ۱/۷۷٦، ظفیر)

(۳) (وكذا لا يصح الاقتداء) ... (و) لا (مفترض بمتنفل)، الخ. (الدر المختار: ۲/۳۲۲-۳۲٤)

(۴) (ولا يصليها وحده ان فاتت مع الامام) ولو بالافساد اتفاقا فى الاصح. (الدر المختار، باب العيدين: ۳/۵۸)

عیدین میں تفریق جماعت امامت کی خاطر درست نہیں:

سوال: عیدین کا امام بننے کے لیے جماعت کو توڑ کر دوسری جماعت کرنا درست ہے، یا نہ؟ اور دونوں کی نماز ہوگی، یا نہ؟

الجواب

تفریق جماعت اچھا نہیں ہے، اگر چہ اس وجہ سے کہ تعدد جماعت عیدین جائز ہے؛ یعنی ایک شہر میں کئی جگہ نماز عیدین ہوسکتی ہے، دونوں کی نماز ہوگئی۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۰/۵)

عیدین کا وجوب اور قضا نہ ہونے کی وجہ:

سوال: نماز عیدین واجب ہے، یا نفل؟ اور اس کی قضا کیوں نہیں ہے، حالاں کہ وتر کی قضا ہے؟

الجواب

عیدین کی نماز واجب ہے،(۲) اور اگر کسی شخص سے جماعت عیدین فوت ہوجائے تو پھر اسکی قضاء نہیں ہے کیونکہ اس میں جماعت شرط ہے اور وتر میں جماعت شرط نہیں ہے اور اس میں تحدید وقت بھی نہیں ہے۔(۳) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۰/۵-۲۲۱)

نماز عید کی قضا:

سوال: جس شخص کی نماز عید اتفاق سے چھوٹ جائے، جیسے وہ سویا رہ گیا اور نماز ہوگئی، تو اب اس کو کیا کرنا چاہئے، قضاء کرے یا کوئی کفارہ کرے؟ (محمد جہانگیر الدین طالب، باغ امجد الدولہ)

الجواب

اگر کسی کی نمازِ عید ایک مسجد میں چھوٹ جائے اور دوسری جگہ ملنے کا امکان ہو تو وہاں جا کر نماز ادا کرے، اگر اس کا امکان نہیں تو اب قضا کی گنجائش نہیں۔ اپنی کوتاہی پر اللہ تعالی سے استغفار کرے اور بس۔

(۱) ولا یصلیها وحده إن فاتت مع الإمام،الخ ولو امكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا.(الدر المختار على هامش ردالمحتار باب العيدين: ١٧٦/٢،ظفير)

(۲) تجب صلاتهما فى الأصح علىٰ من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة سوى الخطبة.(الدرالمختار علىٰ هامش ردالمحتار،باب العيدين: ٧٧٤/١)

(۳) ولا یصلیها وحده إن فاتت مع الإمام،الخ ولو امكنه الذهاب إلى إمام آخر فعل لأنها تؤدى بمصر واحد بمواضع كثيرة اتفاقا.(الدر المختار على هامش ردالمحتار باب العيدين: ١٧٦/٢،ظفير)

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"والإمام لوصلاها مع الجماعة وفاتت بعض الناس لايقضيها من فاتته،خرج الوقت أو لم يخرج". (۱) فقط (کتاب الفتاویٰ:۸۶/۳)

عید کی نماز ایک مسجد میں ایک ہی بار ادا کی جائے:

سوال: بارش کی شدت کی وجہ سے بہت سے آدمی عیدگاہ نہیں جا سکے انہوں نے مسجد میں عید کی نماز ادا کی، پھر کچھ اور آدمی آئے انہوں نے اسی مسجد میں دوبارہ جماعت سے عید کی نماز پڑھی یہ کیسا ہے؟

(المستفتی: محمد صغیر خاں میانجی مقام وپوسٹ اوسیا ضلع غازی پور، جولائی ۱۹۵۰ء)

الجواب

بارش کے عذر سے مسجد میں عید کی نماز پڑھنی جائز ہے، ایک مسجد میں دو مرتبہ عید کی نماز نہ پڑھی جائے، اگر ایک مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور کچھ لوگ رہ گئے تو وہ دوسری مسجد میں نماز پڑھ لیں۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۲۸۱/۳)

عید فطر کے دن بوجہ بارش نماز عید نہ ہو سکے تو دوسرے دن پڑھی جائے:

سوال: نماز عید الفطر اس روز بوجہ بارش نہ ہو تو دوسرے روز پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب

جائز ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۱۸۴/۵)

عید الفطر کی نماز عذر کی وجہ سے اگلے دن درست ہے:

سوال: عید الفطر کا چاند یوم جمعہ کو بوجہ ابر نظر نہیں آیا، شنبہ کی صبح کو سات بجے تحقیق ہو گیا کہ آج عید ہے، روزے افطار کر لیے گئے؛ لیکن دیہات میں خبر نہ ہونے کی وجہ سے نماز عید یکشنبہ کو پڑھی، لہذا یہ نماز ہوئی، یا نہ؟

الجواب

عید الفطر کی نماز عذر کی وجہ سے اگلے دن پڑھ سکتے ہیں، پس یکشنبہ کو بھی نماز عید ہو گئی۔ **كما في الدر المختار: وتؤخر بعذر الزوال من الغد،الخ.وفي الشامي:(قوله: كمطر)أدخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام وما إذا غم الهلال فيشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لايمكن جمع الناس.** (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند:۲۲۱/۵-۲۲۲)

---

(۱) الفتاوی الهندية: ۱۵۲/۱

(۲) ردالمحتار، باب العيدين: ۷۸۳/۱، ظفير

بعد زوال عید کی نماز درست نہیں، عذر کی وجہ سے دوسرے دن پڑھنے کی اجازت:

سوال: کثرت بارش کی وجہ سے عید الاضحیٰ کی نماز وقت معین پر نہیں پڑھی، پس اس صورت میں دوسرے، یا تیسرے روز ادا کرنا چاہیے؛ مگر جاہل اور ناواقف لوگوں نے اسی روز دو، یا تین بجے نماز ادا کی۔ نماز ہوئی، یا اعادہ کرنا چاہیے؟

الجواب

قال فی الدر المختار: وتؤخر بعذر کمطر إلی الزوال من الغد فقط، فوقتها من الثانی کالأول وتکون قضاءً لا أداءً، الخ.

وفی الشامی: (قوله: فقط) راجع إلٰی قوله بعذر فلا تؤخر من غیر عذر (وقوله: إلی الزوال) فلاتصح بعده (وقوله: من الغد) فلا تصح فیما بعد غد ولو بعذر، الخ. (شامی)(۱)

پس واضح ہوا کہ بعد زوال کے جو نماز اضحیٰ ہوئی، وہ صحیح نہیں ہوئی، اگلے دن قبل زوال قضا کرنا چاہیے تھا اور بعد اس کے قضا جائز نہیں ہے۔ فقط (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۱۲/۵)

عید کی نماز امام کی اجازت کے بغیر پڑھانا:

سوال: عید کی نماز امام کی اجازت کے بغیر دوسرے شخص کو پڑھانا جائز ہے، یا نہیں؟ اور امام صاحب کو نماز نہ ملے اور نماز کا وقت بھی بہت باقی ہے؛ تاہم بلا اجازت دوسرا شخص نماز پڑھا دیوے، اس نماز کا کیا حکم ہے؟

حامدًا ومصلیًا الجواب وباللّٰہ التوفیق

بلا اجازت امام دوسرے شخص کو امامت کرنا ناجائز ومکروہ ہے۔(۲) عید الفطر کی نماز پڑھانے کا حق دار مقررہ امام ہے، باوجود وقت میں گنجائش ہونے کے اور پھر بلا اجازت امام کے کسی دوسرے شخص کو امامت کرنے میں اتنی عجلت کرنا کہ امام کو بھی جماعت نہ مل سکے، یہ سراسر امام کی حق تلفی وظلم وزیادتی ہے، گو نماز صحیح طور پر پڑھنے سے ادا ہو جاتی ہے؛ لیکن بلا اجازت امام کے نماز پڑھانے والے پر گناہ ہوگا۔ واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ: ۱۳۵/۳-۱۳۶)

جنھوں نے عید کی نماز میں رکوع نہیں کیا، ان کی نماز نہیں ہوئی:

سوال: عید الفطر کی دوسری رکعت میں امام تکبیرات زوائد بھول کر رکوع میں چلا گیا اور مقتدی کھڑے رہے اور

(۱) ردالمحتار، باب العیدین: ۱۷۶/۲، ظفیر

(۲) (و)اعلم أن (صاحب البیت) ومثله إمام المسجد الراتب (أولٰی بالإمامة من غیره) مطلقًا. (الدر المختار)

وفی الشامی: "أی وإن کان غیره من الحاضرین من هو أعلم وأقرأ منه. (ردالمحتار، باب الإمامة، قبیل مطلب: البدعة خمسة أقسام: ۲۹۷/۲)

امام سجدہ میں چلا گیا، پھر مقتدی بھی سجدے میں چلے گئے اور رکوع اکثر مقتدیوں کا نہیں ہوا۔امام نے سجدہ سہو کرلیا تو نماز امام اور مقتدیوں کی ہوئی، یا نہیں؟ اگر نہیں ہوئی تو کس وقت قضا کر سکتے ہیں؟

الجواب

اس صورت میں امام کی نماز اوران مقتدیوں کی جنھوں نے رکوع کرلیا ہے، ہوگئی اوران لوگوں کی جنھوں نے رکوع نہیں کیا، نماز نہیں ہوئی، وہ دو رکعت بعد میں پڑھ لیں۔(۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۱۶/۵)

عیدین میں الصلوٰۃ الصلوٰۃ کہنا کیسا ہے:

سوال: عیدین میں اذان وتکبیر، یا الصلوٰۃ کہنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب

عن ابن حریج قال أخبرنی عطاء عن ابن عباس وجابر بن عبد اللّٰه قالا: لم یکن یؤذن یوم الفطر ولایوم الاضحی ثم سألته یعنی عطاء بعد حین عن ذلک فاخبرنی قال: اخبرنی جابر بن عبداللّٰه الأنصاری أن لا أذان للصلاة یوم الفطر حین یخرج الإمام ولا بعد ما یخرج ولا إقامة ولا نداء ولا شیء لانداء یومئذ ولا إقامة. (رواه مسلم)(۲)

وفی الدر المختار: لایسن لغیرها کعید، الخ. (۳)

اس حدیث اور فقہ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عیدین میں اذان تکبیر اور ندا ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ'' وغیرہ کچھ نہیں ہے، مسنون طریقہ یہی ہے۔(۴) (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۳۷/۵)

نماز عید کے لیے مجمع کا انتظار:

سوال: جس جگہ ایک ہی مسجد ہو اور عید کی نماز کے لیے دور دراز سے لوگ آتے ہوں، ان کے انتظار کے لیے عید کی نماز ساڑھے دس بجے پڑھنا درست ہے، یا نہیں؟

حامدًا ومصلیًا الجواب وباللّٰه التوفیق

مجمع کے انتظار میں جب کہ اس نواح میں ایک ہی جماعت ہوتی ہو تو تاخیر کرنا درست ہے اور عید کا وقت زوال کے قبل تک ہے،(۴) لہٰذا ساڑھے دس بجے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم (مرغوب الفتاویٰ:۱۴۱/۳)

(۱) کما لو رکع إمامه فرکع معه مقارنا أومعاقبا وشارکه فیه فلولم یرکع أصلا، الخ، بطلت صلاته. (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، متابعة الإمام: ۴۷۱/۲، ظفیر)

(۲) صحیح لمسلم، کتاب صلاة العیدین، رقم الحدیث: ۸۸۶، انیس

(۳) الدرالمختار علی هامش ردالمحتار، باب الأذان: ۳۵۷/۱

(۴) ووقت الصلاة العید من ارتفاع الشمس قدر رمح أورمحین إلیٰ (قبیل) زوالها''. (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب أحکام العیدین من الصلاة وغیرها، ص: ۵۳۲)

نمازعیدین کی نیت میں لفظ سنت کہا تو نماز ہوئی، یانہیں:

سوال: عید کی نماز اس طرح نیت کر کے پڑھی، نیت کرتا ہوں دو رکعت سنت عید الفطر ہمراہ چھ تکبیروں کے۔ اس صورت میں نماز صحیح ہوئی، یانہیں؟

الجواب

اس طرح نیت کرنے سے نماز صحیح ہے؛ کیوں کہ بعض فقہا نے نماز عید کو سنت کہا ہے؛ لیکن صحیح یہ ہے کہ واجب ہے،(۱) اس لیے احوط یہ ہے کہ واجب کا لفظ کہے؛ لیکن اگر نیت میں سنت کا لفظ کہہ دیا، تب بھی نماز صحیح ہے۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۲۲/۵)

عیدین میں رکوع چھوٹ جانے سے نماز نہیں ہوگی:

سوال: عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھاتے وقت امام نے غلطی سے دوسری رکعت میں رکوع ہی نہیں کیا، اس صورت میں نماز ہوئی، یانہیں؟

الجواب　　وباللّٰہ التوفیق

ہر نماز میں رکوع فرض ہے؛ اس لیے اگر عیدالاضحیٰ کی نماز میں امام نے دوسری رکعت میں رکوع نہیں کیا تو نماز نہیں ہوئی،(۲) اسی وقت اس نماز کا اعادہ کرنا چاہئے تھا، اس کی قضا نہیں کی جاسکتی۔(۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۲۰۲/۱/۵ ۱۳۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۸/۲)

---

(۱)　وتجب صلا تهما في الأصح. (الدر المختار)

(قوله: في الا صح) مقابله القول بأنها سنة وصححه النسفي في المنا فع لكن الأول قوله الأكثرين كما في المجتبى ونص على تصحيحه في الخانية والبدائع والهداية والمحيط والمختار والكا في للنسفي وفي الخلاصة هو المختار لأنه صلى اللّٰه عليه وسلم واظب عليها وسماها في الجامع الصغير سنة لأن وجوبها ثبت بالنسة، حلية، الخ. (ردالمحتار باب العيدين: ۱۶۶/۲، ظفير)

(۲)　(من فرائضها) التي لا تصح بدونها (التحريمة) ... (ومنها الركوع) بحيث لو مدّ يديه نال ركبتيه". (الدر المختار على هامش ردالمحتار، باب صفة الصلاة: ۱۲۷/۲-۱۳٤)

(۳)　(وتؤخر بعذر) ... (الىٰ الزوال من الغد فقط) ... (وأحكامها أحكام الأضحى، لكن هنا يجوز تأخيرها الى آخر ثالث أيام النحر بلا عذر مع الكراهة، وبه) أي بالعذر (بدونها) (الدر المختار)

(قوله فقط) راجع إلى قوله: "بعذر" فلا تؤخر من غير عذر، وإلى قوله "إلى الزوال" فلا تصح بعده، وإلى قوله "من الغد" فلا تصح فيما بعد غد ولو بعذر، كما في البحر. (ردالمحتار: ۵۹/۳)

عیدین و جمعہ کی نماز میں مخصوص سورتیں پڑھنا:

سوال زید امام جامع مسجد ہے اور عیدین کی نماز بھی پڑھاتا ہے اور ہمیشہ زید معمول ﴿سبح اسم﴾ اور ﴿ھل اتٰی﴾ پڑھنے کا کرتا ہے اور جو اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا سوائے ان سورتوں کے اور تم کو یاد نہیں، یا یہ خود ہی مخصوص ہیں تو وہ کہتا ہے کہ حدیث میں ان کا پڑھنا ثابت ہے اور اسی وجہ سے میں پڑھتا ہوں، لہذا ایسا معمول کر لینا درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسا معمول کر لینا درست ہے؛ لیکن اصرار نہ کرے، کبھی اس کے خلاف بھی پڑھ لیا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(تالیفات رشیدیہ، ص:۲۶۹)

جمعہ وعیدین میں سجدۂ سہو کا حکم:

سوال: نماز جمعہ ونماز عیدین میں اگر سجدۂ سہو ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

(المستفتی: ۱۰۰۷، عبدالستار (گیا) ۲۹/ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ، ۲۰/ جون ۱۹۳۶ء)

الجواب

جماعت زیادہ بڑی نہ ہو اور کسی گڑبڑ کا خوف نہ ہو تو جمعہ وعیدین میں بھی سجدۂ سہو کر لیا جائے، البتہ کثرت جماعت کی وجہ سے گڑبڑ کا خوف ہو تو سجدۂ سہو ترک کر دینا مباح ہے۔ (۱)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳/۳۰۰)

عیدین میں اذان واقامت کا ثبوت نہیں:

سوال: نماز عید کے لیے اذان واقامت، یا تثویب ثابت ہے، یا نہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق

عیدین کے لیے اذان واقامت، یا تثویب ثابت نہیں ہے۔ (۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۷۵/۲/۲۷ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۵۵)

---

(۱) والسهو فی صلاة العيد والجمعة والمكتوبه والتطوع سواء و المختار عند المتأخرين عدمه فی الأولين لدفع الفتنة، كما فی جمعة البحر. (التنوير وشرحه، باب سجود السهو: ۲/۱۲، ط: سعيد)

(۲) أخبرنی جابر بن عبد الله الأنصاری أن لا أذان للصلاة يوم الفطر حين يخرج الامام ولا بعد ما يخرج ولا اقامة ولا نداء ولا شیء، لا نداء يومئذ ولا إقامة". (الصحيح لمسلم، باب صلاة العيدين: ۱/۲۹۰)

عیدین کی نماز کے لیے مصلیان کا کب تک انتظار کیا جائے:

سوال: نماز عیدین میں تقریباً ایک سو آدمی وضو کر کے تیار تھے اور بہت سے آدمی وضو کر رہے تھے، راستہ وغیرہ میں تھے، لوگوں نے ہنگامہ کیا کہ زوال کا وقت ہو جائے گا، نماز خراب ہوگی۔ غرضیکہ نماز پڑھ لی گئی اور راستہ والے وضو کرنے والے نماز سے محروم رہے تو جو وضو کر رہا ہو اور راستہ میں ہو، اس کا انتظار کیا جانا چاہیے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

دوپہر سے پہلے عیدین کی نماز ہو جانی چاہیے، اتنا انتظار جائز ہے کہ نماز کا وقت ضائع نہ ہو، مقتدیوں کو لازم ہے کہ نماز کے مقررہ وقت سے پہلے حاضر ہوں۔ (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۲/۸/۱۱ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۵/۲)

عید کی نماز کے لیے مقتدیوں کا انتظار:

سوال: عید کی نماز کے لیے مقتدیوں کا کس وقت تک انتظار کیا جاوے؟

الجواب ــــــــــــــــ

وقت نماز عیدین کا زوال سے پہلے پہلے ہے۔ پس اس وقت تک: یعنی قبل زوال تک انتظار کرنے کا مضائقہ نہیں ہے، اس کے بعد نہیں۔ (۲) فقط (فتاویٰ دار العلوم دیوبند: ۲۰۵/۵)

نماز عید کے لیے کوئی اذان مسنون نہیں ہے:

(الجمعیۃ، مورخہ یکم اگست ۱۹۲۸ء)

سوال: بقرعید اور عید الفطر میں جو اذان پکاری جاتی ہے، اس کا حکم حدیث وقرآن میں ہے، یا نہیں؟

الجواب ــــــــــــــــ

عید بقرعید میں کوئی اذان مسنون نہیں ہے۔ (۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۶/۳)

---

(۱) (ووقتها من الارتفاع) ... (الى الزوال) ... (فلو زالت الشمس وهو فى اثنائها فسدت). (الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب العيدين: ۲/۳ ۵ـ۵۳)

(۲) الدر المختار علىٰ هامش ردالمحتار، باب العيدين: ۷۷۹/۱

(۲) عن ابن جريج قال أخبرنى عطاء عن ابن عباس وجابر بن عبد الله قال لم يكن يؤذن يوم الفطر ولا يوم الأضحىٰ ثم سألته بعد حين عن ذلك فأخبرنى قال أخبرنى جابر ابن عبد الله الأنصارى ان لا اذان للصلاة يوم الفطر حين يخرج الامام ولا بعد ما يخرج ولا اقامة ولا نداء ولا شيء لا نداء يومئذٍ ولا إقامة. (مسلم، كتاب الصلاة العيدين: ۲۹۰/۱، ط: قديمى)

نماز عیدین کے لیے بھی فرش کا پاک ہونا ضروری ہے:

سوال: جو جگہ غیر محفوظ ہے اور پاک وصاف نہیں ہے، وہاں عید کی نماز پڑھنی درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

جگہ کا پاک ہونا صحت نماز کے لیے شرط ہے، اگر ناپاک جگہ میں نماز عیدین وغیرہ پڑھی گئی تو وہ صحیح نہیں ہوئی۔ فقط

(فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۲۲۲/۵)

امام نے بے وضو عید پڑھادی تو کیا کیا جائے:

سوال: اگر امام نے نماز عید پڑھادی، پڑھانے کے بعد پتہ چلا کہ امام کا وضو نہ تھا تو اس صورت میں شرعاً کیا مسئلہ ہے؟

الجواب

ایسی صورت میں اگر تو فوری پتہ چل جائے اور لوگ ابھی موجود ہوں تو وضو کر کے دوبارہ نماز عید ادا کرلیں اور اگر اب ان کو واپس لانا مشکل ہو تو شرعاً یہ کہا جائے گا کہ نماز ہو گئی۔

إمام صلى العيد على غير وضوء ثم علم بذالك قبل أن يتفرق الناس توضأ ويعيدون وإن فرق الناس لم يعدبهم وجازت صلاتهم صميانة للمسلمين وأعمالهم،آه. (رد المحتار: ۱/ ۷۸۳) فقط واللہ اعلم

۱۱/۴/۱۴۱۰ھ (خیر الفتاویٰ: ۱۴۰/۳)

جو نماز کا عادی نہ ہو اس کا عیدین میں شریک ہونا:

سوال: جو آدمی کبھی نماز پڑھنے کا عادی نہ ہو، وہ عیدین میں شریک ہوسکتا ہے، یا نہیں؟

الجواب

عیدین کی نماز جہاں واجب ہے، وہاں اس کو بھی ضرور پڑھنی چاہیے، البتہ فرائض کا ترک بہت بڑی معصیت ہے، ان کی ادائیگی کا اہتمام ضروری ہے، سابقہ نمازوں کا حساب لگا کر ان کا قضا کرنا ضروری ہے۔ فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۴۱/۳)

عیدگاہ میں حدث لاحق ہوجائے تو تیمّم کا حکم:

سوال: اگر کسی کو عیدگاہ میں نماز عید سے قبل حدث لاحق ہو گیا۔ اب اگر یہ وضو کرتا ہے تو نماز عید فوت ہونے کا خطرہ ہے۔ کیا یہ آدمی تیمّم کر کے نماز عید میں شامل ہوسکتا ہے؟

الجواب

اگر وضو میں مشغول ہونے سے نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہوتو تیمّم کر کے نماز میں شامل ہو جائے۔

رجل أحدث في الجبانة قبل الصلاة إن خاف فوت الصلاة لو اشتغل بالوضوء كان له أن يصلي با لتيمم بلاخلاف،آه. (فتاویٰ قاضی خان: ٨٨/١) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ١٤١/٣)

عیدین کے لیے تیمّم کرسکتا ہے، یانہیں:

سوال: پانی موجود ہے، عید کی نماز ہورہی ہے۔ تیمّم کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے، یانہیں؟

الجواب

اگر مطلقاً صلوٰۃ عید فوت ہونے کا اندیشہ ہوتو بجائے وضو کے تیمّم سے ادا کرلے۔ **التيمم لصلاة العيد ولا يجوز للمقتدى إذا لم يخف فوت الصلاة توضأ وإلايجوز،إلخ.** (الفتاویٰ الهندية: ١/ ١٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بندہ محمد انور عفا اللہ عنہ ،١٧ صفر ١٤٠٤ھ۔ الجواب صحیح: بندہ عبد الستار عفا اللہ عنہ۔ (خیر الفتاویٰ: ١٤١/٣)

عید الاضحیٰ اگر بے وضو پڑھی گئی تو قربانی ہوگئی ہے، یانہیں:

سوال: امام نے نماز عید پڑھادی، اس کے بعد بعض لوگوں نے قربانی کرلی، زوال کے بعد علم ہوا کہ امام صاحب نے نماز عید بغیر وضو کے پڑھادی ہے، اس صورت میں جن لوگوں نے قربانی کرلی، ان کی قربانی درست ہوگئی، یانہیں؟

الجواب

قربانی درست ہوگئی مگر اگلے دن عید کی نماز حسب معمول ادا کریں۔

إمام صلى بالناس صلاة العيد يوم الفطر علىٰ غير وضوء فعلم بذلك قبل الزوال أعاد الصلاة وإن علم بعد الزوال خرج من الغد وصلىٰ فإن لم يعلم حتىٰ زالت الشمس من الغد لم يخرج، وإن كان ذلك في عيد الأضحى فعلم بعد الزوال وقد ذبح الناس جاز ذبح من ذبح ويخرج من الغد ويصلي،آه. (الفتاوی الهندية: ١/ ٧٨) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ١٤٣/٣)

عید کی نماز میں اگر امام سے غلطی ہو جائے تو کیا کرے:

سوال: اگر عید الفطر، یا عید الاضحیٰ کی نماز پڑھاتے ہوئے امام سے کوئی غلطی ہو جائے تو نماز دوبارہ لوٹائی جائے گی، یا سجدۂ سہو کیا جائے گا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

اگر غلطی ایسی ہو کہ جس سے نماز فاسد نہیں ہوتی تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں اور فقہا نے لکھا ہے کہ عیدین میں اگر مجمع زیادہ ہو تو سجدۂ سہو نہ کیا جائے کہ اس سے نماز میں گڑ بڑ ہوگی۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۴/۱۵۷)

عید جمعہ کے روز ہو تو جمعہ اور عید دونوں واجب ہے:

سوال: عیداور جمعہ دونوں ایک دن میں ہو جائیں تو کیا دونوں فرض ہیں، یا دونوں واجب، یا دونوں سنت، یا ان میں تفصیل ہے؛ یعنی بعض فرض اور بعض واجب، یا سنت؟ مدلل تحریر فرمائیں اور دلیل اگر حدیث ہو تو بہتر ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــ

قال فی الدر المختار: لو اجتمعا أی العید والجمعة لم یلزم إلا أحدهما، کذا فی القهستانی عن التمرتاشی، قلت: وقد راجعت التمر تاشی فرأیته حکاه عن مذهب الغیر وبصیغة التمریض فتنبه، آه.

قال فی رد المختار: أما مذهبنا فلزوم کل منهما، قال فی الهدایة ناقلاً عن الجامع الصغیر: عید إن اجتمعا فی یوم واحد فالأول سنة والثانی فریضة ولا یترک واحد منهما، قال فی المعراج: قال عبد البر: سقوط الجمعة بالعید مهجور وعن علیٰ أن ذلک فی أهل البادیة ومن لا تجب علیهم الجمعة، آه، وسماها فی الجامع الصغیر سنته؛ لأن وجوبها ثبت بالسنة، حلیة، قال فی البحر: والظاهر أنه لاخلاف فی الحقیقة؛ لأن المراد من السنة المؤکدة بدلیل قوله لایترک واحد منهما وکما صرح به فی المبسوط وقد ذکر نا مراراً أنها بمنز لة الواجب عندنا، آه. (۶۸۵/۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عیداور جمعہ مجتمع ہو جائیں تو پہلی نماز واجب ہے؛ یعنی عید کی اور دوسری؛ یعنی جمعہ کی نماز فرض ہے اور شہر والوں کو کسی کا ترک بھی جائز نہیں۔ ہاں دیہات والوں کو جن پر جمعہ وعید واجب نہیں، گنجائش ہے کہ عید پڑھ کر اپنے گاؤں کو واپس ہو جائیں اور جمعہ نہ پڑھیں؛ کیوں کہ دیہاتی اگر شہر میں آجائے تو جب تک زوال کے وقت تک شہر میں نہ رہے، اس پر جمعہ فرض نہیں ہوتا، زوال سے پہلے اس کو واپس ہو جانا جائز ہے، **کما فی الدر والشامی (۸۶۱/۱) مع ذکر الاختلاف فیه والله تعالیٰ أعلم**

۲۰/ذی الحجہ ۱۳۴۷ھ (امداد الاحکام:۲/۳۹۳)

اگر عید اور جمعہ میں سہو جائے:

سوال: نماز عید میں امام سے واجب میں تاخیر ہو جائے تو سجدہ سہو کرے، یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(۱)　**إن مشائخنا قالوا لا سجد لسهوفی العیدین و الجمعة لئلا یقع الناس فی فتنة.** (الفتاویٰ الهندیة: ۱۲۸/۱)

الجواب

درمختار باب السجو دوالسہو میں ہے:

والسهو فی الصلاة العيد والجمعة والمكتوبة والتطوع سواء و المختار عند المتأخرين عدم فی الأولیین لدفع الفتنة كما فی جمعة البحر وأقره المصنف وبه جزم فی الدرر.

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں اگر واجب ترک ہوجائے، یا فرض میں تاخیر ہوجائے تو سجدہ سہو واجب نہیں۔فقط واللہ تعالی اعلم (امداد المفتین:۳۴۶/۲)

عید کی نماز میں رکوع، یا اس کے بعد شریک ہو:

سوال: اگر کوئی شخص عید کی نماز میں امام کے رکوع میں جانے کے بعد پہونچا، یا دوسری رکعت میں آ کر امام کے ساتھ ملا تو اس کو کس طرح اپنی نماز ادا کرنی چاہیے؟ (محمد ساجد علی، نظام آباد)

الجواب

امام رکوع میں جا چکا، اس کے بعد نماز میں شریک ہوا تو اگر اتنا وقت ہو کہ تکبیر تحریمہ کے بعد تین تکبیرات زوائد کہہ کر رکوع میں چلا جائے تو رکوع ہی کی حالت میں تین تکبیراتِ زوائد کہہ لے، البتہ رکوع میں تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں، اگر کچھ ہی تکبیرات کہہ پایا تھا کہ امام نے سر اٹھالیا تو امام کی اتباع کرے، جو تکبیرات باقی رہ گئی ہیں، وہ اس سے ساقط ہوجائیں گی، اگر پہلی رکعت میں امام کے رکوع سے فارغ ہونے کے بعد، یا دوسری رکعت میں امام کو پائے تو امام کے ساتھ اس کی اتباع کرتے ہوئے نماز پوری کرے اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک رکعت مکمل کرلے، یہ اس کی پہلی رکعت ہوگی، لہذا جب وہ اپنی نماز پوری کرنے کے لیے کھڑا ہوگا تو پہلے تین تکبیراتِ زوائد ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہے گا۔(۱) (کتاب الفتاویٰ:۸۴/۳)

عید کے بھی وہی شرائط ہیں جو جمعہ کے لیے:

سوال: فی زمانہ ہر ایک گاؤں میں جہاں صرف ایک معمولی سی مسجد ہو اور آبادی بھی صرف چند نفوس کی ہو، دوگانہ عید علاحدہ علاحدہ ادا کیا جاتا ہے۔کیا یہ جائز ہے، یا اس کے لیے کوئی خاص شرائط ہیں؟

الجواب

چھوٹے مواضعات میں جمعہ اور عیدین کی نماز پڑھنی مکروہ تحریمی ہے علاوہ ازیں بڑے موضعات میں جہاں جمعہ اور

(۱) الفتاویٰ الهندية: ۱۵۱/۱

عیدین کی نماز جائز ہے، وہاں منفرداً پڑھنا بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ جمعہ اور عیدین کے نماز کے لیے چند شرائط ہیں۔ من جملہ ان شروط کے ایک شرط جماعت بھی ہے، تنہا تنہا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

درمختار میں ہے:

"تجب صلاتهما في الأصح علىٰ من تجب عليه الجمعة بشرائطها المتقدمة،الخ،وفي القنية:صلى للعيد في القرىٰ تكره تحريماً أي لأنه اشتغال بمالايصح،لأن المصرشرط الصحة".

شامی میں ہے: "(قوله: صلاة العيد)ومثله الجمعة". (ردالمحتار،باب العيدين)

اور درمختار باب الجمعۃ میں ہے: "والسادس الجماعة". فقط واللہ تعالیٰ اعلم (امدادالمفتین: ۳۴۷/۲)

بچے جماعت عیدین میں کہاں کھڑے ہوں:

سوال: عیدگاہ میں بچوں کا جماعت کے اندر کھڑا ہونا، یا نمازی کے سامنے بیٹھنا اور امام کے داہنے بائیں نابالغ بچوں کو کھڑا کرنے میں کیا خرابی ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

نابالغ بچوں کے لیے حکم تو یہ ہے کہ اگر جماعت میں شامل ہوں تو پیچھے کھڑے ہوں، خواہ عیدین کی جماعت ہو، یا دیگر نمازوں کی۔ اگر بوجہ مجبوری جیسا کہ عیدگاہ میں پیش آتی ہے، بچے جماعت کے اندر کھڑے ہوجاویں، یا نمازی کے آگے بیٹھ جاویں، یا دائیں بائیں کھڑے ہوجاویں تو نماز ہوجاتی ہے؛ لیکن یہ خلاف سنت ہے اور مکروہ تنزیہی ہے۔(۱) فقط

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۵/۵-۱۹۶)

حنفی، غیر مقلد کی اقتدا میں نماز عید کس طرح پڑھے:

سوال: غیر مقلدین کے پیچھے عیدین کی نماز جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو پوری اقتدا بھی کرنی ہوگی؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وبالله التوفيق

ان کے پیچھے نماز جائز ہے، آپ اپنے حنفی طریقے پر پڑھئے۔(۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۳۵۰/۸/۳ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۶۰/۲)

---

(۱) ويصف،الخ، الرجال،الخ، ثم الصبيان ظاهرة تعددهم فلو واحد دخل الصف.(الدرالمختارعلىٰ هامش رد المحتار،باب الامامة: ۱/٥٣٤)

(۲) البتہ تکبیرات زوائد میں امام کی اتباع کرے۔[مجاہد]

"ولوزاد تابعه الىٰ ستة عشر؛لأنه مأثور". (الدرالمختارعلىٰ هامش ردالمحتار: ٥٤/٣)

نمازعیدین میں حنفی کا شافعی کی اقتدا کرنا:

سوال: شافعی امام کے پیچھے حنفیوں کی نماز صحیح ہوتی ہے، یا نہیں؟ خصوصاً عید کی نماز کے متعلق ایک استفتا کے جواب میں ایک مفتی صاحب نے ہمارے ملک برما میں عدم جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔اب تک شافعی مذہب والے اور حنفی مذہب والے ایک دوسرے کی اقتدا کرتے ہوئے نماز پڑھتے چلے آرہے ہیں۔اب اس عدم جواز کے فتوی سے عوام الناس میں بڑی سراسیمگی ہے۔

الجواب ــــــــــــــــــــــــــ وباللّٰه التوفيق

درمختار میں ہے: **"أن تيقن المراعاة لم يكره أوعد مها لم يصح وإن شك كره"**.

وتحته فى الشامى (۸۷۳/۱)(قوله:إن تيقن المراعاة)أى المراعاة فى الفرائض من شروط وأركان فى الصلاة(إلٰى قوله)ذهب عامة مشائخنا إلى الجواز إذا كان يحتاط فى موضع الخلاف وإلا فلا والمعنى أنه يجوزفى المراعى بلا كراهية وفى غيره معها ثم المواضع المهمة للمراعاة أن يتوضأ من الفصد والحجامة والقئى والرعاف ونحو ذلك لافيما هوسنة عنده.مكروه عندنا.(۱)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شافعی مذہب امام اگر حنفی مقتدی کی رعایت نماز کے شرائط وطہارت کے مسائل میں کرتا ہے تو بلا کراہت حنفی کی نماز صحیح ہوجائے گی اور اگر نماز کے شرائط وطہارت کے مسائل میں بالخصوص نواقض وضو وغیرہ کے مسائل میں رعایت نہ کرتا ہو تو حنفی کی نماز صحیح نہ ہوگی۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ شافعی محتاط ہو اور ان مذکورہ مسائل میں احتیاط رکھتا ہو تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت درست ہوگی، ورنہ اقتدا کرنے میں احتیاط کی جائے۔یہی حکم عیدین کے بارے میں بھی ہے، پھر اگر امام عیدین جو شافعی ہو اور محتاط ہو اور چار زائد تکبیروں سے زائد تکبیر کہے تو حنفی اس میں خموش رہے اور نماز حنفی کی اس صورت میں بلا شبہ صحیح ادا ہو جائے گی اور اگر امام حنفی ہو تو چار زائد تکبریں اس طرح کہے کہ شافعی مقتدی اپنی زائد تکبیریں پوری کرلیں۔فقط واللہ اعلم بالصواب

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دارالعلوم دیوبند سہارنپور، ۱۴۳۰/۵/۲۵ھ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۴۳-۳۴۴)

نمازعیدین میں مقتدی زیادہ شافعی المذہب ہوں توامام کس طرح نماز پڑھاوے:

سوال: عیدین میں امام حنفی ہے اور نصف مقتدی سے زائد شافعی ہیں اور نصف سے کم حنفی ہیں تو امام کو کس مذہب کے موافق نماز پڑھانی چاہیے؟

---

(۱) مطلب فى الاقتداء بشافعى ونحوه،باب الإمامة وكذا فى البحر الرائق،باب الإمامة: ۵۱۶/۱،رشيدية وكذا فى تبيين الحقائق،باب الوتروالنوافل

الجواب

عیدین کی نماز میں امام حنفی اپنے مذہب کے موافق تکبیرات زوائد کہے؛ یعنی تین تکبیرات ہرایک رکعت میں علاوہ تکبیر افتتاح ورکوع کے مقتدی جوشافعی المذہب ہیں، وہ اپنے مذہب کے موافق تکبیرات پوری کرلیں، اگران کے نزدیک یہ جائز ہوکہ امام حنفی کے پیچھے تکبیرات پوری کرلی جاویں۔ الغرض امام حنفی کوان کے مذہب کا اتباع ضروری نہیں ہے؛ لیکن اگرامام ان کی رعایت سےان کے مذہب کے موافق تکبیرات کہے گا تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں ہے۔

ویصلی الامام بهم ركعتين مثنياً قبل الزوائد وهی ثلٰث تكبيرات فی كل ركعة ولوزاد تابعه الٰی ستة عشر؛ لأنه مأثور. (۱)

اور کتاب الطہارۃ میں ہے:

لٰكن يندب للخروج من الخلاف لاسيما للامام لكن بشرط عدم لزوم ارتكاب مكروه مذهبه. (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۲۲۹/۵)

غیرمقلدوں کے متعلق سوال:

سوال: غیرمقلدوں کے استدلال:

(۱) نمازعیدین میں دونوں رکعتوں میں بارہ تکبیریں کہنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہیں۔

(۲) نمازعید میں دونوں رکعتوں تکبیریں قبل قرأت کے کہنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے ثابت ہیں۔

(۳) قرأت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازعیدین میں اورنماز جمعہ خاص تھی، نہ کہ عام۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازعیدالفطر کا وقت بمقدار سورج کے دونیزہ چڑھنے اورعیدالاضحیٰ میں بقدر یک نیزہ کے ثابت ہے۔

اول ودوم کی دلیل:

عن عائشة أن رسول اللّٰه عليه وسلم كان يكبر فی الفطروالأضحٰی فی الأولٰی سبعا وفی الثانية خمسا وأيضاً روی هٰذا الحديث عن عمر وبن شعيب عن ابيه عن جده أن النبی صلی اللّٰه عليه وسلم كان يكبر فی الفطر فی الأولٰی سبعاً وفی الثانية خمسا.

وعن عبد اللّٰه بن عمروبن العاص قال: قال النبی صلی اللّٰه عليه وسلم: التكبيرفی الفطر سبع فی الأولٰی وخمس الثانية القرأة بعدهما كلتيهما. وروی هٰذا الحديث أيضاً عن عمر وبن شعيب، الخ.

---

(۱) الدرالمختار، باب العیدین: ۱۱۵/۱

(۲) ردالمحتار، المجلد الأول

ان تینوں سے بارہ تکبیریں کہنا نماز عیدین کی دونوں رکعتوں میں قبل قرأت کے ثابت ہوگیا۔

سوم کی دلیل:

عن النعمان بن بشیر رضی اللّٰہ عنہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا ن یقرأ فی العیدین وفی الجمعۃ یسبح اسم ربک الأعلیٰ وھل أتاک حدیث الغاشیۃ.

دعوی چہارم کی دلیل:

عن جندب رضی اللّٰہ عنہ قال: کا ن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یصلی بنا یوم الفطر والشمس علیٰ قدرمحین والأضحی علیٰ قید رمح،الخ.

الجواب

کذب اور دروغ گوئی غیر مقلدین کا خاصہ ہے۔ بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ فلاں امر خلاف سنت ہے، گویا تمام کتب احادیث پران کومہارت حاصل ہے، ہم لوگوں کوغیر مقلدوں کے قصوں میں پڑھنے کی فرصت نہیں ہے اور جواب ان کے اقوال کاذبہ کااس وجہ سے لکھنا فضول ہے کہ اس گروہ کا حال مثل روافض کے ہے کہ اعتراضات کے جوابات بار بار ہو چکے ہیں، انہیں اعتراضات کو پھرنا واقفوں کے سامنے پیش کرتے ہیں، پس حنفیان متبع سنت کوضرور ہے کہ اس فرقہ اہل اہواء ضال ومضل سے پرہیز کریں اوران کے شبہات واعتراضات واہیہ کو نہ سنیں اور بالاجمال یہ سمجھ لیں کہ جماعت کثیرہ حنفیوں کی جن میں بڑے فقہاء وعلماء واولیاء اللہ ہوئے ہیں، گمراہی پر اور خلاف سنت وخلاف حق نہیں ہوسکتے کہ ہو نہ ہو یہی فرقہ باطلہ مصداق من شذ شذ فی النار کا ہوتو ہو؛ مگر تعجب ہے ان حنفیوں سے باوجود علم ایسے لوگوں سے ربط ضبط رکھیں اوران سے مسائل کی تحقیق کی درپے ہوں، جاننا چاہیے کہ مذہب امام ابوحنیفہ قرآن وحدیث سے ماخوذ ہے، کسی مسئلہ میں خلاف نہیں ہے؛ مگر ہر شخص میں قابلیت اس کے سمجھنے اور معلوم کرنے کی نہیں ہے، بڑے بڑے متبحر علماء اس پر آگاہ ومطلع ہوتے ہیں، نہ عقل کے دشمن۔ پس احناف کواس کے درپے ہونا نہ چاہیے، ان کا کام تقلید کا ہے، جومسئلہ معلوم نہ ہو، اس کوکسی متدین عالم سے تحقیق کرلیں۔ بالاختصار جملہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں۔

(۱-۲) چھ تکبیرات نماز عیدین میں موافق سنت نبوی کے ہیں، صرف ایک دلیل من جملہ بہت سے دلائل کے تحریر کی جاتی ہے اور اول رکعت میں تکبیر قبل قرأت کہنا اور رکعت ثانی میں بعد قرأت کے موافق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہے۔

قال صاحب فتح القدیر: وفی ابی داؤد مایعارضھا وھوأن سعید بن العاص رضی اللّٰہ عنہ سأل أباموسیٰ الأشعری وحذیفۃ بن الیما ن رضی اللّٰہ عنہ کیف کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یکبر فی الأضحی والفطر فقال: أبوموسیٰ کان یکبر أربعاً تکبیرہ علی الجنائز، فقال حذیفۃ رضی

اللّٰـه عـنه: صدق، فقال أبو موسىٰ كذلك كنت أكبر في البصرة حيث كنت عليهم، الخ. سكت عنه أبـو داؤد، الخ، قال الترمذي: قد روى عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال في التكبير في العيد: تسع تـكبيـرات في الأولىٰ خمساً قبل القراءة وفي الثانية يبدأ بالقراءة ثم يكبر أربعاً مع تكبيره الركوع وقـد روى غيـر واحد من الصحابة نحو هٰذا وهٰذا أثر صحيح قاله بحضرة جماعة من الصحابة رضي الله عنهم ومثل هٰذا يحمل على الرفع؛ لأنه مثل نقل أعداد الركعات. (فتح القدير: ٤٤)

اور مجیب کا فتح القدیر سے استدلال لانا اس کی کم فہمی کرتا ہے؛ کیوں کہ وہ جملہ اس کے مدعی پر منطق نہیں ہے اور اس سے قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی نہیں ہوتی۔

وفي أبـو داؤد أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه سال أبا واقد الليثي ماذا كان يقرأ به رسول اللّٰـه صـلى اللّٰـه عليه وسلم في الأضحىٰ والفطر؟ قال: كان يقرأ فيهما بقاف والقرآن المجيد واقتربت الساعة وانشق القمر. (سنن أبي داؤد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں سورۂ قاف وسورۂ قمر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے؛ اس لیے یہ کہنا غلط ہے کہ نماز کہ عیدین میں قرأت سبح اسم اور هل اتاک کے ساتھ مخصوص تھی۔

اس پر اجماع منعقد ہے کہ وقت عید بعد بلند ہونے آفتاب کے ایک، یا دو نیزہ سے زوال تک ہے۔

قال صاحب الدر المختار: ووقتها من ارتفاع قد رمح إلى الزوال. فقط

کتبہ رشید احمد عفی عنہ، الجواب صحیح: بندہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ۔ (فتاویٰ دار العلوم دیو بند: ۵/۲۳۴-۲۳۷)

نماز عید واجب ہے اور اسے سنت سمجھنے والے کی اقتدا کا حکم:

سوال: کیا نماز عید واجب ہے، یا سنت؟ اگر واجب ہے تو جو شخص نماز عید کو سنت سمجھے تو کیا اس کے پیچھے ان مقتدیوں کی نماز جائز ہے، جو عید کو واجب سمجھتے ہیں؟

(۲) نماز عید کے وجوب کی دلیل بھی بیان فرمائیں؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــ

(۱) نماز عید واجب ہے۔

"**صلاة العيد واجبة**". (نور الإيضاح)

نماز عید کو سنت سمجھنے والے امام کے پیچھے مقتدیوں کی نماز عید درست ہے۔ یہ اجتہادی اختلاف اقتداءنہیں۔

(۲) وجوب عید کی دلیل یہ ہے:

لأنـه ثبـت بالنقل المستفيض عنه صلى الله عليه وسلم أنه كان يصلي صلاة العيدين من حين

شرعیتها إلٰی أن توفاه اللّٰه تعالٰی من غیر ترک، کذاالخلفاء الراشدون والأئمة المجتهدون وهٰذا دلیل الوجوب. (حاشیة الطحطاوی علٰی مراقی الفلاح) فقط واللہ اعلم

بندہ عبدالستار، ۱۳۹۲/۱۰/۲۰ھ۔ الجواب صحیح: بندہ محمد عبداللہ عفا اللہ عنہ، ۱۳۹۲/۱۰/۲۱ھ۔ (خیر الفتاویٰ:۳/۱۲۳)

عید کے دن غیر شرعی کاموں کو انجام دینا:

سوال: یہاں عید کے دن میں لوگ کیا کیا بناتے (میدان بنانے، کنواں کھودنے، یا اسکول کا جھنڈا (بوٹا) کا کھمبا خریدنے) کے لیے ایسا ہی روپیہ اٹھاتا ہے، (چندہ کرتے ہیں)، شریعت میں یہ بات ہے (یہ شریعت کی بات ہے)؟ کیا ایسا کرنا اچھا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــ وباللّٰه التوفیق

عید کے دن ان چیزوں کا کرنا شریعت میں ثابت نہیں؛ بلکہ بعد کے لوگوں کی من گھڑت ایجاد ہے، اس کو شرعی چیز سمجھ کر کرنا، یا شرعاً اچھا سمجھنا سب ممنوع اور "من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس منه فهو رد". (رواه البخاری)(۱) میں داخل ہو کر نا جائز اور بدعت ہوگا۔

کتبہ محمد نظام الدین اعظمی، مفتی دار العلوم دیوبند سہارنپور ۱۴۰۲/۸/۱۱ھ (منتخبات نظام الفتاویٰ:۱/۳۴۶-۳۴۷)

۶/دسمبر اور عید الفطر:

سوال: بہت سے لوگوں کو تشویش ہے اگر عید الفطر ۶/دسمبر کو آئی تو نئے کپڑے پہننا درست ہوگا، یا نہیں؟ کیوں کہ یہی بابری مسجد کی شہادت کا دن ہے؟　　　(محمد متین فاروقی، اودیگر)

الجواب ــــــــــــــــ

عید الفطر منانا ایک حکم شرعی ہے اور اس دن اپنی حیثیت اور گنجائش کے مطابق بہتر کپڑے پہننا چاہیے؛ اس لیے ۶/دسمبر کو عید آنے کی وجہ سے اس سے اجتناب کرنا درست نہیں۔ ۶/دسمبر کا واقعہ یقیناً نہایت تکلیف دہ، کربناک اور نا قابلِ فراموش ہے؛ لیکن اس پر رنج کے اظہار کے لیے ایک حکم شرعی کی خلاف ورزی مناسب نہیں، اس کے بجائے عید کی شب میں اور نمازِ عید کے بعد کی دعا میں بابری مسجد کی بازیابی کے لیے خوب دعا کا اہتمام کریں کہ مؤمن کا اصل ہتھیار دعا ہے اور یہ اوقات دعا کی قبولیت کے ہیں۔ (کتاب الفتاوی:۳/۸۳)

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من أحدث فی أمرنا هٰذا ما لیس فیه فهو رد. (صحیح البخاری مع فتح الباری: ۵/۳۰۱، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علٰی صلح جور فالصلح مردود، رقم الحدیث: ۲۶۹۷)

جوقربانی نہ کرنا چاہتا ہووہ پہلے حجامت بنواسکتا ہے:

سوال: جس شخص پر قربانی واجب نہیں ہے، اس کے لیے حجامت کرانا کس وقت مسنون ومستحب ہے، بعد از نماز، یا قبل نماز؟

الجواب

صحیح مسلم میں حدیث مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا دخل العشر وأراد بعضکم أن یضحی فلا یأخذن شعراً ولا یقلمن طفراً فھذا محمول علی الندب. (شامی)(۱)

وفی روایۃ: من رأی ھلال ذی الحجۃ. وأراد أن یضحی فلا یأخذ من شعرہ ولامن أظفارہ. (رواہ مسلم)

حاصل یہ ہے کہ جوشخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اس کے لیے یہ مستحب ہے کہ بعد نماز بقرعید کے قربانی کر کے ناخن اور بال کتروائے اور حجامت بنوائے اور جوشخص قربانی کا ارادہ نہ رکھتا ہو، اس کے لیے یہ مستحب نہیں ہے، وہ نماز سے پہلے بھی حجامت بنواسکتا ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۱۹۹۔۲۰۰)

عیدگاہ میں بلند آواز سے ذکر کرنا:

سوال: مساجد میں بانتظار نماز عیدین مسلمان جمع ہوتے ہیں اور بجائے فضول اور لغو باتوں کے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے ہیں، اس طرح کہ ایک شخص تکبیر بآواز بلند کہتا ہے۔ دوسرے سننے والے باجماع آوازہ تکبیر بلند کرتے ہیں اور جب تک سب مصلی یکجا نہ ہولیں، اسی طرح ذکر میں مشغول رہتے ہیں اور بعد نماز کے لوگ مع امام کے دعا مانگتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس طریقے کا حدیث شریف وفقہ سے ثبوت ہے، یا نہیں؟

الجواب

تسبیح وتکبیر بالسر تو ایک مستحسن فعل اور موجب اجر ہے؛ لیکن صورت مسئولہ فی السوال میں جہر بالتکبیر ہیئت مذکورہ اور اجتماعی حالت کی وجہ سے بدعت اور ناجائز ہے؛ کیوں کہ جس بات میں شارع کی طرف سے کوئی تعیین نہ ہو، اپنی طرف سے اس میں تعینات وتخصیصات کر لینا اس کو بدعت بنا دیتا ہے۔ دلیل کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ اثر ملاحظہ ہو:

أخبر عبد اللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ بالجماعۃ الذین کانوا یجلسون بعد المغرب وفیھم

---

(۱) ردالمحتار، باب العیدین: ۱/۷۸۸

رجل يقول: كبروا الله كذا وكذا سبحوا الله كذا وكذا وحمدوا الله كذا وكذا فيفعلون فحضرهم فلما سمع ما يقولون قام فقال: أنا عبد الله بن مسعود فوالذى لا إله غيره لقد جئتم ببدعة ظلماء أولقد فقتم علىٰ أصحاب محمد عليه السلام علماً. (مجالس الأبرار)(۱)

یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود کوخبر دی گئی کہ ایک جماعت ہے، جو بعد مغرب بیٹھتی ہے اوران میں سے ایک شخص کہتا ہے کہ اللہ اکبر اتنی مرتبہ کہو، سبحان اللہ اتنی مرتبہ کہو، الحمدللہ اتنی مرتبہ کہو تو سب ایسا ہی کرتے ہیں۔ پس حضرت عبداللہ بن مسعود ان کے پاس گئے اوران کی تسبیح وتحمید کو سنا اور کھڑے ہوکر فرمایا کہ میں عبداللہ بن مسعود ہوں اور قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تم ایک سخت تاریک بدعت کے مرتکب ہوئے ہو، یا اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر علم میں فوقیت حاصل کر لی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسا طریقہ جس میں شارع کی طرف سے کوئی خصوصیت ثابت نہیں، اس کا ارتکاب بدعت ہے اور کتب فقہ حنفیہ میں یہ حکم موجود ہے کہ تکبیر بالجہر عیدالفطر میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک نہیں ہے اور عیدالاضحیٰ میں تکبیر بالجہر راستہ میں ہے، مصلی میں تکبیر بالجہر اور وہ بھی اس اجتماع واہتمام کے ساتھ فقہ حنفی کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۲۹۵-۲۹۶)

عید کے روز ایک دوسرے کو کہنا ''اللہ قبول کرے'':

سوال: عیدین کے روز ایک دوسرے کو یہ کہنا کہ اللہ پاک قبول کرے یہ درست ہے، یا نہیں؟

الجواب

ایسا کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

إختلف فى قول الرجل لغيره يوم العيد تقبل الله منا ومنك ... والأظهر أنه لابأس به لمافيه من الأثر، آه. (كبيرى، ص: ٥٢٦) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ (خیر الفتاویٰ: ۱۴۲/۳)

---

(۱) مجالس ابرار عربی نہیں ملی، اردو ترجمہ ملا ہے، اس کا حوالہ درج ہے: مجالس ابرار، مجلس نمبر: ۸، بدعت اوراس کے اقسام واحکام، ص: ۱۶۵، ط: دارالاشاعت کراچی

قال فى التنوير: "ولا يكره فى طريقها ولايتنفل قبلها مطلقاً. (١٦٩/٢، باب العيدين)

وفى التنوير وشرحه: "ويكبر جهراً فى الطريق قيل وفى المصلى. (١٧٦/٢، باب العيدين، ط، سعيد)

عیدین کے دن ہر ایک کے لیے نہانا مستحب ہے:

سوال: اگر ایک آدمی عذر کی بنا پر عید کی نماز کے لیے نہیں جا سکتا، کیا اس کے لیے بھی عید کے دن غسل کرنا مستحب ہے؟

الجواب

اس کے لیے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔

وندب أن يغتل وتقدم أنه للصلاة؛لأنه صلى الله عليه وسلم كان يغتل يوم الفطرويوم النحر. (مراقی)

(قوله:وتقدم أنه للصلاة) ذكرالسرخسى عن الجواهر :يغسل بعد الفجرفإن فعل قبله أجزاء ويستوى فى ذلك الذاهب إلى الصلاة والقاعد لأنه يوم زينة واجتماع بخلاف الجمعة، قال السروجى: وهٰذا صحيح وبه قال المالكية والشافعية،كما فى الحلبى واختار فى الدرر أيضاً كون الغسل والنظافة فيه لليوم فقط وعلله فى النهر بأن السرور فيه عام فيندب فيه التنظيف لكل قادر عليه صلى أم لا،آه. (الطحطاوی،ص: ۲۸۹) فقط واللہ اعلم

محمد انور عفا اللہ عنہ، ۱۳۹۸/۴/۱۸ھ۔ (خیر الفتاویٰ: ۱۳۶/۳)

کیا جمعہ کی عید مسلمانوں پر بھاری ہوتی ہے:

سوال: گزشتہ چند روز سے یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ جمعہ کی عید حاکم پر، یا عوام پر بھاری گزرتی ہے؟

الجواب

قرآن وحدیث، یا اکابر کے ارشادات سے اس خیال کی کوئی سند نہیں ملتی؛ اس لیے یہ خیال محض غلط اور توہم پرستی ہے، جمعہ بجائے خود عید ہے، اور اگر جمعہ کے دن عید بھی ہو تو گویا ''عید میں عید'' ہوگئی، خدا نہ کرے کہ کبھی عید بھی مسلمانوں کے لیے بھاری ہونے لگے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۱۵۹/۴)

عید میں غیر مسلم سے عید ملنا کیسا ہے:

سوال: عید میں اگر ایک خاص غیر مسلم فرقے کے افراد عید ملنے کے لیے ہماری طرف بڑھیں تو کیا ان سے عید مل سکتے ہیں؟

الجواب

عید ملنا علامت ہے دوستی کی اور دوستی اللہ کے دشمنوں سے حرام ہے؛ کیوں کہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے۔ (۱)

(آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/۱۵۹-۱۶۰)

---

(۱) ﴿يـاأيها الذين آمنوا لاتتخذوا اليهود والنصرى أولياء بعضهم أولياء بعض،ومن يتولهم منكم فانهم منهم،ان الله لايهدى القوم الظلمين﴾ (سورة المائدة: ۵۱)

==

عید پر بچوں اور ماتحتوں کو عیدی دینا:

سوال: خاص طور پر عید الفطر کے موقع پر گھر کے بڑے بوڑھے بچوں کو ''عیدی'' دیتے ہیں، افسران اپنے ماتحتوں اور مالکان اپنے نوکروں کو عیدی کے طور پر کچھ نہ کچھ دیتے ہیں، یہ رسم ایسی چل نکلی ہے کہ اس پر عمل نہ کرنے والا مطعون ہوتا ہے، اگر بچوں اور ماتحتوں کو عیدی نہ دی جائے تو عجیب سی شرمندگی کا احساس ہوتا ہے۔ کیا اس طرح عیدی دینا جائز ہے؟ یہ بدعت کے زمرے میں تو نہیں آتی؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

عید کے روز اگر عیدی کو اسلامی عبادات، یا سنت نہیں سمجھا جاتا محض خوشی کے اظہار کے لیے ایسا کیا جاتا ہے تو کوئی حرج نہیں۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۶۰/۴)

قبولیت کا دن کس ملک کی عید کا ہوگا:

سوال: مسئلہ یہ ہے کہ چوں کہ کرۂ ارض پر عید مختلف دنوں میں ہوتی ہے، جیسا کہ اس سال سعودیہ میں عید تین دن پہلے ہوئی؛ اس لیے آپ مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ قبولیت کا دن کس ملک کی عید پر ہوگا؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

جس ملک میں جس دن عید ہوگی، اس دن وہاں اس کی برکات بھی حاصل ہوں گی، جس طرح جہاں فجر کا وقت ہوگا، وہاں اس وقت کی برکات کا بھی ہوں گی اور نمازِ فجر بھی فرض ہوگی۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل: ۱۵۵/۴)

رمضان میں ایک ملک سے دوسرے ملک جانے والا عید کب کرے:

سوال: بکر سعودیہ سے واپس پاکستان آیا، وہاں روزہ دو دن پہلے رکھا گیا تھا، اب جب کہ پاکستان میں اٹھائیس روزے ہوں گے، اس کے تیس روزے ہوجائیں گے، اب وہ سعودیہ کے مطابق عید کرے گا، یا کہ پاکستان کے مطابق؟ یہ بھی واضح کریں کہ بکر نے سعودیہ کے مطابق روزہ رکھا، جس دن وہاں عید ہوگی، اس دن وہ روزہ رکھ سکتا ہے، یا کہ نہیں؟ دو روزے جو زیادہ ہوجائیں گے، وہ کس حساب میں شمار ہوں گے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــ

عید تو وہ جس ملک (مثلاً: پاکستان) میں موجود ہے، اسی کے مطابق کرے گا؛ مگر چوں کہ اس کے روزے پورے

== ﴿یاأیها الذین آمنوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء تلقون الیهم بالمودة وقد کفروا بما جائکم من الحق﴾ (سورة الممتحنة: ۱)

ہو چکے ہیں؛اس لیے یہاں آ کر جوزائد روزے رکھے گا، وہ نفلی شمار ہوں گے۔(۱) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۵۶/۴)

پاکستان سے سعودیہ جانے والا آدمی سعودیہ میں کس دن عید کرے گا:

سوال: ایک آدمی پاکستان سے سعودی عرب گیا، اس کے دو روزے کم ہوگئے، اب وہ سعودیہ کے چاند کے مطابق عید کرے گا اور جو روزے کم ہوئے، ان کو بعد میں رکھے گا، یا اپنے روزے پورے کر کے سعودی عرب کی عید کے دو دن بعد پاکستان کے مطابق اپنی عید کرے گا؟

الجواب

عید سعودیہ کے مطابق کرے اور جو روزے رہ گئے ہیں، ان کی قضا کرے۔(۲) (آپ کے مسائل اوران کا حل:۱۵۶/۴)

''عید مبارک'' کہنے کا حکم:

سوال: عیدالفطر کے دن''مبارک باد'' کہنا کہیں ثابت ہے، یا نہیں؟ نیز اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب

کہنا کوئی ضروری نہیں اور ضروری سمجھنا جائز بھی نہیں۔اس عقیدے کے بغیر اگر کسی کو روزے پورے کرنے کی مبارک دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

''**والتهنئة بتقبل الله منا ومنكم لاتنكر،آه.(قوله: لاتنكر)خبرلقوله التهنئة إلخ،قال المحقق ابن أمير الحاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة فى الجملة ثم ساق آثاراً بأسانيد صحيحة عن الصحابة فى فعل ذلک ثم قال: والمتعامل فى البلادالشامية والمصرية عيد مبارک عليک و نحوه وقال: يمكن أن يلحق بذلک فى المشروعية والاستحباب لما بينهما تلازم فإن من قبلت طاعته فى زمان كان ذلک الزمان عليه مباركاً علىٰ أنه قدور والدعاء بالبركة فى أمورشتى فيؤخذ منه استحباب الدعاء بماهنا أيضًا**(رد المحتار: ٦١٣/١)فقط واللہ اعلم

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ،۱۳۹۷/۹/۳۰ھ۔الجواب صحیح: بندہ عبدالستار عفا اللہ عنہ۔(خیر الفتاوی:۱۲۴/۳)

عید میں شیر خرما:

سوال: کیا عیدالفطر کے دن شیر خرما بنانا ضروری ہے؟ اور کیا دوسرا میٹھا بنانا خلاف سنت، یا غیر درست ہے؟

(قاری ایم،الیس خان،اکبر باغ)

(۱-۲) **لوصام رائى هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطرالا مع الامام لقوله عليه الصلاة والسلام صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون.رواه الترمذى.قال فى البدائع:المحققون قالوا لا رواية فى وجوب الصوم عليه وانما الرواية أنه يصوم وهو محمول على الندب احتياطاً.(رد المحتار: ٣٨٤/٢، كتاب الصوم، مبحث فى صوم يوم الشک)**

الجواب

سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر کے دن عیدگاہ جانے سے پہلے چند کھجوریں تناول فرمایا کرتے تھے''۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ عید کے دن صبح میں کھجور سے افطار کرنا مسنون ہے، خرما خشک کھجور ہی کو کہتے ہیں اور ہندوستان جیسے ملک میں جہاں ریگستان نہ ہونے کی وجہ سے کھجور کی پیداوار نہیں ہوتی ہے، وہاں لوگوں کو یہی خشک کھجور میسر آیا کرتی تھی؛ اسی لیے غالباً ہندوستان میں اس موقع سے خرما کھانے کا رواج ہوا ہوگا اور کچھ لوگوں نے سہولت اور ذائقہ میں اضافہ کے لیے دودھ کو بھی خرما کے ساتھ شامل کر دیا ہوگا، شیر کے معنی دودھ کے ہیں، اس طرح یہ ''شیر خرما'' ہو گیا، بہ تدریج دودھ اور خرمے کی جگہ دودھ اور سوئی نے لے لی، جس میں دو چار خرما بھی رکھ دیا جاتا ہے اور یہی ''شیر خرما'' کا نام باقی رہا، غالباً یہی شیر خرما کی اصل ہے، غرض عید کے دن صبح میں کھجور سے افطار کرنا مسنون اور کسی بھی میٹھی چیز کا استعمال، یا کم سے کم کوئی بھی چیز نماز عید کو جانے سے پہلے کھا لینا مستحب ہے، یہ ضروری نہیں کہ ''شیر خرما'' کی جو مروجہ صورت ہے، وہی اختیار کی جائے۔ (کتاب الفتاویٰ:۳/۸۶-۸۷)

عرفہ نویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں:

سوال: ایام عرفہ کتنے ہیں اور کس مہینہ اور تاریخ کو ہوتے ہیں؟

الجواب

عرفہ کا دن ایک ہے؛ یعنی نویں تاریخ ذی الحجہ کی۔ (۲) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۵/۲۰۱)

حدیث عید میں دعوت کا کیا مطلب ہے:

السوال: ''عن أم عطية قالت: أمرنا أن نخرج الحيض العيدين وذوات الخدور فيشهدن جماعة المسلمين ودعوتهم وتعتزل الحيض عن المصلى''. لفظ: دعوتهم سے کیا مراد ہے؟ بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے؟

الجواب

لفظ دعوتہم عام ہے، جو دعا بعد نماز ہوگی، وہ بھی اس میں داخل ہے اور منسوخ کہنا اس کا غلط ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم:۵/۲۱۳)

---

(۱) الجامع للترمذی، رقم الحديث: ٥٤٣، باب ما جاء في الأكل يوم الفطر قبل الخروج

(۲) شرح الوقاية، كتاب الحج: ۱/۳۳۳

عید میں سوئیاں کھانا کھلانا مباح ہے:

سوال: اس طرف عیدالفطر کے روز عام طور پر یہ رواج جاری ہے کہ بعد نماز سوئیاں تقاضے کے ساتھ کھاتے کھلاتے ہیں۔ یہ کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

سویاں کھانا کھلانا کوئی شرعی بات نہیں ہے۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی: ۳۰۷/۳)

نماز عیدالاضحیٰ سے قبل بھوکا رہنے کا حکم:

سوال: ایک عالم بزرگ کے فرمان کے مطابق یہاں کے مسلمان عیدالاضحیٰ کے روز نماز عید سے قبل کچھ نہیں کھاتے ہیں۔ نماز وخطبہ سے فراغت کرکے اپنے اپنے گھر جاکر کھاتے ہیں۔ اس سال ایک مولانا صاحب نے نماز سے قبل اپنی تقریر میں کہا کہ نماز سے قبل بھوکا رہنا، یا روزہ رکھنا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــ وباللّٰہ التوفیق

عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے پہلے کچھ نہیں کھانا اور نماز وخطبہ کے بعد قربانی کا گوشت کھانا مستحب ہے، (۱) اگر یہ مولانا صاحب نے اس کے خلاف کہا ہے تو صحیح نہیں کہا ہے، پہلے عالم بزرگ نے جو کہا ہے، وہ صحیح ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۱۲/۲۶/۴/۱۳۷۴ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲۵۶/۲)

تاشا اور نفیری بجاتے عیدگاہ جانا اور امام کے سر پر چتر کا سایہ کرنا کیسا ہے:

سوال: مصلیان عیدین کا امام کے ساتھ تاشا ونفیری وغیرہ بجواتے ہوئے جانا اور بعد نماز عیدین بوقت خطبہ امام کے سر پر چتر کا سایہ کرنا شرعا کیسا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

تاشا ونفیری وغیرہ بجانا حرام ہے، ایسا کرنے والے خطا وارو گنہگار ہیں، (۲) اور بوقت خطبہ خطیب کے سر پر چتر کرنا بھی نہیں چاہئے یہ امر خلاف آداب خطبہ واستماع خطبہ ہے۔ فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۱۹۹/۵)

---

(۱) والأضحٰی کالفطر فیها ألا أنه یترک الأکل حتٰی یصلی العید کذا فی القنیة وفی الکبری الأکل قبل الصلاة یوم الأضحٰی هل هو مکروه، فیه روایتان، والمختار أنه لایکره لکن یستحب له أن لا یفعل کذا فی التتارخانية ویستحب أن یکون أوّل تناولهم من لحوم الأضاحی التی هی ضیافة اللّٰه. (الفتاوٰی الهندية، باب فی صلاة العیدین: ۱/ ۱۵۰)

(۲) الدرالمختار علٰی هامش رد المحتار، کتاب الخطر والاباحة، المجلد الخامس

نمازعید کے لیے نقارہ جائز ہے، یا نہیں:

سوال: برائے نماز عید نقارہ کوبی جائز است، یا نہ؟

الجواب

اگر بقصد تفاخر وتلہی است ممنوع است واگر بہ نیت تنبہ است جائز است۔

ومن ذلک ضرب التوبة للتفاخر فلولتنبیه فلا بأس به،الخ. (۱) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۵/۲۰۵-۲۰۶)

عیدین کی امامت کی خاطر فتنہ پیدا کرنا:

سوال: کھگول کی عیدگاہ میں بقرعید کے دن حسب معمول امامت کے لیے محمد عباس پھلواری سے بلوائے گئے۔ حکیم محمد حسن پیش امام مسجد بازار کھگول (جو عیدین کی امامت کے خواہشمند ہیں؛ مگران کو باشندگان کھگول وجمال الدین چک وبدلپورہ وسید پور وشہباز پور وغیرہ وغیرہ ونیز چھوٹی کھگول کے لوگ باستثنائے بعض ناپسند کرتے ہیں) عین اس وقت جب کہ نماز شروع ہو چکی تھی، اپنے چند ذریات کو لے کر بہ نیت فساد پچھلی صف میں گھس کر خود امام بن کر نماز پڑھانا شروع کر دیا۔لوگوں کو دو امام کی قرأت اور تکبیر سے نماز میں خلل وگڑبڑ ہوا اور سبھوں نے تحمل وبرداشت سے کام لیا اور کوئی فساد نہیں ہوا، پھر حکیم حسن نے عیدگاہ سے باہر علاحدہ ایک جماعت قائم کر کے دوبارہ نماز پڑھائی اور پہلے صرف ہم لوگوں کی نماز خراب کرنے کے لیے پڑھائی تھی، ایسے پیش امام کے لیے علما دین کا کیا حکم ہے؟

الجواب وباللّٰہ التوفیق

صورت مسئولہ میں اگر واقعہ صحیح ہے تو جن لوگوں نے نمازیوں کی نماز کے خراب کرنے اور جماعت مسلمین میں افتراق پیدا کرنے کی کوشش کی، انہوں نے معصیت کا ارتکاب کیا۔(۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

محمد عثمان غنی، ۴/صفر ۱۳۵۰ھ۔ (فتاویٰ امارت شرعیہ: ۲/۲۶۴)

عید کی امامت کے لیے اجرت لینا جائز ہے:

سوال: قاضی صاحبان عیدین کی نماز پڑھاتے ہیں تو چندہ جمع کر کے اجرت لیتے ہیں اور نکاح پڑھائی دو روپئے، چار روپئے طلب کرتے ہیں اور جو شخص انکار کرتا ہے نکاح نہیں پڑھاتے اور خود تارک بالصلوٰۃ ہیں۔

(المستفتی: محمود خاں (ہمیر پور)

---

(۱) ﴿وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَه وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفشَلُوا وَتَذهَبَ رِيحُكُم وَاصبِرُوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾(سورة الأنفال:٤٦)

الجواب

عید کی امامت کی اجرت لینا ناجائز ہے، نکاح کی اجرت بقدر وسعت لینی جائز ہے؛(۱) مگر بے نمازی کو امام بنانا مکروہ ہے۔(۲)

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (کفایت المفتی:۳۰۷/۳۔۳۰۸)

اگر کچھ لوگ عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا کریں تو درست ہے:

سوال: ایک شخص قاضی امام مسجد عیدگاہ میں باجہ کے ساتھ جاتا ہے، چند لوگوں نے اس کو منع کیا؛ لیکن اس نے نہیں مانا، چناں چہ وہ لوگ عیدگاہ میں جا کر شریک جماعت نہیں ہوئے؛ بلکہ مسجد میں کسی کو امام بنا کر عید کی نماز پڑھی، وہ لوگ مسجد میں نماز سکتے ہیں، یا نہیں؟

الجواب

ان لوگوں کی نماز (جو مذکور قاضی کے ساتھ جا کر عیدگاہ میں نماز میں شریک نہ ہوئے اور مسجد میں کسی کو امام بنا کر نماز عید ادا کی صحیح ہے؛ کیوں کہ عید کی نماز مسجد شہر میں بھی ادا ہو جاتی ہے؛ مگر سنت یہ ہے کہ عیدین کی نماز باہر جنگل میں جا کر ادا کی جائے۔

کما فی الدر المختار: والخروج الیها أی الجبانة لصلٰوة العید سنة وان وسعهم المسجد الجامع الخ وفی الشامی تحت قوله أی الجبانة وهو المصلی العام. أی فی الصحراء. بحر عن الغراب. (شامی)(۳) فقط (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند:۲۰۹/۵۔۲۱۰)

صدقۂ فطر میں ستو دینے کا کیا حکم ہے:

سوال: صدقہ فطر میں گندم خام، یا جو خام دینا؛ یعنی جیسے گندم، یا جو کا ستو کہا کرتے ہیں کہ وہ کچی ہوا کرتی ہیں، جائز ہے، یا نہیں؟ اور دے تو کتنے دے؟

الجواب

اگر وہ خشک ہو گئے ہوں تو دینا جائز ہے اور اسی قدر دیئے جائیں گے، جس قدر گندم پختہ دیئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم

(بدست خاص، ص:۴۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۱۹)

---

(۱) امداد الفتاویٰ:۲۶۳/۲، ط مکتبہ دارالعلوم کراچی، وخیر الفتاویٰ ۵۸۶/۴، ۵۸۷ ط، مکتبہ الخیر جامعہ خیر المدارس، ملتان

(۲) قال فی التنویر: "ویکره إمامة عبد واعرابی وفاسق. (باب الامامة: ۵۵۹/۱، ط: سعید)

(۳) ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب العیدین: ۷۷۶/۱

حضرت عثمان کا خطبۂ عیدین نماز سے پہلے پڑھنے کی وجہ اور اردو میں خطبہ کا حکم:

سوال: پہلے نماز عیدین سے خطبہ پڑھنا بعض کتب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے، یہ سنت عثمانی ہے، یا بدعت مروانی؟

الجواب

عیدین کے احکام کو جو عیدین سے جمعہ پہلے ہو،اس میں تلقین اور وعظ کی مستحسن ہے اور خطبہ میں اردو بیان کرنا مکروہ ہے اور حضرت عثمان (غنی) رضی اللہ عنہ نے قبل نماز (عید) خطبہ پڑھا ہے، اس واسطے کہ ان کے وقت میں دور دور سے لوگ حاضر ہوتے تھے، اگر آپ نماز پڑھ کر خطبہ پڑھتے تو دور والے شریک نماز نہ ہوتے اور دیر کرنا پڑتی؛ تاکہ باہر کے آدمی آجاویں اور پھر خطبہ پڑھتے تو خلق کثیر کو گرمی کی تکلیف ہوتی، اس واسطے یہ سہولت پیدا کی کہ خطبہ اول پڑھا کہ شرکت باہر والوں کو حاصل ہو جاوے اور خطبہ سے کوئی حاضر محروم نہ رہے اور عیدین کا خطبہ سنت ہے، نہ کہ واجب۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فرخ آباد، ص:۵۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۱۹)

کیا عیدین کی نمازوں میں زبان سے تکبیرات کی نیت کرنا ضروری ہے:

سوال: نماز عیدین وجنازہ میں تکبیرات کو نیت کرنے کے وقت، زبان سے کہنا مثلاً نیت کی نمازِ دو رکعت واجب عید الفطر کی مع چھ تکبیرات چاہیے، یا نہیں؟ فقط ویسے ہی نیت کرلے؟

الجواب

زبان سے کہنے (کی) ضرورت نہیں اور تکبیرات کی نیت بھی ضرور(ی) نہیں؟ فقط نماز عید کی اور جنازہ کی نماز کی نیت کافی ہے۔

(بدست خاص، جواب:۱۵) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۱۹)

عیدین اور جمعہ اگر فوت ہو جائیں تو کیا کریں:

سوال: اگر نماز عید وجمعہ ہو چکی ہو تو پھر جس نے نہیں پڑھی، وہ دوسری جماعت اسی جگہ، یا کہیں اور کر کے نماز پڑھے تو جائز ہے، یا نہیں؟ یا بدون جماعت بھی پڑھ لے، یا نہیں؟

الجواب

اگر جمعہ وعید فوت ہو جاوے تو لوگ دوسرا امام بنا کر، دوسری جگہ ادا کرلیویں تو درست ہے، اس جگہ نہ پڑھیں۔ بدون جماعت یہ نمازیں درست نہیں ہوتیں۔ فقط (بدست خاص، جواب:۱۶) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۲۰)

اگر کسی وجہ سے مقتدی کی، جمعہ یا عید کی نماز فاسد ہوگئی، تو وہ کیا کرے:

سوال: اگر عیدین کی، یا جمعہ کی نماز مقتدی کی نہ ہوئی، اس وجہ سے کہ اس کے بدن سے خون نکل آیا، یا اور کچھ ہوگیا تو وہ نماز اپنی دوبارہ پڑھے، یا نہیں؟

الجواب

تنہا، دوبارہ یہ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ (بدست خاص، جواب: ۱۷) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۰)

عیدگاہ میں ممتاز اور بااثر لوگوں کے لئے جگہ، خاص کر لینے کا حکم:

سوال: بعضے شہروں میں یہ دستور ہے کہ جب روز عید، یا بقرعید کا ہوتا ہے تو قاضی شہر کا آٹھ بجے ایک فرش واسطے ان لوگوں کے، عیدگاہ میں اگلی جماعت میں بچھوا دیتا ہے اور کسی کو اس کے اوپر بیٹھنے نہیں دیتا؛ بلکہ جو شخص قاضی کے فرش (کے) آنے سے پیشتر، اگلی جماعت میں اپنی چادریں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں تو قاضی کا آدمی، یا خود قاضی ان کو وہاں سے اٹھا دیتا ہے اور قاضی اور اس کے ہمراہی جو اکثر اہل کار سرکاری اور اس کے کنبہ کے ہوتے ہیں، وہ دس بجے آکر اس پر بیٹھے ہیں اور اس فرش پر اگر کوئی قاضی کے آنے سے پہلے بیٹھ جاتا ہے تو قاضی اس کو پچھلی جماعت میں کر دیتا ہے اور اگر کوئی قاضی صاحب سے یوں کہتا ہے کہ یہ شخص صبح سے واسطے اگلی جماعت کے دھوپ کی تکلیف اٹھاتے ہیں اور آپ اور آپ کے ہمراہی اس وقت دس بجے آئے تو ان کی کیا خطا ہے کہ اگلی سے پچھلی میں کر دیئے جاتے ہیں؛ بلکہ آپ کو اگر اگلی جماعت کا شوق ہے تو آپ کو مع اپنے ہمراہیوں کے پہلے آنا چاہیے تو درجواب اس کے قاضی نے کہا کہ اگرچہ ہم دس بجے آتے ہیں؛ لیکن فرش تو ہمارا پہلے آجاتا ہے۔ جو حکم خدا (اور) رسول کا ہو، تحریر فرماویں؟

الجواب

قاضی کا پہلے فرش بچھوانا ایسے لوگوں کے واسطے منع ہے اور غرباء کی چادریں اٹھوانا بھی ظلم ہے، مسجد وعیدگاہ سب وقف مکان ہوتے ہیں، سب مسلمان اس میں برابر ہیں، جو پہلے آوے، وہ اپنی جگہ کا مستحق ہے، کسی کی کوئی جگہ مقرر نہیں، پہلے آئے کو اٹھانا ظلم ہے اور پہلے جگہ کا روک دینا، آنے سے پہلے بھی منع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صحابہ علیہم الرضوان نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ آپ کے واسطے منی میں مکان بنایا جاوے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں؛ کیوں کہ منیٰ جگہ پہلے جانے والے کی ہے۔ (۱)

(۱) رواه الترمذی عن عائشة رضی الله عنها قالت: قلنا یا رسول الله ! ألانبنی لک بناءً [وفی نسخة محمد فواد محمدعبدالباقی (بیتاً)]یظلک بمنی، قال : لا، منیً مناخ من سبق. ص:۱۷۷،ج:۱،أبو اب الحج،باب ماجاء منی مناخ لمن سبق)[کتب خانه رشیدیه دهلی] ت:محمدفواد عبدالباقی،رقم الحدیث:۸۸۱،ص:۲۲۸،ج:۳،دارالکتب العلمیة بیروت:۱۳۷۷هـ،۱۹۵۸ء)

یعنی جو پہلے پہنچ کر ٹھہر گیا، وہی اس جگہ کا مستحق ہے، وہاں اپنا مکان بنانا جگہ کا روک لینا ہے، یہ درست نہیں۔ پس یہ قاضی جو ایسا کرتا ہے گنہ گار ہے۔ فقط، واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

یہ جواب صحیح ہے: محمد مراد عفی عنہ (فیوض رشیدیہ، ص: ۲۳، فخر المطابع میرٹھ: بلا سنہ) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۰-۲۲۱)

عید کے موقع پر انعام وغیرہ دینا اور دعوت:

اور انعام عیدین اور تقسیم طعام عیدین میں بھی روا ہے، اس کو مؤکد نہ جانیں کہ اوقات سرور میں یہ امور ثابت ہیں۔ ہاں! اگر ترک ان کا طبع پر گراں اور موجب شرم اور خفت جانا جاوے تو البتہ داخل بدعت ہو جاویں گے۔

(فرخ آباد، ص: ۴۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۱)

عید کے دن سویاں پکانے کو ضروری سمجھنا:

سوال: عید کے روز سویاں ضروری جانتے ہیں اور ان کا پکانا کھانا موجب ثواب جانتے ہیں، ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب

کسی کام کو کسی روز اپنی رائے سے ضروری جاننا بدعت ہے، فاعل اس کا مبتدع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(مجموعہ کلاں، ص: ۲۴۲-۲۴۱) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۱)

عصر کے بعد اور لہو لعب کے ساتھ عید کی نماز:

سوال: نماز عیدین بعد عصر قبل مغرب مع لہو ولعب، مثل تاشہ و باجہ وسنکھ وغیرہ کے جا کر پڑھنا، موجب ثواب کے ہوں گی، یا نہیں؟ اگر کوئی منع کرے اور کہے کہ وقت نماز عیدین قبل زوال ہے، اس وقت جائز نہیں۔ تو کہتے ہیں کہ ہمارے [بڑے] ہمیشہ سے اسی وقت پڑھتے چلے آئے ہیں اور بعض لوگ قبل زوال کے پڑھ کر، عوام کے ساتھ بعد عصر کے پڑھتے ہیں، موجب ثواب کے ہوں گے، یا نہیں؟ اور وقت نماز کا کب سے کب تک ہے، مع سند حدیث وفقہ کے جواب تحریر کریں؛ تا کہ عوام کو سند ہوئے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

نماز عید کا وقت دو پہر تک ہے اور بعد زوال کے عید کی صلوٰۃ کا وقت نہیں رہتا۔

قال فی الهداية: وإذا زالت الشمس خرج وقتها. (الحديث)(۱)

---

(۱) الهداية: ۱۵۳/۱، باب العيدين (ط: مصطفائی، ۱۲۸۹ھ) (جب سورج ڈھل گیا [زوال ہو گیا] عید کی نماز کا وقت ختم ہو گیا۔ (ت: نور)

پس جولوگ عید کو بعد عصر پڑھتے ہیں، ہرگز واجب صلوٰۃ عید کا ان کے ذمہ سے ساقط نہیں ہوتا؛ بلکہ تارک صلوٰۃ واجب ہوکر فاسق ہوتے ہیں اور پھر بعد عصر کے نماز غیر مفروضہ کا پڑھنا بھی حرام ہے۔

لقوله عليه السلام: لاصلاة بعد العصر. (الحديث)(۱)

سواس وقت میں نماز عید پڑھنے میں، دوگناہ ان کے ذمہ پر لازم ہوئے:

ایک صلوٰۃ واجب کا اپنے وقت سے ترک کرنا۔ دوسرا بعد عصر کے نماز پڑھنا اور پھر ڈھول، باجہ اور لہو کہ یہ سب جملہ اوقات میں حرام ہیں بجانا۔ یہ تیسرا موجب فسق وفجور ان لوگوں کا ہے۔

بہر حال یہ لوگ سخت فاسق گنہگار ہیں، ایک ذرہ بھی ثواب ان کو نہیں؛ بلکہ وبال بروبال معاصی کا ان کے ذمہ پر ہوتا ہے اور رسم باپ دادا کی خلاف شرع، موجب عصیان کا ہے۔

قال الله تعالى: ﴿أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لاَيَعْقِلُوْنَ شَيْئاً وَلاَيَهْتَدُوْنَ﴾ (سورة البقرة)

پس ایسے رسوم اجداد کو کہ خلاف حکم کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہو، ترک کرنا فرض عین ہے، کسی مسلمان کو اس کا ارتکاب جائز نہیں اور ایسی حرکاتِ غیر مشروعہ سے توبہ واجب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ (مجموعہ کلاں، ص: ۲۴۰-۲۳۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۱-۲۲۲)

عیدین کے بعد بطور خاص مصافحہ کرنے کا حکم:

عیدین کے بعد مصافحہ اور معانقہ بخصوصیت کرنا بھی بدعت ہے۔ فقط

(مجموعہ کلاں، ص: ۴۲۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۲۲)

---

(۱) متفق عليه، عن أبى سعيد الخدرى رضى الله تعالىٰ عنه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاصلاة بعد الصبح حتىٰ ترتفع الشمس و لاصلاة بعد العصر حتىٰ تغيب الشمس. (رواه البخارى، باب لايتحرى الصلاة قبل غروب الشمس: ۱۰۱/۱، رقم الحديث: ۵۸٦ [الرياض: ۱٤۰٤هـ] نيز بخارى باب مذكور: ۸۲/۱-۸۳، رقم الحديث: ۵۷۸، مكتبة الإصلاح لال باغ مرادآباد، الهند، ۱٤۱۵هـ، ورواه مسلم: ۲۷۵/۱، مطبع مجتبائى دهلى: ۱۳۱۹هـ، ومسلم، ت: أبوقتيبة نظر محمد الفاريابى، رقم الحديث: ۸۲۷، ص: ۳۷۰ ج: ۱ [نیز دیکھئے: مشكاة المصابيح، ص: ۹٤. ج: ۱، كتاب الصلاة، الفصل الاول، باب أوقات النهى. [كتب خانه رشيديه دهلى: ۱۳۷۵هـ/ ۱۹۵۵م] نیز مشكوٰة، باب مذكور ج: ۱/ص: ٤۳۳، رقم الحديث: ۱۰٤۱. رمضان بن على آل عوف، [مكتبة التوبه دارابن حزم ۱٤۲۳هـ/۲۰۰۳م])

عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز نہیں ہے۔ (ت: نور)

مصافحۂ عیدین:

مصافحہ مطلقاً مسنون ہے، تخصیص کسی وقت (بتداعی) کی بدعت ہے، پس جو مصافحہ عیدین کو زیادہ مؤکد جانیں، یا کبھی نہ کریں، مگر عیدین کو ضرور کریں، یہ بدعت ہے۔ ایسا ہی جو کبھی نہ کرے، بعد وعظ کے ضرور کرے، یا وعظ کے بعد مصافحہ کو زیادہ مؤکد وموجب ثواب کا جانے، لاریب بدعت ہے، اس میں کیا کلام ہے؟(۱) فقط

(فرخ آباد، ص:۱۸) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۲۲)

تکبیرات تشریق عید کی نماز کے بعد بھی واجب ہیں:

سوال: تکبیر تشریق جو نویں ذوالحجہ کی صبح سے شروع ہوتی ہے تو دسویں تاریخ [کو] عید کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہنا واجب ہے، یا نہیں؟

الجواب

تکبیرات تشریق بعد نماز عید کے بھی واجب ہیں، تیرہویں کے عصر تک۔(۲) واللہ اعلم

(بدست خاص، ص:۹) (باقیات فتاویٰ رشیدیہ، ص:۲۲۲)

---

(۱) عن عائشة قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أحدث فى أمرنا هٰذا ماليس فيه فهورد. (صحيح البخارى، كتاب الصلح، باب اذااصطلحوا علىٰ صلح جورفالصلح مردود، رقم الحديث: ۲۶۹۷، انيس)

(۲) "فى الدرالمختار: "أوله (من فجرعرفة) وآخره (إلىٰ عصريوم العيد)... (آخرأيام التشريق وعليه الاعتماد) والعمل والفتوىٰ فى عامة الأمصاروكافة الأعصار". الدرالمختار، باب العيدين: ۶۴/۳، انيس)

وفى البحر: ينتهى بالتكبير عقب العصر من آخرأيام التشريق وهى ثلاث وعشرون صلاةً. (البحر الرائق، باب العيدين، تحت وسن بعدفجرعرفة إلىٰ ثمان مرة: الله، الخ: ۱۵۶/۲، انيس)

وفى التفسيرات الأحمدية: هو التكبيرفى أدبار الصلاة وذلك واجب علىٰ من صلىٰ بجماعة من فجر عرفة إلىٰ عصرالعيدعنده وإلىٰ عصرآخرأيام التشريق عندهما وبه يعمل، فيكون الأمرللوجوب". (تفسير الأحمدية، ص: ۹۸، تحت قوله: ﴿واذكر والله فى أيام معدودات﴾ انيس)

نمازعیدین فوت ہوجانے پر چار رکعت نفل ادا کرنا:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''جس آدمی عید کی نماز فوت ہوجائے، اس کو چار رکعت نماز (بطور نفل) ادا کرنا چاہیئے''۔(عن الشعبى قال: قال عبد اللّٰه بن مسعود: "من فاتته العيد فليصل أربعاً". (رواه الطبرانى فى الكبير، إعلاء السنن: ۱۱۹/۸، مجمع الزوائد(۲۰۸/۲) باب فيمن فاتته صلاة العيد وفيه: رجاله ثقات، وفى إعلاء السنن(۱۱۹/۸): قلت الشعبى لم يسمع من ابن مسعود رضى الله عنه ولا يكاد يرسل الا صحيحاً (كما فى تهذيب التهذيب) فهو مرسل جيد وقال الحافظ فى الفتح(۳۷۵/۲) أخرجه سعيد بن منصور باسناد صحيح. وفى منصف ابن شيبة(۲۳۵/٤) رواه بأسانيد وراجع لمزيد تحقيق والتخريج، كتاب العيدين للفريابى مع التعليقات) (ماخوذ از احکام نماز احادیث وآثار)

اردو کتب فتاویٰ

نمبر شمار	کتب فتاویٰ	مفتیانِ کرام	مطبع
(۱)	فتاویٰ عزیزی	حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	ایم ایچ سعید کمپنی ادب منزل پاکستان چوک کراچی
(۲)	فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	محمد اسحاق صدیقی اینڈ سنز، تاجران کتب، ومالکان کتب خانہ رحیمیہ، دیوبند، سہارنپور، انڈیا
(۳)	تالیفات رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	مکتبۃ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۴)	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد بن ہدایت احمد بن قاضی پیر بخش گنگوہی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندھلہ ضلع پر بدھ نگر (مظفرنگر) یوپی، انڈیا
(۵)	عزیز الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۶)	فتاویٰ دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی ابن فضل الرحمٰن عثمانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۷)	امداد الفتاویٰ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۸)	الحیلۃ الناجزۃ	حضرت مولانا محمد اشرف علی بن عبدالحق التھانوی	مکتبہ رضی دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۹)	امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی بن لطیف احمد / مولانا عبدالکریم گمتھلوی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۰)	آلات جدیدہ کے شرعی احکام	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۱)	جواہر الفقہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانی	مکتبہ تفسیر القرآن، نزد چھتہ مسجد، دیوبند، یوپی
(۱۲)	امداد المفتیین	حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندی بن محمد یاسین عثمانیؒ	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۳)	مجموعۂ فتاویٰ عبدالحئی	ابوالحسنات محمد عبدالحئی بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	مکتبہ تھانوی، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۱۴)	فتاویٰ مظاہر علوم	ابوابراہیم خلیل احمد بن مجید علی انبہٹوی محدث سہارنپوریؒ	شعبۂ نشر واشاعت مظاہر علوم سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۵)	فتاویٰ محمودیہ	حضرت مولانا مفتی محمود حسن بن حامد حسن گنگوہی	مکتبہ شیخ الاسلام دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۱۶)	فتاویٰ امارت شرعیہ	حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بن مولوی حسین بخش ودیگر مفتیان	شعبۂ نشر واشاعت امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ
(۱۷)	کفایت المفتی	حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی بن شیخ عنایت اللہ	حفیظ الرحمٰن واصف، کوہ نور پریس، دہلی، انڈیا
(۱۸)	فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب قادری ویلوری بن عبدالقادر	جامعہ باقیات صالحات، ویلور، بنگلور، انڈیا
(۱۹)	فتاویٰ احیاء العلوم	حضرت مولانا مفتی محمد یٰسین مبارک پوری بن عبدالسبحان	جامعہ احیاء العلوم، مبارکپور، یوپی، انڈیا
(۲۰)	منتخبات نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا

(۲۱) نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۲) خیر الفتاویٰ	حضرت مولانا خیر محمد جالندھری	مکتبہ الحق ماڈرن ڈیری، جوگیشوری، ممبئی ۱۰۲
(۲۳) فتاویٰ شیخ الاسلام	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی بن سید حبیب اللہ	مکتبہ شیخ الاسلام، دیوبند، یوپی، انڈیا
(۲۴) فتاویٰ حقانیہ	حضرت مولانا عبد الحق بن حاجی معروف گل پاکستانی	دکن ٹریڈرس بک سیلر اینڈ پبلیشرز، نزد واٹر ٹینک مغل پورہ، حیدرآباد
(۲۵) احسن الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی رشید احمد بن مولانا محمد سلیم پاکستانی	زکریا بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور، یوپی، انڈیا
(۲۶) فتاویٰ عثمانی	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی بن محمد شفیع دیوبندی	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۲۷) فتاویٰ قاضی	قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	ایفا پبلیکیشن، جوگابائی، نئی دہلی، انڈیا
(۲۸) فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوریؒ	مکتبہ رحیمیہ منشی اسٹریٹ راندیر، سورت گجرات
(۲۹) کتاب الفتاویٰ	مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، سہارنپور، یوپی، اندیا
(۳۰) محمود الفتاویٰ	مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب	مکتبہ نور، محمود نگر، متصل جامعہ، ڈابھیل
(۳۱) حبیب الفتاویٰ	مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب	سمیع پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، دریا گنج نئی دہلی
(۳۲) فتاویٰ فرنگی محل	حضرت مولانا محمد عبد القادر صاحب فرنگی محلی	مطبع نامی نخاس لکھنؤ، یوپی، انڈیا
(۳۳) فتاویٰ ندوۃ العلماء	حضرت مولانا مفتی محمد ظہور ندوی صاحب	مجلس صحافت ونشریات، ندوۃ العلماء مارگ، پوسٹ باکس نمبر ۹۳ لکھنؤ، انڈیا
(۳۴) فتاویٰ بینات	مفتیان جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن، پاکستان	مکتبہ بینات، جامعۃ العلوم الاسلامیۃ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی، پاکستان
(۳۵) فتاویٰ فریدیہ	مولانا مفتی محمد فرید صاحب پاکستانی	مولانا حافظ حسین احمد صدیقی نقشبندی مہتمم دار العلوم صدیقیہ زروبی ضلع صوابی، پاکستان
(۳۶) فتاویٰ مفتی محمود	مولانا مفتی محمود صاحب پاکستانی	جمعیت پبلیکیشنز وحدت روڈ، لاہور، پاکستان
(۳۷) آپ کے مسائل اور ان کا حل	حضرت مولانا محمد یوسف بن چودھری اللہ بخش لدھیانوی	مکتبہ لدھیانوی ایم اے جناح روڈ، کراچی، پاکستان
(۳۸) مرغوب الفتاویٰ	مولانا مفتی مرغوب الرحمٰن صاحب لاجپوری	جامعۃ القرأت کفلیتہ، مولانا عبد الحیٔ نگر، سورت، گجرات
(۳۹) فتاویٰ دار العلوم زکریا	مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، افریقہ	ایجوکیشنل پبلیشنگ ہاؤس، دہلی-۶، انڈیا
(۴۰) فتاویٰ شاکر خان	مولانا مفتی محمد شاکر خان صاحب پونہ، انڈیا	مدرسہ بیت العلوم کونڈوا، خردسروے نمبر ۱۴۲، شوکا میوز کے پیچھے، پونہ ۴۸، انڈیا
(۴۱) فتاویٰ ریاض العلوم	مفتیان کرام مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، گورینی، جونپور	مدرسہ عربیہ ریاض العلوم، چوکیہ گورینی، جونپور (یوپی)
(۴۲) فتاویٰ بسم اللہ	حضرت مولانا اسماعیل بن محمد بسم اللہ	جامعۃ القرءات، مولانا عبد الحیٔ نگر، کفلیتہ، سورت گجرات
(۴۳) فتاویٰ یوسفیہ	مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند

مصادر ومراجع

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿قرآن (مع تفاسیر وعلوم قرآن)﴾

(۱)	القرآن الکریم	کتاب اللہ	وحی الٰہی
(۲)	جامع البیان فی تأویل القرآن	ابوجعفر الطبری، محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی	۳۱۰ھ
(۳)	احکام القرآن	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ بن عبدالملک بن سلمۃ الازدی الحجری المصری الطحاوی	۳۲۱ھ
(۴)	احکام القرآن	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۵)	التفسیر الکبیر (مفاتیح الغیب)	أبوعبداللہ، محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین الرازی	۶۰۶ھ
(۶)	انوار التنزیل واسرار التأویل (تفسیر بیضاوی)	ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بن محمد الشیرازی البیضاوی	۶۸۵ھ
(۷)	تفسیر القرآن العظیم	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی	۷۷۴ھ
(۸)	تفسیر الجلالین	جلال الدین محمد بن احمد المحلی	۸۶۴ھ
		جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۹)	الإتقان فی علوم القرآن	جلال الدین سیوطی، عبدالرحمٰن بن ابوبکر	۹۱۱ھ
(۱۰)	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ مظہری پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۱۱)	فتح القدیر	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۲)	روح المعانی	محمود بن عبداللہ شہاب الدین ابوالثناء الحسینی الآلوسی	۱۲۷۰ھ
(۱۳)	کیف یجب علینا ان نفسر القرآن الکریم	محمد ناصر الدین الألبانی	۱۴۲۰ھ

﴿عقائد (مع شروحات)﴾

(۱۴)	فقہ اکبر	ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۱۵)	العقیدۃ الطحاویۃ	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۶)	الشریعہ	ابوبکر محمد بن الحسین بن عبداللہ الآجری البغدادی المکی	۳۶۰ھ
(۱۷)	شرح فقہ اکبر	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۸)	منح الروض الأزہر فی شرح فقہ أکبر	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۹)	مبدأ ومعاد	حضرت مجدد الف ثانی احمد فاروقی سرہندی	۱۰۳۴ھ

﴿متون واطراف واجزاء حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۰)	مسند ابو حنیفہ بروایۃ الحصکفی وابی نعیم	امام اعظم ابوحنیفہ، نعمان بن ثابت بن زوطی بن ہرمز	۱۵۰ھ
(۲۱)	جامع معمر بن راشد	ابوعروۃ البصری معمر بن أبی عمرو راشد الأزدی	۱۵۳ھ
(۲۲)	موطأ امام مالک	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الأصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۳)	کتاب الآثار بروایۃ أبی یوسف	ابو یوسف القاضی، یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن حبتۃ انصاری	۱۸۲ھ
(۲۴)	الزہد والرقائق لابن المبارک	ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن المبارک بن واضح الحنظلی الترکی ثم المروزی	۱۸۱ھ
(۲۵)	کتاب الآثار بروایۃ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۶)	موطأ امام مالک ؍موطأ امام محمد	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۲۷)	الجامع لابن وھب	ابومحمد عبداللہ بن وھب بن مسلم المصری القرشی	۱۹۷ھ
(۲۸)	مسند الشافعی بترتیب السندی السنن الماثورۃ بروایۃ المزنی	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبدالمطلب بن عبد مناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۹)	مسند ابوداؤد الطیالسی	ابوداؤد سلیمان بن داؤد بن الجارود الطیالسی البصری	۲۰۴ھ
(۳۰)	مصنف عبدالرزاق صنعانی	عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الصنعانی	۲۱۱ھ
(۳۱)	مسند الحمیدی	ابوبکر عبداللہ بن الزبیر بن عیسیٰ بن عبیداللہ القرشی الأسدی الحمیدی المکی	۲۱۹ھ
(۳۲)	الصلوٰۃ	ابونعیم الفضل بن عمرو بن حماد بن زہیر بن درہم القرشی المروف بابن دکین	۲۱۹ھ
(۳۳)	مسند ابن الجعد	علی بن الجعد بن عبید الجوھری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۴)	مصنف ابن ابی شیبہ؍مسند ابن ابی شیبہ	حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ ابراہیم بن عثمان بن خورستی	۲۳۵ھ
(۳۵)	مسند اسحاق بن راھویہ	ابویعقوب اسحاق بن ابراہیم بن محمد بن ابراہیم الحنظلی المروزی، ابن راہویہ	۲۳۸ھ
(۳۶)	مسند امام احمد	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۷)	فضائل الصحابۃ	امام احمد، ابوعبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی الذھلی	۲۴۱ھ
(۳۸)	المنتخب من مسند عبد بن حمید	ابومحمد عبدالحمید بن نصر الکسی	۲۴۹ھ
(۳۹)	صحیح البخاری	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۴۰)	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ الجعفی البخاری	۲۵۶ھ
(۴۱)	صحیح مسلم	ابوالحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری بن دردین النیشا فوری	۲۶۱ھ
(۴۲)	أخبار مكة فی قدیم الدهر وحدیثه	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن العباس المکی الفاکھی	۲۷۲ھ
(۴۳)	سنن ابن ماجہ	حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ الربعی القزوینی، ابن ماجہ	۲۷۳ھ
(۴۴)	سنن ابوداؤد، مراسیل ابوداؤد	ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو الازدی السجستانی	۲۷۵ھ
(۴۵)	سنن الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۶)	شمائل الترمذی	ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی	۲۷۹ھ
(۴۷)	مسند الحارث	ابومحمد الحارث بن محمد بن داہر التمیمی البغدادی الخطیب المعروف بابن ابی اسامہ	۲۸۲ھ
(۴۸)	البدع	ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیع المروانی القرطبی	۲۸۶ھ
(۴۹)	الآحاد والمثانی	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۰)	السنة	ابوبکر بن أبی عاصم، احمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی	۲۸۷ھ
(۵۱)	البحر الزخار المعروف بمسند البزار	ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق بن خلاد بن عبیداللہ العتکی، البزار	۲۹۲ھ
(۵۲)	تعظیم قدر الصلاۃ	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۳)	مختصر قیام اللیل وقیام رمضان وکتاب الوتر	ابوعبداللہ محمد بن نصر بن الحجاج المروزی	۲۹۴ھ
(۵۴)	القدر	ابوبکر جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض الفریابی	۳۰۱ھ
(۵۵)	سنن النسائی	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۶)	عمل الیوم واللیلة	احمد بن شعیب بن علی بن سنان النسائی	۳۰۳ھ
(۵۷)	المسند	حافظ ابویعلی احمد بن علی الموصلی	۳۰۷ھ
(۵۸)	المنتقی	ابن الجارود ابومحمد عبداللہ بن علی النیشاپوری	۳۰۷ھ
(۵۹)	مسند الرویانی	ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ
(۶۰)	الکنی والأسماء	ابوبشر محمد بن احمد بن حماد بن سعید بن مسلم الانصاری الدولابی الرازی	۳۱۰ھ
(۶۱)	صحیح ابن خزیمة	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۲)	التوحید	محمد بن اسحق بن المغیرۃ بن صالح بن بکر السلمی النیسافوری الشافعی	۳۱۱ھ
(۶۳)	السنة لابن ابی بکر بن الخلال	ابوبکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی	۳۱۱ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۶۴)	مسند السراج/حدیث السراج	ابوالعباس محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن مہران الخراسانی النیسابوری	۳۱۳ھ
(۶۵)	مستخرج ابوعوانہ	ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم النیسابوری الاسفرائنی	۳۱۶ھ
(۶۶)	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۷)	شرح مشکل الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۶۸)	مکارم الأخلاق/مساوی ءالاخلاق	ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل بن شاکر الخرائطی السامری	۳۲۷ھ
(۶۹)	مسند الشاشی	ابوسعید الہیثم بن کلیب بن سریج بن معقل الشاشی البنکثی	۳۳۵ھ
(۷۰)	معجم ابن الأعرابی	ابوسعید بن الأعرابی احمد بن محمد بن زیاد بن بشر بن درهم البصری الصوفی	۳۴۰ھ
(۷۱)	صحیح ابن حبان	ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ التمیمی الدارمی البستی	۳۵۴ھ
(۷۲)	المعجم الأوسط/المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۳)	الدعاء	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۴)	مسند الشامیین	سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطر ابوالقاسم الطبرانی	۳۶۰ھ
(۷۵)	عمل الیوم واللیلۃ	ابن السنی، احمد بن محمد بن اسحاق بن ابراہیم بن اسباط بن عبداللہ	۳۶۴ھ
(۷۶)	سنن الدارقطنی	ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود البغدادی الدارقطنی	۳۸۵ھ
(۷۷)	الترغیب فی فضائل الاعمال وثواب ذلک	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۸)	شرح مذاهب أهل السنۃ	ابن شاہین، ابوحفص عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن محمد بن ایوب بن ازداد البغدادی	۳۸۵ھ
(۷۹)	الإبانۃ الکبریٰ	ابوعبداللہ عبیداللہ بن محمد بن محمد بن حمدان العکبری المعروف بابن بطۃ	۳۸۷ھ
(۸۰)	معالم السنن	ابوسلیمان حمد بن محمد بن ابراہیم بن الخطاب البستی المعروف بالخطابی	۳۸۸ھ
(۸۱)	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ بن حمدویہ الحاکم النیسافوری	۴۰۵ھ
(۸۲)	الإیمان	ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن محمد بن یحی بن مندہ العبدی	۳۹۵ھ
(۸۳)	شرح أصول اعتقاد أهل السنۃ والجماعۃ	ابوالقاسم هبۃ اللہ بن الحسن بن منصور الطبری الرازی اللالکائی	۴۱۸ھ
(۸۴)	حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۵)	المسند المستخرج علی صحیح مسلم	ابونعیم احمد بن عبداللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصفہانی	۴۳۰ھ
(۸۶)	امالی	ابوالقاسم عبدالملک بن محمد بن عبداللہ بن بشران بن محمد بن بشران بن مهران البغدادی	۴۳۰ھ
(۸۷)	مسند الشہاب	ابوعبداللہ محمد بن سلامۃ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی المصری	۴۵۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۸۸)	السنن الکبریٰ/السنن الصغیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۸۹)	شعب الإیمان	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۰)	معرفۃ السنن والآثار	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۱)	الدعوات الکبیر	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۲)	المدخل إلی السنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن الحسین بن علی بن موسیٰ الخراسانی البیہقی	۴۵۸ھ
(۹۳)	جامع بیان العلم وفضلہ	ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر بن عاصم النمری القرطبی	۴۶۳ھ
(۹۴)	تفسیر غریب ما فی الصحیحین	محمد بن فتوح بن عبداللہ بن فتوح بن حمید الازدی المیورقی الحمیدی	۴۸۸
(۹۵)	الفردوس بمأثور الخطاب	ابوشجاع، شیرویہ بن شھردار بن شیرویہ بن فناخسرو الدیلمی الہمدانی	۵۰۹ھ
(۹۶)	شرح السنۃ	محی الدین ابومحمد الحسین بن مسعود بن محمد بن الفراء البغوی الشافعی	۵۱۶ھ
(۹۷)	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بہرام التمیمی السمرقندی الدارمی	۵۵۲ھ
(۹۸)	المعجم	ابوالقاسم، علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ المعروف بابن عساکر	۵۷۱ھ
(۹۹)	کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال	علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی	۵۷۹ھ
(۱۰۰)	جامع الأصول فی أحادیث الرسول	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری ابن الاثیر	۶۰۶ھ
(۱۰۱)	مشکوٰۃ المصابیح	ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی	۷۲۰ھ
(۱۰۲)	منہاج السنۃ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبدالحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۱۰۳)	الجوھر النقی	علاء الدین علی بن عثمان بن ابراہیم بن مصطفیٰ الماردینی ابن الترکمانی	۷۵۰
(۱۰۴)	جامع المسانید والسنن الھادی لأقوم السنن	ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی	۷۷۴ھ
(۱۰۵)	نصب الرایۃ فی تخریج أحادیث الھدایۃ	جمال الدین ابومحمد عبداللہ بن یوسف بن محمد الزیلعی	۷۶۲ھ
(۱۰۶)	البدر المنیر /مختصر تلخیص الذھبی	ابن الملقن سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری	۸۰۴ھ
(۱۰۷)	تخریج أحادیث إحیاء علوم الدین	عبدالرحیم بن الحسین بن عبدالرحمٰن الحافظ العراقی	۸۰۶ھ
		تاج الدین ابونصر عبدالوھاب ابن تقی الدین السبکی	۷۷۱ھ
		السید محمد مرتضی الزبیدی	۱۲۰۵ھ
(۱۰۸)	مجمع الزوائد ومنبع الفوائد	نورالدین محمد بن ابوبکر بن سلیمان الہیثمی	۸۰۷ھ
(۱۰۹)	موارد الظمآن إلی زوائد ابن حبان	ابوالحسن نورالدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی	۸۰۷ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۰)	الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۱)	التلخیص الحبیر	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۱۲)	المقاصد الحسنۃ	محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی	۹۰۲ھ
(۱۱۳)	الجامع الصغیر / الفتح الکبیر	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۴)	تنویر الحوالک شرح موطأ الامام مالک	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۱۵)	جمع الفوائد من جامع الأصول ومجمع الزوائد	العلامۃ محمد بن محمد سلیمان المغربی	۱۰۹۴ھ
(۱۱۶)	آثار السنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۱۷)	اعلاء السنن	مولانا ظفر احمد بن محمد لطیف عثمانی تھانوی	۱۳۹۴ھ

﴿شروح وعلل حدیث﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۱۸)	شرح صحیح البخاری	ابن بطال ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک	۴۴۹ھ
(۱۱۹)	النووی شرح مسلم	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۱۲۰)	احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام	تقی الدین ابوالفتح الشہیر بابن دقیق العید	۷۰۲ھ
(۱۲۱)	المفاتیح شرح المصابیح	الحسین بن محمد بن الحسن مظہر الدین الزیدانی الکوفی الضریر الشیرازی الحنفی	۷۲۷ھ
(۱۲۲)	الکاشف عن حقائق السنن شرح الطیبی	شرف الدین حسین بن عبداللہ بن محمد الحسن الطیبی	۷۴۳ھ
(۱۲۳)	فتح الباری	زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن السلامی البغدادی ثم الدمشقی الحنبلی	۷۹۵ھ
(۱۲۴)	المحلی شرح الموطأ	ابوعبداللہ محمد بن سلیمان بن خلیفہ المالکی	
(۱۲۵)	فتح الباری شرح صحیح البخاری	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۶)	تقریب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
	تہذیب التہذیب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۲۷)	شرح المصابیح	محمد بن عزالدین عبداللطیف بن عبدالعزیز بن امین الدین بن فرشتا الرومی الکرمانی الحنفی المشہور بابن ملک	۸۵۴ھ
(۱۲۸)	عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۲۹)	شرح سنن أبی داؤد	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۱۳۰)	قوت المغتذی شرح جامع الترمذی	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۳۱)	الآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۲)	مصباح الزجاجۃ شرح سنن ابن ماجۃ	جلال الدین ابوالفضل عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۱۳۳)	ارشادالساری شرح البخاری	احمد بن محمد بن ابوبکر بن عبدالملک القسطلانی المصری	۹۲۳ھ
(۱۳۴)	مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۵)	جمع الوسائل فی شرح الشمائل	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ
(۱۳۶)	فیض القدیر شرح الجامع الصغیر	زین الدین محمد عبدالرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین المناوی	۱۰۳۱ھ
(۱۳۷)	اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا عبدالحق محدث دہلوی (عبدالحق بن سیف الدین بن سعداللہ البخاری الدہلوی الحنفی)	۱۰۵۲ھ
(۱۳۸)	حاشیۃ السندی علی سنن ابن ماجۃ	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۳۹)	شرح مسندالشافعی	ابوالحسن نورالدین السندی محمد بن عبدالھادی التتوی	۱۱۳۸ھ
(۱۴۰)	کشف الخفاء	اسماعیل بن محمد بن عبدالہادی بن عبدالغنی العجلونی الدمشقی الشافعی	۱۱۶۲ھ
(۱۴۱)	سبل السلام شرح بلوغ المرام	محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسن امیر یمانی	۱۱۸۲ھ
(۱۴۲)	نیل الأوطار	محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ الشوکانی	۱۲۵۰ھ
(۱۴۳)	مظاہرحق	نواب قطب الدین دہلوی	۱۲۸۹ھ
(۱۴۴)	بذل المجھود فی حل أبی داؤد	المحدث خلیل احمد السہارنفوری	۱۲۹۷ھ
(۱۴۵)	التعلیق المجد علی موطا الإمام محمد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۶)	حاشیۃ السنن لأبی داؤد	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۷)	حاشیہ حصن حصین	ابوالحسنات محمد عبدالحئ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۱۴۸)	عون الباری لحل أدلۃ البخاری	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ
(۱۴۹)	التعلیق الحسن علی آثارالسنن	محمد بن علی الشہیر بظہیر احسن النیموی البہاری الحنفی	۱۳۲۲ھ
(۱۵۰)	لامع الدراری علی صحیح البخاری	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۱)	الکوکب الدری علی جامع الترمذی	حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۱۵۲)	عون المعبود فی شرح سنن أبی داؤد	ابوالطیب محمد شمس الحق بن أمیر علی بن مقصود علی الصدیقی العظیم آبادی	۱۳۲۹ھ
(۱۵۳)	المنھل العذب المورود شرح أبی داؤد	محمود محمد خطاب السبکی	۱۳۵۲ھ
(۱۵۴)	العرف الشذی شرح سنن الترمذی	علامۃ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۵۵)	فیض الباری شرح البخاری	علامہ محمد انور شاہ بن معظم شاہ حسینی کشمیری	۱۳۵۲ھ
(۱۵۶)	تحفۃ الأحوذی شرح سنن الترمذی	ابوالعلی عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ
(۱۵۷)	فتح الملہم	مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ
(۱۵۸)	التعلیق الصبیح علیٰ مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس کاندھلوی	۱۳۹۴ھ
(۱۵۹)	معارف السنن شرح جامع الترمذی	مولانا محمد یوسف بن سید زکریا حسینی بنوری	۱۳۹۷ھ
(۱۶۰)	أوجز المسالک إلی موطا امام مالک	مولانا محمد زکریا بن محمد یحییٰ کاندھلوی	۱۴۰۲ھ
(۱۶۱)	مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ابوالحسن عبیداللہ بن محمد عبدالسلام بن خاں محمد بن امان اللہ بن حسام الدین رحمانی مبارکپوری	۱۴۱۴ھ
(۱۶۲)	سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ	محمد ناصر الدین الالبانی	۱۴۲۰ھ
(۱۶۳)	منار القاری شرح مختصر صحیح البخاری	حمزہ بن محمد قاسم	۱۴۳۱ھ
(۱۶۴)	منہاج السنن شرح سنن الترمذی	مولانا مفتی محمد فرید زرویوی	۱۴۳۲ھ

سیرت وشمائل

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۵)	زاد المعاد فی ہدیۃ خیر الانام	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۱۶۶)	سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر الانام	محمد بن یوسف الصلاحی الشامی	۹۴۲ھ
(۱۶۷)	لمواہب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۱۶۸)	شرح المواہب اللدنیۃ	العلامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی	۱۱۲۲ھ

کتب فقہ احناف

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۶۹)	الحجۃ علی اہل المدینۃ	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۰)	کتاب الأصل	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۱)	الجامع الصغیر	ابوعبداللہ محمد بن الحسن بن فرقد الشیبانی	۱۸۹ھ
(۱۷۲)	مختصر الطحاوی	ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامۃ الطحاوی	۳۲۱ھ
(۱۷۳)	شرح مختصر الطحاوی	ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی	۳۷۰ھ
(۱۷۴)	عیون المسائل	ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی	۳۷۳ھ
(۱۷۵)	مختصر القدوری	محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان القدوری	۴۲۸ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف،مؤلف	سن وفات
(۱۷۶)	النتف فی الفتاوی	ابوالحسن علی بن الحسین بن محمد السغدی الحنفی	۴۶۱ھ
(۱۷۷)	المبسوط	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۸)	شرح السیر الکبیر	شمس الائمہ ابوبکر محمد بن احمد بن سہل السرخسی	۴۸۳ھ
(۱۷۹)	تحفۃ الفقہاء	علاء الدین محمد بن احمد بن ابواحمد السمرقندی الحنفی	۵۳۹ھ
(۱۸۰)	خلاصۃ الفتاویٰ رمجموع الفتاویٰ	طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری	۵۴۲ھ
(۱۸۱)	المحیط البرھانی فی الفقہ النعمانی	ابوالمعالی محمود بن احمد بن عبدالعزیز بن مازہ البخاری	۵۷۰ھ
(۱۸۲)	بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع	علامہ علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی	۵۸۷ھ
(۱۸۳)	فتاویٰ قاضی خان	محمود اوزجندی قاضی خان حسن بن منصور	۵۹۲ھ
(۱۸۴)	بدایۃ المبتدی وشرحہ الہدایۃ	برہان الدین ابوالحسن علی بن ابوبکر المرغینانی	۵۹۳ھ
(۱۸۵)	قنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۶)	المجتبی شرح مختصر القدروی	ابوالرجاء مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الغزمینی	۶۵۸ھ
(۱۸۷)	تحفۃ الملوک	زین الدین ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر الحنفی الرازی	۶۶۶ھ
(۱۸۸)	مجمع البرکات	ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ھاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین الحنفی الدہلوی	۶۶۷ھ
(۱۸۹)	الوقایۃ (وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ محمود بن عبداللہ بن ابراہیم المحبوبی الحنفی	۶۷۳ھ
(۱۹۰)	الاختیار لتعلیل المختار	عبداللہ بن محمود بن مودود بن محمود ابوالفضل مجدالدین الموصلی	۶۸۳ھ
(۱۹۱)	الفتاویٰ الغیاثیۃ	شیخ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی	۶۸۶ھ کے بعد
(۱۹۲)	مجمع البحرین وملتقی النیرین	مظفرالدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بابن الساعاتی البعلبکی	۶۹۴ھ
(۱۹۳)	منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی	سدیدالدین محمد بن محمد بن الرشید بن علی الکاشغری	۷۰۵ھ
(۱۹۴)	کنزالدقائق	حافظ الدین ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی	۷۱۰،۷۰۱ھ
(۱۹۵)	تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق	فخرالدین عثمان بن علی بن محجن الزیلعی	۷۴۳ھ
(۱۹۶)	شرح مختصر الوقایۃ (شرح وقایۃ الروایۃ)	صدرالشریعہ الصغیر،عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۷)	النقایۃ مختصر الوقایۃ	صدرالشریعہ الصغیر،عبیداللہ بن مسعود بن محمود بن احمد المحبوبی الحنفی	۷۴۷ھ
(۱۹۸)	الکفایۃ شرح الہدایۃ (متداولہ)	جلال الدین بن شمس الدین الخوارزمی الکرمانی	۷۶۷ھ

نمبرشمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۱۹۹)	النہایۃ شرح الہدایۃ	حسام الدین حسن بن علی بن حجاج السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۰۰)	جامع المضمرات شرح مختصر القدوری	یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی الکادوری نبیرہ شیخ عمر بزار	۸۳۲ھ
(۲۰۱)	شرح العنایۃ علی الہدایۃ	اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود البابرتی	۷۸۶ھ
(۲۰۲)	الفتاویٰ التاتارخانیۃ	علامہ عالم بن العلاء الأنصاری الدہلوی	۷۸۶ھ
(۲۰۳)	السراج الوہاج فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۴)	الجوہرۃ النیرۃ فی شرح مختصر القدوری	ابوبکر بن علی بن محمد الحدادی العبادی	۸۰۰ھ
(۲۰۵)	شرح مجمع البحرین علی ہامش المجمع	ابن الملک، عبداللطیف بن عبدالعزیز	۸۰۱ھ
(۲۰۶)	الفتاویٰ البزازیۃ	محمد بن محمد بن شہاب بن یوسف الکردری الخوارزمی المعروف بابن بزازی	۸۲۷ھ
(۲۰۷)	معین الحکام	ابوالحسن علاء الدین علی بن خلیل الطرابلسی الحنفی	۸۴۴ھ
(۲۰۸)	البنایۃ شرح الہدایۃ	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۰۹)	منحۃ السلوک فی شرح تحفۃ الملوک	بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد بن موسیٰ بن احمد بن حسین العینی	۸۵۵ھ
(۲۱۰)	فتح القدیر علی الہدایۃ	ابن ہمام کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید الحنفی	۸۶۱ھ
(۲۱۱)	کتاب التصحیح والترجیح علی مختصر القدوری	ابوالعدل زین الدین قاسم بن قطلو بغا الحنفی	۸۷۹ھ
(۲۱۲)	درر الحکام شرح غرر الأحکام	ملاخسرو، محمد بن فرامرز بن علی	۸۸۵ھ
(۲۱۳)	شرح النقایۃ	ابوالمکارم عبدالعلی بن محمد بن حسین البرجندی	۹۳۲ھ
(۲۱۴)	حاشیۃ علی العنایۃ شرح الہدایۃ	سعداللہ بن عیسیٰ بن امیرخان الرومی الحنفی الشہیر بسعدی چلپی وبسعدی آفندی	۹۴۵ھ
(۲۱۵)	ملتقی الأبحر	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۶)	الصغیری/الکبیری شرح منیۃ المصلی	ابراہیم بن محمد بن ابراہیم چلپی حنفی المعروف بالحلبی الکبیر	۹۵۶ھ
(۲۱۷)	جامع الرموز شرح مختصر الوقایۃ المسمیٰ بالنقایۃ	شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی	۹۶۲ھ
(۲۱۸)	البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق	ابن نجیم زین العابدین بن ابراہیم المصری الحنفی	۹۷۰ھ
(۲۱۹)	الفتاویٰ الحامدیۃ	حامد بن محمد آفندی القونوی العمادی المفتی بالروم	۹۸۵ھ
(۲۲۰)	تنویر الأبصار وجامع البحار	شمس الدین محمد بن عبداللہ بن احمد بن تمرتاش الغزی الحنفی الخطیب التمرتاشی	۱۰۰۴ھ
(۲۲۱)	النہر الفائق شرح کنز الدقائق	علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفی	۱۰۰۵ھ
(۲۲۲)	شرح النقایۃ فی مسائل الہدایۃ	نورالدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملاعلی قاری	۱۰۱۴ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۲۳)	رمز الحقائق شرح کنز الدقائق	نور الدین علی بن سلطان محمد الہروی القاری، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
(۲۲۴)	حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	شہاب الدین احمد بن محمد بن احمد بن یونس بن اسماعیل بن یونس الشلبی	۱۰۲۱ھ
(۲۲۵)	سکب الأنہر علی فرائض مجمع الانہر	علاء الدین علی بن محمد الطرابلسی بن ناصر الدین الحنفی	۱۰۳۲ھ
(۲۲۶)	نور الایضاح ونجاۃ الارواح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۷)	امداد الفتاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۸)	مراقی الفلاح شرح نور الایضاح	ابو الاخلاص حسن بن عمار بن علی الشرنبلالی	۱۰۶۹ھ
(۲۲۹)	مجمع الأنہر فی شرح ملتقی الأبحر	عبد الرحمٰن بن شیخ محمد بن سلیمان الکلیبولی المدعو بشیخی زادہ، المعروف بداماد آفندی	۱۰۷۸ھ
(۲۳۰)	الفتاویٰ الخیریۃ لنفع البریۃ	خیر الدین بن احمد بن نور الدین علی ایوبی علیمی فاروقی الرملی	۱۰۸۱ھ
(۲۳۱)	الدر المختار شرح تنویر الأبصار	محمد بن علی بن محمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن حسن الحصنی المعروف بالعلاء الحصکفی	۱۰۸۸ھ
(۲۳۲)	الفتاویٰ الھندیۃ (عالمگیریہ)	شیخ نظام الدین برہان پوری گجراتی (وجماعۃ من اعلام فقہاء الھند)	۱۱۶۱ھ
(۲۳۳)	حاشیۃ الطحطاوی علیٰ مراقی الفلاح	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۴)	حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار	علامہ السید احمد بن محمد الطحطاوی	۱۲۲۱ھ
(۲۳۵)	اسعاف المولی القدیر شرح زاد الفقیر	احمد بن ابراہیم تونسی دقدویسی مصری	۱۱۲۲ھ کے بعد
(۲۳۶)	مالابد منہ (فارسی)	قاضی ثناء اللہ الاموی العثمانی الہندی پانی پتی	۱۲۲۵ھ
(۲۳۷)	رد المحتار حاشیۃ الدر المختار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۸)	العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۳۹)	مجموعہ رسائل ابن عابدین	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۰)	منحۃ الخالق حاشیۃ البحر الرائق	علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۲۴۱)	مأۃ مسائل	ابو سلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۲)	رسالہ الاربعین	ابو سلیمان اسحاق بن محمد افضل بن احمد بن محمد بن اسماعیل بن منصور بن احمد بن محمد بن قوام الدین العمری الدھلوی (مولانا محمد اسحاق دہلوی)	۱۲۶۲ھ
(۲۴۳)	غایۃ الاوطار	مترجم اول: مولانا خرم علی ملہوری	۱۲۷۱ھ
	ترجمہ اردو الدر المختار	مترجم دوم: مولانا محمد احسن صدیقی نانوتوی	--

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۴۴)	التحریر المختار حاشیۃ رد المحتار	عبد القادر الرافعی الفاروقی	۱۲۸۳ھ
(۲۴۵)	مفتاح الجنۃ	کرامت علی بن ابو ابراہیم شیخ امام بخش بن شیخ جار اللہ جونپوری	۱۲۹۰ھ
(۲۴۶)	اللباب فی شرح الکتاب (القدوری)	عبد الغنی بن طالب بن حمادۃ بن ابراہیم الغنیمی الدمشقی المیدانی الحنفی	۱۲۹۸ھ
(۲۴۷)	النافع الکبیر شرح الجامع الصغیر	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۸)	السعایۃ فی کشف ما فی شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۴۹)	عمدۃ الرعایۃ فی حل شرح الوقایۃ	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۰)	حاشیہ علی الہدایہ	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۱)	نفع المفتی والسائل بجمع متفرقات المسائل	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۲)	مجموعۃ الفتاویٰ	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۳)	مجموعۃ رسائل اللکنوی	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۴)	تحفۃ النبلاء فی جماعۃ النساء	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۵)	تحفۃ الاخیار	ابو الحسنات محمد عبد الحئی بن حافظ محمد عبد الحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۲۵۶)	علم الفقہ	عبد الشکور بن ناظر علی فاروقی لکھنوی	--
(۲۵۷)	القطوف الدانیۃ فی تحقیق الجماعۃ الثانیۃ	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۸)	رسالہ تراویح	مولانا رشید احمد بن مولانا ہدایت احمد انصاری گنگوہی	۱۳۲۲ھ
(۲۵۹)	رسائل الارکان	عبد العلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۲۶۰)	مجلۃ الاحکام العدلیۃ	لجنۃ مکونۃ من عدۃ علماء وفقہاء فی الخلافۃ العثمانیۃ	--
(۲۶۱)	الآثار الحمیدیۃ شرح مجلۃ الاحکام العدلیۃ	عبد اللطیف بن حسین الغزی	۱۳۴۰ھ
(۲۶۲)	بہشتی گوہر، بہشتی زیور	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۳)	کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۴)	تصحیح الاغلاط	مولانا محمد اشرف علی بن عبد الحق التھانوی	۱۳۶۲ھ
(۲۶۵)	رکعات تراویح	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی	۱۴۱۳ھ
(۲۶۶)	نماز مسنون کلاں	مولانا عبد الحمید سواتی	۱۴۲۹ھ
(۲۶۷)	کتاب المسائل	مفتی سید سلمان منصوپوری	مدظلہ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات

﴿دیگر مسالک کی کتب فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۶۸)	المدونہ	امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن عامر الاصبحی المدنی	۱۷۹ھ
(۲۶۹)	کتاب الام	امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف الشافعی القرشی المکی	۲۰۴ھ
(۲۷۰)	المحلی بالآثار	ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی القرطبی الظاہری	۴۵۶ھ
(۲۷۱)	نھایۃ المطلب فی درایۃ المذہب	امام الحرمین ابوالمعالی عبد الملک بن عبداللہ بن یوسف بن محمد الجوینی	۴۷۸ھ
(۲۷۲)	بحر المذہب	ابوالمحاسن عبد الواحد بن اسماعیل الرویانی	۵۰۲ھ
(۲۷۳)	المغنی	ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامۃ المقدسی	۶۲۰ھ
(۲۷۴)	المجموع شرح المہذب	محی الدین ابوزکریا یحيٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۵)	فتاویٰ النووی	محی الدین ابوزکریا یحيٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۷۶)	المقنع / الشرح الکبیر علی المقنع	شمس الدین ابوالفرج عبد الرحمٰن بن محمد بن احمد بن قدامۃ المقدسی	۶۸۲ھ
(۲۷۷)	الفتاویٰ الکبریٰ	تقی الدین ابوالعباس احمد بن عبد الحلیم بن تیمیہ الجرانی الحنبلی الدمشقی	۷۲۸ھ
(۲۷۸)	المدخل	ابوعبداللہ محمد بن محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج	۷۳۷ھ
(۲۷۹)	شرح العباب	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۰)	الفتاویٰ الکبریٰ	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ
(۲۸۱)	کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ	عبد الوہاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابوالشیخ موسی الشعرانی الحنفی	۹۷۳ھ
(۲۸۲)	المبدع شرح المقنع	ابواسحاق، برہان الدین، ابراہیم بن محمد عبداللہ بن محمد بن مفلح	۸۸۲ھ
(۲۸۳)	الحاوی للفتاویٰ	جلال الدین ابوالفضل عبد الرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن ابوبکر بن عثمان السیوطی	۹۱۱ھ
(۲۸۴)	المیزان الکبریٰ	ابوالمواھب عبد الوھاب بن احمد بن علی بن احمد بن علی بن زوفا بن ابی الشیخ الشعرانی	۹۷۳ھ
(۲۸۵)	فتح المعین بشرح قرۃ العین	زین الدین احمد بن عبد العزیز بن زین الدین بن علی بن احمد الملیباری الہندی	۹۸۷ھ
(۲۸۶)	ہدایۃ السائل / الانتقاد الرجیع / بدور الاہلہ	نواب صدیق حسن خاں (محمد صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی قنوجی)	۱۳۰۷ھ

﴿فقہ مقارن﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۷)	بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام	ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر الکنانی العسقلانی	۸۵۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۸۸)	الفقہ الاسلامی وادلتہ	ڈاکٹر وہبہ بن مصطفیٰ زحیلی	۲۰۱۵ء
(۲۸۹)	الموسوعۃ الفقہیۃ	مرتبہ وزارت اوقاف کویت	--

﴿اصول فقہ﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۲۹۰)	اصول البزدوی	فخر الاسلام علی بن محمد البزدوی	۴۲۲ھ
(۲۹۱)	اصول السرخسی	محمد بن احمد بن ابوسہل شمس الائمہ السرخسی	۴۸۳ھ
(۲۹۲)	آداب المفتی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ
(۲۹۳)	المنار	حافظ الدین النسفی	۷۱۰ھ
(۲۹۴)	الکافی شرح البزدوی	الحسین بن علی بن حجاج بن علی حسام الدین السغناقی	۷۱۱ھ
(۲۹۵)	کشف الاسرار شرح اصول البزدوی	عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری الحنفی	۷۳۰ھ
(۲۹۶)	الأشباہ والنظائر	زین الدین بن ابراہیم بن محمد، ابن نجیم المصری	۹۷۰ھ
(۲۹۷)	غمز عیون البصائر فی شرح الاشباہ والنظائر	احمد بن محمد المکی ابوالعباس شہاب الدین الحسینی الحموی الحنفی	۱۰۹۸ھ
(۲۹۸)	نور الانوار فی شرح المنار	ملاجیون حنفی، احمد بن ابوسعید	۱۱۳۰ھ
(۲۹۹)	شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین الشامی	۱۲۵۲ھ
(۳۰۰)	تنویر المنار (فارسی)	عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد انصاری لکھنوی	۱۳۳۵ھ
(۳۰۱)	عمدۃ الفقہ	سید زوار حسین شاہ	۱۴۰۰ھ
(۳۰۲)	فقہ السنۃ	مولانا محمد عاصم صاحب	--

﴿تزکیہ واحسان﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۳)	ادب الدنیا والدین	ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن حبیب البصری البغدادی الماوردی	۴۵۰ھ
(۳۰۴)	احیاء علوم الدین	ابوحامد محمد بن محمد الغزالی الطّوسی	۵۰۵ھ
(۳۰۵)	غنیۃ لطالبین	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۶)	الفتح الربانی	قطب ربانی محبوب سبحانی عبدالقادر بن أبی صالح الجیلی	۵۶۱ھ
(۳۰۷)	الترغیب والترہیب	ابومحمد زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری الشامی الشافعی	۶۵۶ھ
(۳۰۸)	الأذکار للنووی	محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی الدمشقی	۶۷۶ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۰۹)	الکبائر	شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قائماز ذہبی	۷۴۸ھ
(۳۱۰)	الزواجر عن اِقتراف الکبائر	شہاب الدین شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیثمی السعدی الانصاری	۹۷۴ھ
(۳۱۱)	دلیل الواعظ اِلیٰ اُدلۃ المواعظ	شحاتۃ محمد صقر	--

﴿لغات، معاجم، ادب وتاریخ، طبقات وتراجم﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۱۲)	الطبقات الکبریٰ لابن سعد	ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع الھاشمی البصری البغدادی	۲۳۰ھ
(۳۱۳)	المتفق والمفترق	ابوبکر احمد بن علی بن ثابت الخطیب البغدادی	۴۶۳ھ
(۳۱۴)	النہایۃ فی غریب الحدیث والأثر	مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد بن محمد بن محمد بن عبدالکریم الشیبانی الجزری	۶۰۶
(۳۱۵)	مجمع البحار فی لغۃ الاحادیث والآثار	علامہ محمد طاہر بن علی صدیقی پٹنی	۹۸۶ھ
(۳۱۶)	التعریفات الفقھیة	محمد عمیم الاحسان المجددی البرکتی	۱۳۹۵ھ
(۳۱۷)	قاموس الفقہ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	مدظلہ
(۳۱۸)	معجم لغۃ الفقہاء	محمد رواس قلعہ جی/حامد صادق قنیبی	مدظلہ
(۳۱۹)	فیروز اللغات	الحاج مولوی فیروز الدینؒ	--

﴿متفرقات﴾

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۲۰)	ماثبت من السنۃ	عبدالحق مسکین بن سیف الدین بن سعداللہ دہلوی	۱۰۵۲ھ
(۳۲۱)	حجۃ اللہ البالغۃ	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۲)	ازالۃ الخفاء	شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم ابوعبدالعزیز وابوعبداللہ	۱۱۷۶ھ
(۳۲۳)	عجالۂ نافعہ	شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۲۳۹ھ
(۳۲۴)	فیوض قاسمی	حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی	۱۲۹۷ھ
(۳۲۵)	رسالہ ردع الإخوان عن محدثات آخر جمعۃ رمضان	ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ بن حافظ محمد عبدالحلیم بن محمد امین لکھنوی	۱۳۰۴ھ
(۳۲۶)	رسالہ اوثق العریٰ	مولانا رشید احمد گنگوہی	۱۳۲۳ھ
(۳۲۷)	رسالہ احسن القریٰ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۲۸)	ایضاح الادلۃ	شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب	۱۳۳۹ھ
(۳۲۹)	دین کی باتیں	حضرت مولانا اشرف علی تھانوی	۱۳۶۲ھ

نمبر شمار	اسمائے کتب	مصنف، مؤلف	سن وفات
(۳۳۰)	رسالہ دلیل الخیرات فی ترک المنکرات	مفتی کفایت اللہ دہلوی	۱۳۷۲ھ
(۳۳۱)	اوزان شرعیہ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی	۱۳۹۶ھ
(۳۳۲)	آئینۂ نماز	مولانا عاشق الٰہی صاحب بلند شہری	۱۹۹۹ء
(۳۳۳)	آسان فقہ	محمد یوسف صاحب اصلاحی	--
(۳۳۴)	مسائل سجدۂ سہو	مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی	مدظلہ
(۳۳۵)	رسالہ رکن دین اردو	مولوی رکن الدین الوری	--

☆☆☆

نوٹ: ’’فتاویٰ علماء ہند، جلد-۱۵‘‘ کے متن وحاشیہ میں ان کتابوں سے استفادہ ہوا ہے اور متعلقہ جگہ طباعت کی تفصیلات درج ہیں۔ (انیس الرحمٰن قاسمی/محمد اسامہ ندوی)